حالاتِ انبیاء و ائمہؑ

مع

تنقید و تبصرہ

مُصنّفہ

حضرت ادیبِ اعظم مولانا سیّد ظفر حسن صاحب قبلہ

ناشِر:- شمیم بکڈپو ناظم آباد ۲ کراچی ۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب مستطاب

حالاتِ انبیا و ائمہؑ

مع

تنقید و تبصرہ

حضرت آدمؑ سے لیکر خاتم الانبیا تک
حضرت علیؑ سے لے کر حضرت حجتؑ تک

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم مولانا ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

ناشر

شمیم بک ڈپو۔ ظفر منزل ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸

بار اول

مطبوعہ انٹرنیشنل پریس کراچی
۱۹۷۳ء

قیمت دس روپیہ

فہرست

نمبر	عنوان	صفحہ
۱	حضرت آدم علیہ السلام	۵
۲	حضرت ادریس علیہ السلام	۱۳
۳	حضرت نوح علیہ السلام	۱۴
۴	حضرت ہود علیہ السلام	۱۷
۵	شداد کا بہشت	۱۸
۶	حضرت صالح علیہ السلام	۲۰
۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام	۲۱
۸	حضرت لوط علیہ السلام	۴۱
۹	حضرت یعقوب علیہ السلام	۴۴
۱۰	حضرت یوسف علیہ السلام	۴۵
۱۱	اصحاب کہف	۶۰
۱۲	حضرت شعیب علیہ السلام	۶۵
۱۳	حضرت یونس علیہ السلام	۶۶
۱۴	حضرت ایوب علیہ السلام	۶۸
۱۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۷۱
۱۶	موسیٰ اور خضر کی ملاقات	۹۵
۱۷	بلعم باعور کا قصہ	۱۰۰
۱۸	سکندر ذوالقرنین	۱۰۰
۱۹	حضرت کالب علیہ السلام	۱۰۴
۲۰	حضرت ذوالکفل علیہ السلام	۱۰۴
۲۱	حضرت الیاس علیہ السلام	۱۰۴
۲۲	حضرت حنظلہ علیہ السلام	۱۰۵
۲۳	طالوت کی بادشاہت	۱۰۶
۲۴	طالوت و جالوت کی جنگ	۱۰۷
۲۵	حضرت داود علیہ السلام	۱۰۹
۲۶	حضرت لقمان علیہ السلام	۱۱۰
۲۷	سلیمان علیہ السلام	۱۱۱
۲۸	حضرت زکریا علیہ السلام	۱۱۶
۲۹	حضرت یحییٰ علیہ السلام	۱۱۷
۳۰	حضرت ارمیا علیہ السلام	۱۱۸
۳۱	حضرت دانیال علیہ السلام	۱۱۸
۳۲	حضرت عزیر علیہ السلام	۱۱۹
۳۳	حضرت جرجیس علیہ السلام	۱۲۰
۳۴	شمعون علیہ السلام	۱۲۰
۳۵	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۱۲۳
۴۰	حضرت محمد مصطفےٰ علیہ السلام	۱۲۹
۴۱	حضرت علی علیہ السلام	۲۰۱
۴۳	حضرت امام حسن علیہ السلام	۲۵۷
۴۵	حضرت امام حسین علیہ السلام	۲۶۹
۴۶	حضرت امام زین العابدین علیہ السلام	۲۹۷
۴۷	حضرت امام محمد باقر علیہ السلام	۳۱۱
۴۸	حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام	۳۲۵
۴۹	حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام	۳۴۵
۵۰	حضرت امام رضا علیہ السلام	۳۵۹
۵۱	حضرت امام محمد تقی علیہ السلام	۳۷۷
۵۲	حضرت امام علی نقی علیہ السلام	۳۸۰
۵۳	حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام	۴۰۷
۵۴	حضرت امام مہدی آخر الزماں علیہ السلام	۴۲۳

اب سے ۳۰ سال پہلے کا ذکر ہے کہ ہم نے سوانح عمریوں کا ایک سلسلہ دینی کہانیوں کے نام سے چھ حصوں میں شائع کیا تھا حصہ اول حالات انبیاء میں تھا۔ دوسرا حالات چہاردہ معصومین میں تیسرا حالات بنی امیہ میں چوتھا حالات بنی عباس میں پانچواں حالات شیعہ سلاطین میں اور چھٹا شیعہ اصحاب رسول کے حالات میں تھا۔ پہلا اڈیشن ختم ہونے کے بعد سوائے حصہ ۲ کے اور کوئی حصہ پھر شائع نہ ہو سکا۔ پاکستان آنے کے بعد صرف حصہ ۲ ہی کی اشاعت ہوتی رہی لیکن دو سال ہوئے کہ وہ ختم ہو چکا ہے ہم کتابیں چھپوانے اور کاغذ کے بہت زیادہ گراں ہو جانے کے باعث اس کو چھپوانے کی نوبت نہ آئی۔ اس مدت میں ہر طرف سے یہ تقاضا شروع ہوا کہ حضرات انبیاء اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کے حالات ضرور شائع کئے جائیں کیونکہ لڑکوں اور لڑکیوں کو پڑھانے کے لئے ان کتابوں کی سخت ضرورت ہے۔ اگرچہ کاغذ کی حد سے زیادہ گرانی اور کمیابی نے ہمت پست کر دی ہے مگر قوم کی اس ضرورت کا شدید احساس کرتے ہوئے ہم نے دونوں حصوں کو یکجا طبع کرایا ہے اگرچہ قیمت میں اضافہ ہم پر شاق ہے مگر اخراجات کی زیادتی پر نظر رکھتے ہوئے مجبوراً ایسا کرنا ہی پڑا۔

معذرت خواہ

اثر منیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات انبیاء و ائمہ پر تنقید و تبصرہ

حضرت آدم علیہ السلام

کسی وقت نفحات قدس میں دو آوازیں گونجی تھیں

(۱) اِنّی جاعلٌ فی الارضِ خلیفہ (میں روئے زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں)

(۲) فاذا سویتہٗ ونفختُ فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین (جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کرلوں اور اپنی روح اس میں پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا)

اس آواز کو سننے والے ایک ملائکہ تھے دوسرے ابلیس۔

لفظ خلیفہ کی کشش نے ملائکہ کو گدگدایا اور خلافت الٰہیہ کی آرزو نے دل میں چٹکی لی۔ دیکھئے کس مؤدبانہ انداز میں دل کی آواز کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے

"کیا اس سفاک فسادی کو خلیفہ بنائے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں"

اپنے فضائل اور حریف کے معائب کے پردہ میں کس خوبی سے اپنی خواہش ظاہر کر دیا ہے۔ قدرت کے مزاج داں تھے نہ احتیاط سے بولے یہ کوئی مشورہ نہ مطلب بات تھی بلکہ ملائکہ کے دلی راز کا پتہ لگانا تھا۔ لب قدرت سے آواز آئی "جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے" نگاہ قدرت نے تاڑ لیا کہ میرے جواب سے مطمئن نہیں

اب دو فریق مقام امتحان میں ہیں۔

سوالات کا پرچہ لمبا چوڑا نہیں۔ مختصر سا ہے۔ امتحان ہے قوت استنباط کا۔ کچھ نام بتائے گئے کچھ مسمیات سامنے لائے گئے بتاؤ ان میں کون نام کس کے لئے موزوں ہے؟ ملائکہ میں قوت استنباط ہوتی تو چٹ پٹ جواب دیدیتے۔ نہ دل تھا نہ دماغ سوچتے تو کیسے۔ غور کرتے تو کس قوت سے اتنا کہہ کر ہار مان لی۔ "لا علم لنا الا ما علمتنا (تو نے جتنا سکھا دیا ہے اتنا ہی جانتے ہیں)

آدم تو روح بنوت لیکر اٹھے تھے انہیں مقدمات کو ترتیب دے کر نتیجہ نکالنے میں کیا دقت ہوتی

آدم کے مقابلہ میں ملائکہ نے یہ پہلی چوٹ کھائی۔ ندامت کا پسینہ جبین نیاز سے موج زن ہوگا۔

ملائکہ باوجود عصمت و طہارت و نورانیت کے جب اس منصب جلیلہ کے لئے نا اہل ٹھرا پائے تو خطا کاروں کا کیا ذکر۔ علام الغیوب کے دربار میں ان کے اجماع کی کوئی قدر نہ ہوئی۔ ملائکہ مزاج شناس قدرت تھے بہت جلد بات کی تہ کو پہنچ گئے اور آدم کو سجدہ کرکے "یعصون من امر اللہ" کے مصداق بنے رہے۔ یہ معاملہ تو بہ حسن و خوبی طے ہوگیا۔ رہا شیطان تو اس کا جھگڑا ہی دوسرا تھا وہ تو غرور و تکبر میں چھکا ہوا تھا اور پھر آتش مزاج سجدہ کا حکم سنتے ہی اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی لگا اکڑنے کرنے میں تو آدم کو سجدہ نہ کرونگا۔ کیوں کروں۔ اس مٹی کے گھروندے کی میرے سامنے ہستی کیا ہے۔ میں آتشی مخلوق یہ خاک کا پتلا۔

یاد رہے قیاس کی آتش بازی یہاں سے چھوٹنی شروع ہوئی۔
اس سے رب العزت نے فرمایا جسے میں نے اپنے ید قدرت سے پیدا کیا ہے تو اسے سجدہ کیوں نہیں کرتا جبکہ میں تو حکم دے رہا ہوں
تو تکبر دکھا رہا ہے یا اونچے مرتبہ والوں میں سے اپنے کو سمجھ رہا ہے (عالین کا کوئی مگر وہ اس وقت عزوز تھا اور وہ سوائے محمد و
آل محمد اور کون ہو سکتا ہے) یہ سنکر کم بخت کو جھک جانا چاہئے تھا بات ختم ہو جاتی مگر وہ تو شیطان تھا اکڑا ہی رہا اور ابھی ہر جا رہا کہ میں
تو سجدہ نہیں کرنے کا۔ بارگاہ ذوالجلال میں اور یہ گستاخی فوراً ڈانٹ پڑی نکل جا یہاں سے مردود۔ قیامت تک لعنت کا طوق
تیری گردن میں رہے گا۔
اس نے کہا۔ نکال رہا ہے تو میری ہزار ہا سال کی عبادت کا صلہ تو دے۔ مانگ کیا مانگتا ہے؟۔ قیامت تک کی زندگی
جا میں نے وقت معلوم کے دن تک تجھے مہلت دی (قیامت کے دن تک نہیں)
کوئی مفسر اہلسنت یہ نہیں بتاتا کہ وقت معلوم کا دن کونسا ہے اور وقت معلوم تک مہلت دینے میں کیا مصلحت تھی؟
یہ لکھتے تعصب کا دل دکھتا ہوگا کہ اس سے مراد حضرت حجت کے ظہور کا وقت ہے وہی اس ملعون کو قتل کریں گے۔
ہاں تو جب شیطان کو مہلت مل گئی تو اس نے اکڑ کر کہا پالنے والے تو نے مجھے گمراہی میں چھوڑا ہی ہے۔ تیری عزت کی قسم میں بھی تیرے
مخلص بندوں کے سوا سب ہی کو بہکاؤں گا۔ فرمایا جو تیرا جی چاہے کر میں بھی تجھ سے اور تیرے پجاریوں سے جہنم کو بھر دوں گا
کم بخت نے خلیفہ خدا کو نہ مان کر نہ اپنے کو دین کا رکھا نہ دنیا کا۔ ہر منکر سرکش کا یہی حال ہوگا۔

آدم کا جنت سے نکلنا

جنت کا سب پہلا مزہ لوٹنے والے آدم و حوا ہیں۔ جنت تو جنت ہی ہے اسکے عیش و آرام کا کہنا غور اس پر کرنا ہے یہ کونسی جنت تھی جنت الخلد
ہو نہیں سکتی اس میں جانے والے کہاں نکالا کرتے ہیں شیطان کا یہ کہنا کہ گیہوں کھا لو گے تو ایسے ملک میں پہنچ جاؤ گے جس میں کہنگی کا اثر پایا ہی نہیں جاتا
ضرور اس سے مراد وہی جنت ہوگی جس کی صفت خالدین فیہا ہے اگر آدم جنت الخلد میں ہوتے تو پھل کھانے کے بعد ان کے بدن سے کپڑے نہ اتر پڑتے آدم
کا پیکر اسی زمین کی مٹی سے بنا تھا لہذا اوقات کی نشو و نما کی جنت بھی ہونی چاہیے تھی قضیہ زمین بر سر زمین ہونا چاہئے تھا۔ جنت اس کو باغ کہتے ہیں جس کی
زمین گنجان درختوں سے ڈھکی ہوئی ہو یہ مادی پودے سانپ اور مور تو اس زمین ہی کے باغات میں ہوتے ہیں
یہ جنت کہاں تھی کون بتلائے لاکھوں برس پہلے کی بات ہے شداد کے بہشت کا تو پتہ چلتا ہی نہیں آدم کی جنت کا کیا چلے گا اس وقت نہ تاریخ تھی نہ مورخ روایات
کا سارا محل قیاسات کے ستونوں پر بنا ہے اسلامی مورخین روایات لکھنے تو شاہ ہیں مگر درایت سے کام لینا گناہ سمجھتے ہیں
مورخین لکھتے ہیں کہ آدم جنت سے زمین پر اترے یعنی آسمان سے زمین پر آئے۔ بیچارے لفظ اھبطوا سے دھوکہ کھا گئے (قال اھبطوا بعضکم لبعض عدو
حالانکہ اھبطوا کے معنی آسمان سے اترنے کے نہیں یہ لفظ بنی اسرائیل کے قصہ میں بھی آیا ہے اھبطوا مصراً فان لکم ما سالتم (تم کسی شہر میں جاؤ وہاں
جو تم نے مانگا ہے مل جائے گا) یہاں اھبطوا کے معنی بلند زمین سے پست زمین کی طرف جانے کے ہیں نہ کہ آسمان سے اترنے کے معلوم ہوتا ہے کہ آدم
والی جنت بلند مقام پر ہوگی وہاں سے ان کو میدانی علاقہ میں بھیج دیا تاکہ کھیتی باڑی کریں۔

اس مفروضہ کی بنا پر کہ وہ آسمانی جنت سے اترے۔ کہاں اترے؟ روایات کہتی ہیں کہ وہ سراندیپ پر اترے اور حوا جدہ میں۔ چشم دید گواہ تو کون تھا راویوں نے قیاس کی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا آدم کی نسبت سے کوہ آدم کہلایا اور حوا کی نسبت سے وہ سرزمین جدہ کہلائی جو اب عرب کا مشہور بندرگاہ ہے۔ دونوں ایک جگہ کیوں نہ اترے یہ قدرت کا راز ہے

طولانی مفارقت کے بعد میاں بی بی کہاں ملے عرفات پر اسی تعارف کی بنا پر اس کا نام کوہ عرفات ہوا۔ یہ سب کچھ تو مورخین نے لکھ دیا لیکن یہ نہ بتایا کہ سراندیپ سے جو لنکا میں ہے کوہ عرفات تک جو عرب میں ہے کیسے آئے راہ میں سر بفلک پہاڑ بھی تھے متلاطم سمندر بھی۔ گھنے جنگل بھی درندے کتنے درندے بھی یہ اتنا لمبا سفر کیسے طے ہوا۔ راتیں کہاں گزاریں۔ کیا کھایا خونخوار درندوں سے کیسے بچے یہ چوڑی چکلی زمین اور تن تنہا ایک مسافر ان سوالوں کا جواب کون دے سکتا ہے آدم تو خیر مرد تھے جھیل گئے ہونگے مگر بی بی حوا پر کیا گزری ہوگی جدہ سے عرفات تک کیسے آئی ہونگی لے دے کے زندگی کا سہارا ایک خیال تھے اس نئے سفر میں وہ بھی چھوٹ گئے۔ کہاں جنت کا عیش کہاں یہ پر خار وادیاں، سنسان جنگل قدم قدم پر جان جانے کا خطرہ۔ سچ ہے آدمی بڑا سخت جان ہے ہر مصیبت جھیل جاتا ہے۔ جب عرفات میں ملے ہونگے دل کی دنیا جاگ اٹھی ہوگی اور جذبات کے سمندر میں طوفان آئے ہونگے روئے بھی ہونگے ہنسے بھی ہونگے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی بپتی سنائی ہوگی۔

زمین پر آدم و حوا کا بسیرا حضرت آدم کی رہائش کی اصلی جگہ زمین ہی تھی کیونکہ ان کے بدن تو مٹی ہی سے بنے تھے۔ جنت ارضی میں تو ان کا قیام ایسا ہی تھا جیسے سرائے میں مسافر ٹھہرے۔ قیاس کہتا ہے جب عرفات میں میاں بی بی ملے ہونگے تو زمین ایک چھوٹی سی جھونپڑی ڈال لی ہوگی۔ پھل پھلاری کھائی ہوگی اور پتوں سے بدن ڈھانپا ہوگا۔ بہت دن جنت کو یاد کرکے روئے ہونگے اور باغوائے شیطانی جو کر آئے ہونگے اس پر ندامت کے آنسو بہائے ہونگے۔ دنیا کی مخلوق ان کے لئے ایک طلسمی کارخانہ ہوگا جیسے حیرت سے تکتے ہونگے تو قدم اٹھتا ہوگا یا الہام ربانی اٹھتا ہوگا ہر چیز کو ہاتھ لگاتے ڈرتے ہونگے کوئی فرشتہ آکر اسرار قدرت کی نقاب کشائی کرتا ہوگا تب کچھ سمجھ میں آتا ہوگا۔ پیٹ کی پوجا نوع البشر کی سب سے پہلی ضرورت ہے لہذا کھیتی باڑی کا ڈول ڈالا ہوگا۔ تصور کے آئینہ میں اس زندگی کی تصویر بڑی بھیانک نظر آتی ہے۔ روایت بتاتی ہے خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ ایک ہزار ایک کام کرنے کے بعد روٹی کا پہلا لقمہ منہ میں گیا ہوگا۔ کیا کیا جتن کرنے پڑے ہونگے اس کو کون بتلائے۔ بہرحال تمدن انسانی کی داغ بیل پڑ گئی

اولاد آدم جب میاں بی بی ملے ہونگے تو اولاد ہونا بھی ضروری تھا ورنہ یہ دنیا بستی کیسے سب سے پہلے دو لڑکوں نے جنم لیا۔ ہابیل اور قابیل۔ ہابیل بکریاں چراتا تھا اور قابیل کھیتی کرتا تھا۔ آدم کا پیار ہابیل پر زیادہ تھا جس کا سبب انکی خیر پسندی تھی آدم کا ارادہ اسی کو اپنا جانشین بنانے کا تھا جب ارادہ کا عکس عمل پر پڑا تو قابیل چونکا۔ بنی آدم میں اس زمانے کے اندر سب سے پہلے حسد نے جس کے دل میں جگہ لی وہ قابیل تھا۔

یہ خلافت بھی ہے جھگڑے کی چیز اعلان ہوتے ہی فضائے قدس میں کیا نہ ہوا زمین پر آدم آئے تو اسی خلافت نے بھائیوں میں پھوٹ ڈال دی۔ قابیل کے بگڑے تیور ماں باپ دونوں دیکھ رہے تھے سمجھایا جتنا سمجھا سکے مگر اس کے سر پر شیطان کا بھوت سوار تھا کیا مانتا۔ بہرحال بالہام ربانی جھگڑا چکانے کی یہ صورت نکالی کہ دونوں بھائی اپنی اپنی قربانی بارگاہ الٰہی میں پیش کریں جس کو آسمانی آگ جلا دے وہی باپ کا جانشین ہو۔ ہابیل نے ایک موٹا تازہ دنبہ پہاڑ پر جا کھڑا کیا۔ قابیل نے گیہوں کے سوکھے پودوں کا ایک گٹھا ایک چٹان پر رکھ دیا قابیل اس خبط میں مبتلا تھا کہ میری قربانی قیمتی ہے ضرور قبول ہوگی۔ شیطان کا فریب خوردہ تھا

نسیانِ آدم قرآن کہتا ہے ہم نے آدم سے عہد لیا لیکن وہ بھول گئے اور ہم نے ان کو ارادہ کا پکا نہ پایا اس آیت میں نسی کا لفظ ہے جس کے معنی بھولنے کے ہیں ہمارے عقیدہ میں انبیا کو سہو و نسیان عارض نہیں ہوتا لیکن یہاں تو ثابت ہے محتاط مفسروں نے لکھا ہے کہ یہاں نسی بمعنی ترک ہے یعنی چھوڑ دیا لیکن یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی چھوٹی غلطی کے اصلاح کے لئے بڑی غلطی کر جائے ترک حکم تو عصیان سے زیادہ قبیح ہے بھولنے والا تو قابلِ معافی ہوتا ہے نہ تارک امر ترک امر تو آمر کی توہین ہے لہذا ماننا پڑے گا کہ یہ نسیان خلافتِ ارضی سے پہلے تھا لیکن مفسرین نے لکھا ہے کہ صرف انبیائے اُولو العزم کو نسیان نہیں ہوتا بعض کہتے ہیں تبلیغی احکام میں نہیں ہوتا نجی معاملات میں ہو جاتا ہے لیکن کسی صورت میں بھی ہو صحت تبلیغ مشتبہ ہو جاتی ہے اور صاحب تبلیغ کی بات پر اعتماد نہیں رہتا۔

گناہ کرنا، کسی کے بہکائے میں آجانا اور بھول جانا یہ فطری اور خلقی کمزوریاں ہیں جو عموماً سب انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اگر انبیا کی خلقت میں بھی یہ کمزوری پائی جائے تو پھر عام انسانوں میں اور ان میں فرق کیا رہے گا۔ قدرت نے جہاں جہاں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں ان کے وہ معنی نہیں جو ہماری لغات میں ہیں اگر علم الٰہی میں بھی ان الفاظ کا وہی مفہوم ہوتا جو ہمارے نزدیک ہے تو وہ خطاکار بندوں کو ہرگز اپنا کوئی عہدہ نہ دیتا۔ اگر یہ باتیں امورِ تبلیغ کو ضرر پہنچانے والی ہوتیں تو انبیا کے لئے ان کا ذکر ہی کیوں کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ الٰہی اصطلاح میں یہ امور انبیا کے لئے منافیِ عصمت نہیں

آدم علیہ السلام کی جانشینی کبھی عہدہ دار یا باکمال کا جانشین وہی ہو سکتا ہے جس میں اپنے منیب کے صفات پائے جائیں۔ مثلاً ایک عالم کا جانشین ایک عالم ہوگا اور ایک طبیب کا جانشین طبیب اور ایک شاعر کا قائم مقام ایک شاعر ہوگا ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ایک عالم کا جانشین ایک جاہل اور ایک ڈاکٹر کا جانشین ایک انجینیر بن جائے نبوت ایک عہدہ الٰہیہ ہے خدا نے انبیا کو مخصوص صفات کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ ان کا پیدا کرنا اور ان کے عمل کو جانچنا بدقدرت میں ہے بندوں کے بس کا نہیں مثلاً عصمت، امورِ غیب سے آگاہی تزکیۂ نفس وغیرہ ایسی صفات ہیں جن کا اپنے اندر پیدا کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنی سرکار کے تمام عہدوں پر تقرر اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور یہ سنت الٰہیہ کسی زمانہ میں بدلی نہیں گئی ایسے لوگ ہمیشہ وحی و الہام سے بولتے ہیں۔ آدم کے جانشین بحکم الٰہی جناب شیث ہیں۔ ان کی اولاد کے حوالے یہ تقرر نہیں کیا گیا

تاریخیں بتاتی ہیں کہ حضرت آدم کی عمر نوسو سال کی ہوئی (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال) اس مدت دراز میں کتنے لوگ ان کی نسل سے ہوئے کون بتائے۔ قیاس کہتا ہے کہ اس مدت میں زمین کے بہت سے خطے نزدیک اور دور آباد ہو گئے ہوں گے کوئی چھوٹی بستی ہوگی کوئی بڑی آدم کی حیات کی یہ مدت تو زمین پر آنے کے بعد شمار میں آئی ہوگی یہ پتہ نہیں کہ جنت میں کتنے سال رہے اور وہاں کا سال کے ماہ اور کے دن کا ہوتا ہے اگر اس حصہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو حضرت آدم کی عمر کئی میل لمبی ہو جائے گی ؎

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں　　　شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

اندازہ یہ ہے کہ جب جنت سے نکلے ہونگے تو تنہا نہیں ہوگی۔ جنت کی جوانی گلزار عدن کے پھولوں سے لدی اور رحمتِ الٰہی کے جھولوں میں منجملہ دو دو جھولی ہونی ہوگی خیال کو وسعت دے کر کہہ سکتے ہیں کہ حضرت آدم نے اپنی اولاد کی بہار خوب دیکھی ہوگی پوتا پوتی نواسہ نواسی بلکہ ان کی اولاد در اولاد جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہونگے اپنے ہی باغ کے پھول نظر آتے ہونگے۔

فطرت بشری اپنے کام میں لگی ہوگی۔ شیطان بھی اپنا جال ہر طرف بچھا رہا ہوگا پھر سب کا نیک ہونا کیسے سمجھ میں آئے جواب ہو رہا ہے وہی اس وقت بھی ہوا ہوگا کچھ مردودی متقی ہاتھوں میں تسبیح لئے ہونگے کچھ لچے غنڈے پیرایا مال اپنا کرتے ہونگے جب مرنے کا وقت آیا ہوگا تو آدم کو اپنا جانشین بنانے کی فکر ہوئی ہوگی۔ اگرچہ اس وقت نہ تاریخ تھی نہ تاریخ لکھنے والے تاہم کتابوں میں ہے کہ جھگڑا شروع ہوگیا۔ کئی امیدوار آدم کے سامنے آگئے لیکن قدرت کا فیصلہ جناب شیث کے حق میں ہوا کیونکہ یہ بڑے عبادت گزار پاکیزہ نفس اور علم و فہم میں سب سے زیادہ تھے۔ مرتے دم آدم نے انہی کو اسرار نبوت تعلیم فرمائے اور اپنے تبرکات بھی انہی کو دے آدم کی قبر کہاں ہے تاریخوں کی بات تو کان کو نہیں لگتی کوئی کہیں بتاتا ہے کوئی کہیں۔ البتہ زیارت امیرالمومنین سے پتہ چلتا ہے کہ آدم و نوح دونوں پہلوئے امیرالمومنین میں دفن ہیں پس اس کا صحیح پتہ بتانے والا الہام ربانی ہی ہو سکتا ہے جس کی منزل معصوم کا دل ہوتا ہے نہ کہ مورخین جن کا وجود ہی اس وقت نہ تھا خیالی تکے حقیقت کی چھاؤں میں نہیں پلتے۔

اسلامی تعلیم کا آغاز اسلام اللہ کا دین ہے جس کی ابتدا آدم سے ہوئی۔ حضرت آدم کے زمانہ میں زندگی کا پھیلاؤ بہت کم تھا۔ وہ تجربوں کا زمانہ تھا۔ ہر مخلوق ارضی کے نام تجویز کئے جارہے ہونگے۔ سب سے پہلی انسانی زبان کے الفاظ فضائے روزگار میں جذب ہو رہے ہونگے۔ جمادات و نباتات و حیوانات کے منافع اور مضار کو جانچا جا رہا ہوگا۔ ذرائع معاش پر غور ہو رہا ہوگا لیکن ان کے نظام قائم ہو رہے ہونگے۔ تمدن کے قواعد و ضوابط بن رہے ہونگے۔ عبادت خدا کے طریقے بتائے جارہے ہونگے سیدھی سادی زندگی کی ضرورتیں محدود ہوتی ہیں۔ انہی کو زندگی کے مختلف شعبوں میں پھیلا دیا ہوگا یہیں سے پیشوں کا آغاز ہوا ہوگا۔

جب حیات انسانی چلتے چلتے حضرت شیث تک آئی تو نسبتاً دینی تعلیم میں اضافہ ہوا ہوگا۔ حضرت شیث کا وقت دو کاموں میں صرف ہوتا تھا اول عبادت دوسرے دینی تعلیم باقی افراد خدا عقیدہ تھے یا صناع آذوقہ کے کفیل وہی تھے۔ جو کچھ دیدیتے جناب شیث اس پر قناعت کرتے وہ اس کے بدلے میں ان کو رزق روحانی دیتے مدتوں یہی مادی اور روحانی لین دین ہوتا رہا ان کے بعد نبوت کا سلسلہ ان کی اولاد میں چلا

ضلع فیض آباد (انڈیا) کے اجودھیا مقام پر ایک پرانے قبرستان میں جناب شیث کی قبر بتائی جاتی ہے۔ میں نے بھی یہ قبر دیکھی ہے بہت لمبی ہے لیکن تاریخوں سے حضرت شیث کا اس سرزمین پر آنا ثابت نہیں ہوتا غالباً یہ قبر بلا مقصود اس لئے بنائی گئی ہے کہ اجودھیا رام چندر کا جنم بھوم ہونے کی وجہ سے ہندوؤں کی بہت بڑی تیرتھ گاہ ہے بکثرت ہندو آباد ہیں اور روزانہ جاترے کے لئے بکثرت ہندو وہاں آتے رہتے ہیں لہذا مسلمانوں نے جن کی تعداد بہت کم ہوگی یہ سوچا ہوگا کہ یہاں کوئی زیارت گاہ ایسی بنائی چاہیئے کہ مسلمان یہاں آنے لگیں اور ہندوؤں سے مار پیٹ کا خطرہ کم ہو جائے۔

بت پرستی کا آغاز شیطان تو آدم اور اولاد آدم کا پرانا دشمن تھا ہی اور بہکانے پر ادھار کھائے بیٹھا ہی تھا۔ پہلے آپس میں لڑائی جھگڑے کراتا رہا قتل و غارت کا بازار گرما رہا لیکن جب اس سے بھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو دوسری دھن میں لگا یعنی عبادت خدا سے لوگوں کو روکنا اور بت پرستی کی بنیاد ڈالنا۔

حضرت شیث کی چوتھی پشت میں ایک نبی گزرے ہیں مہلائیل جن کے زہد و تقوی کا لوگوں کے دل پر بڑا اثر تھا۔ لوگ

جابجا سے اللہ کے لیے تحفے لاتے تھے ان کے مرنے پر ان کی اولاد کو یہ فکر ہوئی کہ اب تحفے آنے بند ہو جائیں گے شیطان تو گھات میں لگا ہوا ہی تھا اس نے پٹی پڑھائی کہ چپ چاپ دفن کر دو اور ایک لکڑی کا پتلا بنوا کر ان کا لباس اسے پہنا دو اور ان کے بیماری والے بستر پر اس پتلے کو لٹا کر یہ ظاہر کرو کہ بیمار ہیں ان کے پاس جانے کی اجازت نہیں دور سے زیارت کر کے چلے جاؤ۔ چنانچہ بہت دنوں تک اس بہانہ سے تحفے آتے رہے کچھ دنوں تو اس پتلے کی تعظیم رہی پھر شیطان نے یہ سبق پڑھایا کہ مہلائیل میں خدا حلول کئے ہوئے تھا اب جہاں کہیں ان کا مجسمہ ہوگا خدا ضرور اس میں حلول کرے گا بس پھر کیا تھا اللہ کے بت کی پوجا ہونے لگی

رفتہ رفتہ یہ وبا پھیلتی ہی چلی گئی پہلے لکڑی کے بت بنے پھر پتھر اور دھات کے۔ اس کے بعد جو چیز خوبصورت یا ڈراونی نظر آئی اس کے متعلق یہ عقیدہ بنا کہ خدا اس میں حلول کئے ہوئے ہے اور وہ ہمارے نفع اور نقصان پر قادر ہے آخر کار یہ ضلالت کا سیلاب جا بجا خدا پرستی کے فولادی قلعوں سے جا ٹکرایا اور اس کا زور توڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو پے در پے انبیاء و مرسلین بھیجنے پڑے۔ انسان کی بے عقلی کا کہاں تک ماتم کیا جائے کہ مخلوق خدا میں کوئی نوع ایسی نہ رہی جس کو انسان نے اپنا معبود نہیں بنایا۔ چاند سورج ہوں یا سر بفلک پہاڑ چٹانیں ہوں یا ان کے اجزاء دریا ہوں یا درخت مویشی ہوں درندے ہوں یا پرند سب اس کے معبود بن چکے اور باوجود علوم و فنون کی روشنی پھیلنے کے اب تک انکی پوجا ہو رہی ہے۔

بت پرستی پر ایک نظر اب سوچنا یہ ہے کہ انسان اتنا بے عقل کیوں ہے کہ خدا کو چھوڑ کر اپنے تراشے بتوں کو سجدہ کرنے لگا۔ اور انکو حاجت روائے خلق جاننے لگا۔ ایسا تو نہیں ہے کہ ہر بت پرست جاہل اور ناقص العقل ہی ہو غور و فکر کی صلاحیت ہی ان میں نہ ہو ان میں بیشمار گیانی گنی۔ فلاسفر حکما اور دانشور ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں ان کی تقریروں اور تحریروں سے انکی علمی قابلیتوں اور ذہنی صلاحیتوں کا پیرایہ چلتا ہے پھر بھی ان کی پیشانیاں بتوں کے سامنے جھکی ہوئی ہیں اور وہ ایسے مجسموں کے سامنے جو نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں نہ چلتے پھرتے ہیں نہ اپنے سے نقصان دفع کر سکتے ہیں نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں پھر وہ کیوں ان کو حلال مشکلات جانتے ہیں اور ان کے نہ ماننے والوں سے آئے دن کیوں جنگ و پیکار کرتے رہتے ہیں۔ آخر اس کی کوئی وجہ تو ہونی چاہئے۔ کچھ تو ہے جس نے انکی عقلوں پر ایسا موٹا پردہ ڈالا ہے کہ وہ اس خلاف کوئی بات سوچنے کے لئے تیار ہی نہیں۔

ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ انسان کی شبستان فطرت میں دو قسم کی عقلوں کے چراغ روشن ہیں۔ ایک عقل فطری اور دوسرے عقل عادی۔ عقل عادی اگر عقل فطری پر غالب آ جاتی ہے تو انسان کی فکری صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ عقل عادی کو تقلید آباؤ اجداد کی پشت پناہی حاصل ہے یہی تقلید اس کے بازوؤں کا زور ہے یہی وہ بھوت ہے جو اس کے غور و فکر کا گلا دبا رہا ہے اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔

ایک ہندو کے لڑکے سے پوچھئے کہ گوشت کھانا کیسا ہے وہ بے تامل بغیر کسی غور و فکر کے جواب دے گا مہا پاپ ملکشوں کا کھاجا ہے اس کا یہ جواب اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کے زیر اثر ہے اس نے بچپن ہی سے اپنے ماحول میں گوشت کی مذمت سنی ہے اور اپنے

آبا و اجداد اور خاندان والوں کو کبھی گوشت کھاتے دیکھا ہی نہیں۔ یہ رسم اس کے دل و دماغ میں اس طرح رچ بس گئی کہ اس نے عقل فطری کی چمک مار دی اب وہ اس کے خلاف نہ کرنے کی جرأت کر سکتا ہے نہ سننے کی۔

یہی صورت ایک مسلمان کی ہے اس سے بھی یہی سوال کیجئے تو وہ بھی بے تامل جواب دے گا کہ اس سے زیادہ لذیذ اور بہترین غذا ہی نہیں کیونکہ وہ یہی کھاتا چلا آیا ہے اور اس نے ہمیشہ اپنے بزرگوں کو یہی کھاتے دیکھا ہے اور تعریف سنی ہے دونوں کے جواب بے سوچے سمجھے ہیں اور عقل عادی کے بتائے ہوئے ہیں ورنہ گوشت میں فائدہ بھی ہے اور نقصان بھی ہندو نے صرف نقصان پر نظر رکھی اور مسلمان نے صرف فائدہ پر

ایک بت پرست نوجوان عہد طفلی سے اپنے ماں باپ اور عزیزوں کو بتوں کے سامنے دعائیں مانگتا اور ان کے آگے سجدہ کرتے دیکھتا رہا ہے اور اسی ماحول میں پلا بڑھا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ عقل عادی کا زنگ۔ عقل فطری کو کھا گیا اور اگر کسی نے عقل صحیح سے کام لیا تو ماحول نے گردن دبا دی۔ طرح طرح کے خطرے دل میں پیدا ہوئے۔ لوگ مجھے مار ڈالیں گے ماں باپ اور تمام عزیز چھوٹ جائیں گے میں اپنی سوسائٹی میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہونگا معلوم کن کن مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کوئی بڑا ہی دلیر اور پختہ کار ہوا تو نکل آیا ورنہ کفر کی تاریکی میں گھٹ گھٹ کر مر گیا۔ قرآن میں جا بجا اس کا ذکر ہے۔ جب انبیا نے خدا پرستی کی طرف توجہ دلائی تو یہی جواب ملا کہ ہم ان بتوں کو کیسے چھوڑ دیں جب کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں۔ اسلام نے تقلید کی سخت و عبادت کی مذمت کی ہے۔ اسی لئے اصول دین میں تقلید کو جائز نہیں رکھا بلکہ تاکید ہے کہ اپنے دین کے اصول کو اپنی عقل سے سمجھو ورنہ کوئی عبادت ذریعہ نجات نہ ہو گی۔ عقل اسی لئے دی گئی ہے کہ اپنے دین کے اصول اس سے سمجھے۔

اسلام عقل کے ساتھ ہے جہاں عقل نہیں۔ اسلام اپنا سایہ اس پر نہیں ڈالتا یعنی تکلیف اٹھا لیتا ہے دیوانہ ہوتے ہی اسلامی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے نابالغ لڑکے جب تک پختہ عقل نہیں رکھتے مکلف قرار نہیں پاتے

حضرت ادریس

حیات انسانی اپنی ابتدائی منزلوں میں اپنا علم تجربوں سے بڑھاتی چلی آ رہی تھی یہ صرف مخلوقات ارضی کے متعلق تھا جناب ادریس پہلے شخص ہیں جو خدا کے یہاں سے علم نجوم سیکھ کر آئے ان سے پہلے لوگوں کو ستاروں کے متعلق کوئی علم نہ تھا صرف انکی تابش دیکھکر خوش ہو تے تھے۔ اگر کچھ معلومات تھیں بھی تو ارد گی سفیدی سے یعنی کم جس میں غلطی کے بیشمار امکانات تھے جناب ادریس کا علم وہبی تھا تو بات بتاتے تھے وہ صحیح ہوتی تھی عام نجومیوں کی طرح ان کی اطلاعات قیاسی نہ ہوتی تھیں

چونکہ ستاروں کی دنیا بالکل نئی تھی اس لئے حضرت ادریس سے لوگ مختلف قسم کے سوالات کرتے ہونگے اور وہ انکی قابلیت کے مطابق جواب دیتے ہونگے۔ انھوں نے بتایا کہ یہ ستارے بھی ہماری طرح مخلوق خدا ہیں۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے انسان کو علم نجوم کا درس دیا

حالات نوح علیہ السلام

حضرت نوح کے زمانہ میں بت پرستی اپنے شباب پر تھی اور اس کی مختلف صورتیں پیدا ہوئی تھیں تاریخ بتاتی ہے کہ ستارہ پرستی کا رواج حضرت نوح سے پہلے ہو چکا تھا۔ جناب ادریس کے علم نجوم سے اس میں اضافہ ہوا مگر وہ ان کے لئے مفید نہ ہوا بجائے اپنی معلومات آگے بڑھانے کے وہ ستاروں کو متصرف فی العالم سمجھ کر ان کی پرستش کرنے لگے اس کے علاوہ مورتی پوجا بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اب اس ضلالت پسندی نے انتہائی شدت اختیار کر لی تھی وہ حضرت نوح کی بات پر کان ہی نہ دھرتے تھے بلکہ کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے ان کو مجنون کہہ کر مذاق اڑاتے تھے پتھر مارتے تھے کہ وہ لہولہان ہو جاتے تھے

قرآن اس عبرت ناک داستان کو یوں بیان کرتا ہے

نوح ۔ اگر تمہیں میرا نبی ہونا ناگوار ہے اور آیات خدا کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتے تو تم جانو میرا تو اللہ پر بھروسہ ہے تم سب مشورہ کر لو اور بغیر مہلت دیئے میرے ساتھ جو چاہو سلوک کرو مگر میں اپنی تبلیغ سے رکنے والا نہیں اور اگر تم میری بات مانو تو میں تم سے اپنی ہدایت کا کوئی اجر نہ مانگوں گا میرا اجر تو اللہ پر ہے اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کا فرماں بردار بندہ بنا رہوں

قوم ۔ نوح تم کیا باتیں کرتے ہو۔ کیا نبی ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا آدمی سمجھتے ہیں جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں وہ ہماری قوم کے رذیل لوگ ہیں ۔ یہ تو بتاؤ آخر تم کو ہم پر فضیلت کیا ہے۔ ہم تو تم کو جھوٹا ہی سمجھتے ہیں

نوح ۔ لوگو ذرا یہ تو سوچو اگر خدا نے مجھے اپنی رحمت سے نبی بنایا ہے اور تمہیں میری یہ فضیلت سجھائی نہیں دیتی تو میں زبردستی تمہارے گلے تو نہیں منڈھ رہا۔ میں تم سے اپنی تبلیغ کی اجرت تو نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ پر ہے

قوم ۔ جب تک تم ان رذیلوں کو اپنے پاس سے نکال باہر نہ کرو گے ہم تمہارے معاملہ پر غور ہی نہ کریں گے۔

نوح ۔ یہ اللہ پر ایمان لا چکے ہیں۔ میں ان کو کیسے نکال دوں ۔ کیا یہ اللہ سے میری شکایت نہ کریں گے

قوم ۔ ہم یہ کچھ نہیں جانتے جو کہتے ہیں وہ کرو

نوح ۔ تم بڑے جاہل لوگ ہو ۔ فرض کرو اگر میں انہیں نکال دوں اور خدا نے مجھ سے باز پرس کی تو کیا تم میری مدد کرو گے ذرا سمجھو۔ یہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ خدا نے مجھے خزانوں کا مالک بنایا ہے یا میں کوئی غیب داں ہوں ۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں جن لوگوں کو تم ذلیل سمجھتے ہو میں تو ان سے یہ ہرگز نہ کہوں گا کہ خدا تمہارے ساتھ بھلائی نہ کرے گا ان کے دل کا حال تو خدا ہی جانتا ہے اگر میں ایسا کروں تو میں ظالم ہوں ۔

قوم ۔ بس یہ باتیں تو ہو چکیں ۔ خوب مباحثہ کر لیا اب تو جو عذاب ہم پر لانا چاہتے ہو وہ لے آؤ دیکھیں تو اس عذاب سے ڈرانے میں تم سچے ہو یا جھوٹے ۔

نوح ۔ عذاب لانا تو اللہ کے اختیار میں ہے اور تم اسے ہرا نہیں سکتے ۔ میں جانتا ہوں کہ میری نصیحت تمہارے حق میں کارگر نہ ہوگی

اگر اللہ کی مشیت میں تمہارا گمراہ رہنا ہی ہے تو میری خیر خواہی تمہارے کیا کام آئے گی
جب نوبت یہاں تک پہنچی تو اللہ نے نوح پر وحی نازل کی کہ تمہاری قوم میں جو ایمان لانے والے تھے لا چکے باقی ہرگز ایمان نہ لائیں گے تم ان کے عمل سے دل گرفتہ نہ ہو۔ اب ایک کشتی ہماری نگرانی اور ہمارے حکم سے بناؤ اور ان کم بختوں کے بارہ میں بات ہی نہ کرو یہ تو اب ڈوب کر ہی رہیں گے
چنانچہ نوح نے کشتی بنانی شروع کی جب ان کی قوم ادھر سے گزرتی جہاں کشتی بن رہی تھی تو بڑا مذاق اڑاتے اور کہتے یہ اتنی بڑی کشتی کس دریا میں چلے گی۔ معلوم ہوتا ہے تم دیوانے ہو گئے ہو۔ نوح کہتے تمہاری طرح مذاق تو میں بھی اڑا سکتا ہوں مگر میرے لئے زیبا نہیں۔ خبردار وہ وقت قریب آگیا ہے کہ عذاب خدا انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے تب پتہ چلے گا کہ ذلیل کون ہے تم یا میں۔ انھوں نے کہا بس رہنے دو ہم عذاب وذاب سے نہیں ڈرتے۔ جلد بلاؤ ہم منتظر ہیں
بات کہتے ایک تنور سے پانی ابلنے لگا۔ وحی ہوئی اے نوح اب تم ہر ایک جاندار کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لو۔ سوا اپنے لوگوں کو کشتی میں سوار نہ کرو جن کے متعلق ہم پہلے بتا چکے ہیں (بی بی اور لڑکا) اور جو تم پر ایمان لا چکے ہیں ان سب کو بھی سوار کر لو۔ نوح نے ان سے کہا بسم اللہ کہہ کر سوار ہو۔ اللہ ہی اس کشتی کا چلانے والا اور ٹھہرانے والا ہے
کشتی چلی اور پہاڑ جیسی اونچی موجوں کا سینہ چیرتی چلی۔ ایک طرف تو زمین سے انگاروں پانی ابل رہا تھا دوسری طرف آسمان سے موسلا دھار روبرس رہی تھی اونچے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں غوطے کھانے لگیں۔
نوح کا نالائق بیٹا کافروں میں جا ملا تھا۔ ابھی پانی زیادہ اونچا نہ ہوا تھا کہ لوگ ڈوبنے شروع ہو گئے اس وقت نوح کو اپنے بیٹے کا خیال آیا اور اس کے ڈوب جانے کے تصور سے اضطراب پیدا ہوا آواز بلند پکار کر کہا اے میرے بیٹے آ ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کا ساتھ چھوڑ دے۔ وہ پکا غنڈا اور کٹر کافر تھا کہنے لگا مجھے تمہاری کشتی میں آنے کی ضرورت نہیں پہاڑ کی چوٹی پر جا بیٹھوں گا وہ مجھے بچا لے گا۔ نوح نے کہا او بیوقوف آج عذاب الٰہی سے کوئی نہیں بچ سکتا غرق ہونے سے صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ رحم کرے۔ جب کسی طرح نہ مانا اور پانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے اونچا ہونے لگا اور ایک موج باپ اور بیٹے کے درمیان حائل ہوئی اور وہ ڈوبنے لگا۔ تو شفقت پدری نے جوش مارا بارگاہ باری میں عرض کی
پالنے والے میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تو نے میرے اہل کے بچانے کا وعدہ کیا ہے تیرا وعدہ سچا ہے اور تو ہی احکم الحاکمین ہے۔
جواب ملا۔ اے نوح یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کے اعمال اچھے نہیں تم ایسی چیز کا مجھ سے سوال نہ کرو جس کا تم کو علم نہیں۔ میں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ بنو۔
نوح نے کہا خیر تیرے غضب سے پناہ مانگتا ہوں اگر تو رحم نہ کرے گا اور معاف نہ فرمائے گا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا
اللہ تعالیٰ نے فرمایا
اچھا اب تم سلامتی سے اتر جاؤ۔ اس کے بعد پانی گھٹنا شروع ہو گیا اور حضرت نوح کی کشتی کوہ جودی پر آکر ٹھہر گئی۔

جب زمین نظر آنے لگی تو نوح مع اپنے ساتھیوں کے کشتی سے اتر آئے۔ انہی لوگوں سے دنیا از سر نو آباد ہوئی اسی لئے نوح کو آدم ثانی کہتے ہیں۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ نوح ؑ سے زیادہ عمر کسی پیغمبر نے نہیں پائی مگر کیسی عجیب بات ہے کہ اتنی طولانی عمر میں رہنے کے لئے کوئی گھر نہ بنایا اور ایک جھونپڑی میں اللہ اللہ کر کے ساری عمر کاٹ دی۔

بی بی ایسی نالائق ملی کہ خدا کی پناہ۔ دشمن اسلام لوگوں سے اس کی ساز باز تھی۔ نوح کی مخالفت پر لوگوں کو ابھارتی رہتی نوح بت پرستی سے منع کرتے تو اس کی رگوں میں شرک کا خون کھول جاتا اور لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتی نوح کی زاہدانہ زندگی اسے آنکھوں دیکھی نہ بھاتی جب قوم انہیں ستانے آتی تو طنزاً کہتی ارے کیوں ہائے مارتے ہو یہ تو دیوانہ ہے۔ بدبخت طوفان میں ڈوب کر مر گئی مگر کشتی میں بیٹھنا گوارہ نہ کیا اللہ کی مصلحت اللہ ہی جانے ایسے مقدس فرشتہ خصائل انسان کا جوڑا اس کمبختنی سے کیوں ملایا تھا۔

قیاس کہتا ہے کہ اسی نا اہل اہلیہ کی کوکھ سے وہ نالائق لڑکا پیدا ہوا ہوگا جس کا نام کنعان تھا جو جوان ہو کر باپ کی مرضی کے خلاف کافروں کی صحبتیں گرم کرنے لگا اور کٹر کافر بن گیا۔

لوگ کہتے ہیں یہ نوح کا لے پالک بیٹا تھا مگر مجھے اس قول کی تائید میں پس و پیش ہے اگر ایسا ہوتا تو نوح یا بُنَیَّ کا لفظ استعمال نہ کرتے۔ انبیا نے اپنی صلبی اولاد کو یا بنی کہا ہے وہ پرائے بدن کی بوٹی کو اپنے نورانی سینہ سے لگانے والے نہ تھے۔ جناب ابراہیم جناب یعقوب اور حضرت لقمان وغیرہ نے اپنے ہی صلبی بیٹے کو یا بنی کہا ہے ہمارے رسول نے اپنے لے پالک زید بن حارثہ کو کبھی یا بنی کہہ کر نہیں پکارا اگر یہ لڑکا نوح کا صلبی فرزند نہ ہوتا تو نوح عالم الغیب خدا سے یہ نہ کہتے رب ان ابنی من اھلی اللہ نے جواب میں بیٹا ہونے کی نفی نہیں کی بلکہ بد اعمال ہونے کی وجہ سے خاندان نبوت سے خارج کر دیا سعدی نے کہا ہے

چو کنعاں را طبیعت بے ہنر بود
پیمبر زادگی قدرش نیفزود

یہاں سے یہ بات ہاتھ لگی کہ بد اعمالی سے نسبی رشتے قطع ہو جاتے ہیں۔ جو اولاد نافرمانی کی وجہ سے عاق ہو جاتی ہے وہ نا اہل قرار پا کر حقوق ولدیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ پس جب بد اعمالی نسبی رشتے جلا کر خاک کر دیتی ہے تو سببی رشتے جوڑ کر نجات کی امید کیسے کی جا سکتی ہے۔ بی بی ہو یا اولاد کسی نبی کے رشتہ سے اسی وقت قابل عظمت و احترام سمجھی جائیں گی جب ان کا کردار بے داغ ہو۔

ان واقعات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بد اعمال نیک اعمال کی صحبت میں رہ کر مستحق نجات نہیں ہوتا جب تک اس صحبت سے فیضیاب نہ ہو جس نافرمانی نے نوح کی بی بی کے سر سے نجات کی چادر کھینچ لی وہ اور انبیا کی ازواج کو بھی نجات سے محروم کر سکتی ہے لا تبدیل لسنۃ اللہ لوط کی بی بی اسی مرض کا شکار ہو کر مری۔ حضرت موسیٰ کی بی بی صفورا آپ کے وصی یوشع بن نون سے لڑیں اور شکست کھانے کے بعد جب تک زندہ رہیں ندامت کے آنسو بہاتی رہیں صفورا کے معنی زرد رنگ والی کے ہیں اور سرخ رنگ والی ہو تو اسے حمیرا کہتے ہیں

انبیا کی نافرمانی کے سلسلہ میں جو قوم سب سے پہلے معذب ہوئی وہ قوم نوح تھی یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا تا اینکہ خاتم الانبیا کا زمانہ آیا آپ چونکہ رحمۃ للعالمین تھے لہٰذا ظاہری عذاب کی صورت ختم کر دی گئی۔

ہود علیہ السلام

حضرت ہود قوم عاد کی طرف بھیجے گئے۔ انھوں نے قوم سے کہا

ہود ــ بت پرستی چھوڑ کر اس اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا کوئی معبود نہیں

قوم ــ ہم تم کو بیوقوف اور جھوٹا سمجھتے ہیں۔

ہود ــ میں بیوقوف نہیں اللہ کی طرف سے اس کا پیغمبر بن کے آیا ہوں تاکہ تم کو سمجھاؤں۔ کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہاری قوم کا ایک شخص تمہارے رب کا ذکر لے کر آیا ہے تاکہ تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔ کیا تم پر خدا کا یہ احسان قابل ذکر نہیں کہ اس نے قوم نوح کے بعد تم کو ان کی جگہ بسایا اور بہترین صحت دی۔

قوم ــ تو کیا تمہارا یہ منشا ہے کہ ہم اپنے سارے معبودوں کو چھوڑ کر تمہارے ایک اکیلے خدا کی پرستش کرنے لگیں حالانکہ ہمارے آباؤ اجداد برابر ان بتوں کی پوجا پاٹ کرتے چلے آرہے ہیں۔

ہود ــ دیکھو! اگر تم نے بت پرستی ترک نہ کی تو اللہ کا عذاب تم پر آجائے گا

قوم ــ اگر سچے ہو تو عذاب نازل کرا کے دکھا دو

ہود ــ عذاب تم پر آنے ہی والا ہے ویسے تو خود تمہارے ان بتوں میں رکھا ہی کیا ہے۔ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے الٹے سیدھے نام رکھ لئے ہیں ورنہ اللہ نے تو ان کو کوئی قوت دی نہیں

قوم ــ ہماری مخالفت کرتے ہیں تمہارا ضرور کچھ فائدہ ہے

ہود ــ فائدہ کیا۔ کیا میں تم سے کچھ اجرت مانگتا ہوں۔

قوم ــ آخر پھر تم ہم سے چاہتے کیا ہو

ہود ــ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم اللہ کو معبود مانو اور اس کی بارگاہ میں استغفار کرو اور اپنے گناہ سے توبہ کرو

قوم ــ اس سے فائدہ

ہود ــ اللہ مینہ برسائے گا جس سے تمہارا قحط دور ہوگا اور تمہاری قوت میں اضافہ ہو جائے گا

قوم ــ تم نے اب تک کوئی معقول بات نہ کہی۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ہمارے کسی معبود نے تم کو دیوانہ بنا دیا ہے

ہود ــ میں اللہ کو بھی اور تم کو بھی گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں تمہارے ان گمراہ کن خیالات سے بری ہوں۔

قوم ــ تمہارے حق میں ان باتوں کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا

ہود ــ تم سب مل کر جو چال چاہو چلو۔ دیکھوں تو میرا کیا بگاڑو گے۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے وہ ہر مشرک کی گردن پکڑنے والا ہے۔ میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ مانو مانو یا نہ مانو۔ وہ عنقریب تمہیں ملیامیٹ کر کے دوسری قوم کو تمہاری جگہ لے آئے گا۔ تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ تم ہر جگہ بیکار یادگاریں بناتے پھرتے ہو۔ یہ چیزیں باقی رہنے والی نہیں ہیں۔ تم میں اکثر کو تہمت ہے اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ورنہ پچھتاؤ گے۔ کم بختو! خدا نے تمہیں کیا نہیں دے رکھا چوپائے

اولاد باغات۔ چشمے اور ملکیت سب ہی کچھ تو دے رکھا ہے اس پر بھی تمہاری اکڑ فوں نہیں جاتی۔ مجھے ڈر ہے کہ تم پر عذاب نہ آجائے۔

الغرض جب وہ جھٹلاتے ہی چلے گئے تو آخرکار عذاب الٰہی نے انہیں دھر پکڑا اور وہ سب موت کے گھاٹ اتر گئے قوم ہود میں ستر گروہ تھے بڑے مالدار اور بڑے گھمنڈی۔ سالہا سال کی نعمت کے بعد ہود علیہ السلام پر صرف ستر آدمی ایمان لائے اپنی اس سرکشی کی سزا میں تین سال تو ایسا سخت قحط پڑا کہ دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے پھر ایسی سخت آندھی آئی کہ بڑے بڑے تناور درخت اڑ گئے مکانات کی چھتیں اڑ گئیں پہاڑوں کے پتھر ذروں کی طرح اڑے اور ان کو ڈھیر کر کے رکھ دیا

شداد کا بہشت

پ ۳۰ الفجر ۱۔ کیف فعل ربک بعاد ۰ ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلھا فی البلاد ۰ (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیا یعنی ارم والے دراز قد جن کا مثل دنیا کے شہروں میں پیدا ہی نہیں کیا گیا)

مولانا فرمان علی مرحوم نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے

حضرت نوح کی پانچویں پشت میں ایک شخص عاد نامی تھا اس کے دو بیٹے تھے شداد و شدید دونوں بادشاہ تھے۔ شدید کے مرنے کے بعد شداد تمام ملکوں کا مالک ہو گیا اس نے اتنی ترقی کی کہ تمام دنیا کا بادشاہ ہو گیا چار سو بادشاہ اس کے خراج گزار تھے۔ آخر اس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اس وقت کے پیغمبر جب اس کی ہدایت کو آئے اور اس سے ایمان لانے کو کہا تو اس نے پوچھا فائدہ کیا فرمایا مرنے کے بعد خدا تجھے بہشت دے گا اس نے کہا بہشت کیا ہے جب پیغمبر نے بہشت کی کیفیت بیان کی تو اس نے کہا ایسا تو خود بنا سکتا ہوں۔ غرض اس نے ایک فرحت بخش جگہ میں بہشت بنوانا شروع کر دیا۔ ایک لاکھ مزدور اس میں کام کرتے تھے اور تمام بادشاہوں کے پاس جتنے جواہرات اور سونا چاندی تھی سب منگوائی۔ سو برس میں وہ باغ تیار ہوا اس نے اپنے دادا کے نام پر اس کا نام ارم رکھا۔ اس باغ کی اینٹیں سونے چاندی کی تھیں اور ان کے شگافوں میں موتی یاقوت اور ہیرے بھرے گئے تھے زمین مشک و عنبر کی تھی اس میں ایک ہزار محل تھے اس کے گرد ہزار بالا خانے اور ہزار ایوان تھے۔ ہر مکان کے سامنے ایک درخت تھا جس کی ڈالیاں سونے کی اور پتے زمرد کے تھے۔ جب تیار ہو گیا تو شداد اسے دیکھنے چلا جب دروازہ کے قریب پہنچا تو ایک چیخ سنی اور ایک عجیب صورت نظر آئی وہ ملک الموت تھے اس نے منت کی اتنی مہلت دو کہ میں باغ دیکھ لوں۔ غرض ایک پاؤں چوکھٹ کے اندر تھا ایک باہر کہ روح قبض ہو گئی اور باغ اسی وقت نظروں سے غائب ہو گیا امیر معاویہ کے زمانہ میں عبداللہ بن قلابہ اپنا اونٹ تلاش کرتا اس باغ میں پہنچ گیا اور واپس آکر جو کیفیت بیان کی اس کی تصدیق کعب الاحبار نے کی۔

مولانا مرحوم اس بے سر و پا روایت کو اگر نہ لکھتے تو اچھا ہوتا یہ تو طلسم ہوشربا کی داستانوں جیسی ایک داستان معلوم ہوتی ہے جسے کوئی عقل قبول نہیں کر سکتی۔ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ شروع سے آخر تک اس شئے کے تو سارے ہی پرزے ڈھیلے ہیں۔ اس تعمیر میں کسی معجز نما کا تو ہاتھ تھا نہیں ایک بادشاہ نے بنوائی تھی جس کو جرم نہیں
راوی کی قوت متخیلہ میں معذور تھا وہ سب اس لئے صرف کر دیا کہ جب خدا اسے اٹھالے اور جنتوں کے بیچ میں رکھا جائے تو کوئی گوشہ انہیں نہ دکھائی نہ دے بلکہ ان سب سے بہتر معلوم ہو۔ ایسا بنا کہ خدا بھی للچا گیا۔ وہ ایسی جنت بھلا کہاں بنا سکتا تھا جلدی سے اٹھا لیا کہ کہیں رنگ میلا نہ ہو جائے

غور کیجیے اتنا لمبا چوڑا باغ جس میں پہاڑوں کے ہموزن چاندی سونا صرف ہوا تھا اور لاکھوں من موتی اور جواہرات صرف ہوئے اور مشک و عنبر کے تو دے کے تودے پانی کی طرح زمین پر بہائے گئے تھے وہ ایسا غائب ہوا کہ قارون کے خزانے کی طرح پتہ ہی نہ چلا خدا جانے زمین نگل گئی یا آسمان نے اٹھا لیا۔ بے شمار آثار قدیمہ برآمد ہو چکے لیکن نہ پتہ چلا تو بہشت شداد کا جو عمارت ایک سو کوس تک پھیلی ہوئی تھی تعجب ہے کہ اس کا ایک گوشہ کہیں سے برآمد نہ ہوا۔

(۲) نہ یہ پتہ چلا کہ کس سرزمین پر یہ عمارت بنی تھی

(۳) مبالغہ کی حد ہو گئی ایک ہزار محلات کی زمین جس کا رقبہ سو کوس تھا مشک و عنبر سے پٹی پڑی تھی۔ یہ کہاں سے آیا تھا اور اتنا مشک و عنبر کسی وقت اس دنیا میں تھا بھی یا نہیں اگر تھا تو کہاں تھا

(۴) درخت تھے تو ایسے کہ ڈالیاں سونے کی تھیں اور پتے زبرجد کے۔ آج تک کسی کو نہ ایک ڈالی ملی نہ ایک پتہ۔ یہ ذخیرے تو سلیمان کے ہاتھ بھی نہ آئے تھے۔

(۵) اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یہ طلسماتی کارخانہ صدیوں غائب رہنے کے بعد عہد معاویہ میں یکایک پھوٹ نکلا اور ایک غیر معروف شخصیت عبداللہ بن قلابہ نے اونٹ چراتے ہوئے اس بہشت کو دیکھ لیا اور اس کا سارا حال امیر معاویہ سے آکر بیان کر دیا کعب الاحبار نے اس کی تصدیق کر دی اب حسب ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے

(۱) امیر معاویہ اسے دیکھنے کیوں نہ گئے اور انھوں نے ایسی ملکیت پر جو ان کے ملک سے ہزار گونہ قیمت میں زیادہ تھی قبضہ کیوں نہ کیا اور ان کے عہد کی تاریخوں میں اس کا ذکر کیوں نہ آیا

(۲) ظاہر ہونے کے بعد وہ پھر کیوں غائب ہو گیا اور عبداللہ کے علاوہ اور لوگوں نے کیوں نہ دیکھا

(۳) کعب الاحبار کی تصدیق کا یہ مطلب ہوا کہ انھوں نے بھی دیکھا تھا۔ عبداللہ بن قلابہ اور انھوں نے سونے چاندی اور جواہرات کے ذخیروں سے اپنے گھر کیوں نہ بھر لئے۔

کس قدر توہین ہے قادر مطلق خالق کی اس عقیدہ میں کہ اللہ نے اس کو اپنے بہشتوں میں سے ایک بہشت بنا دیا۔ اللہ مسلمانوں کی اس ذہنیت پر رحم کرے۔ اٹھارہ ہزار عالموں کے بنانے والے نے یہ سمجھ کر یہ باغ اٹھا لیا کہ مجھ سے ایسا نہ بن سکے گا سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ماننے سے کیوں تکلیف ہوتی ہے کہ بطاقت بشری شداد نے ایک اچھا باغ بنایا تھا قدرت نے اسے برباد کر دیا

حضرت صالح

حضرت صالح قوم ثمود کی طرف بھیجے گئے تھے۔ ساری قوم بت پرست تھی انھوں نے کہا

صالح۔ اے قوم جس اللہ نے تم کو پیدا کیا اور روئے زمین پر تمہیں آباد کیا تم کو ہر طرح کی نعمتیں دیں اسے چھوڑ کر تم بتوں کی پوجا کرتے ہو۔ اللہ سے توبہ کرو وہ توبہ قبول کرنے والا ہے

قوم۔ صالح! اس سے پہلے ہم تمہیں معقول آدمی سمجھتے تھے اور بہت سی امیدیں تم سے وابستہ تھیں لیکن اب سب پر پانی پھر گیا۔ تعجب ہے کہ تم ہم کو ان معبودوں کی محبت سے روکتے ہو جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آرہے ہیں۔ تمہاری شخصیت کے متعلق اب ہمیں شبہات پیدا ہوگئے ہیں ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں

صالح۔ جب مجھے خدا نے نبی بنا کر بھیجا ہے اور میں اپنے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہوں تو میں حکم خدا کے خلاف کیسے کچھ کہہ سکتا ہوں۔ میں تم سے اس رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور فساد برپا نہ کرو

قوم۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ ورنہ یوں تو تم ہم ہی جیسے آدمی ہو۔ ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں ان کو بھی اپنے لیے بدشگون سمجھتے ہیں

صالح۔ تمہاری بدقسمتی کا تعلق تو خدا سے ہے۔ بات یہ ہے کہ تم لوگ عذاب خدا کے قریب آلگے ہو۔

قوم ثمود کے نو قبیلہ تھے جو بڑے سرکش اور فسادی تھے بات بات پر لڑتے جھگڑتے۔ صالح لاکھ سمجھاتے مگر ان میں سمجھنے کی کچھ صلاحیت ہی نہ تھی۔ ایک دن انھوں نے صلاح کی کہ رات کو صالح اور ان کے بال بچوں پر شبخون مارا جائے تاکہ یہ قصہ ہی ختم ہو۔ اگر کوئی خون کا دعویٰ کرے گا تو کہہ دیں گے ہمیں خبر ہی نہیں مگر اس سے پہلے ہی خدا نے ان کا خاتمہ کر دیا۔

صالح حضرت نوح کی نویں پشت میں تھے۔ سولہ برس کے سن میں آپ مبعوث برسالت ہوئے قوم ٹھیک ایک سو بیس برس تک ہدایت کی مگر وہ ہٹی اور ضدی کسی طرح قابو میں نہ آئے۔ یہ لوگ چٹان کے ایک ٹکڑے کی پرستش کرتے تھے اور ہر سال اس پر قربانی چڑھاتے تھے۔ جب آپ نے منع کیا تو انھوں نے کہا

قوم۔ تمہیں روکنے کا کیا حق ہے

صالح۔ میں خدا کا فرستادہ ہوں

قوم۔ اس کا ثبوت کیا ہے کوئی معجزہ دکھاؤ

صالح۔ بھلا کیا

قوم۔ جس پہاڑ کی چٹان کو ہم پوجتے ہیں۔ اس سے ایک اونٹنی مع بچہ کے نکال دو

صالح۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر تم خدا پر اور میری نبوت پر ایمان لاؤ گے

قوم۔ ضرور

حضرت صالح نے دعا کی۔ ایک موٹی تازی اونٹنی مع بچہ کے آتی ہوئی نظر آئی۔ خدا کا حکم ہوا کہ اس بستی میں جو چشمہ ہے

اس کا کل پانی ایک دن تو اونٹنی پیا کرے اور ایک دن کل بستی۔ چنانچہ یہ قاعدہ مقرر ہو گیا اونٹنی اپنی باری میں پانی پی کر اتنا دودھ دیتی کہ ساری قوم اسے پی کر سیراب ہو جاتی۔ اس پر بھی ان لوگوں نے حضرت صالح کے نبی ہونے کا اقرار نہ کیا بلکہ بعض شریروں نے یہ کہنا شروع کیا کہ صالح نے ہم پر یہ کیا بلا نازل کی کہ ہم ایک دن کے لئے پانی سے محروم ہو گئے ہم سے یہ تکلیف برداشت نہیں ہوتی۔ لہذا جلد از جلد اس کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔

یہ خبر سنکر جو غریب لوگ ایمان لائے تھے ان کافر امیروں سے کہنے لگے۔ دیکھو ایسا نہ کرو یہ اونٹنی اللہ کی بھیجی ہوئی ہے اگر تم نے اسے ہلاک کیا تو ضرور کوئی سخت عذاب تم پر نازل ہو جائے گا۔ انھوں نے کہا تم بیوقوف ہو جو صالح پر ایمان لے آئے وہ تو ہم ہی جیسا آدمی ہے اس نے جادو سے یہ اونٹنی پیدا کی ہے ہم اس کو بے ہلاک کئے نہ رہیں گے

اس قوم میں ایک شخص قدار نامی تھا بڑا شقی سنگدل اور کٹر کافر مخلص کو قوم نے مال کی طمع دلاکر ہلاک کرنے پر آمادہ کر دیا اس شقی نے اس کی کونچیں کاٹ دیں جس سے وہ تڑپ تڑپ کر مر گئی اس کا بچہ بھاگتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا اور آسمان کی طرف رخ کر کے فریاد کرنے لگا اس کے بعد غائب ہو گیا

اب چونکہ معاملہ حد سے بڑھ گیا تھا لہذا قہر الہی جوش میں آیا۔ ایک ایسی چیخ مابین زمین و آسمان پیدا ہوئی کہ اس قوم کے کانوں کے پردے پھٹ گئے اور سب ہلاک ہو گئے سوائے صالح اور ان چند آدمیوں کے جو ایمان لائے تھے جن کو حکم ہوا تھا کہ وہ بستی سے باہر چلے جائیں۔ عذاب سے پہلے بغرض انتباہ ان کے بدن سرخ ہوئے پھر زرد پھر ایسی خارش ہوئی کہ اپنے بدن کی بوٹیاں نوچنے لگے۔ صالح ہر بار سمجھاتے تھے کہ اب بھی توبہ کر لو۔ ابھی کچھ نہیں گیا اللہ بڑا بخشنے والا ہے مگر ان پر تو شقاوت سوار تھی کیا سنتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم نے ایسے وقت دنیا میں آنکھ کھولی جب کہ تین متضاد عقیدوں کے لوگ پائے جاتے تھے۔

(۱) بت پرست۔ جو پتھروں کی مورتیوں کی پوجا کرتے تھے۔ آزر کی بت تراشی نیکری شب و روز اسی کام میں مصروف تھی ہر سائز کے بت یہیں سے خریدے جاتے تھے

(۲) ستارہ پرست۔ جو ساتوں ستاروں کے پجاری تھے۔ ہر سیارہ کا ایک جداگانہ مندر تھا جس کو ہیکل کہتے تھے ان کے عقیدہ میں کائنات کے بنانے اور بگاڑنے میں سب سے بڑا ہاتھ انہی کا تھا۔ یہ سب دیوتا قدیم مانے جاتے تھے

(۳) شخصیت پرست۔ جنہوں نے نمرود بادشاہ کو خدا مان رکھا تھا یعنی کہ یہ بتوں کا نمائندہ ہے۔ خلق کی رزق رسانی اور ان کے جان و مال کی نگرانی اسی کے سپرد ہے جیسے رام کرشن وغیرہ ہندوؤں کے عقیدہ میں خدا کے اوتار تھے۔

ان تینوں محاذوں پر تن تنہا ابراہیم علیہ السلام کو لڑنا تھا ساری قوم میں ایک وہی خدا پرست تھے ان کے پاس نہ لشکر تھا نہ خزانہ صرف ایک عقل خداداد کے زور پر ان تینوں محاذوں پر فتح حاصل کر لی۔

کیا ابراہیم آزر بت تراش کے بیٹے تھے

کتنی قابل مواخذہ ہے یہ گستاخی کہ حضرت ابراہیم کو آزر بت تراش کا بیٹا بتایا جاتا ہے۔ تعجب ہے ان مسلمانوں کی عقلوں پر جنہوں نے محرّف توریت کی روایتوں کو اپنا لیا ہے۔ غضب خدا کا کوثر کا دہانہ آزر پر وارجی۔ اگر آزر باپ ہوتا تو ولادت ابراہیم اس کے گھر میں ہوتی نہ کہ غار میں عرب کا دستور تھا کہ وہ صلبی بیٹے کو یابنی کہہ کر مخاطب کرتے تھے آزر کا ایسا نہ کہنا اسکی دلیل ہے کہ وہ صلبی فرزند نہ تھے قرآن اس کے قول کی حکایت یوں کرتا ہے ء راغبٌ انت عن الٰھتی یا ابراھیم (اے ابراہیم کیا تم میرے معبودوں سے نفرت کرتے ہو)۔ رہا ابراہیم کا یا ابت کہنا (اے باپ) تو یہ یا تو پرورش کی تعظیم تھی یا عرفی اصطلاح کہ چچا کو باپ کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بھی بچے باپ کو چھوٹے ابا کہتے ہیں۔

جناب یعقوب نے اپنی اولاد سے پوچھا تھا کہ تم کس عبادت کروگے تو انھوں نے جواب دیا تھا الٰھک والٰہ ابائک ابراھیم واسمٰعیل واسحاق (ہم تمہارے اور تمہارے باپوں ابراہیم واسمٰعیل واسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے) ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل حضرت یعقوب کے چچا تھے مگر ان کے لئے باپ کا لفظ استعمال کیا گیا۔

ولادت ابراہیم غار میں ہوئی

نجومیوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ عنقریب ایک بچہ ایسا پیدا ہونے والا ہے جو نمرود کی ہلاکت کا باعث ہوگا اور اس کی سلطنت تباہ ہو جائے گی۔ نمرود نے اس خطرہ کا سدباب اس طرح کیا کہ اس نے حکم دیا کہ جو بچہ تین دن کے اندر پیدا ہو اسے ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن خدا کے سامنے نمرود کی کیا چل سکتی تھی۔ خدا نے ابراہیم کا حمل ہی ظاہر نہ ہونے دیا۔ جناب ابراہیم کی ولادت سے پہلے ان کے والد تارخ کا انتقال ہو چکا تھا اس خطرہ کے تحت کہ نمرود ہلاک نہ کردے ان کی والدہ بوقت ولادت غار میں چلی گئیں اور وہیں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اگر ابراہیم علیہ السلام آزر کے بیٹے ہوتے تو آزر ضرور خیر خبر لینے غار میں آتا لیکن کسی تاریخ سے اس کا پتہ نہیں چلتا ان کی والدہ ہی بار بار اپنے بچہ کی دیکھ بھال کے لئے آتی تھیں۔ سب پہلا بچہ جس نے انگوٹھا چوس کر پرورش پائی وہ حضرت ابراہیم تھے یہی وہ غذا تھی جس نے نشو ونما میں غیر معمولی اثرات دکھائے۔ ایک دن میں وہ اتنا بڑھتے تھے جتنے اور بچے ایک ماہ میں بڑھتے ہیں۔ بہت جلد چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے مگر رہے غار کے اندر ہی مخفی۔ اللہ تعالیٰ نے حد بلوغ کو پہنچنے سے پہلے ہی ابراہیم کو عقل کامل عطا کر دی تھی و اٰتینا ابراھیم رشدہ من قبل (ہم نے بلوغ سے پہلے ہی ابراہیم کو عقل عطا کردی تھی)

نبوت کا ابتدائی زمانہ جس طرح حضرت ابراہیم نے غار میں گزارا اسی طرح حضرت رسولخدا نے غار حرا میں گزارا تھا۔ فرق اتنا ہے کہ غار ابراہیم کا کسی کو پتہ نہیں اور غار حرا زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

ابراہیم اور ستارہ پرستی کا ابطال

والدہ جناب ابراہیم نے یہ بات تو کان میں ڈال ہی دی ہوگی کہ ہماری قوم ستارہ پرست اور بت پرست ہے۔ عہد ابراہیمی تک پہنچتے پہنچتے دنیا کی قوموں میں علوم و فنون کی روشنی کافی پھیل چکی تھی۔ علم نجوم میں ایک گروہ نے بہت سی معلومات حاصل کر لی تھیں اور ان کی الوہیت پر دلائل بھی قائم کر لئے تھے۔ انہی کے زور پر وہ لوگوں کو ستارہ پرست بنا رہے تھے۔ آسمانی باتیں تھیں انکا جاننا حقیقت کیلئے

نجومی جو کہدیتے وہ مان لیتے۔

اب دیکھنا خدائی درسگاہ کا تعلیم یافتہ ان کے طلسم کدۂ خیال پر کس طرح بم باری کرتا ہے ابراہیم علیہ السّلام کے دلائل کی تردید نہ اس وقت ہوئی اور نہ قیامت تک ہو سکے گی۔

رات کا وقت ہے شبستان فلک میں چمکتے دمکتے ستاروں کی محفل جمی ہوئی ہے کہ جناب ابراہیم کی والدہ غار میں آئیں اور کہا آؤ بیٹا اِس پردہ شب میں کچھ دیکھو بھالو۔ باہر نکلے تو آسمان پر نظر گئی قوم کے خیالات تو اپنی والدہ سے سن ہی چکے تھے ایک چمکدار ستارہ کو دیکھتے ہی انگلی سے اشارہ کرکے فرمایا کیا یہ میرا رب ہے؟ اسے نظر جمائے دیکھتے رہے جب وہ غروب ہوگیا تو کہنے لگے "میں تو ڈوبنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" دو لفظوں میں ایک باطل عقیدے کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ ستارہ پرست ہزار سر ماریں۔ کتنا ہی سوچیں اس دلیل کی تردید ممکن نہیں

دلیل ابراہیم کی توضیح

اب ذرا اس مختصر سے جملے کی توضیح کرنے دیجئے تاکہ پتہ چلے کہ یہ دلیل کس طرح ایک آہنی پہاڑ بن کر جم گئی ہے

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ تغیر دلیل حدوث ہے کسی چیز میں تغیر کسی دوسری چیز کے غالب آنے سے ہوتا ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ دنیا کی ہر شئے تغیر پذیر ہے۔ تو منطقی شکل اول سے نتیجہ یوں نکلے گا۔ العالم متغیر۔ کل متغیر حادث۔ فالعالم حادث۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے ایک درخت زمین سے اگتا ہے یہ اس دانہ میں تغیر کے بعد پیدا ہوا ہے جو زمین میں دبایا گیا تھا۔ کسی طاقت نے اس میں سے سوئی نکالی پھر اس میں دو پتے ہوئے پھر دو کے چار ہوئے پھر بے شمار تغیرات کے بعد وہ درخت بن گیا پھل پھول لایا۔ پھر سوکھ کر گر گیا اور فنا ہوگیا۔ یہی تغیر اس کے حدوث کی دلیل ہے۔ اگر وہ قدیم بالذات ہوتا تو دوسری کسی قوت کا اس پر تصرف نہ ہوتا۔ چونکہ بیرونی طاقتوں کو روکنے کی اس میں قوت نہ تھی لہذا وہ ہر زور کو قبول کرتا چلا گیا۔ جتنے عوامل آئے اپنا اپنا اثر دکھاتے رہے یہ عاجزی یہ انفعال اس کی دلیل ہے کہ وہ حادث ہے قدیم نہیں اس کا بناؤ سنگھار اس کا انفعال اس کی دلیل ہے کہ اس ترقی اور تنزل میں کسی اور کا ہاتھ ہے۔

حضرت ابراہیم نے مختصر لفظوں میں یہی ثابت کیا ہے کہ ستارہ حادث ہے قدیم نہیں۔ اگر قدیم ہوتا تو ایک جگہ ڈٹا رہتا۔ ضرور کوئی زبردست ہاتھ اسے کھینچتا ہوا اس حد تک لے گیا کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا اس قوت کا جو نام چاہئے رکھ لیجئے کشش ثقل کہئے گریوٹی کہئے محور پر گردش کہئے مدار پر گھومنا کہئے لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ جہاں ہم نے دیکھا تھا غروب کے وقت اسکی وہ جگہ بدلی ہوئی تھی پس جب یہ تغیر دلیل حدوث ہے تو حادث معبود نہیں ہو سکتا بلکہ معبود ایسا ہونا چاہئے کہ جو محتاج الی الغیر نہ ہو۔ کسی قوت کا اس پر غلبہ نہ ہو کسی دوسرے کے اثر کا قبول کرنے والا نہ ہو۔ جہاں ذراسی کمزوری بھی پائی جائے گی وہ اس کے حدوث کی دلیل ہوگی۔ ہے کوئی ماں کا لال جو اس دلیل کو توڑ دے۔

چاند اور سورج کے حدوث کو بھی آپ نے اسی دلیل سے ثابت کیا ایک مختصر دلیل نے ستارہ پرستوں کے منہ بند کر دیئے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو شے متحرک ہے اس کی ساخت پر دوسرے کا دباؤ ضرور ہے جو ایک مقام پہ اسے ٹھہرنے نہیں دیتا۔ علم ہیئت کا یہ مسلّمہ مسئلہ ہے کہ نظام شمسی کے تمام اجرام شب و روز حرکت میں ہیں لہذا یہ قدیم بالذات نہیں بلکہ حادث ہیں ان کا ہیرہ

کرنے والا کوئی اور ہے جو مخلوقات عالم کی تمام صفتوں سے منزہ و مبرہ ہے۔ جن ستارہ پرستوں سے جناب ابراہیم کا مناظرہ ہوا ان میں سے اکثر ایمان لے آئے اور جو ایمان نہ لائے ان میں سے اکثر کا ایمان کھوکھلا ہو گیا

حضرت ابراہیم کا بت پرستوں سے مناظرہ

دوسرا محاذ بت پرستی کے خلاف دلایل پیش کرنا تھا۔ قرآن میں جا بجا اس کا ذکر ہے

(۱) ابراہیم نے اپنے باپ (چچا) آزر سے کہا۔ کیا تم نے بتوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ میں تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پا رہا ہوں۔ تم نے ایسی چیزوں کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے جن کے لئے خدا کی طرف سے کوئی سند نازل نہیں ہوئی (پ۷ الانعام)

(۲) پ۱۶ مریم) انھوں نے اپنے باپ (چچا) سے کہا تم ایسی مورتوں کی کیوں پوجا کرتے ہو جو نہ تو سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں اور نہ تم کو کسی چیز سے بے پرواہ بنا سکتی ہیں۔ مجھے وہ باتیں معلوم ہیں جن کا علم تم کو نہیں لہٰذا تم کو میری پیروی کرنی چاہئے تاکہ تمہیں سیدھے راستہ پر لگا دوں۔ بابا جی تم شیطان کی عبادت نہ کرو۔ شیطان تو خدا کی نافرمان مخلوق ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں تمہیں خدا کا عذاب نہ دھر پکڑے اور شیطان کی حکومت تم پر نہ ہو جائے

آزر نے کہا اے ابراہیم کیا میرے معبودوں سے تم کو نفرت ہے۔ دیکھو اگر تم باز نہ آؤ گے تو میں تمہیں سنگسار کر دونگا بس تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ ابراہیم نے فرمایا یہ بات ہے تو لو میں چل دیا سلام۔ میں نے تمہیں بھی چھوڑا اور تمہارے معبودوں بھی

(۳) ابراہیم نے اپنے باپ اور اس کی قوم سے کہا۔ یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کو تم گھیرے بیٹھے ہو۔ انھوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پوجا کرتے دیکھا ہے۔ فرمایا تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہیں۔ انھوں نے کہا یہ کوئی حق بات ہے یا تم ہم سے مذاق کر رہے ہو۔ فرمایا۔ تمہارا رب آسمان و زمین کا پالنے والا ہے اور وہی ان کا خالق ہے میں اس کی گواہی دیتا ہوں (پ۱۷ الانبیاء)

(۴) پ۱۹ الشعرا۔ ابراہیم نے اپنے باپ اور اس کی قوم سے کہا کس کی پوجا پاٹ کر رہے ہو۔ انھوں نے کہا ہم تو بتوں کو پوجتے ہیں۔ فرمایا جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری بات سن لیتے ہیں؟ کیا یہ تمہیں نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ وہ بولے ہم نے اپنے باپ دادا کو یہی کرتے دیکھا ہے۔ فرمایا جن کی تم پوجا کرتے ہو یہ میرے دشمن ہیں۔ میں تو اس رب کی عبادت کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے جو مجھے کھانا پانی دیتا ہے اور بیمار ہو جاؤں تو شفا بخشتا ہے وہی مجھے مارے گا وہی پھر زندہ کرے گا

(۵) پ۲۰ العنکبوت۔ ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اگر سمجھ دار ہو تو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے (کیا غضب کی بات ہے) اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کر رہے ہو وہ تم کو رزق دینے پر قدرت نہیں رکھتے رزق اللہ سے مانگو اور اسی کی عبادت کرو۔ اسی کا شکر ادا کرو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

بت پرستی کے خلاف جو دلایل حضرت ابراہیم نے بیان کی ہیں وہ یہ ہیں

(۱) ان بتوں کے پاس کوئی سند خدا کی طرف سے ایسی نہیں کہ ان کی عبادت کی جائے

(۲) یہ بت نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ کسی کے کام آتے ہیں۔

(۳) تم خود غور نہیں کرتے بلکہ باپ دادا کی تقلید میں گمراہ ہو رہے ہو
(۴) ان بتوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا
(۵) یہ بت نہ تمہیں کھانا دیتے ہیں نہ پانی۔ نہ مارتے ہیں نہ جلاتے ہیں۔ نہ مرض سے شفا دیتے ہیں نہ کسی بلا کو ٹالتے ہیں
(۶) یہ بولتے بھی نہیں
(۷) یہ خود اپنے سے ضرر کو دفع نہیں کر سکتے دوسروں کی مصیبت کیا ٹالیں گے

کیا دنیا کا کوئی بت پرست بتوں کی ان کمزوریوں کو غلط ثابت کر سکتا ہے؟ پس جب یہ سب نقایص ان کے اندر پائے جاتے ہیں تو ان کو معبود ماننا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ ایک پجاری میں تو یہ طاقتیں ہوں اور معبود میں نہ ہوں تو افضل پجاری ہوگا یا بت۔ حقیقت یہ ہے اسلاف کی تائید اور ماحول کی زہر آلود فضا نے صحیح عقل سے کام لیا ہی نہیں گیا

ابراہیم کی بت فروشی

حضرت ابراہیم ؑ نے جب آزر نے سب سے پہلا بت پرستی کے خلاف آواز سنی تو سمجھا کہ بے ناتجربہ کار ہے کسی کے بہکانے میں آگیا ہے سمجھانے بجھانے سے کام چل جائے گا۔ ایک روز بڑے پیار سے کہنے لگا ابراہیم یہ چند بت میں نے بڑی محنت سے بنائے ہیں انہیں شہر میں گھوم پھر کر بیچ لاؤ۔ فرمایا یہ کام تو میں بڑی خوشی سے کروں گا آپ نے چھوٹے چھوٹے بتوں کو جیبوں میں رکھا جو درمیانی تھے ان کی گردن میں رسی باندھ کر ہاتھوں میں لٹکایا اور جو سب سے بڑا تھا اس کی ٹانگ میں رسی باندھ کر کھینچتے ہوئے لے چلے اور با آواز بلند کہتے جاتے تھے

لے لو ایسے ناکارہ معبودوں کو جو منہ سے بولتے نہیں کانوں سے سنتے نہیں پیروں سے چلتے نہیں۔ آنکھوں کے اندھے عقل کے کورے۔ لے لو چھوٹے بڑے بھاری ہلکے

آواز سنتے ہی لوگ بگڑ گئے اور ابراہیم ؑ کو پکڑے ہوئے آزر کے پاس لائے۔ اور کہنے لگے یہ کس گستاخ کو تم نے اپنا ایجنٹ بنایا ہے ہمارے معبودوں کو سخت ناسزا الفاظ سے یاد کرتا ہے تمہاری خاطر سے اس بار تو چھوڑ دیا ہے اگر یہ گستاخی اس نے پھر کی تو ہم اس کو مار ڈالیں گے۔ آزر غصہ میں تھر تھر کانپنے لگا اور ڈانٹ کر کہا نکل جا یہاں سے۔ تو میرے بزنس کو فیل کرنا چاہتا ہے میں تیری صورت دیکھنے کا روادار نہیں حضرت ابراہیم نے فرمایا یہ بات ہے تو لو میں چل دیا۔ سلام

ابراہیم کی بت شکنی

ابھی دوسرے ہی محاذ پر گولہ باری ہو رہی ہے۔ عید کا موقع آیا تو انہوں نے کہا ابراہیم تم بھی ہمارے ساتھ عید گاہ چلو انھوں نے مصلحتاً ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا میں بیمار ہوں۔ یہ سنکر وہ چلے گئے۔ میدان خالی پاکر ایک مندر میں گھس گئے اور بتوں کے سامنے جاکر کہا اے تم کھاتے پیتے کیوں نہیں۔ اے تم بولتے کیوں نہیں۔ کلہاڑا تو ہاتھ میں تھا ہی ان پر پل پڑے اور ہزن بول دیا اور وہ دھڑا دھڑ مچائی کہ کسی کا سر پھوڑا کسی کی ٹانگ توڑ دی کسی کا ہاتھ غرضکہ سب کے ٹکڑے کر کے خاک پر بکھیر دئے۔ سب سے بڑے بت کو مصلحتاً چھوڑ دیا اور اس کی گردن میں وہ کلہاڑا ڈال کر نکل آئے۔

جب وہ لوگ عیدگاہ سے واپس ہوئے اور مندر میں پرشاد چڑھانے آئے تو سارے خداؤں کی ہڈی پسلی ٹوٹی دیکھی۔ انھوں

تنقید و تبصرہ

سے اندھیرا چھاگیا - ارے یہ کیا ہوا - ہیں یہ کیا ماجرا ہے - یہ دست درازی کس ظالم نے کی - یہ کون تھا جو ہمارے خداؤں سے ذرا نہ ڈرا

ایک - ہو نہ ہو یہ کارروائی اسی جوان کی ہے جس کا نام ابراہیم ہے

دوسرا - بے شک اسی ظالم نے یہ قیامت برپا کی ہے

تیسرا - ارے اسی لئے تو ہمارے ساتھ نہ گیا تھا -

سب - جہاں ہو پکڑ لاؤ - ہم اسے چھوڑنے والے نہیں - سب کے سامنے اس سے پوچھ گچھ کی جائے گی - یہ معمولی بات نہیں

لوگ فوراً دوڑے گئے اور پکڑ کر لے آئے -

قوم - کیوں جی یہ ستم تم نے ڈھایا ہے

ابراہیم - یہ تو ان کے بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو

یہ جواب سنتے ہی وہ سکتہ میں آگئے اپنے دلوں میں کہنے لگے اصل میں ہم ہی غلطی پر ہیں - سر جھکا کر یہ کہنے لگے تمہیں معلوم ہے کہ بت بولا نہیں کرتے - حضرت ابراہیم نے کہا پھر تم خدا کو چھوڑ کر ان کی پرستش کیوں کرتے ہو یہ تو بلکے گوہ ہیں نہ لینے نہ دینے نہ تم کو نفع پہنچانے والے ہیں نہ نقصان سے بچانے والے

یہ سنکر ان سب نے فیصلہ کیا کہ اپنے خداؤں کی سب سے بڑی نصرت یہی ہے کہ اس شخص کو آگ میں جلا دو -

اب یہ محاذ مکمل فتح ہو گیا اور بت پرستوں نے ایسی سخت شکست کھائی کہ منہ دکھانے کی جگہ نہ رہی حضرت نے عملاً دکھا دیا کہ ان بتوں میں کوئی طاقت نہیں ورنہ یہ سب مجھ پر ٹوٹ پڑتے اور باقاعدہ جنگ چھڑ جاتی - دوسرے یہ مسئلہ بھی صاف کر دیا کہ کوئی روح ان کے اندر حلول کئے ہوئے نہیں ورنہ وہ ان کو بچاتی یہ ایک فرضی ڈھکوسلا ہے کہ ان کے اندر فلاں فلاں بڑے بڑے آدمیوں کی روح حلول کئے ہوئے ہے - خدا تو کیا ان کے اندر تو شیطان بھی حلول کئے ہوئے نہیں - حضرت ابراہیم کی اس دلیل کو کون توڑ سکتا ہے -

کیا ابراہیمؑ نے جھوٹ بولا تھا

انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے دشمن اور جھوٹوں کے دوست کہتے ہیں کہ ابراہیم نے جھوٹ بولا بیمار نہ تھے اور اپنے کو بیمار بتایا - دوسرا جھوٹ یہ تھا کہ بتوں کو توڑا خود اور تھوپ دیا بڑے بت کے سر - یہ تو سفید جھوٹ ہے - اگر ایک بے گناہ بندہ کو گنہگاروں میں لا بٹھانا ہی کوئی نیکی سمجھی جاتی ہے تب تو اور بات ہے ورنہ بات تو انھوں نے سچی کہی تھی -

بیماری دو قسم کی ہوتی ہے جسمانی اور روحانی انبیا کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ روحانی بیماری اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی قوم ضلالت و گمراہی کے بھنور میں پھنسی ہوئی ہو اور بجائے خدا کے بتوں کی پوجا کرے

رہا بڑے بت کی طرف اپنے فعل کو نسبت دینا وہ ایک شرط کے ساتھ تھا یعنی اگر یہ بول سکتے ہوں تب تو ان کے بڑے نے کیا ہے ورنہ کسی دوسرے کا فعل ہے - چونکہ وہ نہیں بولے لہذا وہ بڑے بت کا فعل نہیں تھا - حضرت کا یہ کہنا ایک بڑی مصلحت کے تحت تھا اگر یہ کہہ دیتے کہ میں نے ایسا کیا ہے تو انہیں بتوں کی کمزوری کا احساس نہ ہوتا اور ان کو دینا کہنے

کا موقع نہ ملتا کہ بت بولا نہیں کرتے۔ دوسرے وہ شرمندہ بھی ہوئے اور اپنے دلوں میں سوچے بھی ندامت سے سر جھکائے بھی بنی تھے ان کا یہ کہنا مصلحت سے خالی نہ تھا۔

ابراہیم کا آگ میں ڈالا جانا

جب بیسٹے پایا کہ حضرت ابراہیم کو آگ میں جلانا ہے تو ایک مقام پر لکڑیوں کے انبار لگائے گئے اور جب ان میں آگ لگی تو اس کے شعلوں سے کوسوں دور کے پرندے کباب ہو کر گرنے لگے۔ آگ سی آگ تھی خدا کی پناہ تصور سے کلیجہ لرزتا ہے۔ آگ میں پھینکنے کے لئے ایک آلہ بنایا گیا تھا جس کو منجنیق کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کو اس میں بٹھایا گیا اور جب وہ اوپر اٹھ گئے تو ان کو منجنیق سے جدا کر کے آگ کے شعلوں کی طرف پھینکا گیا۔

کیسا خوفناک منظر تھا آدمی کیا فرشتے تھر تھرا گئے۔ بارگاہ باری میں عرض کی پالنے والے اس قوم میں تیرا ماننے والا صرف ایک ہے کیا تو اسے آگ میں جلتا دیکھ لے گا۔ اجازت دے کہ ہم اس کی نصرت کریں۔ اجازت مل گئی ابھی ابراہیم آگ تک پہنچے تھے کہ جبرئیل نے آلیا۔ ابراہیم کوئی حاجت ہے؟ ہے مگر تم سے نہیں۔ پھر جس سے ہے اسی سے بیان کرو۔ اس سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ جبرئیل واپس گئے اور فوراً ایک آواز آئی یا نارُ کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم (اے آگ سلامتی کے ساتھ ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا) اب آگ کہاں تھی۔ پھولوں کا لہکتا مہکتا ایک جنت نگاہ گلزار تھا پھولوں کی پتیوں کا ایک فرش تھا جس پر ابراہیم بیٹھے مسکرا رہے تھے

یہ تھے ابراہیم یہ تھا ان کا خلوص اپنے معبود کے ساتھ اور یہ تھی خدائی رحمت ابراہیم پر۔ بت پرستوں پر اس معجزہ کا بڑا اثر ہوا بیشمار لوگ اللہ تعالےٰ کی یکتائی پر ایمان لے آئے۔ حقیقت میں یہ انبیاء ہی کا دل گردہ ہے کہ وہ امر حق کی تبلیغ میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

نمرود و ابراہیم

دو محاذ تو بڑی کامیابی کے ساتھ فتح ہو گئے اب تیسرا محاذ باقی رہا وہ تھا نمرود سے مقابلہ۔ یہ بھی اپنی سلطنت کے غرور میں اپنے کو خدا کا اوتار سمجھے بیٹھا تھا۔ حضرت ابراہیم کے واقعات اپنے کانوں سے سن چکا تھا۔ گھبرایا ہوا تھا کہ میری خدائی کی خیر نہیں کیونکہ ستارہ پرستوں اور بت پرستوں کا گروہ اپنی ذہنی شکست مان چکا تھا۔ زبانیں نمرود کے خوف سے خاموش تھیں مگر ضمیر بول رہے تھے۔

ایک دن اس نے حضرت ابراہیم کو بلا کر کہا

نمرود ۔ تم کو معلوم ہے میں کتنا بڑا بادشاہ ہوں۔ تم کو معلوم ہے میری قوت کس حد تک ہے؟

ابراہیم ۔ میرا رب تجھ سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔ وہ تمام عالم کو پیدا کرنے والا اور جلانے اور مارنے والا ہے

نمرود ۔ ہا ہا ہا بس اتنی بات ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے۔ ارے یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔

ابراہیم ۔ کیسے

نمرود ۔ ایک واجب القتل کی جان بخش کر دوں گویا جلا دیا۔ قتل کر دوں گویا مار دیا۔ یہ تو معمولی بات ہے۔

ابراہیم سمجھ گئے کہ کرۂ نفس ہے۔ اس کی مت ماری گئی ہے۔ بات کی تہ کو نہیں پہنچا
حضرت نے فرمایا۔ اچھا سن میرا رب ہر روز سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ یہ سنتے ہی
وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اور خدائی پندار کی رگ رگ زرد کرنے لگی۔ سر جھکا ہوا ہے اور عرق ندامت سے جبیں نخوت شرابور ہے
سوچتا تو بہت کچھ تھا لیکن جواب بن نہ پڑتا تھا۔ آخر خجالت مٹانے کے لئے کہنے لگا۔ یوں نہیں کام چلے گا اب میں تمہارے خدا سے
لڑنا چاہتا ہوں۔ اس سے کہو اپنا لشکر بھیجے۔ دیکھوں تو کتنی طاقت رکھتا ہے۔ فلاں روز فلاں مقام پر مقابلہ ہوگا
اس کے بعد اس نے اپنے ملک کے ہر حصہ سے فوج طلب کی۔ پھر کیا تھا ہر طرف سے سلحشور جوان آنے شروع ہوگئے۔ لمبے چوڑے
میدان فوجوں کی کثرت سے چھلک اٹھے۔ آخر مقابلہ کا دن آہی گیا
نمرود کا تخت ایک بلند مقام پر بچھایا گیا اور تمام ارکان سلطنت اس کے گرد بیٹھے۔
حضرت ابراہیم تن تنہا بے دھڑک محاذ پر جا پہنچے
نمرود — کہاں ہے تمہارے خدا کی فوج کہاں ہے۔ یہاں تو ایک سپاہی بھی نظر نہیں آتا کیا تمہارا خدا ڈر گیا
ابراہیم — عنقریب آنے والی ہے
نمرود (فوج سے) جوانو ہشیار خبردار! دشمن آنے والا ہے کسی ایک کو زندہ نہ چھوڑنا۔
فوج — ہم سب تیار ہیں۔ ایک بھی بچ کر نہ جائے گا
ابراہیم (افق آسمان کی طرف اشارہ کر کے) دیکھ میرے خدا کا لشکر وہ آگیا
نمرود — تمہاری مت تو نہیں ماری گئی۔ یہ فوج ہے یا بادل کا ٹکڑا۔
ابراہیم — یہ بادل نہیں۔ میرے خدا کی فوج ہے
نمرود — دماغ خراب ہوگیا ہے
اتنے میں مچھروں کا لاتعداد لشکر بڑھتا ہوا قریب آگیا
ابراہیم — آگیا میرے خدا کا لشکر
آندھی کی طرح آنا فانا میں مچھروں کی فوج نے انہیں آگھیرا۔ نمرود نے غل مچایا مارو مارو لیکن مارو کسے اور کیسے۔ نہ تلوار چلتی
ہے نہ خنجر نہ نیزہ نہ تیر۔ سب ہتھیار جہاں تھے وہیں رہ گئے۔ وہ تو کیا حملہ کرتے اب خدائی فوج کے سپاہی بڑھے۔ ایک ایک
مچھر سپاہی کی ناک سے دماغ میں جا بیٹھا اور بھیجا کرید نا شروع کر دیا۔ پھر کیا تھا یہ گرا وہ گرا چکرا کر چند منٹ کے اندر
سارے میدان لاشوں سے پٹ گئے۔ یہ ہولناک سماں دیکھ کر نمرود بھاگا۔ ایک مچھر نے اس کا پیچھا کیا اور ناک کی راہ سے
دماغ میں جا بیٹھا حکم خدا ہوا کہ تھوڑا تھوڑا کرید ے تاکہ جلد ہلاک نہ ہو۔ بیس روز تک زندہ رہا۔ دنیا نے یہ تماشا دیکھا کہ جب مچھر کاٹتا
تو اس کے سر پر تڑاتڑ جوتے مارے جاتے۔ اس کے بعد کچھ دیر کو وہ کرید نا چھوڑ دیتا۔ کچھ بعد جب وہ کاٹتا تو پھر وہی نمرود کا سر
اور جوتوں کی مار۔ غرض اس مغضوب خدا کے سر پر اتنے جوتے پڑے کہ چندیا سوجھ گئی۔ بیس دن بعد مچھر نے اپنا کام تمام کر کے اسے
ایک جسد بے روح بنا کر زمین پر لٹا دیا۔ بحمد اللہ یہ محاذ بھی حضرت ابراہیم نے سر کر لیا۔

جناب سارہ کا واقعہ

حضرت سارہ خاندانِ نبوت سے تھیں۔ حضرت ابراہیم کی خالہ زاد بہن تھیں۔ حضرت ابراہیم ایک بار ان کے ساتھ شام کا سفر کر رہے تھے راہ میں ان کا گزر ایک ایسے ملک سے ہوا جہاں کا بادشاہ بڑا بدکار تھا جو قافلے ادھر سے گزرتے ان میں جو خوبصورت عورتیں ہوتیں ان پر قبضہ کر لیتا اور ان کے شوہروں کو قتل کرا دیتا

جناب سارہ خوبصورت عورت تھیں۔ بادشاہ کے سپاہی ان کو اور حضرت ابراہیم کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ وہ دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا۔ حضرت ابراہیم سے پوچھا یہ تمہاری کون ہیں۔ چونکہ بی بی بتانا خلافِ مصلحت تھا لہذا فرمایا یہ میری بہن ہیں۔ اس نے کہا ان کی شادی میرے ساتھ کر دو۔ فرمایا میں شادی کرنے والا کون یہ خود مختار ہیں۔ یہ سنکر اس نے سارہ کو روک لیا اور حضرت ابراہیم کو رخصت کیا۔ خلوت میں لیجا کر جب اس نے دست درازی کی تو اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ اس نے کہا معلوم ہوتا ہے تو جادوگرنی ہے۔ انھوں نے کہا میرا شوہر خدا کا رسول ہے وہ میری عصمت بچانے کے لئے خدا سے دعا کر رہا ہے۔ اس نے کہا اچھا مجھے معاف کر دو۔ جناب سارہ نے دعا کی اس کا ہاتھ اچھا ہو گیا۔ دوبارہ اس نے پھر وہی کیا اب کی بار آدھا زمین میں دھنس گیا پھر توبہ تلا کی اور زمین سے باہر نکل آیا۔ تیسری بار اس نے پھر وہی کیا اب کی بار گردن تک دھنس گیا۔ رو رو کر کہنے لگا اب کی بار اور معاف کر دو۔ اب ہرگز ایسی گستاخی نہ کرونگا چنانچہ پھر خطا معاف ہوئی۔

اب اس نے حضرت ابراہیم کو بلا کر انتہائی ندامت کے ساتھ اپنی گستاخی کی معافی چاہی اور بڑی عزت و حرمت کے ساتھ رخصت کیا اور اپنی بیٹی ہاجرہ کو بطور تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

ہمارے مسلمان بھائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے مدت العمر میں تین جھوٹ بولے۔ دو کا ذکر پہلے گزر چکا تیسرا یہ ہے کہ انھوں نے بی بی کو بہن بتایا۔ معلوم نہیں فرزندانِ توحید کو انبیا علیہم السلام کو جھوٹا اور گنہگار کہنے میں کیا مزہ آتا ہے۔ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دھبہ دار دامنوں کو ملی ہی دھو رہے ہیں اور باوجود داغ باقی رہنے کے کہہ رہے ہیں کہ دامن صاف ہو گیا ایک یہ مسلمان ہیں کہ پاک صاف دامنوں کو داغدار بنا رہے ہیں

چونکہ حضرت ابراہیم کو یہ علم ہو گیا تھا کہ یہ بادشاہ شوہر دار عورتوں کے شوہر کو قتل کر دیتا ہے اس لئے اپنی بی بی کا نسبی رشتہ ظاہر کر کے اپنے کو قتل ہونے سے بچا لیا۔ تو یہ جھوٹ کیسے ہوا جبکہ سارہ رشتہ میں ان کی خالہ زاد بہن تھیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وقت ضرورت تقیہ جائز ہے۔

یہود و نصاریٰ حضرت رسولخدا کی عداوت میں جناب اسمٰعیل کا وقار کم کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ کنیز تھیں لہذا انکی (اسمٰعیل) اولاد روحانی وقار میں فرزند سارہ یعنی اسحاق کی اولاد کی برابر نہیں ہو سکتی چونکہ حضرت رسولخدا اولاد حضرت اسمٰعیل سے ہیں لہذا ان کو انبیائے بنی اسرائیل پر فوقیت نہیں۔ لیکن یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی چاند پر خاک ڈال کر اس کی روشنی کو دھندلا کرنا چاہے اول تو نسبی فضیلت کا تعلق باپ سے ہوتا ہے نہ کہ ماں سے دوسرے اگر ایسے امور کمال نفسانی میں کوئی نقص پیدا کرتے تو حضرت سرور انبیا کو خاتم المرسلین نہ بناتا اپنے گھر کی تعمیر میں جناب اسمٰعیل کو شریک نہ کرتا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت رسولخدا کو ایسے فضائل عطا نہ فرماتا جن سے انبیائے بنی اسرائیل کے فضائل کی چمک ماند پڑ گئی

حضرت ابراہیم شجرۃ الانبیاء ہیں

حضرت آدم سے لے کر حضرت ابراہیم تک جتنا انبیاء آئے ان کی تعداد ایک سیکڑہ میں پوری ہو جاتی ہے باقی تمام انبیاء و مرسلین حضرت ابراہیم کی اولاد تھے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو ملت ابراہیمی کے نام سے موسوم کیا۔ جناب ابراہیم کے لئے یہ بہت بڑا شرف ہے

نوح علیہ السلام کی جو شریعت تھی اس پر ملت ابراہیمی کا عمل تھا البتہ صحیفوں کے ذریعہ سے احکام الٰہیہ میں موقع موقع کے لحاظ سے تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں ان صحیفوں کا ذکر قرآن میں ہے "صحف ابراھیم و موسیٰ" اسلام کے اصول توحید و نبوت و قیامت کسی زمانہ میں بھی نہیں بدلے گئے۔ ہر نبی انہی اصول کی تعلیم پر مامور تھا البتہ کسی شریعت کے تحت جو اعمال صالحہ تھے ان میں وقتاً فوقتاً کمی بیشی ہوتی رہی۔

یہ خصوصیت حضرت ابراہیم کو حاصل ہے کہ تمام آسمانی کتابیں ان کی ذریت سے مخصوص رہیں آیہ واتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمۃ سے واضح ہے کہ کتاب اسکے ساتھ حکمت نظری اور عملی بھی اولاد ابراہیم کے حصہ میں آئی۔ نیز یہ کہ نبوت کا سلسلہ اولاد انبیاء ہی میں رہا یہ سنت خاتم الانبیاء سے پہلے تک نہیں بدلی۔ ہاں حضرت کے بعد لوگوں نے اس سلسلہ کا رخ موڑ دیا۔ سلطنت کے دایرہ میں ضرور دھینگا مشتی ہوتی رہی لیکن روحانی اقتدار بدستور اپنی جگہ پر قایم رہا وہ چیز ایسی نہ تھی کہ زبردستی چھین جھپٹ سے لی جاتی۔

سارہ اور حاجرہ

حضرت ابراہیم کی دو بی بیاں تھیں ایک سارہ جو خاندان نبوت سے تھیں دوسرے حاجرہ جو بادشاہ کی بیٹی تھیں اور بطور تحفہ حضرت ابراہیم کو ملی تھیں۔ ایک ہی گھر میں دونوں رہتی تھیں۔ کون نہیں جانتا کہ عورت کی فطرت میں سوتیا ڈاہ ہے وہ ہر گھر میں چاہے وہ نبی کا ہو یا ولی کا بغیر رنگ لائے نہیں رہتی۔ ہاجرہ کا وجود سارہ کے دل میں ایک ایسا کانٹا تھا جس کی کھٹک کسی وقت نہیں جاتی تھی۔ نبی کی بی بی تھیں اگر صبر و تحمل سے کام لیتیں تو سکھ چین سے خود بھی رہتیں اور شوہر بھی آئے دن کی الجھن سے بچ جاتے مگر سارہ کے ظرف میں اتنی وسعت نہ تھی وہ بات بات پر بگڑ بیٹھتیں اور سوتن کو ہزار سناتیں۔ حضرت نے بہتیرا سمجھایا مگر فطرت نسوانی اپنی جگہ پر رہی۔

کریلا اور نیم چڑھا یہ ہوا کہ حاجرہ کو اللہ نے اسمعیل جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ سارہ اب تک اولاد سے محروم تھیں پھر بوڑھیا ہو جانے کی وجہ سے اولاد کی امید بھی نہ رہی تھی جلاپے کے دل پر ایک اور نشتر لگا۔ اگرچہ نیک بی بی تھیں مگر یہ چوٹ نہ سہ سکیں ہاجرہ کچھ میٹھی نہ تھیں اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتی تھیں مگر اس خیال سے چپ رہتیں کہ یہ خاندان نبوت سے ہیں اور میاں کی منہ لگی بی بی ہیں۔

حضرت ابراہیم آئے دن کی تو تو میں میں سے پریشان ہو گئے بارگاہ باری میں اپنی داستان غم بیان کر کے مدد چاہی وحی ہوئی عورت کی مثال ٹیڑھی پسلی کی سی ہے زیادہ دباؤ گے تو ٹوٹ جائے گی بہتر ہے کہ دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ دونوں کو علحدہ رکھا جائے حکم ہوا حاجرہ کو یہاں سے سرزمین بطحا پر لے جاؤ۔ جب اس حکم کی تعمیل پر آمادہ ہوئے تو بی بی سارہ نے چلتے چلتے ایک اور وار کیا یعنی حضرت ابراہیم سے وعدہ لیا کہ ان کو مکہ پہنچا کر بغیر

سواری سے اترے اور زمین پر قدم رکھے واپس آئیں۔ چنانچہ یہ ہٹ پوری کی گئی۔
دو بی بیوں کے درمیان مرد ایسا ہے جیسے دو آگوں کے درمیان لکڑی۔ جب انبیا کے گھروں میں سوتیا ڈاہ نہ رکی تو بھلا عام لوگوں کو اس سے کیا نجات ملتی۔ جب خاندان نبوت والی بی بی اپنی سوتن کو سیدھی آنکھ سے نہ دیکھ سکی تو اس گھر میں کیا کچھ نہوا ہوگا جہاں مختلف قبائل کی تو بی بیاں بیک وقت جمع ہو گئی ہوں اور بعض قرانی جن میں سے بعض کے دل ٹیڑھے بھی ہوں اور جن کی شورہ پشتی بھی رسول کے خلاف ہو۔

ابراہیم کی مہمان نوازی

ایک روز بصورت بشری چند فرشتے حضرت ابراہیم کے گھر آئے اور سلام کیا۔ حضرت نے جواب سلام دیا اور بہ حیثیت مہمان ان کو اپنے گھر میں جگہ دی اور ضیافت کے لئے ایک بچھڑا ذبح کر کے اس کا گوشت بھنوایا اور مہمانوں کے پاس لے کر آئے۔ جب دیکھا کہ وہ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے تو بہت ناگوار ہوا اور جنبی جان کر ان سے خائف ہوئے۔ وہ بولے خوف نہ کیجیے ہم فرشتے ہیں قوم لوط پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں۔
بی بی سارہ یہ باتیں کھڑی سن رہی تھیں وہ ہنس پڑیں۔ فرشتوں نے انہیں اسحاق اور اسحاق کے بعد یعقوب کی پیدائش کی خوش خبری دی۔ انھوں نے کہا ہے ہے! کیا میں اب بڑھیا ہو کر بچہ جنوں گی میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یہ کیا عجیب بات کہہ رہے ہو۔ انھوں نے کہا تم حکم پر تعجب کر رہی ہو حالانکہ اسے خاندان نبوت تم پر اللہ کی رحمت و برکت ہوتی ہی رہتی ہے۔
اس بشارت کے بعد جناب سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم کی عمر اس وقت ایک سو بیس سال اور حضرت سارہ کی نوے سال تھی۔ جب اللہ دینے پر آتا ہے تو یوں دیتا ہے۔ بیٹا ہونے کے بعد سارہ کے دل کے ایک گوشہ میں تو ٹھنڈک پہنچی۔

ہاجرہ کی جلاوطنی

بحکم خدا جناب ابراہیم حضرت ہاجرہ کو مع ان کے شیر خوار بچہ کے ساتھ لئے کہ سر زمین بطحیٰ پر پہنچے۔ اس وقت یہ مقام ایک لق و دق ریگستان تھا آدم نہ آدم زاد نہ درخت کا سایہ نہ پانی کا نشان۔ ہر طرف یا تو پہاڑ تھے یا ریت کے ٹیلے بسنسان کفدست میدان۔ وہیں ایک صاف ستھری جگہ دیکھ کر ہاجرہ اور ان کے بچہ کو سواری سے اتار دیا۔ خود نہ اترے اور واپس چلے گئے۔
——　اس واقعہ میں چند باتیں قابل غور ہیں

(۱) جناب سارہ کیسی سخت دل خاتون تھیں کہ انھوں نے جناب ابراہیم سے یہ وعدہ لیا کہ ہاجرہ کو ایسے ویران مقام پر چھوڑ کر چلے آئیں اور سواری سے اتریں تک نہیں کم سے کم اتنی اجازت تو دیتیں کہ وہاں غریب ہاجرہ کے لئے دانہ پانی کا تو انتظام کر دیتے کوئی جھونپڑی ڈال کر دو چار روز ان کے پاس رہ لیتے ایک نیک بی بی کے لئے ایسی فرمائش کرنا فطرت انسانی پر چوٹ دیتا ہے مگر چونکہ بڑے گھر کی باتیں ہیں زبان کون کھولے۔

(۲) یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جناب ابراہیم نے ایسی ناپسندیدہ فرمائش پر عمل کیوں کیا۔ بی بی پر شوہر کی اطاعت واجب ہے نہ کہ شوہر پر زوجہ کی۔ اس کے جواب میں ہم صرف اتنا ہی کہنا چاہتے ہیں کہ اس عمل میں اگر صرف سارہ ہی کی فرمائش کو دخل ہوتا تو حضرت ابراہیم یقیناً پورا نہ کرتے لیکن چونکہ مصلحت خداوندی شامل تھی اس لئے کرنے پر مجبور ہوئے

(۳) کیا یہ بھی حکم خدا تھا کہ وہ رہنے سہنے اور کھانے پینے کا انتظام کیے بغیر واپس چلے جائیں۔ ہاں اس کا بھی حکم تھا اس میں چند مصالح تھے

الف ۔ حضرت ابراہیم کی انتہائی فرمانبرداری اور توکل علی اللہ کا ثبوت ۔

ب ۔ حضرت ہاجرہ کے انتہائی صبر و ضبط کا مظاہرہ اور شوہر کی بھرپور فرمانبرداری کا ثبوت

ج ۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی رحمت واسعہ سے اپنے بندوں کو روشناس کرانا

د ۔ حضرت ابراہیم کی عظمت و رفعت کا اعلان اور اس کا اظہار کہ نبی بچپن ہی سے نبی ہوتا ہے اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں بچپن ہی سے اس پر نازل ہونے لگتی ہیں ۔

ہاجرہ اور اسمٰعیل کے واقعات

جب حضرت ابراہیم بی بی اور بچہ کو چھوڑ کر چلے گئے تو ہاجرہ کو پریشانی لاحق ہوئی ۔ دور دور تک نہ کوئی آبادی تھی نہ کھیتی باڑی ۔ آدمی کا کیا ذکر پرندہ بھی پر نہ مارتا تھا ۔ کس قدر شوہر کی فرمانبردار اور اللہ پر پختہ ایمان رکھنے والی بی بی تھیں حضرت ہاجرہ کہ جب حضرت ابراہیم چھوڑ کر چلے تو ان کا دامن نہ پکڑا تصور کرو ۔ ایک عورت بچہ کو گود میں لیے تن تنہا کھلے میدان میں بیٹھی ہے نہ کوئی مونس نہ غمگسار نہ معاون نہ مددگار تھوڑا سا پانی جو ساتھ تھا وہ ختم ہو گیا ہے ۔ بچہ کی تڑپ بتا رہی ہے کہ پیاسا ہے ۔ چھاتی کا دودھ خشک پانی ناپید کیا ہو اپنی اور بچہ کی جان کیسے بچائے ۔ اجنبی مقام غیر مانوس جگہ پانی کی تلاش میں جائیں تو کدھر جائیں ۔

سامنے صفا و مروہ دو پہاڑیاں تھیں سوچیں ان پر چڑھ کر دیکھوں شاید کہیں طائر منڈلاتے نظر آئیں اور پانی کا پتہ لگ جائے ۔ بچے کو وہاں چھوڑا پہلے صفا پر چڑھیں ادھر ادھر نظر دوڑائی پانی ہوتا تو نظر آتا ۔ خیال آیا بچہ وہاں تنہا ہے نجانے اس پر کیا گزری ہوگی دوڑی ہوئی آئیں ۔ دیکھا صحیح سالم ہے پھر بھاگی ہوئی گئیں سات بار ایسا ہی کیا کبھی صفا پر تھیں کبھی مروہ پر آخر بار لوٹیں تو حیرت کی انتہا نہ رہی بچہ کے پیروں کے نیچے پانی موجیں مار رہا تھا اور زن زن کرتا ہوا چلا آ رہا تھا ۔ ادھر ادھر ریت جمع کر کے حوض سا بنا لیا یہی چشمہ ہے جو اب چاہ زمزم کی صورت میں حرم خدا کے اندر ہے جس کا پانی بطور تبرک ملکوں ملکوں میں جاتا ہے

خدا کو اپنی اس نیک صفات بندی کا یہ عمل قیامت تک باقی رکھنا تھا لہٰذا اس نے مناسک حج میں صفا و مروہ کی سعی کرنے کو داخل کر دیا ۔

پانی کی بو پا کر پرندے منڈلانے لگے ۔ بنی جرہم نے جو خانہ بدوش تھے پرندوں کی پرواز سے پانی کا پتہ چلا لیا اور اس سرزمین پر آ کر آباد ہو گئے اب ہاجرہ کی تنہائی کا سلسلہ ختم ہو گیا ۔ رفتہ رفتہ آبادی بڑھتی گئی یہاں تک کہ ملک کا ایک بڑا شہر بن گیا ۔ دیکھا آپ نے خدا کے تفضلات کو

حضرت ابراہیم خیر خبر کو آتے تو رہتے ہی تھے قبیلہ جرہم کے آباد ہونے اور چشمہ زمزم کے پھوٹ نکلنے کے بعد جب آئے تو منظر کچھ اور تھا ۔ ہاجرہ نے سارا قصہ سنایا بہت خوش ہوئے اور شکر خدا بجا لائے اب یہاں حضرت ابراہیم کا قیام زیادہ

رہنے لگا۔ سارا کو ناگوار تو ضرور ہوا ہوگا مگر اب ان کی کوئی ہٹ قابل اعتنا نہ تھی کیونکہ حضرت ابراہیم کے ہر عمل پر شیت کا چوکیدار بیٹھا تھا۔

ذبح اسمٰعیل واقعات کی نشو و نما کے ساتھ اسماعیل علیہ السلام بھی جوانی کی طرف بڑھتے گئے۔ جب خوب چلنے پھرنے اور دوڑنے لگے تو اپنی نوعیت کا ایک نیا واقعہ پیش آیا۔

ایک رات حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہوئے دیکھا۔ خواب سمجھ کر ٹال گئے۔ جب تین راتوں پے در پے یہی خواب دیکھا تو سمجھے خدا کی مرضی یہی ہے کہ میں اسمٰعیل کو اس کی راہ میں ذبح کر دوں۔ عمل تو بڑی چیز ہے اس کا تصور بھی ایک بہادر سے بہادر انسان کے بدن پر رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے اور کلیجہ کپکپا دیتا ہے۔ یہ انبیاہی کے حوصلے ہیں کہ چشم قدرت کا اشارہ پاتے ہی سخت سے سخت کام کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں

صبح کو تنہائی میں بیٹے سے یوں گفتگو ہوئی۔ بیٹا میں نے خواب میں تمہیں ذبح کرتے ہوئے دیکھا ہے بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اور کوئی بیٹا ہوتا تو باپ کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھتا اور اس خواہش کے پورا کرنے پر تیار نہ ہوتا۔ اس نے ابھی اس دنیا میں دیکھا ہی کیا تھا مگر بیٹا تھا ابراہیم خلیل کا جو خود بھی نبوت کے لئے نامزد ہو چکا تھا اس کا صاف لفظوں میں یہ جواب تھا۔ بابا جان! جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اُسے ضرور پورا کیجئے آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے

بات پکی ہوگئی بیٹے کو ساتھ لے کر منا میں پہنچ گئے اور ہاتھ پاؤں باندھ کر زمین پر لٹا دیا ذبح کی تیاری مکمل ہوگئی آنکھوں پر کپڑا باندھ لیا گیا۔ چھری شہ رگ پر رکھ دی گئی۔ لیکن جب چلی تو دُنبہ کی آواز کان میں آئی گھبرا کر آنکھیں کھول دیں دیکھا کہ دُنبہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے اور بیٹا پہلو میں صحیح سالم کھڑا ہے۔ بات تو تعجب میں ڈالنی والی تھی ہی اس فکر میں کھوئے ہوئے تھے کہ قربانی مقبول نہیں ہوئی۔ کیوں کیا کوئی غلطی ہوگئی۔

وحی ہوئی اے ابراہیم۔ تم نے خواب کی تصدیق کر دی اب ہم نے اس کا فدیہ ذبح عظیم کو قرار دیا۔
واقعہ ختم ہوگیا اور اپنے پیچھے غور و فکر کرنے کے لئے بہت سے مسائل چھوڑ گیا

(۱) خواب کیوں دکھایا گیا جبکہ اس کا منشا پورا نہ ہوا

(۲) ایسا سخت امتحان خدا نے اپنے برگزیدہ بندہ کا کیوں لیا جو فطرت انسانی کو ذبح کرنے والا اور ایک باپ کے کلیجہ پر چھری پھیر دینے والا تھا۔

(۳) جب ذبح کا حکم دیا تھا تو اسے پورا کیوں نہ ہونے دیا۔

(۴) ذبح عظیم کیا ہے جس کو فدیہ بنایا گیا۔ اور کیوں بنایا گیا

(۵) اس یادگار کو قیامت باقی رکھنے میں کیا مصلحت ہے

(۶) ذبح عظیم تک اس کو کیوں ملتوی رکھا گیا۔

ان تمام مسائل کا جواب ایک واقعہ کے اندر مضمر ہے جس کو ہم کتاب الذبیحین مصنفہ محمد بن الحسن نیناپوری سے نقل کر رہے ہیں

یہ کتاب ۱۲۵۶ھ میں تصنیف ہوئی تھی اس کا ایک قلمی نسخہ میں نے وزیر الدولہ خاں بہادر خلیفہ سید محمد حسن صاحب مرحوم وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت ابراہیم کے زمانہ میں ستارہ پرستوں کی کثرت تھی۔ ستاروں کے نام سے انھوں نے مختلف قسم کے ہیاکل بنا رکھے تھے جو ان کے عبادت خانے تھے۔ ان کے نام تھے ہیکل مریخ ہیکل زہرہ ہیکل زحل۔ ان سب میں زیادہ اہمیت ہیکل زحل کو تھی۔ اس مندر میں ایک نہایت خونخوار مہیب صورت بت زحل کا مجسمہ دکھایا گیا تھا اس کی گردن میں ایک تیز دھار خنجر لٹکا ہوا تھا۔ اس کے سامنے سنگ مرمر کی ایک نہایت چکنی اور لمبی چوڑی سل پڑی ہوئی تھی۔

ان کے عقیدے میں خدا کی بہترین عبادت یہ تھی کہ ہیکل زحل میں قربانی کی جائے۔ صورت اس کی یہ تھی کہ ماں باپ بحالت حمل اپنے کسی بچہ کو بشرطیکہ لڑکا ہو ہیکل زحل میں قربانی کے لئے نذر مانتے تھے جب لڑکا بارہ سال کا ہو جاتا تو اس کو نہلا دھلا کر قیمتی لباس پہناتے اور ایک جلوس کی شکل ہیکل زحل میں لاتے وہاں کا پجاری اسے سنگ مرمر کی سل پر لٹاتا اور کچھ پڑھ کر زحل کی گردن سے خنجر اتارتا اور بلا تامل اس غریب لڑکے کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دیتا اس کے بعد لوگ اس کے ماں باپ کو مبارکباد دیتے۔ ان کے صبر و ضبط کو سراہتے شادیانے بجتے۔ دختیں ہوتیں یہ خون ناحق تھوڑا تھوڑا بطور تبرک لوگ اپنے اپنے گھر لے جاتے اور بطور ایک متبرک چیز کے اپنے پاس رکھتے۔ ان کے عقیدہ میں وہ مذہب جھوٹا اور باطل تھا جس میں انسانی قربانی کا اصول شامل نہ ہو۔

حضرت ابراہیم کی تبلیغ میں یہ چیز رکاوٹ بن رہی تھی وہ کہتے تھے چونکہ آپ کے دین میں انسانی قربانی جائز نہیں لہذا ہم اس کو سچا دین نہیں کہہ سکتے۔ حضرت ابراہیم کا کہنا یہ تھا کہ انسانی قربانی نوع انسان پر ظلم ہے خدا اس کو پسند نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس رسم بد کے انسداد کے لئے حضرت ابراہیم کو ذبح اسمٰعیل کا خواب دکھایا جب یہ خبر اڑی کہ ابراہیم مِنا میں اپنے فرزند کو ذبح کرنے کے لئے لے گئے ہیں تو بہت سے لوگ تماشا دیکھنے کے لئے وہاں جمع ہوئے ان کو بڑی خوشی اس بات کی تھی کہ ابراہیم نے ہماری اس مذہبی رسم کو قبول کر لیا اور اب وہ راستہ پر آ گئے

جب مذکورہ بالا صورت پیش آئی تو حضرت ابراہیم نے ان لوگوں سے کہا اگر خدا کو انسانی قربانی منظور ہوتی تو میرے بیٹے سے بہتر کون ہو سکتا تھا۔ آنکھوں دیکھا واقعہ تھا منہ پر مہر سکوت لگ گئی۔ واقعہ کی اہمیت ایسی نہ تھی کہ قوم کے ارباب فہم اس پر غور نہ کرتے چہ میگوئیاں شروع ہوئیں بحث مباحثے ہوئے تبادلہ خیال ہوا آخر قوم کی اکثریت کا یہ فیصلہ ہوا کہ انسانی قربانی کی یہ رسم ختم کر دی جائے

چونکہ ذبح اسمٰعیل کے واقعہ نے بنی نوع انسان کو ایک عظیم الشان مصیبت سے بچا لیا تھا لہذا اس روز کو روز عید قرار دیا گیا اور اسکی یاد باقی رکھنے کی ضرورت محسوس کی گئی تاکہ اگر پھر کبھی یہ رسم ابھار کھائے تو یہ واقعہ اس کی روک تھام کے لئے بیدار کر دیا جائے ورنہ ایک دنبہ کی قربانی کو اتنی اہمیت حاصل نہیں ہو سکتی کہ اس کی یاد میں دوامی روح پھونکی جاتی رہے یا ذبح عظیم کا ذریعہ قرار دیا جاتا جس طرح ایک رسم بد کے انسداد کے لئے اس وقت ذبح سے بچا لینا مفید تھا اسی طرح جب کوئی ایسا وقت آئے کہ بہت سی بد رسمیں اسلامی وقار کو تباہ کرنے کے لئے اُمڈ آئیں گی اور انسانی قربانی کے بغیر چارہ کار نہ ہوگا تو احیائے دین کے لئے اس کو بھی منظور کر لیا جائے گا چنانچہ واقعہ کربلا کو اسی لئے اہمیت حاصل ہوئی کہ اس نے دورِ یزیدیت کی بہت سی رسوم بد کا انسداد کر دیا

اور حق و باطل جو گڈمڈ ہو رہے تھے ان کے درمیان امام حسین علیہ السلام اور ان کے انصار نے اپنے خون سے ایک حد فاصل بنا دی

خانۂ کعبہ کی تعمیر

انسان کی ضرورت تو اس کو ہوتی ہے جو صاحب جسم ہو اللہ کی ذات جسم و جسمانیات سے منزہ ہے اسے گھر کی ضرورت نہیں خانہ کعبہ جو اس کی ذات سے منسوب ہو کر بیت اللہ کہلاتا ہے یہ ایک مجازی نسبت ہے

خانہ کعبہ کی تعمیر کا کام جناب ابراہیم و اسمعیل کی سپرد ہوا اس مقدس تعمیر کے لئے ان سے بہتر معمار اور کون ہوتا۔ وہ نبی تھے رسول تھے خلیل تھے امام تھے۔ عبد تھے۔ تمام کائنات کا مالک اٹھارہ ہزار عالم کا بنانے والا اگر چاہتا تو میلوں لمبا چوڑا عالیشان قلعہ بنواتا اور اس میں ہیرے جواہرات جڑواتا۔ نقش و نگار بنواتا مگر پھر وہ ہدایت کا گھر نہ ہوتا بلکہ عجائب خانہ ہوتا جسے دور دور سے دیکھنے لوگ آتے نہ کہ نور ایمان حاصل کرنے کے لئے۔

اس نے اپنے معمار کو حکم دیا کہ چند بالشت لمبی اور چند بالشت چوڑی ایک کوٹھری بناؤ اور اس کی دیواروں میں یہی پہاڑوں کے ان گھڑت پتھر مٹی کے گارے سے تلے اوپر رکھتے چلے جاؤ نہ الاسٹر نہ پلاسٹر نہ رنگ نہ روغن۔ مالک کا جیسا حکم تھا معمار نے ویسا ہی بنایا۔ باپ معمار بیٹا (اسمعیل) مزدور باپ چنائی کرتے جاتے تھے بیٹا پتھر اور گارا دیتا جاتا تھا جب عمارت بقد آدم بلند ہوئی تو اب پاڑھ کی ضرورت ہوئی پتھر کی چٹان جبریل نے لاکر رکھ دی کہ اس پر کھڑے ہو کر بالائی حصہ تعمیر کرو۔ اب مزدوروں میں جبریل کو بھی شامل کر لیجئے اس پتھر کو مقام ابراہیم کہتے ہیں یعنی ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ

جمادات ہمارے نزدیک تو بے زبان ہیں اور بے حس و حرکت بھی لیکن خدا کے حضور میں سب کچھ ہیں بولتے بھی ہیں تسبیح بھی کرتے ہیں سمجھتے بوجھتے بھی ہیں شخصیتوں کو پہچانتے بھی ہیں۔ اس پتھر نے بارگاہ باری میں عرض کی پالنے والے تھوڑی دیر کے لئے میرے اس حصہ کو جہاں ابراہیم کے قدم ہیں موم جیسا نرم کر دے تاکہ میں ان کے قدم کا نشان اپنے سینہ پر لے لوں۔ دعا قبول ہو گئی اور قدم ابراہیم کا نقش پتھر پر جم گیا۔ پتھر کی یہ ہمت ناسپاس نہ تھی قدر تھی خدا نے اس کو اپنے حرم میں جگہ دی اور حاجیوں کو حکم دیا کہ جب حج کو آئیں تو طواف کے بعد دو رکعت نماز مقام ابراہیم پر ضرور پڑھ لیں۔ یہ اعزاز اس کو ملا جس کے شانہ پر ابراہیم کے قدم تھے کیا اندازہ ہو سکتا ہے اس کے روحانی اقتدار کا جس کے قدم ختم الانبیاء کے شانے بلکہ مہر نبوت پر آئے ہوں اور جو اس خانہ مقدس میں پیدا بھی ہوا ہو۔

تعمیر کعبہ کے وقت ابراہیمؑ کی دعائیں

ہر مزدور اپنی محنت کا اجر چاہتا ہے جناب ابراہیم اس سے کیوں محروم رہتے کارساز عالم کی سرکار بنا رہے تھے ان کے دل میں بھی کچھ مانگنے کی خواہش پیدا ہوئی ہم جیسا کوئی ہوتا تو پہاڑ کو سونا بنا دینے کی دعا مانگتا۔ یا کسی ملک کی بادشاہت طلب کرتا یا زمین کے خزانوں کا مالک بننا چاہتا مگر نبی نبی ہی ہوتا ہے۔ ہماری خواہش کو اس کی خواہش سے کیا نسبت ذرا دیکھنا کیا کیا مانگا جا رہا ہے۔ یہ سب دعائیں قرآن میں مذکور ہیں اور ان کے جوابات بھی

(۱) ہماری اس خدمت کو قبول کر لینا

(۲) ہم دونوں کو اپنا مسلمان بندہ بنائے رکھنا۔ (یعنی تیرے فرمانبردار رہیں)۔

(۳) ہماری مخصوص اولاد کو بھی ہم ہی جیسا پیدائشی مسلمان بنانا
(۴) اس امت مسلمہ میں ایک رسول بھیجنا جو تیری آیات کی تلاوت کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفسوں کو پاک و پاکیزہ بنائے۔
(۵) میری اولاد میں جو مومن ہوں ان کو ثمرات کا رزق دینا (یعنی صاحب اولاد بنانا)
(۶) مجھے اور میری اولاد کو اصنام پرستی سے بچائے رکھنا
(۷) میری اولاد کی طرف لوگوں کے دل مائل رکھنا۔
(۸) اور آخر زمانہ میں میرے لئے ایک سچی زبان بنانا۔
یہ سب دعائیں قبول ہو گئیں۔ قرآن میں آیات موجود ہیں
(۱) خدمات قبول ہو گئیں۔
(۲) ذریت ابراہیم میں پیدائشی مسلمان محمد و آل محمد کے سوا آخر زمانہ میں اور کوئی نہیں
(۳) مخصوص اولاد محمد و آل محمد ہیں
(۴) امت مسلمہ میں سے رسول مبعوث ہوئے۔ امت کا لفظ تو گو ایک شخص پر بھی بولا جاتا ہے جیسے کان ابراھیم امۃ قانتا پس اگر پیدائشی مسلمان ایک بھی موجود ہو تو رسول کو اس کی موجودگی میں مبعوث ہونا چاہیے اور ایسا مسلمان علی کے سوا اور کوئی نہ تھا ورنہ پھر رسول کی بعثت کافروں کے درمیان ہوگی اور یہ دعائے ابراہیم کے خلاف ہوگا
(۵) خدا نے اس امت مسلمہ کو کثیر اولاد دی جس کا سلسلہ قیامت تک رہے گا
(۶) آیت تطہیر نے بتایا کہ وہ امت مسلمہ ہر قسم کے رجس سے پاک ہے
(۷) مودت اہلبیت کو واجب کر دیا گیا
(۸) آخر زمانہ میں علی علیہ السلام کو لسان صدق بنا کر بھیجا گیا

کعبہ بنوانا کیوں ضروری تھا کون نہیں جانتا کہ وحدت میں ایک کشش ہے جو محبت کے جذبہ کو ابھارتی ہے اس کو ایک مثال سے سمجھئے ہمارے اعضا چونکہ ایک ہی جسم کے پرزے ہیں اور ایک ہی روح کے ماتحت ہیں اس لئے ان سے محبت ہے اور ان کو آپس میں ایک دوسرے سے

چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضوہا را نماند قرار

اگر ہم کسی ملک میں جائیں اور وہاں اپنے ملک کا کوئی آدمی مل جائے تو فطرۃ ہمارا دل اس کی طرف کھنچنے لگتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ ہم اور وہ دونو ایک ہی ملک کے ہیں۔ اگر اپنے صوبہ یا کمشنری کا مل جائے تو رگ دل اس کی طرف زیادہ کھنچے گی۔ کیونکہ قربت مکانی زیادہ ہو گئی۔ اسی طرح کمشنری میں اپنے ضلع کا اور ضلع میں اپنے قصبہ کا اور قصبہ میں اپنے محلہ کا اور محلہ میں اپنے گھر کا مل جائے تو بلحاظ قربت اس وحدت کے جذبہ محبت میں زور بڑھتا جائے گا

انسان اپنے گھر والوں سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ ایک نسب سے ہیں یہی وجہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ سب سے پہلے توحید کا درس دیں جب سب ایک خدا پر ایمان لے آئیں اور اس طرح ایک مرکز پر جمع ہو جائیں تو پھر ان کو دیگر اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا جائے۔ ایک رسول اور ایک کتاب پر ایمان لانا بھی اسی ضرورت سے ہے کہ مرکز ایک بنا رہے۔ اسی طرح قبلہ بھی ایک ہی ہونا چاہئے تاکہ سب اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں۔ اس وحدت اجتماعی کی برکت سے ان کے قلوب ایک دوسرے کی محبت میں جکڑے رہیں گے۔ مسلمانوں کے متحد و متفق ہونے کا بندوبست تو قدرت نے سب کچھ کیا تھا مگر شیطان نے اس وحدت ملی کو سخت نقصان پہنچایا۔

کعبہ جائے امن و ہدایت ہے

حرم خدا میں جنگ کرنا حرام ہے۔ آدمی کیا جانوروں تک پر ظلم کرنے کی ممانعت ہے یہاں تک کہ جوں، کھٹمل اور پسو تک بھی نہیں مار سکتے اگر قاتل حرم خدا میں پناہ لے تو کوئی طاقت جبراً وہاں سے اسے نہیں نکال سکتی۔ جب وہ خود ہی نکل آئے تو اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ اس قانون پر صرف ایمان والوں نے عمل کیا۔ بے ایمان والوں نے اس احترام کو مدنظر نہ رکھا۔ شامی فوجوں نے حرم خدا کی بے حرمتی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ عبداللہ بن زبیر سے جنگ کی گئی اس کا خون یہیں بہایا گیا۔ سقف خانہ کعبہ پر شراب پی گئی۔ کعبہ کے پردے جلائے گئے۔ امام حسین علیہ السلام کے قتل کرنے کے لئے چالیس سپاہی حاجیوں کے لباس میں بھیجے گئے۔ اس قانون امن کو توڑنے والوں نے عذاب جہنم کو اپنے لئے مول لیا۔

یہ تو امن کی ایک ظاہری صورت ہے لیکن ایک باطنی رخ بھی ہے وہ یہ کہ یہاں آکر گناہوں سے امان مل جاتی ہے بشرطیکہ ایمان سالم ہو ورنہ جیسے سب گھر ویسے خانہ کعبہ۔ پاجی بطواف کعبہ حاجی نمی شود۔

اب رہا ہدایت کا معاملہ تو کسی گھر کے اینٹ پتھر میں ہدایت کی قابلیت نہیں ہوتی اگر ایسا ہوتا تو ہر حج کرنے والا متقی و پرہیزگار بن جاتا بہت سے لوگ ہیں کہ حج کرنے کے بعد اور زیادہ سیاہ قلب ہو جاتے ہیں۔ ہدایت کرنے والا مکان نہیں ہوتا بلکہ مکین ہوتا ہے۔ مکان کی عظمت و توقیر کا دار و مدار صاحب مکان کی عظمت و جلالت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مکان کا مکین نہیں۔ اس کی ہدایت تو ہر جگہ ہے کعبہ ہی پر موقوف نہیں وہ رگ گردن سے زیادہ قریب ہے ہر دل میں موجود ہے

شیخ کعبہ میں ڈھونڈتا ہے جسے وہ ترے دل میں جلوہ افگن ہے

جب اللہ تعالیٰ کعبہ کا مکین نہیں تو لامحالہ اس کا مکین کوئی دوسرا ہے اگر اس تک کوئی پہنچنا نہ چاہے اور صرف در و دیوار کو چوم چاٹ کر چلا آئے تو ہدایت معلوم۔ اس مقدس بیت کا مالک، مکین اور وارث تو وہی کہا جا سکتا ہے جو اس گھر میں پیدا ہوا وہی اس بیت کا اہلبیت ہے

مطلب از انشائے کعبہ بہر میلاد تو بود ورنہ نشخیصے لامکاں را خانہ کے باشد روا

جو کتاب خدا کے وارث ہیں وہی خانہ کعبہ کے وارث ہیں وہی ہادیان برحق ہیں بغیر ان کی معرفت و محبت کے حج بیکار کیونکہ انکی محبت اجر رسالت ہے

وہ جو خانہ خدا تک گئے اور پلٹ کے آئے کبھی کربلا بھی جاتے تو کچھ اور بات ہوتی۔

ان کی وراثت کعبہ کو اگر لوگ تسلیم نہیں کرتے تو اس سے حق وراثت ضایع نہیں ہو سکتا۔ جیسے اگر کوئی نبی کو نبی نہ مانے تب بھی وہ نبی رہتا ہے۔ وراثت کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ پہلا وارث کعبہ کے اندر پیدا ہوا اور آخری وارث حضرت حجت اسی کعبہ سے ظہور فرمائیں گے۔

حضرت ابراہیم کا حج کے لئے بلانا جب اللہ کا گھر بن گیا تو حکم ہوا لوگوں کو حج کے لئے بلاؤ۔ عرض کی کیسے بلاؤں۔ یہاں ہے کون جو میری آواز سنے گا۔ فرمایا بلاؤ تو دور دور سے لوگ دبلی پتلی اونٹنیوں پر نشیب و فراز طے کرتے ہوئے چلے آئیں گے حکم خالق تھا۔ نالنے کا کیا سوال۔ کھلے میدان میں آواز بلند کی ھلمّوا الی الحج (لوگو! حج کے لئے آؤ) ہوا کو حکم ہوا کہ اس آواز کو اپنی موجوں میں لپیٹے ہوئے جہاں جہاں نسل انسانی پائی جائے بلکہ ان بچوں تک جو ماؤں کے پیٹ میں ہوں بلکہ ان نطفوں تک جو صلب پدر میں ہوں پہنچا دے۔ الغرض اعلان ہو گیا اور بہت زور شور سے ہو گیا اب دیکھنا ہے کون کون آتا ہے

حج کا مقصد کیا ہے مناسک حج بظاہر کھیل تماشہ معلوم ہوتے ہیں لیکن باطن میں انسانیت کے جو فوائد مضمر ہیں ان پر غور کرنے سے ز بچ آتا ہے اور احکام اسلام کی قدر ہوتی ہے۔ حج کرنے والے اگر ان کو سمجھ کر حج کریں تو انسانیت ان میں جھلکتی ہے۔ معرفت کا بے پناہ درس ملتا ہے ورنہ دوڑ دھوپ کر کے آنے والوں کو وہاں سے کیا ملتا ہے سوائے لفظ حاجی کے۔

حج کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان کو اس کی بھولی ہوئی شخصیت یاد دلا دی جائے اور عبدیت کی صحیح تصویر اس آئینہ میں اس کے سامنے کر دی جائے۔ کون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ہی حیثیت سے ایک ہی طریقہ سے پیدا کیا ہے سب مادر زاد ننگے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں چاہے بادشاہ کے محل میں جنم لیں یا کسی گداگر کی جھونپڑی میں اسی طرح مرنے کا ڈھنگ بھی ایک ہی سا ہے چاہے تخت پر مرے یا بوریئے پر آخری لباس بھی ایک ہی سا ہے وہی چند گز سفید رنگ کفن پھر زمین میں دبائے جانے کی شان بھی ایک ہی سی ہے چاہئے تو یہ تھا کہ سب لوگ زندگی کی سطح کو ہموار رکھتے ہوئے چلتے مگر تفوق و برتری کے شوق نے انکی معاشرتی سطح کو اونچا نیچا کرنا شروع کر دیا اور زندگی کی کسی موڑ پر دہ مساوات کی صورت میں نظر نہ آئے۔ لباس غذا۔ مکان۔ سامان راحت، طرز ماند و بود رفتار و گفتار غرض ہر بات میں ایک دوسرے سے بڑھنے کے لئے اپنی تمام دماغی صلاحیتیں صرف کرنے لگا وہ بندگی کے رسوم و عادات کو بھول کر فرعونیت کی راہ پر لگ گئے اور اپنے سے نیچے طبقے کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے جس کے نتیجہ میں ہزارہا فتنے پھوٹ نکلے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ کم سے کم ایک بار ان کو اپنے گھر بلا کر یہ بتا دیا جائے کہ عبدیت کی صحیح صورت کیا ہے اور قدم قدم پر اس سے غرور و تکبر کی ناک رگڑ دی جائے اب ذرا مناسک حج پر غور کیجئے۔

(۱) جب ہر ملک کے باشندے اپنے اپنے میقات پر پہنچیں تو اپنا لباس اتار دیں اور سفید سوتی کپڑے کا لنگ باندھیں جس میں کہیں سلائی نہ ہو کسی قسم کا رنگ نہ ہو۔ دوسری ایسی ہی چادر کندھوں پر ڈال لیں۔ یہ ہے مالک الملک کی

سرکار میں جانے کا لباس جس کو احرام کہتے ہیں اب بندگانِ خدا کو اپنے ذاتی عظمت و وقار کو بھول جانا چاہیئے اب تمہارے بدن پر عبدیت کا وہ سیدھا سادہ لباس ہے جس میں غرور و تمکنت کا ایک تار بھی نہیں - اب تم کو اپنے خالق و معبود کی بارگاہ میں حاضری دینا ہے -

اب محمود و ایاز میں کوئی فرق نہیں اب عالم و جاہل میں کوئی امتیاز نہیں - اب نوکر و آقا میں کوئی تمیز نہیں - بادشاہ ہوگے تو اپنے ملک میں امیر ہوگے تو اپنے شہر میں - اہلِ علم و اتقیاء ہوگے تو اپنے حلقہ میں یہاں ان چیزوں کی کوئی قدر نہیں - جتنی امتیازی صورتیں تھیں وہ ختم کردی گئیں - ہم عبدیت کو دیکھنا چاہتے ہیں شہنشاہیت کو نہیں - ہمارے درباری لباس کو کسی زیب و زینت سے واسطہ نہیں - احرام باندھتے ہی عبدیت اپنے اصلی روپ میں آگئی غرور و تکبر کا دھواں نتھنوں سے نکلنا بند ہوگیا -

(۲) میرے گھر کا طواف کرو آہستہ آہستہ نہیں کہ اس سے انانیت کے سینہ پر ضرب نہیں لگے گی - دوڑو تم مالک الملک کی سرکار میں عبدیت دکھانے آئے ہو - پیر مغیں اور رعنا چھوبا بننے کا یہ مقام نہیں - وقت طواف اگر بادشاہ کے آگے غلام اور آقا کے آگے نوکر ہو تو کسی کی مجال نہیں کہ ہاتھ پکڑ کر پیچھے کردے - یہ سب کے خالق کا گھر ہے یہاں امیر و غریب اور شہری اور بدوی سب برابر ہیں

(۳) سر منڈواؤ - یہ آڑی ترچھی مانگ کیسی یہ مشکیں گیسو کیسے - یہ گھونگھر والے بال کیسے - یہ تو امتیازی نشان ہے - یہ وبال سر سے اتار و ہمیں یہ پسند نہیں - جیسے پیدا ہوئے تھے ویسے ہی آؤ

(۴) صفا و مروہ کے درمیان سعی کرو - پہاڑوں کی پتھریلی زمین پر چلو - جمروں پر بچوں کی طرح انگلی پر رکھ کر کنکری مارو - قربانی کرو - غرض یہ سب کرتے کرتے نخوت و پندار کا بھوسہ نکل جاتا ہے اور عبدیت اپنے اصلی روپ میں سامنے آجاتی ہے ملکوں ملکوں کے مسلمان جمع ہوتے ہیں ان کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے ان کے رسم و رواج سے واقفیت ہوتی ہے تجارتی تعلقات قائم ہوتے ہیں - مختلف زبانیں سننے - مختلف قسم کے لباس دیکھنے عادات و خصائل کو جانچنے کا موقع ملتا ہے غرض مادی اور روحانی دونوں قسم کے فائدے حاصل ہوتے ہیں -

---

حضرت ابراہیمؑ کا پرندوں کو زندہ کرنا حضرت ابراہیمؑ نے ایک دن یہ تماشا دیکھا کہ ایک لاش آدھی دریا میں ہے آدھی خشکی میں - دریا والے جانور بھی کھا رہے ہیں اور خشکی والے بھی دل میں کہنے لگے ایک جسم کے اعضا جب بے شمار جسموں میں پہنچ گئے تو قیامت میں یہ متفرق اجزا جمع ہو کر اپنا جسم کیسے بنا لیں گے - بارگاہ باری میں عرض کی پالنے والے مجھے یہ دکھا دے کہ تو مُردوں کو زندہ کیسے کرے گا - وحی ہوئی کیا تم میری قدرت پر ایمان نہیں لائے عرض کی ایمان کیوں نہیں لایا لیکن اطمینان قلب کے لئے ایسا چاہتا ہوں

اچھا چار پرندے لو انہیں ذبح کرو اور ان کے پر نوچ ڈالو ان کا گوشت قیمہ کرو پھر چاروں کا گوشت ملا دو اسے تھوڑا تھوڑا پہاڑوں پر رکھ دو اور ہر پرند کی چونچ پکڑ کر انہیں پکارو وہ دوڑتے چلے آئیں گے یعنی جس کے بدن کے اجزا جہاں ہونگے وہ اپنی اپنی جگہ سے اڑ کر جسم سے آملیں گے اور وہ طایر پھڑپھڑانے لگے گا چونچ چھوڑتے ہی اڑ جائے گا چنانچہ یہی ہوا

دنیا میں بہت سے لوگ ہیں جو قیامت میں اجسام کے زندہ ہونے کے قایل نہیں اس واقعہ نے انہیں عملی صورت میں سمجھا دیا ہم اس واقعہ پر ذرا تحقیقی روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

ہر انسان کے اندر دو قسم کے اجزا پائے جاتے ہیں اجزائے اصلیہ اور اجزائے زایدہ اجزائے اصلیہ مادی نہیں ہیں بلکہ اتنے لطیف ہیں کہ ان آنکھوں سے تو کیا طاقتور سے طاقتور خوردبین سے بھی نظر نہیں آتے نطفہ انسانی کے اندر پوشیدہ رہتے ہیں یہ بدلتے نہیں یہ کم و بیش نہیں ہوتے برخلاف اجزائے زایدہ کے جو اجزائے اغذیہ سے بنتے ہیں یہ بدلتے بھی ہیں اور کم و بیش بھی ہوتے رہتے ہیں آدمی جب بیمار ہوتا ہے تو یہ اجزائے زایدہ تحلیل ہونے لگتے ہیں اور آدمی کا وزن کم ہونے لگتا ہے صحت کے بعد بڑھ جاتا ہے

موت کے وقت یہ اجزائے اصلیہ بدن انسان سے کھینچ لئے جاتے ہیں ان کے نکلتے ہی اجزائے زایدہ میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور بدن گلنے سڑنے لگتا ہے کیونکہ وہ شیرازہ باقی نہیں رہتا جو ان سب کو ملائے ہوئے تھا۔ انہی اجزائے اصلیہ کو سائنس دان برقیہ اور اصطلاح قرانی میں ملکوت کہتے ہیں۔ یہی اجزائے اصلیہ جب قیامت میں رکھے جائیں گے تو اجزائے زایدہ جہاں جہاں ہونگے ان سے آکر مل جائیں گے اور وہی جسم بن جائے گا۔ جو دنیا میں تھا۔ قیامت میں اس جسم مادی کے حاضر کرنے کی ضرورت اس لئے ہوگی کہ جو اعمال انسان نے دار دنیا میں کئے ہونگے۔ ان کی گواہی اسی بدن کے اعضا دیں گے۔

ہمارے اندر سے جو آواز نکلتی ہے "میں" وہ نہ جسم کی آواز ہے نہ نفس کی نہ روح بلکہ اجزائے اصلیہ کی ہے جو انسان کے سارے بدن میں پھیلے ہوئے ہیں جب انسان کہتا ہے میرا بدن۔ میرا نفس۔ میری روح تو یہ کہنے والا ان تینوں سے الگ ہے کیونکہ مضاف مضاف الیہ کا غیر ہوتا ہے۔ یہی اجزائے اصلیہ ہیں جو ایک درخت کے چھوٹے سے تخم میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور جڑ سے چوٹی تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہی کے زیر اثر درخت کا ہر حصہ ویسا ہی بنتا ہے جیسا اس کا تخم ہے نہ پتہ بدلتا ہے نہ پھل پھول نہ درخت کا قد نہ اس کی ساخت۔

اس واقعہ کے متعلق ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی تھے پھر انھوں نے مسئلہ بعث و نشر کو کیوں نہ سمجھا اور اس مسئلہ میں اطمینان قلب ان کو کیوں نہ حاصل ہوا۔

بات یہ ہے کہ حضرت کو اس کا یقین تو تھا کہ قیامت میں تمام اجسام زندہ کئے جائیں گے لیکن اس کی عملی صورت سامنے نہ تھی۔ اس زمانہ میں بھی بہت سے لوگ ایسے ہونگے جو حیات بعد الموت کے قایل نہ ہونگے ان کو سمجھانے کے لئے ایک عملی صورت کی احتیاج تھی۔ جب پرندوں کا زندہ ہونا اپنی آنکھ سے دیکھ لیا تو اب مسئلہ کا سمجھانا آسان ہو گیا۔

حضرت ابراہیم کی مہمان نوازی

حضرت ابراہیم بڑے مہمان نواز تھے۔ بغیر مہمان کے کھانا ہی نہ کھاتے تھے ایک بار ایسا ہوا کہ دو دن کھٹاکھٹ گزر گئے اور کوئی مہمان نہ آیا۔ تلاش میں نکل پڑے سر راہ ایک شخص نظر آیا آپ نے اس سے کہا بڑی خوشی ہوگی اگر ایک رات آپ میرے مہمان ہو جائیں وہ راضی ہو گیا اور آپ اسے لے کر اپنے گھر آگئے۔

جب کھانا کھانے بیٹھے تو اس نے بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع نہ کیا۔ حضرت ابراہیم نے کہا کیوں بھائی کیا انسان کے لئے یہ لازم نہیں کہ جب کھانا کھائے تو اپنے رازقِ رساں کے نام سے شروع کرے۔ اس نے کہا میرے مذہب میں ایسا حکم نہیں پوچھا تمہارا مذہب کیا ہے۔ اس نے کہا میں آتش پرست ہوں۔ یہ سنتے ہی حضرت ابراہیم کو غصہ آگیا اور حکم دیا کہ اس کافر کو یہاں سے نکال دو۔ وحی ہوئی اے ابراہیم تمہارے اس عمل سے میں خوش نہ ہوا اگر وہ آگ کو پوجتا تھا تو تمہارا کیا گناہ تو نہ کرتا تھا۔ یہ تم نے کیا کیا کہ ایک شخص کو مہمان بلا کر ذلیل کیا۔ باوجودیکہ وہ میری خدائی کو نہیں مانتا مگر میں ساٹھ برس سے اسے برابر روزی دے رہا ہوں تم ایک وقت نہ کھلا سکے وہ تمہاری پیدا کی ہوئی روزی تو نہ کھاتا۔ روزی تو ہماری تھی صرف دسترخوان تمہارا تھا۔ اگر تمہاری طرح میں بھی اپنے بندوں سے منہ پھیر لوں تو ان کو پھر کون روزی دے گا۔ جاؤ اور جس طرح بنے اُسے راضی کر کے لاؤ۔

یہ ہے اسلامی تعلیم مہمان کے متعلق اکرموا الضیف ولو کان کافرا (مہمان کا اکرام کرو اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو) امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ تین چیزیں مجھے سب سے زیادہ پسند ہیں

الجہاد بالسیف (تلوار سے جہاد) والصوم فی الصیف (گرمی میں روزہ) والاکرام للضیف (مہمان کا اکرام کرنا)

حضرت لوط کے حالات پر تبصرہ

خدا جانے قومِ لوط کو یہ گندی بیماری کہاں سے لگی کہ وہ بجائے عورتوں کے نوجوان لڑکوں سے بدفعلی کرتے تھے اور ان کی لونڈیاں اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے تھے۔ جب عورتوں نے یہ حال دیکھا تو چیخ اٹھیں۔ حضرت لوط پر اپنی امت کا یہ شیطانی عمل سخت گراں تھا۔ جب آپ ان کو سمجھاتے تو وہ لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے۔ آخر غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور ان پر نزولِ عذاب کا وقت آگیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو ان پر متعین کیا جو حضرت ابراہیم کے پاس ہوتے ہوئے لوط کے پاس آئے تھے اور ظاہر کیا کہ ہم ایک رات آپ کے یہاں بطور مہمان ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے بڑی خوشی سے اپنے گھر میں جگہ دی۔ حضرت نوح کی بی بی کی طرح لوط کی بی بی بھی کافرہ تھی اور لوط سے سخت بیزار تھی اس نے فوراً قوم کے جوانوں کو اطلاع دی کہ لوط کے یہاں چند خوبصورت لڑکے مہمان ہیں یہ سنتے ہی وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح دوڑ پڑے اور حضرت لوط سے کہا ان نوجوانوں کو ہمارے حوالے کر دو

لوط — یہ میرے مہمان ہیں

قوم — ہم اپنی خواہش پوری کر کے انہیں واپس کر دیں گے۔

لوط — دیکھو ان کے بارہ میں مجھے رسوا نہ کرو۔ قوم کی لڑکیاں موجود ہیں ان سے اپنی خواہش پوری کیوں نہیں کرتے

قوم — تمہیں معلوم ہے کہ ہمیں انکی طرف کوئی رغبت نہیں۔

لوط ۔ کاش مجھے تم سے لڑنے کی طاقت ہوتی ۔ یا کسی محفوظ جگہ میں پناہ گزیں ہو جاتا

قوم ۔ کان دھر کر سن لو ۔ اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو ہم تم کو قتل کر دیں گے

لوط ۔ اچھا رات بھر تم ان کو میرا مہمان رہنے دو ۔ صبح کو انہیں پکڑ لینا

جب وہ بدمعاش چلے گئے تو لوط نے ان جوانوں سے فرمایا تم نے میری قوم کی حالت دیکھ لی ۔ بہتر ہوگا کہ آپ لوگ پردہ شب میں یہاں سے نکل جائیں بعد میں جو مصیبت آئے گی میں اس کو بھگت لوں گا ۔ انھوں نے کہا ہم انسان نہیں فرشتے ہیں اس قوم پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں ۔ نصف شب کے بعد آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے چل کھڑے ہوں ۔ سوائے اپنی بی بی کے کہ اس کے لئے نجات نہیں ۔ راہ میں کوئی پیچھا پھر کے نہ دیکھے ۔ صبح ہوتے ہی ان پر عذاب نازل ہو جائے گا ۔ کیا صبح قریب نہیں آگئی

غیبی فرشتوں کی ہدایت کے مطابق لوط اپنے گھر والوں کو لے کر چل دیئے جیسے ہی گھر سے نکلے ان کی بی بی بھاگی ہوئی ان بدکاروں کے پاس گئی اور خبر دی کہ لوط مع ان نوجوانوں کے بستی سے باہر جا رہے ہیں وہ سب دوڑ پڑے اور چاہا کہ راستہ میں جا لیں لیکن صبح ہوتے ہی عذاب الٰہی ان پر نازل ہوا اور وہ سب زمین میں دھنس گئے ۔

بعض اسلامی سیرت نگاروں اور تذکرہ نویسوں نے محرف توریت سے اخذ کر کے یہ شرمناک واقعہ لکھ مارا ہے

حضرت لوط کو ایک بار ان کی لڑکیوں نے شراب پلا دی اور جب وہ نشہ میں خوب دھت ہو گئے تو ان کی شرمگاہ کھول دی اور معاذ اللہ باری باری ان سے زنا کیا ۔ ایک نبی معصوم کے متعلق ایسا واقعہ درج کرنا کس قدر توہین نبوت ہے ایسے بے سر و پا واقعات اسلامی تاریخوں میں اور بھی پائے جاتے ہیں جن کی نشاندہی موقع موقع سے ہم کرتے رہیں گے ہماری اس کتاب کا منشائے تالیف ہی یہ ہے کہ جو غلط روایتیں حضرات معصومین علیہم السلام کے واقعات زندگی میں چسپاں کی گئی ہیں ان کو جدا کر دیں ۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے واقعات

حضرت اسمٰعیل ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے خانہ کعبہ کی تعمیر میں شریک تھے ۔ حکم خدا کی تعمیل میں اپنا ذبح ہونا گوارا کیا تھا یہ مکہ ہی میں رہتے تھے ۔ حضرت ابراہیم جب تک زندہ رہے مہینہ میں ایک دو بار ان سے ملنے آتے ۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت اسمٰعیل ان کی قبر کی زیارت کے لئے ملک شام جایا کرتے تھے

حضرت اسمٰعیل کی پہلی شادی قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے ہوئی تھی ۔ ایک بار حضرت ابراہیم آئے تو اسمٰعیل علیہ السلام شکار کھیلنے گئے ہوئے تھے آپ نے دروازہ پر دستک دی زوجہ اسمٰعیل نے ان کی بات بھی نہ پوچھی سواری سے اترنے کو بھی نہ کہا ۔ نام بھی نہ پوچھا صرف اتنا کہہ کر دروازہ بند کر لیا کہ اسمٰعیل گھر میں نہیں ہیں ۔ اس کی اس بے اعتنائی نے حضرت ابراہیم کو سخت صدمہ پہنچایا صرف اتنا کہہ کر واپس ہوئے ان سے کہہ دینا کہ شام سے ایک بوڑھا آیا تھا وہ کہہ گیا ہے تمہاری دہلیز اچھی نہیں اسے بدل ڈالو ۔

جب حضرت اسمعیل آئے اور یہ واقعہ سنا تو بہت غصہ آیا فرمایا۔ غضب ہوگیا وہ تو میرے باپ تھے۔ اس نے کہا مجھے کیا علوم مجھے کیا معلوم تھا فرمایا کوئی اپنے گھر آتا ہے تو کیا اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ اس نے کہا وہ کہہ گئے ہیں کہ اپنی دہلیز بدل دو چنانچہ حضرت اسمعیل نے اس کو طلاق دیدی اور پھر مکہ کی ایک شریف زادی سے شادی کی

حضرت اسمعیل کو حکم ہوا کہ مغربی ممالک میں جاکر تبلیغ کرو وہاں بت پرستی بہت بڑھ گئی ہے چنانچہ پچاس سال آپ وہاں تبلیغ میں مصروف رہے اور بیشمار لوگوں کو آپ نے خدا پرست بنا دیا۔

حضرت اسمعیل وعدہ کے بڑے پکے تھے ایک بار کسی سے وعدہ کیا کہ جب تک تو نہ آئے گا میں اسی مقام پر کھڑا رہونگا وہ شخص بھول گیا اور آپ ایک دن برابر اسی جگہ کھڑے رہے۔

آپ کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوئی۔ آخر عمر میں مکہ سے شام گئے وہاں جاکر دیکھا کہ آپ کے چھوٹے بھائی اسحاق نابینا ہوگئے ہیں اسحاق ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور ان کے دونوں بیٹوں عیص اور یعقوب نے ان کی بڑی تعظیم و توقیر کی مدت دراز تک آپ وہیں رہے اپنی لڑکی کی شادی عیص کے ساتھ کردی۔

حضرت اسمعیل کی نسل میں صرف ایک نبی حضرت محمد مصطفے ہوئے اور حضرت اسحاق کی نسل میں بہ کثرت انبیاء مرسلین ہوئے قدرت کی نعمتیں اولاد حضرت ابراہیم پر جھوم جھوم کر برسیں اور رحمت و برکت کے تمام مراکز اسی نسل سے مخصوص رہے۔ کتاب و حکمت۔ بیت المقدس کعبہ۔ نبوت رسالت۔ خلافت و امارت۔ عصمت و طہارت۔ سلطنت و حکومت غرض یہ سب چیزیں اولاد جناب ابراہیم ہی میں رہیں۔

حضرت اسمعیل کی نسل کو یہ فخر حاصل رہا کہ نبوت و رسالت کا خاتمہ انہی پر ہوا۔ جو کتاب ان پر نازل ہوئی وہ تمام کتب سابقہ کی ناسخ قرار پائی اور یہ کہ خدا نے اپنی آخری حجت اسی نسل میں قرار دی اور آنحضرت کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے

حضرت اسحاق کے حالات

حضرت اسحاق حضرت ابراہیم کے چھوٹے بیٹے تھے آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ حضرت اسحاق وہ خوش نصیب نبی ہیں جنکی نسل میں ہزاروں نبی ہوئے جن میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ جیسے دو اولوالعزم نبی بھی تھے یعنی صاحب کتاب و شریعت نیز انکی نسل پر تین کتابیں (توریت و زبور و انجیل) نازل ہوئیں اور بہت سے صحیفے بھی آئے۔ بیشمار معجزات کا ظہور بھی ہوا جناب اسحق کو اپنے سوتیلے بھائی حضرت اسماعیل سے شدید محبت تھی جناب سارہ کی مخالفانہ روش کا ان پر کوئی اثر نہ تھا

ہمارے تمام علما اس پر متفق ہیں کہ جب صاحبزادہ کو حضرت ابراہیم ذبح کے لئے لے گئے تھے وہ حضرت اسمعیل تھے لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا بلکہ یہ واقعہ حضرت اسحاق کا بیان کرتے ہیں۔ ہمارے بعض علما نے یہودیوں کی اس روایت کو مانا ہے لیکن یہ کسی طرح قابل قبول نہیں جس کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ واقعہ بالاتفاق منیٰ میں ہوا جو سرزمین عرب پر ہے، اور حضرت اسحاق کا حجاز میں آنا کسی تاریخ سے ثابت نہیں پھر زبان

ان کا ذبح ہونا کیسا؟

(۲) مورخین نے وقت ذبح حضرت اسمعیل کی عمر ۱۳ سال یا اس سے کچھ کم لکھی ہے اگر بالفرض اسحاق مکہ میں آئے بھی ہوں تو اس عمر میں یقیناً نہیں آئے کیونکہ جناب سارہ انکی اس عمر تک زندہ تھیں وہ کبھی سوتن کے دیس بھیجنا گوارہ نہ کرتیں

(۳) حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے انا ابن الذبیحین (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں) یعنی ایک تو حضرت اسمعیل دوسرے حضرت عبداللہ۔ اگر حضرت اسمعیل مراد نہوں تو حضرت کا یہ فرمانا صحیح نہ ہوگا کیونکہ آپ اولاد اسحاق سے نہیں ہیں

(۴) اس واقعہ کی عید صرف مسلمانوں میں ہوتی ہے یہودیوں اور عیسائیوں سے اس کا تعلق نہیں اگر یہ واقعہ حضرت اسحاق سے متعلق ہوتا تو وہ ضرور عید کرتے۔

ذکر یعقوب علیہ السلام

جناب اسحاق کے دو فرزند تھے عیص اور یعقوب۔ حضرت اسحاق کے مرنے کے بعد دونو بھائیوں کے درمیان امر خلافت میں نزاع واقع ہوا۔ عیص کا کہنا تھا میں ولد اکبر ہوں اور بزرگ خاندان بھی ہوں لہذا خلافت مجھے ملنی چاہیئے۔ یعقوب کا کہنا تھا کہ میرے باپ نے بوحی ربانی مجھے اپنا جانشین بنایا ہے۔ عیص کی جمعیت زیادہ تھی اور قوم پر گہرے اثرات بھی تھے اسی کو وہ استحقاق خلافت سمجھے تھے ان کو یہ خبر نہ تھی کہ سرکار الہی کے عہدے زور و زبردستی اور دعینگا مشتی سے نہیں ملا کرتے بلکہ ان کا تعلق کمالات نفسانی اور وحی ربانی سے ہوتا ہے۔ عیص کی علمی نا اہلیت محدود تھی ملت ابراہیمی کی صحیح تعلیم جناب اسحاق سے حضرت یعقوب کو حاصل ہوئی تھی۔

جناب یعقوب نے عیص کو ہر چند سمجھایا اور باپ نے جو تبرکات سپرد کئے تھے ان سے اپنا استحقاق ثابت کیا مگر عیص نہ مانے وہ اپنی جماعت کے بل بوتے پر اکڑے ہوئے تھے اور خوفناک دھمکیوں سے کام چلانا چاہتے تھے جناب یعقوب کو ہر وقت اپنے قتل ہونے کا خوف تھا۔ عیص نے ایک روز کہا میں آج اس قصہ کو ختم کردونگا۔ تمام قوم کو جمع کرتا ہوں جس پر اجماع ہو جائے وہی خلیفہ تسلیم کیا جائے۔ یعقوبؑ نے کہا بھائی صاحب انبیا کی نیابت کا مسئلہ امت کے سامنے نہیں رکھا جا سکتا یہ خدائی عہدہ ہے جس کو خدا چاہے دے مگر عیص نے ایک نہ سنی لوگوں کو جمع کرکے اپنے حق میں ووٹ حاصل کرلئے۔ یاد رکھئے اجماع کی داغ بیل سب سے پہلے یہاں پڑی۔

یعقوب علیہ السلام نے اس اجماعی فیصلہ کو تسلیم نہ کیا اور کنعاں چھوڑ کر چلے گئے وہیں انکی شادی ہوگئی۔ اکیس سال تک شام ہی میں رہے آخر وطن کی محبت نے جوش مارا اپنے اہل وعیال اور ڈھور ڈنگروں کو لیکر کنعان پہنچے۔ جب بستی کے قریب آئے تو خطرہ لاحق ہوا کہ عیص کو پتہ چلے گا تو پرانی عداوت کی بنا پر مجھے مار ڈالے گا۔ اسی زمانہ میں عیص شکار کھیلنے بستی سے باہر گئے ہوئے تھے۔ یعقوبؑ نے دور سے دیکھا تو پہچان لیا اپنے نوکروں چاکروں سے کہدیا کہ اگر یہ شخص پوچھے کہ یہ خیمے

واپس آیا۔ کس کے بیٹے کو عیص کے ایک غلام کے ہیں جس کا نام یعقوب ہے چند سال ہوئے کہ وہ یہاں سے چلا گیا تھا اب واپس آیا ہے عیص نے یہ حال سمجھ کر جب نوکروں کی زبان سے یہ سنا تو زندہ خون نے جوش مارا کہنے لگے وہ میرا غلام نہیں میرا بھائی ہے وہ مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے اس کے بعد دونو بھائی گلے مل گئے

یعقوبؑ کے کنعان چھوڑنے کے بعد عیص کو بہت جلد پتہ چل گیا تھا کہ وہ عہدہ نبوت کے اہل نہیں وہ قوم کے قضایا کو ملت ابراہیمی کے مطابق فیصلہ کرنے سے قاصر رہے اسی نا اہلی نے قوم کے دل سے ان کا وقار کھو دیا تھا اور صحیح ہادی نہ ہونے کی وجہ سے قوم میں گمراہی پھیل گئی اب ان کو یعقوب یاد آنے لگے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے بچھڑے بھائی کا پر جوش استقبال کیا۔

حضرت یعقوب کے کنعان آنے کے بعد عیص کی ہدایت کا سلسلہ جو سرتاپا گمراہی تھا ختم ہو گیا۔ اب حضرت یعقوب نے اپنی ہدایت کا کام شروع کر کے لوگوں کو گمراہی سے بچایا۔

یعقوب اور یوسف کی سرگزشت

حضرت یعقوب کے کئی بی بیوں سے بارہ بیٹے تھے آخری بی بی سے دو بیٹے تھے۔ یوسف اور بنیامین ان دونوں کی ماں کا انتقال چونکہ دونو لڑکوں کی کم سنی میں ہو گیا تھا لہٰذا حضرت یعقوب دونو کو زیادہ عزیز رکھتے تھے دوسرے حضرت یوسف حسن و جمال کے لحاظ سے بے مثل تھے۔ یوسف پر باپ کا زیادہ لاڈ پیار دیکھ کر ان کے سوتیلے بھائی پیچ و تاب کھاتے تھے۔ حضرت یعقوب ان کے تیوروں سے تاڑ رہے تھے کہ حسد کی آگ ان کے دلوں میں بھڑک اٹھی ہے

ایک روز حضرت یوسف نے خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ خواب انھوں نے حضرت یعقوب سے بیان کی۔ انھوں نے فرمایا۔ بیٹا اس کو اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا ورنہ وہ تم سے کوئی چال چل جائیں گے شیطان جو انسان کا کھلا دشمن ہے ضرور کوئی فتنہ اٹھا کھڑا کرے گا

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب نے اس خواب کی تعبیر اپنے ذہن میں ضرور کچھ لے لی تھی ورنہ بھائیوں سے چھپانے کو کیوں کہتے انہیں یہ بھی خوف تھا کہ یہ خواب سن کر یوسف کو کسی مصیبت میں ضرور مبتلا کریں گے۔ چنانچہ یہ خطرہ صحیح ثابت ہوا۔

اس خواب کا پتہ بھائیوں کو بھی چل گیا۔ دیوانہ را ہوئے بس است۔ پہلے ہی ان کے دل میں یوسف کے لئے کوئی اچھی جگہ تھی اب تو جلتی آگ پر تیل پڑ گیا۔ نفس انسانی کی بیماریوں میں حسد سب سے مہلک بیماری ہے جب ہی تو خدا نے خاص طور پر اس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے یہ تو انسان کے خمیر میں داخل ہے انبیاء و ائمہ کے سوا اور کون اس سے بچا۔ سوتیلے رشتوں میں تو یہ کانٹے لمبے اور نکیلے ہو کر بری طرح دلوں میں چبھا کرتے ہیں اور کبھی اس آگ کی لپٹ اتنی زیادہ اونچی ہو جاتی ہے کہ محسود کی جان و مال و آبرو سب کو پھونک کر رکھ دیتی ہے۔

اس خواب کا پتہ چلنے کے بعد بھائیوں میں یوں گفتگو شروع ہوئی۔

ایک ۔ جبتک یوسف کا وجود ہمارے درمیان ہے باپ کی محبت کے پھول ہم پر نچھاور نہیں ہو سکتے ۔
دوسرا ۔ بالکل صحیح ہے
تیسرا ۔ دیکھو تو کتنی جھوٹی خوابیں باپ سے بیان کر کے اپنی عزت اور ہماری ذلت کا نقش ان کے دل پر بٹھاتا ہے
چوتھا ۔ میں اس خواب کا مطلب نہیں سمجھا
تیسرا ۔ تم تو نرے کودن ہو ۔ گیارہ ستاروں سے مراد ہم گیارہ بھائی ہیں اور چاند سورج سے مراد ماں باپ ہیں گویا ہم سب اس کے سامنے سربسجود ہیں
چوتھا ۔ اچھا یہ بات ہے تو اب اس کی خبر لینی چاہیے
پانچواں ۔ اس کا قصہ پاک کرنے کے سوا چارہ کار نہیں
چھٹا ۔ اسے قتل کر ڈالو
ساتواں ۔ ایسا نہ کرو ۔ کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو ۔ کوئی قافلہ گزرے گا نکال کر لے جائے گا ۔ جب یہ نہ رہے گا تو پھر اباجان کی محبت کا دھارا ہماری طرف مڑ جائے گا ۔ بس اسے اپنے ساتھ لیجانے کی تدبیر کرو
سب نے اس رائے پر اتفاق کر لیا ۔
ایک روز سب مل کر حضرت یعقوب کے پاس آ کر کہنے لگے
بیٹے ۔ اباجان یہ کیا بات ہے کہ ہم جب گیند بلا کھیلنے میدان میں جاتے ہیں تو آپ یوسف کو ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے ۔ کیا آپ کو ہمارے اوپر بھروسہ نہیں ۔ آج آپ اس کو ہمارے ساتھ بھیجدیں وہاں کھیلے کودے گا بدن میں جان آئے گی ۔
یعقوب ۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم تو کھیل میں لگ جاؤ گے ایسا نہ ہو کہ اسے بھیڑیا اٹھا کر لے جائے
بیٹے ۔ اباجان کی باتیں ۔ بھیڑیا کیسے لے جائے گا جہاں ایک چھوڑ دس بھائی حفاظت کو موجود ہوں وہاں اس خطرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔
یعقوب ۔ خیر لے جاؤ مگر اس کی طرف سے غافل نہ ہونا ۔
جب سب بھائی یوسف کو لے کر جنگل میں پہنچے تو پہلے تو حضرت یوسف کے رخساروں پر چٹاچٹ تپانچے مارے پھر ان کے کپڑے اتارے ۔ حضرت نے رو رو کر کہا بھائیو مجھے کیوں مار رہے ہو میں نے تمہاری کیا خطا کی ہے مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور ایک ڈول میں زبردستی بٹھا کر کنوئیں میں اتارنا شروع کر دیا ۔ جب نصف کنوئیں میں پہنچے تو رسی چھوڑ دی اور وہ بیچارے کنوئیں میں جا پڑے ۔ اس اندھیرے کنوئیں میں اس نبی زادہ پر کیا گزری ہوگی کون بتائے ۔ دل میں کہتے ہونگے کیسے قصائی بھائی ہیں کہ میری حالت پر ذرا رحم نہ آیا
شام کو یہ سب اس طرح باپ کے پاس آئے کہ حضرت یوسف کی قمیص پر کسی جانور کا خون ملا ہوا تھا اور رونی صورتیں بنائے ہوئے تھے کہنے لگے
باباجان ! کیا بتائیں ہم نے یوسف کو اپنے کپڑوں اور سامان کے پاس بٹھلا دیا تھا اور خود دوڑ لگانے میدان میں چلے گئے اتنے میں

بھیڑیا آیا اور اسے اٹھا کر لے گیا۔ یہ دیکھئے یہ اس کا کرتا خون میں بھرا ہوا ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ آپ ہماری بات ملنے والے نہیں لیکن جو حقیقت تھی وہ ہم نے بیان کر دی۔

حضرت یعقوب نے فرمایا آخری وہی ہوا جو میں نے کہا تھا۔ تم مجھ سے چالیں چلتے ہو۔ یہ سب تمہاری من گھڑت باتیں ہیں۔ اس کے بعد خون کو سونگھ کر فرمایا یہ میرے یوسف کا خون نہیں بلکہ یہ خون انسان کا بھی نہیں۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جس بدن پر یہ قمیص تھی بھیڑئے نے اسے تو چیر پھاڑ ڈالا مگر قمیص پر کہیں خراش نہ آئی۔ دور ہو جاؤ میرے سامنے سے مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔ اب سوائے صبر میرے لئے چارہ کار کیا ہے۔ میں ابھی اس بھیڑئے کو بلا کر پوچھتا ہوں جو اس جنگل میں پایا جاتا ہے آواز دی تو وہ حاضر ہو گیا فرمایا کیا تو نے میرے یوسف کو کھایا ہے۔ اس نے کہا یا نبی اللہ انبیا ء اور اولاد انبیا کا خون ہم پر حرام ہے۔ میری کیا طاقت کہ نبی زادہ پر حملہ کرتا۔

اس واقعہ میں چند باتیں قابل غور ہیں

(۱) حضرت یعقوب کے بیٹے باوجود نبی کی اولاد ہونے کے نہایت بے رحم تھے۔ خدا جانے یہ کیا راز ہے کہ سوتیلے بھائیوں میں عموماً عداوت ہوتی ہے۔

(۲) قدرت کا یہ کرشمہ ہے کہ قاتل چھپتا نہیں۔ واقعہ قتل میں ضرور کوئی پہلو ایسا ہوتا ہے کہ قاتل کا پتہ چل جاتا ہے۔

(۳) حضرت یوسف بچپن ہی سے مورد رحمت و برکت الٰہی تھے۔

(۴) انبیاء کے حواس ہم جیسے نہیں ہوتے جب ہی تو خون کو سونگھ کر بتا دیا۔

(۵) انبیا کی آواز ہر ذی حیات پہچانتا ہے۔ جب ہی تو بھیڑیا بھاگا چلا آیا۔

(۶) انبیا اور اولاد انبیا کا جو معصوم ہوں درندوں پر گوشت حرام ہے

(۷) حضرت یوسف کی قمیص بھی عجیب قمیص تھی۔ بھائیوں کے فریب سے باپ کو آگاہ کیا۔ زلیخا کی مکاری کا پردہ چاک کیا اور حضرت یعقوب کی گئی بصارت واپس آئی۔

یوسف علیہ السلام کا کنعان سے نکلنا مصر کا ایک قافلہ کنعان کی طرف سے گذر رہا تھا ایک سقہ پانی لینے کے لئے کنوئیں پر آیا۔ ڈول ڈالا تو یوسف نے پکڑ لیا اس نے جھانک کر دیکھا تو ایک خوبصورت لڑکا نظر آیا۔ اس نے باہر نکال لیا۔ یوسف کے بھائیوں کو سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر کسی نے نکال لیا اور یہ یوسف باپ تک پہنچ گئے تو فریب کا بھانڈا پھوٹ جائے گا اس لئے وہ کنوئیں کے آس پاس لگے رہے۔ جوں ہی سقہ نے نکالا وہ سب آموجود ہوئے اور کہنے لگے یہ ہمارا غلام ہے ہم اس کو بیچائیں گے۔ بہت ہی گفت و شنید کے بعد چند کھوٹے درہموں میں بیچ کر چل دیئے۔ مقصد یہ تھا کہ کسی طرح یہ یہاں سے چلا جائے۔ الغرض یہ قافلہ مصر پہنچا غلاموں کی خرید و فروخت کا رواج تو تھا ہی سوداگر نے یوسف کو بردہ فروشوں کے بازار میں جا بٹھایا۔ مصر والوں نے ایسے حسین کہاں دیکھے تھے بہ کثرت خریدار ٹوٹ پڑے اور بھاؤ تاؤ ہونے لگا۔

آخر عزیز مصر کی قیمت پر بولی ختم ہوگئی۔

یوسف زلیخا کے گھر میں عزیز زلیخا کو ساتھ لئے اپنے گھر آیا اور اپنی بی بی زلیخا سے کہنے لگا اسے پیار، محبت اور عزت سے ساتھ رکھو عجب نہیں کہ ہمیں کچھ نفع پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔ غرض یوسف وہاں رہنے سہنے لگے۔ زلیخا پہلی نظر میں عاشق ہوگئی تھی۔ وہ کسی وقت ان کو آنکھوں سے اوجھل ہی نہ ہونے دیتی تھی۔ روزانہ ان کو نہلاتی دھلاتی اور قیمتی لباس پہناتی تھی اور اپنے سامنے بٹھاکر ان کی صورت تکتی تھی۔ نیت تو اس کی پہلے ہی بگڑ چکی تھی مگر حسرت پوری کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ شباب آنے کا انتظار کرتی رہی۔ جوں جوں یوسف جوانی کی طرف بڑھتے گئے آتش شوق تیز سے تیز تر ہوتی گئی عشق کم بخت چھپتا نہیں۔ یوسف اس کے ناز و ادا کے آئینہ میں اس کی بدنیتی کی تصویر دیکھ رہے تھے لیکن بے بسی کا عالم تھا۔ جو حرکتیں وہ کرتی اسے بادل ناخواستہ برداشت کرتے۔ بڑا نازک وقت تھا۔ حسن اور جوانی کی ٹکر تھی بھڑکتی آگ کے سامنے شیکر اپنے کو اس کی تپش سے بچانا تھا۔ ایک طرف پر شوق سینہ میں مچلتے ہوئے ارمان ترستی ہوئی خواہشیں دوسری کی طرف جذبات کی آگ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے۔ شباب کی ترنگوں پر برف کے تودے رکھے ہوئے حرکات و سکنات پر عصمت کی پہرہ داری۔ ایک طرف سے نگاہ کے تیروں کی بوچھار۔ دوسری طرف برہان رب پر نظر حسن کی دیوی جوانی کی مستی میں عصمت فروشی پر ادھار کھائے۔ دوسری طرف یوسف کا صبر و ضبط اس کی آرزوں کو اپنے پیروں سے کچلتا ہوا۔ دوسرا ہوتا تو پہلے اشارہ ہی میں سب کچھ کر بیٹھتا مگر یہ یوسف تھے نبی زادے تھے۔ نبوت کا تاج ان کے سر پر آنے کے وقت کا منتظر تھا۔

الغرض جب ناز و ادا کی سحر کاریاں دم توڑ کر گر پڑیں تو اب حیلہ و فریب کے جال بچھے۔ عصمت معصوم پر ڈاکہ ڈالنے کی ٹھہری اس کے مکان میں آگے پیچھے کئی کوٹھریاں تھیں یوسف سے کہا آخر والی کوٹھری میں فلاں چیز رکھی ہے اسے اٹھالاؤ۔ یوسف گئے تو وہ پیچھے پیچھے لپکی ہر کوٹھری کے دروازہ میں تالا ڈالتی گئی جب آخری کوٹھری میں پہنچی تو اب جذبات عریاں ہوکر یوسف کے سامنے آگئے۔ شوق بھرے لہجہ میں بولی۔ یوسف لو آؤ۔ فرمایا معاذ اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے تمہارے میاں میرے مالک و محسن ہیں انھوں نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے میں ان پر یہ ظلم کیسے کر سکتا ہوں بیشک ایسا ظلم کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔

زلیخا نے تو برا ارادہ کر ہی لیا تھا اگر یوسف اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لئے ہوتے تو ضرور یہ بھی قصد کر بیٹھتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے ان کو بچایا تاکہ ان سے برائی اور بدکاری کو دور رکھیں۔ بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

جب زلیخا نے یہ وار بھی خالی جاتے دیکھا تو اب سختی پر اتر آئی کہنے لگی یوسف اب تم بچ کر جا نہیں سکتے دروازے سب بند ہیں۔ فرمایا میرا خدا ان کو کھول دے گا۔ اس نے کہا دیکھوں تو کیسے کھلتے ہیں۔ یوسف بسم اللہ کہکر آگے بڑھے تو سارے تالے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے گئے۔ یہ دوڑے ہوئے صحن میں پہنچے اس نے بڑھکر پیچھے سے دامن پکڑ لیا اور خوشامد کرنے لگی یوسف نے دامن کو زور سے کھینچا تو وہ پھٹ گیا اور زلیخا کے ہاتھ میں رہ گیا۔ یوسف گھبرائے ہوئے گھر سے نکلنے کے لئے دروازے پر پہنچے تو وہاں اندر آتا ہوا زلیخا کا شوہر ملا۔ اس نے سینہ پر ہاتھ رکھکر کہا کیا ماجرا ہے وہ ابھی کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ

زلیخا جھٹ آگے بڑھکر کہنے لگی جو تمہاری بی بی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یا تو قید کر دیا جائے یا سخت سزا دی جائے

یوسف نے کہا یہ غلط کہتی ہے اس نے خود مجھ سے خواہش کی تھی جو اصلی واقعہ ہے اس بچے سے پوچھ لو جو تمہارے گھر کے اندر گہوارہ میں لیٹا ہے۔ اس نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارتکاب جرم کے بعد تمہاری مت ماری گئی بھلا یہ بچہ جس کی زبان بھی ابھی نہیں کھلی کیا بتا سکتا ہے۔ فرمایا پوچھو تو بولے گا۔ عزیز یوسف کو ساتھ لئے اس کے پاس آیا پوچھا تو اس نے کہا

ان کی قمیص کو دیکھو اگر پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا جھوٹی ہے اور یوسف سچے ہیں (یہ بھاگے ہونگے اس لئے کھینچا ہوگا) اور اگر آگے سے پھٹی ہے تو یوسف جھوٹے زلیخا سچی ہے (ہاتھا پائی ہوئی ہوگی اگلا حصہ پھٹ گیا ہوگا۔

جب دیکھا کہ قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عزیز نے کہا یہ سب تم عورتوں کے چلتر ہیں بے شک تم عورتوں کے چلتر بڑے غضب کے ہوتے ہیں۔ اے یوسف اس واقعہ سے درگزر کرو پھر زلیخا سے کہا تو اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک تو ہی خطاوار ہے۔

مصر کی عورتیں اور یوسف کون نہیں جانتا کہ عشق اپنا اعلان خود کرتا ہے۔ جس طرح قاتل نہیں چھپتا اسی طرح عاشق نہیں چھپتا۔ عشق کی آگ میں جلے دل کی بو دور دور تک جاتی ہے اور روئی میں آگ کی طرح پھیلتی ہے۔ زلیخا کے عشق کا چرچا بھی گھر گھر ہونے لگا اور ان الفاظ میں بڑی بے غیرت عورت ہے۔ خاندانی آن بان اور دنیوی اعزاز و اقتدار پر جھاڑو پھیر کر ایک غلام پر عاشق ہو گئی ہے۔ جب یہ طعن آمیز باتیں زلیخا کے کان میں پڑیں تو اپنی جھینپ مٹانے کے لئے کچھ عورتوں کو اپنے گھر بلایا۔ مسند بچھائی اور ایک ایک چاقو اور ایک ایک ترنج ان کو دے کر کہا جب یوسف تمہارے سامنے سے گزرے تو یہ ترنج کاٹ دینا۔ پھر یوسف سے کہا تم ان کے سامنے سے گزرو۔ جب وہ گزرے تو انہیں دیکھ کر ایسی مبہوت ہوئیں کہ بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں ارے یہ بشر نہیں کوئی فرشتہ ہے۔ زلیخا نے کہا یہی ہے جس پر تم مجھے ملامت کرتی تھیں اپنے دل پر قابو رکھ نہ لیا۔ وہ کیا جواب دیتیں خاموش ہو کر رہ گئیں۔ غالب

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنان مصر سے ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعاں ہو گئیں

حسن میں سحرکاری ہے عقل ربائی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو وہ حسن دیا تھا جو پھر کسی کو نہیں ملا۔ حسینوں میں عموماً رعونت، نخوت، خود پرستی اور غرور کو پندار کی بھرمار ہوتی ہے مگر حسن یوسف اس سے کوسوں دور تھا۔

یوسف اور زندان مصر زلیخا نے ان عورتوں سے یہ بھی کہدیا تھا کہ بے شک میں اس سے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتی تھی مگر یہ بچا رہا۔ لیکن اگر اس نے میرا کہنا نہ مانا تو یہ قید بھی ہوگا اور ذلیل بھی۔ یہ بات سن کر حضرت یوسف نے بارگاہ باری میں عرض کی پالنے والے جس امر کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے اگر تو ان عورتوں کا فریب مجھ سے دفع نہ کرے گا تو مبادا میں انکی طرف مائل ہو جاؤں اور جاہلوں میں شمار کیا جاؤں

باوجودیکہ یوسف کی پاکدامنی ثابت ہوگئی تھی مگر عزیز نے اپنی بدنامی سے بچنے کے لئے مناسب سمجھا کہ حضرت یوسف کو قید میں ڈال دے جس روز یوسف زندان میں داخل ہوئے دو جوان اور بھی داخل ہوئے تھے (ایک بادشاہ کا باورچی تھا دوسرا ساقی) چند روز بعد ان میں سے ایک نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب بنانے کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوں اور چڑیاں اس میں سے کھا رہی ہیں۔ آپ ہمیں ان خوابوں کی تعبیر بتائیے ہم آپ کو نیکوکاروں میں سے سمجھتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا جو کھانا تم کو قید خانہ سے ملتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں تعبیر بتا دونگا

سنو! یہ علم تعبیر خواب بھی منجملہ ان باتوں کے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے تعلیم فرمائی ہیں۔ میں ان لوگوں کا مذہب چھوڑ بیٹھا ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں لائے اور آخرت کے بھی منکر ہیں میں تو پیرو ہوں اپنے آباؤ اجداد ابراہیم و اسحاق و یعقوب کے دین کا ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ہم خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو اس کا شریک بنائیں یہ ہم پر بھی اللہ کا فضل ہے اور دوسروں پر بھی لیکن لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے

اے میرے قید خانہ کے ساتھیو غور تو کرو بھلا جدا جدا معبود اچھے یا خدائے یکتا اور زبردست۔ تم خدا کو چھوڑ کر بس ان چند ناموں ہی کی پرستش کرتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیا ہے خدا نے ان کے لئے کوئی دلیل نازل نہیں کی دیکھا آپ نے خاصان خدا کسی حالت میں بھی تبلیغ امر دین سے نہیں رکتے باوجودیکہ قید خانہ میں ہیں لیکن ہدایت کا کام وہاں بھی ہو رہا ہے۔ حضرت یوسف کی اس تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونو مسلمان ہو گئے۔

آپ نے فرمایا اے میرے ساتھیو تمہاری خوابوں کی تعبیر یہ ہے کہ تم میں سے ایک تو اپنے مالک کو شراب پلانے کا کام کرے گا اور دوسرا جس نے سر پر روٹیاں دیکھی ہیں اس کو سولی دی جائے گی اور چڑیاں اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گی۔ جس امر کو تم دونو دریافت کرتے تھے وہ فیصل ہو چکا یعنی ایسا ہی ہوگا جیسا میں نے بتایا ہے۔

جس کی نسبت حضرت یوسف نے سمجھا تھا کہ وہ بچ جائے گا اس سے کہا جب تم اپنے مالک کے پاس جاؤ تو میرا ذکر بھی کر دینا کہ ایک بے گناہ قید خانہ میں پڑا ہوا ہے۔ وہ شخص رہا ہونے کے بعد جب بادشاہ کی خدمت پر مامور ہوا تو ان کا ذکر کرنا بھول گیا اور حضرت یوسف سات برس قید خانہ میں پڑے رہے۔

بادشاہ کا خواب اور یوسف کی رہائی

بادشاہ نے ایک روز اپنے درباریوں سے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جن کو سات دبلی پتلی گائیں کھائے جاتی ہیں اور سات سرسبز بالیاں دیکھیں پھر سات سوکھی بالیاں۔ میرے دربار کے سردارو اگر تم کو خواب کی تعبیر دینی آتی ہے تو میرے خواب کے بارہ میں حکم لگاؤ انھوں نے کہا یہ تو کچھ خواب پریشان سا ہے اور ہم لوگ پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔

اب اس شخص کو جو قید سے آزاد ہوا تھا ایک مدت کے بعد حضرت یوسف کا کہنا یاد آیا اس نے بادشاہ سے کہا ایک شخص قید خانہ میں ہے آپ مجھے اس کے پاس بھیج دیں تو میں اس سے اس خواب کی تعبیر پوچھ کر آتا ہوں۔

چنانچہ وہ قید خانہ میں آیا اور حضرت یوسف سے بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھنے لگا فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم متواتر سال کاشتکاری کرتے رہو گے پس جو فصل کاٹو اس کے دانوں کو بالیوں میں رہنے دینا چھڑانا نہیں صرف اتنا چھڑانا جتنا تمہارے کھانے کے لئے ضروری ہو۔ اس کے بعد بڑے سخت قحط کے سات سال آئیں گے اور جو کچھ تم لوگوں نے ان سات سالوں کے لئے جمع کر رکھا سب کھا جاؤ گے سوائے تھوڑا قلیل کے جو بیج کے لئے بچا رکھا ہو گا اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں مینہ خوب برسے گا اور انگور خوب پھلے گا اور لوگ شراب کے لئے نچوڑیں گے۔

اس نوکر نے یہ تعبیر بادشاہ سے جا کر بیان کی۔ اس نے حکم دیا یوسف کو میرے سامنے لاؤ۔ جب شاہی چوبدار یہ حکم لے کر آیا تو حضرت یوسف نے فرمایا میں ابھی نہ جاؤں گا تم واپس جا کر بادشاہ سے میری طرف سے پوچھو کہ آپ کو کچھ ان عورتوں کا حال بھی معلوم ہے جنہوں نے مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ میں ان کا طالب تھا یا وہ میری اس میں شک نہیں کہ میرا پروردگار یعنی حضرت نے یہ چاہا کہ بادشاہ کے نزدیک میری پوزیشن صاف ہو جائے اور بے قصور ثابت ہو جاؤں تب با عزت طریقہ بادشاہ کے پاس جاؤں۔ جب بادشاہ کے پاس یہ پیغام پہنچا تو اس نے ان عورتوں کو بلا کر پوچھا ان سب نے کہا حاشا للہ ہم نے یوسف میں کسی قسم کی برائی نہیں دیکھی۔ تب زلیخا کہنے لگی۔ اب تو جو بات تھی وہ ظاہر ہو ہی گئی تو اب چھپانے سے کیا فائدہ بے شک میں نے خود اپنا مطلب اس سے حاصل کرنے کی تمنا کی تھی۔ قصور میرا ہے اس کا دامن پاک ہے

جب یہ واقعہ چوبدار نے یوسف سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا میرا اس تصدیق سے یہ منشا تھا کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے عزیز کی عدم موجودگی میں اسکی امانت میں خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کرنے والوں کی مکاری کو ہرگز نہیں چلنے دیتا یوں تو میں بھی اپنے نفس کو بری نہیں کرتا بے شک نفس برائی کی طرف ابھارتا ہی رہتا ہے مگر جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے اور گناہ سے بچائے۔ میرا رب بڑا بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

حضرت یوسفؑ کا بادشاہ ہونا اس کے بعد بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو بلایا اور بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور آپ سے وزارت قبول کرنے کی درخواست کی آپ نے فرمایا میں اس خدمت کو قبول نہیں کر سکتا اس نے کہا میں ملک کی کوئی نہ کوئی خدمت آپ سے متعلق کرنا چاہتا ہوں فرمایا اگر اسی پر اصرار ہے تو ملکی غلہ کا جمع خرچ میرے سپرد کر دیجئے۔ اس نے منظور کر لیا۔

جب یہ کام آپ کی سپرد ہوا تو آپ نے بہت سا غلہ جمع کرایا اور ایک مکان میں محفوظ کر دیا۔ جب بادشاہ نے آپ کے عادات و خصائل اور حسن انتظام کو دیکھا تو سمجھ گیا آپ غیر معمولی قابلیت کے انسان ہیں رفتہ رفتہ اس نے سلطنت کے کئی شعبے آپ سے متعلق کر دئے۔ ایک دن کہنے لگا میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں چاہتا ہوں باقی زندگی آرام سے بسر کروں اور اب میں یہ سلطنت آپ کی سپرد کرتا ہوں

اس واقعہ سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں

(۱) انسان کی بلند کرداری اور نیک اعمالی بغیر اپنا اثر دکھائے نہیں رہتی۔

(۲) انسان قید خانہ میں رہ کر بھی ہدایت کا کام انجام دے سکتا ہے
(۳) سانچ کو آنچ نہیں
(۴) کمال نفس کسی نہ کسی وقت اپنی قیمت وصول کر لیتا ہے
(۵) امانت اور دیانت میں انسانی ترقی کا راز مضمر ہے

یوسف علیہ السلام کی وزارت کا مسئلہ بادشاہ ہونے کے بعد حضرت یوسف کو ایک وزیر کی ضرورت محسوس ہوئی۔ دنیا والے تو بااختیار خود جسے چاہتے ہیں بنا لیتے ہیں لیکن جو حکومتیں خاصانِ خدا کی ہوتی ہیں وہ اپنا وزیر خود نہیں تجویز کرتے بلکہ خدا سے درخواست کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت یوسف نے بھی درخواست کی وحی ہوئی کہ فلاں مقام پر جاؤ وہاں ایک درخت کے نیچے ایک جوان ہوگا وہی تمہارا وزیر ہے آپ سوار ہو کر وہاں پہنچے جوان کو غور سے دیکھا آدمی تو خاصہ وجیہ تھا مگر یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کو استحقاق خلافت و وزارت کس وجہ سے ہوا وحی ہوئی اے یوسف تم نے اس کو پہچانا نہیں یہ وہی بچہ ہے جس نے خانہ زلیخا میں تمہاری عصمت کی گواہی دی تھی لہذا اس کی تصدیق کا صلہ یہی ہے کہ تم اسے اپنا وزیر بناؤ یہ واقعہ تفسیر کبیر رازی میں مذکور ہے اکاش مسلمان قدرت کے اس راز کو سمجھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کے مصدق اول حضرت علی کو ان کے حق سے محروم نہ کرتے۔

ایک بڑھیا کا تحفہ حضرت یوسف بادشاہ ہوئے تو لوگوں نے بڑے بڑے قیمتی تحفے انکی خدمت میں پیش کئے ایک بڑھیا سوت کی ایک انٹیا لے کر آئی آپ نے وہ بھی رکھ لی اس کے بعد لوگوں کو انعامات تقسیم ہوئے۔ حضرت یوسف کو بڑھیا کا خیال نہ رہا وحی ہوئی یوسف تم نے بڑھیا کو کیا دیا عرض کی جو تیرا حکم ہو وہ دیدوں فرمایا بڑھیا نے جو تمہیں دیا وہ اس کی کل کائنات تھی لہذا اس کا بدلہ تو یہی ہو سکتا ہے کہ تم اپنی کل سلطنت اسے دیدو آپ اس بڑھیا کے پاس گئے اور فرمایا میرے پروردگار کا یہ حکم ہے کہ جو تحفہ تو نے مجھے دیا ہے اس کے بدلے میں اپنی کل سلطنت تجھے دیدوں۔ اس نے کہا میں تمہاری سلطنت کا کیا کرونگی سوت کاتنے کے بدلے جو مجھے مل جاتا ہے وہ میرے لئے بہت ہے۔ میں سلطنت نہیں چاہتی اپنی مغفرت چاہتی ہوں آپ خدا سے دعا کریں۔ حضرت یوسف نے اس بی غانی ہمتی کا گہرا اثر اپنے دل پر لیا۔ آپ اکثر اس سے ملنے جایا کرتے تھے۔

زلیخا کا پھر سے جوان ہونا زلیخا نے حضرت یوسف کو قید خانہ میں بھجوا تو دیا تھا لیکن انکی جدائی کی تڑپ سنبھالنی مشکل ہوگئی۔ چھپ چھپ کر روتی۔ مجنونانہ حرکتیں کرتی۔ عشق تو عشق ہی ہے ع اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔
خواب و خور حرام۔ بات چیت ختم۔ دل میں درد۔ جگر میں سوزش۔ لب پر آہ۔ رخ پر زردی۔ جب تک شوہر زندہ رہا گرم آہیں دب دب کر نکلیں اس کے مرتے ہی دبی آگ بھڑک اٹھی جوانی رخصت چہرہ کملایا ہوا پھول۔ گوشت گھل گھل کر ہڈیوں سے کھال چپک گئی یعنی نیا ہی بدل گئی۔ اب وہ زلیخا ہی نہ تھی بلکہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ تھا۔ قبل از وقت بڑھاپے نے آدبایا

ذکر یوسف رات دن کا وظیفہ زخمی دل کا مرہم تڑپتے دل کی ڈھارس۔ یوسف کا ذکر کرنے والوں کو انعام دیتی جو کچھ وہ کہتے بڑے شوق سے اُسے سنتی۔ آخر سب دولت لٹا کر فقیر بن بیٹھی۔

ایک روز حضرت یوسف شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ کسی راستہ سے گزرنے والے تھے۔ اسے خبر لگی سرراہ آکر بیٹھ گئی جب سواری قریب پہنچی تو زلیخا نے اپنے کو سواری کے آگے ڈال دیا اور درد بھری آواز میں کہنے لگی۔

اے کریم ابن کریم ذرا کھڑے ہو جا نجھ فلک ستائی اور درد محبت کی ماری فلک ستائی کی ذرا سی بیتا سن لے

حضرت یوسف سواری سے اتر پڑے غور سے دیکھا پہچان گئے فرمایا

یوسف ۔ زلیخا یہ تیرا کیا حال ہے؟

زلیخا ۔ جو ایک بدنصیب کا ہونا چاہئے۔ آپ کی محبت کی آگ نے تن من کو پھونک کر رکھ دیا۔ اب میں حسن کی دیوی نہیں ایک ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں۔ دولتمند نہیں بھکارن ہوں۔ آپ کی بے پناہ محبت میں سب کچھ بیچ بیٹھی ہوں

یوسف ۔ پھر اب کیا چاہتی ہے؟

زلیخا ۔ نگاہ لطف و کرم۔

یوسف ۔ جو میں کہوں گا تو کرے گی

زلیخا ۔ ضرور۔ بسر و چشم۔

یوسف ۔ مسلمان ہو جا۔

زلیخا ۔ میں اس خدا پر ایمان لائی جس نے یوسف کو بادشاہ بنایا اور زلیخا کو اس کے گناہوں کی سزا میں کہیں کا نہ رکھا۔

یوسف ۔ بتا اب کیا چاہتی ہے؟

زلیخا ۔ اجڑے باغ میں بہار۔ سونی محفل میں چراغاں۔ بڑھاپے میں شباب کی ترنگ آپ خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے از سر نو جوان بنا دے۔

یوسف ۔ یہ کس لئے چاہتی ہے

زلیخا ۔ آپ کی خدمت اور اللہ کی عبادت کے لئے۔

حضرت یوسف سوچنے لگے زخمی ہوئی اس کی آرزو پوری کر دو۔ ہم اسے جوان کر دیں گے۔ یوسف نے دعا کی خدا نے اسے جوان بنا دیا۔ پھر گلاب جیسے رخسارے وہی شوخیاں وہی دلربائیاں وہی سج دھج وہی ناز و ادا۔

جوان ہوتے ہی وہ وہاں سے چلنے لگی

یوسف ۔ اب مجھے چھوڑ کر کہاں چلی

زلیخا ۔ اپنے گھر

یوسف ۔ میرے ساتھ کیوں نہیں چلتی۔

زلیخا ۔ میں تو اب اس ذات پاک سے لو لگاؤں گی جس نے مجھے بڑھاپے سے جوان کیا۔ گیا حسن واپس دیا اندھی کو بینا بنایا

غرض ایک نہ سنی اور اپنے گھر میں گوشہ نشین ہوکر یادِ خدا کرنے لگی۔ حضرت یوسف نے لوگوں کو بھیجا کہ منا کر لے آئیں مگر وہ نہ مانی۔ چالیس روز یوں ہی گزر گئے ان چالیس روز میں حضرت یوسف کو وہی تکلیف پہنچی جو سالہا سال زلیخا نے برداشت کی تھی۔ غالباً اس میں یہ مصلحت ہوگی کہ یوسف سمجھ لیں کہ محبوب کی جدائی میں دل پر کیا گذرا کرتی ہے اور یوں ان کو زلیخا کی محبت کی قدر ہوجائے۔ الغرض اس کے بعد زلیخا راضی ہوگئی اور حضرت یوسف کی زوجیت میں آنے کے بعد اس کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔

مصر کی قحط سالی | سات سال کا لمبا قحط خدا کی پناہ۔ لوگ زندہ درگور ہوگئے جو غلہ حضرت یوسف نے جمع کیا تھا وہ لوگوں کے ہاتھ فروخت کرتے رہے پہلے سال لوگوں کے پاس جتنا پیسہ تھا غلہ کے بدلے شاہی خزانہ میں آگیا دوسرے سال مویشی بک گئے۔ تیسرے سال غلام و کنیز چوتھے سال کپڑے لتے۔ پانچویں سال مکانات و زمینیں چھٹے سال اولاد ساتویں سال لوگ خود غلام بننے لگے۔ حضرت یوسف برابر لوگوں کو خرید کر آزاد کرتے رہے۔ جب کسی کو آزاد کرتے تو اس کا خریدا ہوا مال واپس دیدیتے اور کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے دوسرے تیسرے وقت بقدر قوت لایموت کھالیتے بس فاقہ کشی میں خود بھی بہت لاغر ہوگئے۔

غم بینوایاں دلم خستہ کرد منم از بینوائی نیم روے زرد

خدا کی نعمتوں کا سب سے بڑا شکریہ یہی ہے کہ اس کے نادار اور شکستہ حال بندوں کی مدد کیجائے۔ انبیا اور ائمہ نے ہمیشہ فاقہ کرکے دوسروں کے پیٹ پالے قرآن کہتا ہے یوثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصہ (سخت سے سخت تنگی کے وقت انھوں نے اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دی)۔

برادرانِ یوسف کا مصر میں آنا | مصر کے قحط نے عالمگیر صورت اختیار کرلی تھی مضافات کے قافلے آکر دار السلطنت سے غلہ لے جاتے تھے۔ حضرت یعقوب کے دس لڑکے بھی اسی غرض سے آئے اور حضرت یوسف سے ملاقات کی وہ تو اپنے بھائیوں کو پہچان گئے مگر انھوں نے یوسف کو نہ پہچانا۔ حضرت یوسف نے باتوں باتوں میں گھر کے تمام حالات معلوم کئے پھر پوچھا تم سب کے بھائی ہو انھوں نے کہا ہم بارہ بھائی تھے ہمارا ایک بھائی یوسف نام تھا جسے بھیڑیا کھا گیا اب ہم گیارہ بھائی ہیں۔ پوچھا گیارہواں کہاں ہے انھوں نے کہا والد نے اسے روک لیا ہے کیونکہ وہ اسے زیادہ چاہتے ہیں۔ فرمایا اگلی بار جب غلہ لینے آؤ تو اس کو ضرور ساتھ لانا تاکہ تمہاری صداقت معلوم ہو ورنہ غلہ نہ ملے گا اس کے بعد اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ ان کے غلہ کی قیمت ایک پوٹلی میں باندھ کر پوشیدہ طور پر ان کے غلہ کی کسی بوری میں رکھ دو اس سے غرض یہ تھی کہ جلد دوبارہ آنے کی طرف راغب ہوں دوسرے یہ جانتے تھے کہ باپ غریب ہیں دوبارہ غلہ کے لئے شاید رقم مہیا نہ کرسکیں۔

جب یہ لوگ کنعان پہنچے اور غلہ کی بوریاں کھولیں تو اس میں سے رقم برآمد ہوئی بہت خوش ہوئے کہ غلہ مفت مل گ

باپ سے کہنے لگے بادشاہ نے کہا ہے کہ جب تم اگلی بار آؤ تو اپنے ساتھ گیارہویں بھائی کو بھی لیتے آنا ورنہ غلہ نہ ملے گا لہذا اگلی بار اس کو بھی ہمارے ساتھ بھیجیے تاکہ اس کے حصہ کا بھی غلہ مل جائے یہ غلہ تو تھوڑا ہے خرچ کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔

یعقوب پہلے یہ بتاؤ کہ یہ رقم جو غلہ کی قیمت تھی اس سامان میں کیوں موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم غلہ دھوکہ دیکر لائے ہو اس صورت میں یہ غلہ کھانا ہمارے لئے جائز نہیں

لڑکے ۔ بابا جان ہم خود حیران ہیں کہ رقم ہمارے سامان میں کیسے رکھی گئی اور کیوں رکھی گئی۔

یعقوب اچھا جب دوسری بار جاؤ تو یہ رقم واپس کر دینا

لڑکے ۔ بہت اچھا لیکن بنیامین (یوسف کا سگا بھائی) کو ہمارے ساتھ ضرور بھیجنا ہوگا ورنہ غلہ نہ ملے گا

یعقوب ۔ تمہارے اوپر بھروسہ کرکے ایک بار یوسف کو کھو چکا ہوں گیا اس کو بھی مجھ سے جدا کرنا چاہتے ہو

لڑکے ۔ ہم قسم عرض کرتے ہیں کہ ذرا دیر بھی اس سے غافل نہ ہونگے

یعقوب ۔ اچھا ساتھ لے جاؤ مگر تین باتوں کا خیال رکھنا (۱) بنیامین کو اپنے سے جدا نہ کرنا (۲) ایک دروازہ سے سب کے سب داخل نہ ہونا ۔ (۳) یہ رقم بادشاہ تک پہنچا دینا ۔

یوسف کی بھائیوں سے گفتگو شہر میں پہنچکر ان لوگوں نے حضرت یوسف کو اپنے آنے کی اطلاع دی انھوں نے فوراً بلا لیا۔ جب ادھر ادھر کی باتیں ہو چکیں تو حضرت یوسف نے نوکروں کو حکم دیا کہ خانہ تیار کرو۔ جب دسترخوان بچھا تو ان سے فرمایا جو جو بھائی ایک ماں سے ہوں ایک ساتھ کھائیں اور سب تو اپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ بنیامین رہ گئے فرمایا تم میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ کھانے کے بعد بنیامین کو اپنے ساتھ لئے ہوئے ایک علیحدہ جگہ میں چلے گئے اور ان پر ظاہر کیا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں تم ان پر ظاہر نہ کرنا میں کسی حیلہ سے تم کو روک لونگا اور پھر اپنا تمام قصہ بنیامین سے بیان کیا دونو بھائی گلے مل کر دیر تک روتے رہے۔ حضرت یوسف کو یہ سنکر بہت صدمہ ہوا کہ باپ ان کی جدائی کے صدمہ میں رو رو کر اندھے ہو گئے ہیں۔

پھر آپ نے اپنے بھائیوں سے پوچھا آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا حسب وعدہ غلہ دیجئے فرمایا تمام موجود ہے جتنا چاہو لے جاؤ انھوں نے اپنے بورے بھر لئے اور سفر پر آمادہ ہوئے۔ حضرت یوسف کے حکم سے ان کے نوکروں نے ایک چاندی کا پیمانہ بنیامین کے بورے میں چھپا کر رکھ دیا۔ ابھی وہ لوگ کچھ دور ہی گئے تھے کہ پیچھے سے یہ آواز آئی۔ قافلہ والو ذرا ٹھہرو تم چور ہو۔ وہ گھبرا کر کہنے لگے استغفر اللہ! ہم ایسا کیوں کرتے ہم کوئی چور ہیں۔ اگر تمھیں شبہ ہے تو ہمارے سامان سے برآمد کر لو۔

تلاشی کے بعد بنیامین کے بورے سے وہ پیمانہ برآمد کر لیا گیا اور بنیامین کو مجرم کی حیثیت سے پکڑ کر حضرت یوسف کے پاس لے گئے۔ سب بھائی سواریوں سے اتر کر پیچھے پیچھے چلے جب حضرت یوسف کے سامنے آئے تو انھوں نے کہا۔

یوسف ۔ کیوں جی کیا ہماری نیکیوں کا یہی بدلہ ہے

برادراں ۔ حضور ہم بے قصور ہیں ۔ ہمیں علم نہیں یہ پیمانہ ہمارے سامان میں کیسے آگیا

یوسف ۔ نکلا تو بہرحال تمہارے سامان ہی میں سے ہے ۔

برادراں ۔ حضور جس کے سامان سے نکلا ہے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی[1] ۔ ممکن ہے اس کے بھائی نے بھی ایسا کیا ہو

[1] یہ اس واقعہ کا حوالہ ہے کہ بچپن میں حضرت یوسف کو ان کی پھوپی نے بے اولاد ہونے کی وجہ سے لے پالک بنالیا تھا۔ حضرت یعقوب زیادہ عرصہ بچے کی جدائی گوارا نہ کر سکے تو اپنی بہن کے یہاں لینے گئے ۔ ان کو بھی یوسف کا جدا کرنا گوارا نہ تھا آخر جب حضرت یعقوب نے اصرار کیا تو انھوں نے ایک حیلہ یہ کیا کہ وہ کمربند جو حضرت اسحاق سے ان کو ترکہ میں ملا تھا یوسف کی کمر سے باندھ دیا گویا چور بنایا چونکہ اس زمانہ میں چور ہی کو مال کے عوض لے لیا جاتا تھا لہذا حضرت یوسف کو پھوپی کے پاس رہنا پڑا ۔ اس کی طرف اشارہ کرکے بھائیوں نے تہمت لگائی ۔

یوسف تم لوگ بڑے خانہ خراب (برے) ہو جو تم کہتے ہو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ۔

چونکہ اس ملک کے قانون کے مطابق سوائے اس تدبیر کے یوسف اپنے بھائی کو روک نہیں سکتے تھے ۔ لہذا بنیامین روک لیا گیا ۔

یوسف ۔ یہ ایک سال یہاں قید رہے گا

برادراں ۔ حضور جہاں آپ نے اتنے احسان کئے ہیں اتنا اور کریں کہ اس کے بدلے کسی اور بھائی کو روک لیں تاکہ ہم وعدہ کے مطابق صحیح سلامت باپ تک پہنچادیں ورنہ وہ سخت ناراض ہونگے کیونکہ ایک بھائی پہلے ہماری غفلت سے ضائع ہوچکا ہے

یوسف ۔ میں اس کے بدلہ میں ایک بے گناہ کو کیسے قید کرسکتا ہوں اگر میں بادشاہ ہوکر قانون پر عمل نہ کرونگا تو پھر کون کرے گا

جب ان کو مایوسی ہوئی تو الگ جاکر آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا ہو ۔ سمعون نے کہا سنو میں اب وطن جاؤنگا نہیں باپ کو کیا منہ دکھاؤنگا یوسف ہی کا واقعہ عمر بھر کی ندامت کے لئے کافی تھا اب تو ایک نہ شد دو شد کا مضمون ہوگیا جب وہ کسی طرح چلنے پر راضی نہ ہوئے تو مجبوراً سب بھائی قافلہ کے ساتھ چلنے پر راضی ہوگئے ۔

اولادِ یعقوب کی واپسی کنعان پہنچکر یہ واقعہ یعقوب علیہ السلام سے بیان کیا گیا اور کہا کہ آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اس عادت میں پکڑے گئے ہم نے تو واپس لانے کا عہد کیا تھا لیکن ہم اس غیبی آفت کے ذمہ دار تو نہیں آپ اس بستی (مصر) کے لوگوں سے دریافت کرلیجئے اور اس قافلہ سے بھی جس سے ہم آئے ہیں پوچھ لیجئے ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں

حضرت یعقوب نے فرمایا اس نے چوری نہیں کی بلکہ تم نے یہ بات دل سے گھڑلی ہے خیر اب صبر کے سوا چارہ کار ہی کیا ہے مجھے خدا کے فضل سے امید ہے کہ وہ میرے سب لڑکوں کو میرے پاس پہنچادے گا وہ علیم و حکیم ہے ۔ یہ فرماکر ان کی طرف سے منہ پھیرلیا اور فرمایا ہائے یوسف ہائے یوسف ! اور اس قدر روئے کہ ان کی آنکھیں اس صدمہ سے سفید ہوگئیں (بینائی جاتی رہی) انھوں نے بڑے صبر و ضبط سے کام لیا یہ حال دیکھکر ان کے بیٹے کہنے لگے آپ تو ہمیشہ یوسف کو یاد کرکے روتے ہی رہیں گے نتیجہ میں یا تو آپ بیمار ہوجائیں گے یا اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیں گے ۔

فرمایا تم سے تو نہیں میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت اپنے خدا سے کرتا ہوں اور میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ میرے بیٹو! یوں کام نہیں چلے گا پھر مصر جاؤ اور خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ کافر کے سوا کوئی رحمت خدا سے مایوس نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب کو یوسف کی موت کا یقین نہ تھا وہ رحمت خدا سے دل لگا کر یہ یقین رکھتے تھے کہ یوسف اور بنیامین دونوں ملیں گے۔ بیٹوں نے کہا آپ ایک خط بادشاہ کو لکھ دیں۔

یعقوب کا خط یوسف کے نام

یہ خط یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم کی طرف سے بادشاہ مصر کے نام ہے

اے بادشاہ آگاہ ہو کہ خدا کے نیک بندے ہمیشہ مصائب دنیا میں مبتلا رہے ہیں۔ چنانچہ میرے دادا ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا خدا نے ان کو نجات دی۔ میرے چچا اسمٰعیل کا امتحان ذبح میں لیا گیا وہ اس میں ثابت قدم رہے۔ اب میرا نمبر آیا ہے میری آنکھوں کا تارا ایک لڑکا تھا جو میری ساری اولاد میں مجھے زیادہ پیارا تھا وہ یکایک مجھ سے جدا ہو گیا اس کی جدائی کے غم میں میں رو رو کے اندھا ہو گیا اس کا ایک بھائی میرے ٹوٹے دل کی تسلی تھا بدقسمتی سے وہ چوری کی علت میں آپ کے یہاں قید ہو گیا

اے عزیز نہ میں چور ہوں نہ چور کا بیٹا اولاد انبیا ایسے عیبوں سے پاک رہتی ہے اگر تم اس کو چھوڑ دو گے تو مجھ پر احسان ہوگا اور روز قیامت اس کا اچھا بدلہ پاؤ گے۔

یہ خط لے کر سب بھائی مصر پہنچے اور حضرت یوسف کی خدمت میں پہنچایا اور کہنے لگے حضور ہمارے کنبہ کو قحط کی وجہ سے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ ہم تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں آپ ہم کو اس کے عوض پورا غلہ دلوا دیجئے۔ ہم کو صدقہ دیجئے اللہ صدقہ دینے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (یہ ملحوظ رہے کہ سوائے آل محمد اور کسی نبی کی اولاد پر صدقہ حرام نہیں۔ ورنہ اولاد یعقوب صدقہ کیوں مانگتی)

جب سے بنیامین یوسف علیہ السلام کے پاس آئے تھے رات دن ایک ہی جگہ رہتے تھے اکثر باپ کو یاد کر کے دونوں بھائی روتے تھے اور یہ معمول تھا کہ یوسف تخت پر اپنی برابر بنیامین کو بٹھاتے تھے۔

باپ کا خط پڑھ کر پہلے تو بہت روئے اور بھائیوں کو بلا کر پوچھا تم یوسف کو پہچانتے ہو؟ بنیامین کو پاس بیٹھا دیکھ کر کچھ کھٹک تو پیدا ہو ہی گئی تھی کہنے لگے کیا آپ یوسف ہیں فرمایا ہاں میں یوسف ہوں۔ گردنیں جھکا کر کانپتی آواز میں کہنے لگے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو یہ مرتبہ عطا فرمایا بیشک ہم خطاوار ہیں ہم اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں جو سزا آپ مناسب سمجھیں ہمیں دیں۔

فرمایا جاؤ میں نے معاف کیا اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔ اب کوئی صورت ایسی ہونی چاہئے کہ ابا جان مجھے دیکھ لیں اور میں ان کو انھوں نے کہا وہ آپ کو کیسے دیکھ سکتے ہیں ذرا خیال کیجئے کہ انکی بینائی جاتی رہی ہے آپ نے فرمایا یہ بھی ہو جائے گا اس کے بعد آپ نے ایک شخص کو بلا کر اپنی قمیص دی اور فرمایا جلد از جلد اسے کنعان لے جا اور میرے باپ کی آنکھوں پر ڈال دے وہ بینا ہو جائیں گے ادھر یہ شخص روانہ ہوا اور وہاں حضرت یعقوب نے لوگوں سے کہا اگر تم مجھے سٹھیایا نہ سمجھو تو میں تم کو بتاؤں کہ میں اپنے محبوب یوسف

کی بو سونگھ رہا ہوں۔ انھوں نے کہا آپ تو ابھی وہم میں پھنسے رہیں گے۔ کچھ دیر بعد یوسف کا گماشتہ وہاں پہنچ گیا اور یوسف کی سلامتی کی خوشخبری سنا کر وہ قمیص آپ کے چہرہ پر ڈال دی۔ پیراہن کا آنکھوں سے لگنا تھا کہ آپ فوراً بینا ہو گئے دنیا کے ڈاکٹر اور سائنس داں اس عقدہ کو حل کریں کہ بینائی لوٹنے کا باعث کیا چیز ہوئی۔

باپ بیٹے کی ملاقات قاصد کے جانے کے بعد حضرت یوسف نے تمام بھائیوں کے لباس تیار کرائے اور ایک ہزار اونٹوں پر غلہ بار کرایا اور قسم قسم کے تحفے مہیا کئے اور بھائیوں سے کہا ان کو کنعان لے جاؤ اور میری طرف سے اہل وطن کی خدمت میں پیش کرنا اور والد ماجد کو اپنے ساتھ لے کر جلد واپس آجانا

جب یہ لوگ وہاں پہنچے اور اہل کنعان کو حضرت یوسف کے بادشاہ ہونے کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے کئی روز خوشی کے جشن منائے۔ اس کے بعد حضرت مصر کو روانہ ہوئے۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف نے دور سے ان کا استقبال کیا باپ کو دیکھتے ہی سواری سے اتر پڑے اور بے اختیار اپنے کو ان کے قدموں پر گرا دیا۔ یعقوب علیہ السلام نے سینہ سے لگایا۔ دونوں گلے مل کر دیر تک روتے رہے۔ یہ منظر دیکھنے والوں کے دل ہل گئے۔ کیسا عجیب وقت تھا کہ سالہا سال کے بعد باپ نے بیٹے کو اور بیٹے نے باپ کو دیکھا جس صورت کو دیکھنے کے لئے برسوں تڑپے تھے۔ جس کے فراق میں سالہا سال روئے تھے آج وہ پیاری صورت آنکھوں کے سامنے تھی۔ وہاں سے محل شاہی میں تشریف لائے

حضرت یوسف نے اپنی سوتیلی ماں اور باپ کو تخت پر بٹھایا اور ان سے پست مقام پر خود بیٹھے۔ سب لوگ ان کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔ حضرت یوسف نے کہا ابا جان یہ اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو احسن القصص فرمایا ہے یعنی سب سے بہتر قصہ کیونکہ اس سے بہت سی نصیحتیں انسان کو حاصل ہوتی ہیں

اس قصہ سے ہم کو حسب ذیل سبق ملتے ہیں۔

(۱) اللہ نے گروہ انبیاء میں صرف چھ نبیوں کو سلطنت و حکومت عطا فرمائی۔ یوسف۔ ذوالقرنین۔ داؤد۔ سلیمان اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقی سب ضعیف الحالات اور قوی النیات رہے پانچ کو سلطنت اس لئے دی کہ دنیا والے یہ سمجھ لیں کہ الٰہی سیاست کے قوانین کیا ہیں اور خدا کا معین کردہ بادشاہ باوجود خزانوں اور لشکروں کا مالک ہوتے کے کس طرح زاہدانہ زندگی بسر کرتا ہے کس طرح حقوق الناس کی حفاظت کرتا ہے کس طرح ان کے درمیان عدل کرتا ہے یہ الٰہی حکومتیں بادشاہان دنیا کو سبق دینے کے لئے نمونہ کی گئی تھیں۔ نیز لوگ یہ نہ سمجھیں کہ انبیاء نے دنیا کو کیا سمجھا تھا

(۲) اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ خواب کی تعبیر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ جلد ہی مل جائے بلکہ وہ سالہا سال بعد بھی مل سکتی ہے

(۳) سوتیلے بھائیوں میں حسد کی بیماری عموماً پائی جاتی ہے۔ اخلاقی بیماریوں میں سب سے زیادہ خطرناک یہی ہے جس سے پناہ مانگنا چاہئے

(۴) حضرت یعقوب کو علم نبوت معلوم ہو گیا تھا کہ یوسف مرے نہیں جب ہی تو بیٹوں سے کہا تھا جاؤ ڈھونڈو کہیں

(۵) کسی کی جدائی میں رونا بے صبری کی دلیل نہیں ورنہ یعقوب علیہ السلام اتنا کیوں روتے کہ بصارت زائل ہو جاتی۔

(۶) زلیخا نے جو مکر و فریب کا جال بچھایا تھا اور جس بے حیائی سے فعل بد کی ترغیب دلائی تھی اس سے حضرت یوسف کے ضبط نفس اور کمال روحانیت کا پتہ چلتا ہے نیز تائید الٰہی بھی شامل تھی۔

(۷) حضرت یوسف کا یہ فرمانا کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا نفس امارہ انسان کو برائی کی طرف لیجاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء اور ائمہ کے اندر برائی کی قوت تو ہوتی ہے لیکن وہ مرضی الٰہی کے خلاف کرتے نہیں۔ ورنہ ان کا برائی سے باز رہنا قابل تعریف نہ ہوتا

(۸) ہادیانِ برحق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کسی حالت میں بھی ترک نہیں کرتے چنانچہ حضرت یوسف تبلیغ امر دین سے قید خانہ میں بھی باز نہ رہے۔

(۹) پاک دامن آدمی پر کوئی بدنفس اگر جھوٹا الزام لگائے تو خدا اسکی آبرو کا محافظ ہوتا ہے۔

(۱۰) حضرت یوسف نے بادشاہت ملنے پر زہد فی الدنیا کو ترک نہ کیا اور بادشاہانِ دنیا کی طرح عیش و آرام کے ہاتھوں میں اپنے کو کھلونا نہیں بنایا۔ یہ انبیاء و ائمہ کی خصوصیات میں سے ہے۔

(۱۱) حضرت یوسف نے اپنی رعایا سے زمانہ قحط سالی میں پوری پوری ہمدردی دکھائی اور ادنیٰ و اعلیٰ سب کے ساتھ مساوی سلوک کیا سوائے حکومت الٰہیہ کے جس کے کارکن انبیاء و اولیاء ہوتے ہیں اور کسی حکومت میں مساوات کا لحاظ نہیں ہوتا۔

(۱۲) جو بادشاہتیں خدا کی طرف سے ہوتی ہیں ان میں کسی بادشاہ کو اپنا وزیر بنانے کا حق نہیں ہوتا بلکہ خدا جسے منتخب کرتا ہے وہی وزیر ہوتا ہے۔ ہمارے رسول کے بعد امت نے یہ قانون توڑ دیا۔

(۱۳) خدا کی بارگاہ میں ٹوٹے دل کی فریاد ضرور سنی جاتی ہے جیسے زلیخا کی دعا کو شرف قبولیت بخشا گیا

(۱۴) یوسف کا دل زلیخا کی طرف ضرور مائل ہو جاتا اگر خوف خدا ان پر غالب نہ آیا ہوتا چونکہ اس معاملہ میں ان کو بڑے صبر و ضبط سے کام لینا پڑا اور ثابت قدم رہنے میں بڑی تکلیف اٹھانا پڑی تھی لہذا اس کے صلہ میں خدا نے زلیخا کو جوان بنا کر اس کے وصل سے لذت اندوز کیا۔ خدا نیکوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتا ہے۔

(۱۵) بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں پر جھوٹا الزام لگایا لیکن ایسا نہیں تھا۔ سارق سے مطلب یہ تھا کہ وہ یوسف کو باپ سے چرانے والے تھے دوسرے مصر کے ملکی قانون کے مطابق حضرت یوسف کو بنیامین کے روکنے کا کوئی حق نہ تھا اگر ان کو نہ روکا جاتا تو پہلے تو بھائیوں کے جلد واپس آنے کی امید نہ تھی کیونکہ ان کو کافی غلہ دیا جا چکا تھا دوسرے یہ بھی اندیشہ تھا کہ بار دیگر حضرت یعقوب بنیامین کو نہ آنے دیتے۔ چونکہ اپنے باپ کی پریشان حالی سن چکے تھے اس لئے چاہتے تھے کہ جلد از جلد اپنے باپ کو اس پریشانی سے نجات دیں۔ قرآن کہتا ہے یہ حیلہ خدا نے انکو بتایا تھا۔ ادنیٰ چیز کو اعلیٰ چیز پر قربان کر دینا شرعاً ممنوع نہیں جیسے خضر نے اس کافر لڑکے کو قتل کر دیا تھا جو مسلمان ماں باپ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چونکہ یوسف کے قصہ میں وہ گنہگار قرار پا چکے تھے اور عظیم الشان ظلم کر چکے تھے لہذا ان کے ساتھ حیلہ کرنا روا تھا نیز یہ الزام لگانا ایک بڑی مصلحت پر مبنی تھا اور اس کے بجا نہ لانے میں ان کی تمام نیکیوں کا خاتمہ ہوا جاتا تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت دی۔

نافع ثمرہ ہوا جاتا تھا جو بعد میں ظہور میں آئیں

(۱۶) یوسف علیہ السلام کو بعلم نبوت یہ معلوم تھا کہ ان کی قمیص کو اگر آنکھوں سے لگایا جائے گا تو حضرت یعقوب کی بینائی عود کر آئے گی اس میں کیا راز تھا خدا کے سوا کون جان سکتا ہے۔

(۱۷) یوسف علیہ السلام کو باپ اور بھائیوں کا سجدہ کرنا تعظیمی تھا نہ کہ ان کو معبود سمجھکر ایسا کیا تھا یہ ایسا ہی سجدہ تھا جیسے ملائکہ کا سجدہ آدم کو۔ چونکہ یوسف علیہ السلام اس وقت بادشاہ تھے اور مصری قانون کی رو سے بادشاہ کو سجدہ کرنا ضروری تھا لہذا حضرت یوسف ملکی قانون کی توہین کرتے تو مصر کے لوگ ان کو قانون شکن بادشاہ قرار دیتے اور پھر ان کو کسی قانون شکنی پر ملزم نہیں قرار دیا جا سکتا تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر یہ سجدہ خلاف حکم اسلام ہوتا تو یعقوب جو نبی تھے کبھی اسکو منظور نہ کرتے اور قرآن میں اللہ تعالیٰ اسکی مذمت کرتا۔

اصحاب کہف کا قصہ

ہزار زمانہ گزرا کہ ملک روم میں دقیانوس نامی ایک بادشاہ ہوا ہے۔ جو ایسا بیوقوف تھا کہ اپنے کو خدا سمجھتا تھا اور جو اسکی خدائی نہ مانتا تھا اسے قتل کرا دیتا تھا۔ اس زمانہ میں چند خداپرست لوگ بھی تھے جو اس کی خدائی کو نہیں مانتے تھے اور اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے یعنی تقیہ میں اپنی زندگی گزارتے تھے۔ ایک روز وہ پوشیدہ طور پر اپنے مکان میں جمع ہوئے اور آپس میں کہنے لگے ایسی زندگی ہم کب تک بسر کریں گے جس میں ہر وقت جان جانے کا خطرہ ہو۔ اگر بادشاہ کو پتہ چل گیا تو وہ ہم کو ضرور ہلاک کر ڈالے گا۔ آخر بالاتفاق یہ طے ہوا کہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے

چنانچہ ایک رات میں وہ خدا پر بھروسہ کر کے نکل کھڑے ہوئے۔ ایک کتا بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ ہر چند انھوں نے اس کو بھگایا مگر اس نے پیچھا ہی نہ چھوڑا۔ مجبور ہو کر ساتھ لے لیا رات بھر چلتے رہے مگر حدود ملک سے باہر نہ نکل سکے۔ چونکہ تکان بہت ہو گئی تھی اس لئے کوئی پناہ کی جگہ ڈھونڈنے لگے۔ ایک پہاڑ میں ایک لمبا غار تھا اسی میں داخل ہو گئے کہ ذرا ستا کر یہاں سے چلیں گے اللہ نے نیند کو ان پر ایسا غالب کیا کہ سوئے تو سوئے اور ایسے سوئے کہ تین سو برس تک آنکھ نہ کھلی۔

ان کی تعداد میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے چار تھے پانچواں کتا تھا کوئی کہتا ہے پانچ تھے چھٹا کتا تھا۔ لیکن صحیح باتیں قرآن سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سات تھے آٹھواں کتا تھا

۳۰۰ برس کی گہری اور لمبی نیند کے بعد بیدار ہوئے تو آپس میں یوں گفتگو ہوئی۔

ایک۔ بھلا ہم کتنی دیر سوئے ہونگے

دوسرا۔ ایک دن یا آدھے دن

تیسرا۔ یارو! اب تو بھوک بڑے زور کی لگی ہے ہم میں سے کوئی جا کر شہر سے کھانا لے آئے مگر ایسا چھپا چھپا جائے

کہ کوئی پہچان نہ لے ورنہ دقیانوس ہم سب کو قتل کرا دے گا۔ ملیخا نے کہا میں جاتا ہوں

ملیخا شہر میں داخل ہوئے تو دنیا ہی اور نظر آئی۔ شہر کا نقشہ بالکل بدلا ہوا تھا نہ پہلے سے گلی کوچے نہ پہلا سا بازار نہ پہلے سے مکانات و نشانات سخت حیران کہ میں کہاں آگیا۔ ٹاپک ٹوئیے مارتے ایک نان بائی کی دکان پر پہنچے۔ کچھ روٹیاں خریدیں۔ اب جو قیمت اسے دی تو وہ حیران ہو گیا کہنے لگا

دکاندار۔ یہ کس ملک کا سکہ ہے؟

ملیخا۔ کس ملک کا سکہ ہے یہ بھی ایک ہی رہی تو کوئی دیوانہ ہے یا گنوار سمجھ کر مجھے پریشان کرنا چاہتا ہے۔

دکاندار۔ کیا بکواس کر رہا ہے۔ سیدھے ہاتھ سے رائج الوقت سکہ دے

ملیخا۔ رائج الوقت! تو کیا یہ شہر دقیانوس بادشاہ کی حکومت میں نہیں

دکاندار۔ (بگڑ کر) کون دقیانوس۔ پاگل تو خود ہے اور مجھے دیوانہ بتاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کوئی پرانا خزانہ تیرے ہاتھ لگا ہے۔ دقیانوس کو مرے صدیاں گزر گئیں اس کا سکہ تیرے ہاتھ کہاں سے لگا یا تو مجھے اس خزانہ کا پتہ بتا ورنہ ابھی تجھے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جاؤنگا

ملیخا۔ میرے پاس تو کوئی خزانہ نہیں۔ ایک رات دن میں دنیا بدل گئی۔

دکاندار سمجھ گیا کہ ضرور اس نے خزانہ پایا ہے مجھ سے چھپا رہا ہے۔ انہیں پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ نے جب ان کا حال سنا تو حیرت میں آگیا کہنے لگا میں تیرے ساتھ وہ جگہ دیکھنے چلتا ہوں۔ ایک طرف تو ملیخا حیران دوسری طرف بادشاہ پریشان کہ یہ معاملہ کیا ہے

جب بادشاہ ارکان سلطنت کے ساتھ اس غار کے پاس پہنچا تو ملیخا نے کہا یہی وہ غار ہے جہاں ہم نے رات گزاری ہے۔ آپ یہیں ٹھہریں میں اندر جا کر سب کو بلائے لاتا ہوں۔ ملیخا نے اندر جا کر اپنے ساتھیوں سے سارا حال بیان کیا۔ انہوں نے کہا یہ معاملہ خطرہ سے خالی نہیں ہمیں کیا ضرورت کہ بادشاہ کے پاس جائیں ہم نے تو دنیا کو چھوڑ کر خدا سے لو لگائی ہے۔ ابھی پھر ہمارا توکل ہے۔ یہ کہکر پھر سو گئے اور بقدرت خدا غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ ان کا کتا اگلے ہاتھ پھیلائے دہلیز پر ڈٹا بیٹھا ہے اس وقت سے اب تک سو رہے ہیں اور جب تک مرضی الٰہی ہے سوتے ہی رہیں گے۔ فرشتے ان کو کروٹ بدلوا دیتے ہیں کبھی داہنی طرف کبھی بائیں طرف۔ بہشت کی ہوائیں سانس لینے کے لئے آتی رہتی ہیں نہ ان کو سردی ستاتی ہے نہ گرمی حشرات الارض کی طاقت نہیں کہ ان کے قریب جا سکیں۔ سورج ان کے غار سے کترا کر نکل جاتا ہے۔ جلالت شان کا یہ عالم کہ قرآن کہتا ہے کہ اگر تم انہیں دیکھو تو ان کا رعب تم پر چھا جائے۔ کہف کے معنی غار کے ہیں اسی لئے ان کو اصحاب کہف یعنی غار والی جماعت کہتے ہیں۔

بادشاہ بہت دیر ان کے آنے کا انتظار کرتا رہا جب نہ آئے تو اس نے اندر جانا چاہا لیکن دروازہ بند تھا۔ سب کی صلاح سے ایک مسجد وہاں بنوا دی اور ان کے مختصر حالات لکھوا کر وہاں لٹکا دئے اسی لئے ان کو اصحاب رقیم کہتے ہیں یہ واقعہ حضرت عیسٰی کی ولادت سے بہت پہلے کا ہے۔ اصحاب کہف کا یہ قصہ قرآن میں مذکور ہے

یہ واقعہ اسرار قدرت کا ایک گنجینہ ہے۔ چند باتوں کو ان میں سے یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) وہ کیسے کامل الایمان لوگ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح انکی حفاظت کی

(۲) ہزاروں برس سے وہ سو رہے ہیں اور زندہ ہیں کروٹیں بدل رہے ہیں چونکہ یہ واقعہ قرآن میں مذکور ہے لہذا کوئی مسلمان انکی طولانی عمر پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ جو لوگ ہمارے امام کی عمر پر اعتراض کرتے ہیں وہ ذرا اس واقعہ کو پیش نظر رکھیں

(۳) جو لوگ کہتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت حجت کسی خطہ ارض پر ہوں اور کوئی ان کو نہ دیکھے سیاحوں نے چپہ چپہ زمین کا چھان مارا مگر شیعوں کے امام کہیں پتہ نہ چلا۔ وہ اس واقعہ سے اپنی غلط فہمی دور کریں۔ یہ پہاڑ جس کے غار میں اصحاب کہف پوشیدہ ہیں اسی زمین پر ہے لوگوں کا دیکھا ہوا ہے اس کے دہانہ تک لوگ جاتے ہیں لیکن آج تک کسی نے ان کو دیکھا نہیں غار کا منہ کھول دنیا سراطین روزگار کے لئے کون بڑی بات تھی۔ بڑی بڑی لمبی سرنگوں میں لوگ چلے جاتے ہیں کانوں کے اندر دور تک مارچ لے کر لوگ جاتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ نہ تو کوئی بادشاہ اس غار کے اندر جا سکا اور کسی کو بھیج کر ان کے حالات معلوم کئے اس سے معلوم ہوا کہ خدا جسے غائب رکھنا چاہے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ ہے خدائی انتظام اسے کون توڑ سکتا ہے

(۴) اصحاب کہف خدا کے نیک بندے ضرور تھے مگر ان کے معصوم ہونے پر کوئی نص نہیں اس پر بھی خدا نے ان کو جس حالت میں رکھا ہے آج تک اس پر باقی ہیں جو جوان تھے وہ اب بھی جوان ہیں اور جو بوڑھے تھے وہ اب بھی بوڑھے ہیں لہذا امام عصر علیہ السلام جو معصوم حجت خدا ہیں ان پر یہ اعتراض کیوں کیا جاتا ہے کہ وہ تو اتنے بوڑھے ہو گئے ہوں گے کہ چلنے پھرنے کی قابل بھی نہ رہے ہوں گے۔ انکی قوت قدسیہ کے یہ اثرات ہیں کہ وہ جس سے ملنا چاہتے ہیں مل لیتے ہیں اور جو کامل الایمان ان کو پہچاننا چاہیں وہ پہچان بھی لیتے ہیں

(۵) اصحاب کہف باوجودیکہ ہزارہا سال سے خاک پر لیٹے ہیں مگر حشرات الارض کی یہ طاقت نہیں کہ ان کو اذیت پہنچا سکیں قدرت انکی حفاظت کرتی ہے بس سمجھ لینا چاہیئے کہ جو خاصان خدا ہوتے ہیں ان کے پاک اجسام پر نہ تو موسمی تغیرات کا کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ حشرات الارض ان کو کوئی گزند پہنچا سکتے ہیں۔ ہمارے ائمہ کے اجسام مقدسہ کا تو ذکر ہی کیا جو ان کے دوست کمال ایمان پر فائز تھے اور جن کو صحبت رسول کا شرف حاصل تھا سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی ان کے جسد بے روح میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکی۔

حضرت حمزہ کی لاش معاویہ کے زمانہ میں جب قبر سے نکالی گئی تھی تو بدستور پائی گئی تھی بلکہ ان کے پاؤں میں کدال یا پھاوڑے کی ضرب لگنے سے خون جاری ہو گیا تھا

جناب جابر ابن عبداللہ انصاری اور جناب حذیفہ رضی اللہ عنہما کے جسد مبارک کے متعلق اخبار جنگ کراچی، ۲ر جون سنہ ۱۹۷۱ء میں یہ واقعہ درج تھا۔

منتقلی مزارات کا واقعہ

ایک جرمن ڈاکٹر نے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

سنہ ۱۹۳۲ء میں شاہ عراق ملک فیصل اول مرحوم کو خواب میں حضرت حذیفہ یمانی جلیل القدر صحابی نے فرمایا کہ حضرت جابر انصاری

اور مجھے موجودہ مزارات سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے کچھ فاصلہ پر منتقل کرو کیونکہ میرے مزار میں پانی اور جابر کی قبر میں نمی آگئی ہے۔ شاہ فیصل نے دو رات مسلسل دیکھا تیسری شب حضرت موصوف نے مفتی اعظم عراق کو ہدایت فرمائی کہ ہم شاہ عراق سے دو مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ ہمارے مزارات کو یہاں سے منتقل کرو مگر شاہ نے توجہ نہیں دی تم شاہ کو تاکید کرو کہ وہ منتقلی مزارات کا انتظام کرے۔ صبح کو وزیر اعظم نوری السعید کے پاس مفتی اعظم تشریف لائے اور خواب بیان کیا۔ وزیر اعظم مرحوم اور دونوں بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور خواب بیان کر کے منتقلی مزارات کی درخواست کی۔ شاہ نے بھی اس خواب کی تائید کی اور باہمی مشورہ اور غور و فکر کے بعد طے پایا کہ مفتی اعظم انتقال مزارات کا فتویٰ دیں اور فتویٰ کے ساتھ شاہی فرمان منسلک کر کے اخبارات میں اشاعت کے لئے وزیر اعظم کو دیں۔ چنانچہ اس پر فوراً عمل کیا گیا۔ اعلان تھا کہ ۱۰ ذی الحجہ کو بعد نماز ظہر دونوں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارات کو کھولا جائے گا دونوں حضرات کو کسی مناسب مقام پر پہنچایا جائے گا۔ اس اعلان کی اشاعت کے بعد تمام عالم اسلامی میں یہ خبر دلچسپی کے ساتھ پڑھی گئی۔ چونکہ حج کا زمانہ قریب تھا تمام دنیا کے مسلمان حرمین شریفین میں جمع تھے سب نے بذریعہ تار شاہ عراق سے درخواست کی کہ مزارات حج کے بعد کسی قریبی تاریخ میں منتقل کئے جائیں تاکہ ہم بھی سعادت شرکت حاصل کر لیں اسی طرح اطراف عالم ہندوستان۔ ترکی۔ مصر۔ افریقہ۔ ایران۔ شام۔ بلغاریہ وغیرہ سے تاروں کی یلغار ہو گئی اور تاریخ میں توسیع کی درخواست کی گئی چنانچہ مسلمانان عالم کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے دوسرا فرمان شاہی جاری کیا گیا کہ اب یہ مبارک کام حج کے دس دن بعد کیا جائے گا۔

بغداد سے تقریباً چالیس میل دور ایک تاریخی مقام مدائن ہے جس کو اب سلمان پاک کہتے ہیں یہاں کہ جلیل القدر صحابی گورنری کے عہدہ پر سرفراز رہے ہیں یعنی حضرت سلمان فارسی صحابی رسول کا مزار بھی ہے اطراف عالم کے مسلمان اور غیر مسلم کثیر تعداد میں وہاں پہنچ گئے۔ تمام دنیا کے اخباری نمائندے۔ فوٹوگرافر مشہور سیاح و مورخ۔ شاہ عراق وزیر اعظم مفتی اعظم۔ امراء صلحاء و عمائدین عراق دوشنبہ کو دوپہر کے وقت بغداد میں جمع ہو چکے تھے۔ پہلے حضرت حذیفہ یمانی رض کے جسم مبارک کو کرین کے ذریعہ سے اس طرح اٹھایا گیا کہ کرین پر لگے ہوئے اسٹریچر پر جسد مبارک خود بخود آگیا اس کے بعد کرین سے اسٹریچر الگ کر کے شاہ فیصل۔ مفتی اعظم۔ وزرائے ترکی۔ شہزادہ فاروق اور ولی عہد مصر کاندھوں پر اسٹریچر رکھ کر تابوت تک لائے جو شیشہ سے بنا ہوا پہلے سے تیار تھا۔ تابوت میں جسد مبارک رکھ دیا گیا بالکل اسی طرح حضرت جابر کے جسد مبارک کو بھی مزار سے نکال کر بصد احترام بلوری تابوت میں رکھا گیا۔ دونوں حضرات کے جسم بالکل تر و تازہ تھے۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں جن سے نور کی شعاعیں نکل کر دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ کر رہی تھیں کفن بھی بالکل تازہ تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ حضرات ابھی زندہ ہیں۔

یہ کرشمہ قدرت دیکھ کر بڑے بڑے ڈاکٹر اور سائنس داں انگشت بدنداں تھے بین الاقوامی شہرت کا مالک ایک جرمن ماہر چشم تمام کارروائی سے بڑی دلچسپی لے رہا تھا وہ اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً مفتی اعظم عراق کے پاس آیا اور ہاتھ پکڑ کر کہا اسلام کی حقانیت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں آپ مجھے تلقین کریں۔ چنانچہ لاکھوں آدمیوں کے سامنے وہ مسلمان ہو گیا اس کے بعد ہزاروں نصرانیوں اور یہودیوں نے جوق در جوق بغداد آکر اسلام قبول کیا اور یہ سلسلہ عرصہ تک رہا

(٦) کوئی نہیں بتا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو کس مصلحت سے چھپا رکھا ہے اور نہ کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ یہ لوگ کب تک اس غار میں رہیں گے اسی طرح حضرت حجت کے متعلق بھی کوئی نہیں بتا سکتا کہ کب ظہور فرمائیں گے

(٧) اصحاب کہف ایک ظالم بادشاہ کے خوف سے غار میں پنہاں ہوئے تھے اسی طرح حضرت حجت ظالم سلاطین کے ظلم کی وجہ سے پنہاں ہوئے اگر کوئی یہ کہے کہ اب تو وہ ظالمانہ دور نہیں، امام اب کیوں نہیں ظاہر ہوتے تو ہم کہیں گے دقیانوس کا دور ختم ہو گیا اصحاب کیوں نہیں نکلتے

(٨) ہمارے ائمہ معصومین نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اصحاب کہف غار سے اس وقت نکلیں گے جب حضرت حجت ظہور فرمائیں گے یہ لوگ قتل کفار و مشرکین میں حضرت کے ساتھ ہونگے

(٩) اصحاب کا کتا بھی خدا کی عجیب و غریب مخلوق ہے سوائے خدا کے کون جان سکتا ہے کہ کس نے اُسے یہ تعلیم دی کہ وہ اُن لوگوں کے ساتھ رہے اسے ان لوگوں کے ایمان اور نیت کا پتہ کیسے چلا۔ بڑا بہادر کتا تھا کہ غار کی دہلیز پر ڈٹا بیٹھا ہے نہ خزاں ہے نہ ملال ہے نہ روتا ہے نہ چیختا ہے گویا اسے یہ اطمینان ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ کوئی ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیا خوش نصیب ہے کہ اصحاب کہف کے صحابیوں میں داخل ہو گیا ان کا یار غار بن گیا۔ اصحاب کہف باز تو دیکھ بھی نہ تھے مگر اس نے ایسی حالت پر نظر کر کے اطمینان حاصل کر لیا کہ دشمن اگر کھوج لگاتا آئے گا تو ان تک پہنچ نہ سکے گا۔ خدا نے اپنے نیک بندوں کے ساتھ اسے بھی زندہ رکھا۔ چند جانور ہیں جنہوں نے بالہام ربانی خاص کام کئے ہیں

١۔ غراب (کوا) جس نے قابیل کو قبر کھود کر دکھائی۔

٢۔ سگ اصحاب کہف جس نے نیکوں کا پیچھا نہ چھوڑا

٣۔ ہدہد سلیمان جس نے شہر سبا کی شہزادی بلقیس کا پتہ چلایا اور قاصد سلیمان بنا

٤۔ وہ مچھلی جس نے چند روز یونس نبی کو اپنے شکم میں زندہ رکھا۔

٥۔ ناقہ صالح جو حضرت صالح کی دعا سے پیدا ہوا

٦۔ گرگ کنعان جس نے یعقوب سے کہا تھا کہ اولاد انبیا کا گوشت ہم پر حرام ہے

٧۔ وہ چیونٹی جس نے جناب سلیمان سے کلام کیا۔

٨۔ وہ گائے جس کا پارچہ گوشت مارنے سے مردہ زندہ ہو گیا

٩۔ وہ گوہ جس نے حضرت رسول خدا کی گواہی دی

١٠۔ وہ ہرنی جو امام حسین کے لئے اپنا بچہ لائی

١١۔ وہ کبوتر جو خون حسین میں اپنے پر ڈبو کر آپ کے قتل کی خبر دینے مدینہ آیا۔

ذکر شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب صالح پیغمبر کی اولاد سے تھے حضرت رسول خدا نے اُن کو خطیب المرسلین فرمایا ہے کیونکہ وہ بہت فصیح و بلیغ کلام کرتے تھے یہ مدین والوں کی ہدایت کو بھیجے گئے تھے۔ اُن کی قوم بڑی بے ایمان اور خود غرض تھی۔ اکثر کا پیشہ تجارت تھا۔ کسی سے سودا لیتے تو ناپ تول میں گڑبڑ کر کے زیادہ لیتے اور جب دیتے تو ڈنڈی مار کر کم دیتے۔ حضرت شعیب نے اُن بے ایمانوں کو طرح طرح سے سمجھایا کہ ناپ تول میں کمی کرنا گناہ ہے۔ وہ کہتے آپ ہمارے معاملات میں دخل دینے والے کون۔ وہ کہتے خدا نے مجھے تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ وہ کہتے ہم تمہارے خدا ہی کو نہیں مانتے تمہیں کیا مانیں گے

جب ان لوگوں نے زیادہ پریشان کیا اور جناب شعیب کے قتل پر آمادہ ہوئے تو انھوں نے خدا سے بد دعا کی کہ ان پر عذاب نازل کر یہ راہ راست پر آنے والے نہیں وحی ہوئی جو ایمان لا چکے ہیں انہیں ساتھ لیکر بستی سے نکل جاؤ۔ بہت جلد ان پر عذاب آنے والا ہے۔ ایک ہزار سات سو آدمی جب حضرت کے ساتھ بستی سے چلے تو کافروں نے ان کا مذاق اڑایا۔

رات کو جب بستی والے بے خبر پڑے سو رہے تھے مابین زمین و آسمان ایک چیخ پیدا ہوئی اور وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ آدمیوں کا کیا ذکر چوپائے تک مر گئے۔ اس کے بعد آسمان سے آگ برسی اور ان سب کو جلا کر خاک کر دیا۔

ان کی ہلاکت کے بعد شعیب اپنے ساتھیوں کے ساتھ لوٹے اور مدین کو از سر نو آباد کیا۔

حضرت شعیب یاد خدا میں اتنا روئے کہ بصارت زایل ہو گئی خدا نے رحم فرما کر پھر بینا کر دیا۔ انھوں نے رو رو کر پھر بینائی کھو دی خدا نے پھر بینا کر دیا جب تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا تو خدا نے ان سے پوچھا اے شعیب اس قدر رونے کا کیا سبب ہے اگر دوزخ کے خوف سے روتے ہو تو میں نے دوزخ کی آگ تم پر حرام کر دی اور اگر جنت کے شوق میں روتے ہو تو اطمینان رکھو جنت تم کو ملے گی۔ اگر عزت اور دولت کے لئے ایسا کر رہے ہو تو جو تم مانگو میں تم کو دیدوں

انھوں نے کہا میرے پالنے والے میں تو تیری محبت میں روتا ہوں چاہتا ہوں ایک بار اپنا حبیب کہہ کر پکار لے۔ خدا نے فرمایا یا شعیب انت حبیبی (اے شعیب تم میرے حبیب ہو) یہ مژدہ سنتے ہی شادی مرگ ہو گئی اور اسی وقت روح بدن سے نکل گئی۔

محبت الٰہی کے کئی درجات ہیں

(۱) اسکی وحدانیت کا اقرار اور ما جاء بہ النبی کی تصدیق

(۲) جو احکام الٰہیہ ہیں ان پر عمل بشرطیکہ خلوص ہو

(۳) زہد فی الدنیا یعنی اس خوف کے تحت کہ دنیوی معاملات میں حصہ لینے سے اعمال خیر کی بجا آوری میں کوتاہی ہو گی علائق دنیا کی حدود سے باہر ہو جانا اور ایسی سیدھی سادی زندگی بسر کرنا جس کے بغیر حیات کا تحفظ نہ ہو سکے۔

(۴) محبت کی اس منزل تک پہنچ جانا کہ اپنے ہر عمل کو محض خوشنودی خدا کے لئے بجا لانا دن صلوٰتی و نسکی و محیائی و مماتی

للہ رب العالمین ۔ یعنی میری نماز میری عبادت میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے ۔ یہ منزل بہت بلند ہے اور سوائے خاصان خدا کے دوسرا وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ۔

۵ ۔ وجدان یعنی ذکر الٰہی میں ایسی لذت محسوس ہونے لگے کہ دنیا کی کوئی لذت اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور قلب کو سوائے اس کے ذکر کے اور کسی ذکر سے لذت حاصل نہ ہو الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (اطمینان بس اللہ ہی کے ذکر سے ہوتا ہے ؛

(۶) آخری منزل یہ ہے کہ فنافی اللہ ہو جائے ۔ اپنی خودی کو بھول جائے اور اپنے نفس کو اس کی مرضی کا تابع بنا دے یعنی جو کام خدا اس سے لینا چاہے فوراً اس کو بجالائے اور اپنی کوئی غرض اس میں شامل نہ کرے اس منزل پر پہنچکر اس کا دل منزل الہام و وحی بن جاتا ہے اور اس کے ہر قول و فعل پر اللہ کی مہر لگ جاتی ہے ۔

حضرت یونس کے حالات

حضرت یونس علیہ السلام ہود نبی کی اولاد سے تھے ۔ نینوا والوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے ۔ ان کی قوم بت پرستی کی بلا میں گرفتار تھی چالیس برس تک جناب یونس نے ان کو ہدایت کی مگر ان میں سے ایک بھی ایمان نہ لایا بس یہی کہتے رہے ہم اپنے باپ دادا کا دین نہ چھوڑیں گے

یونس ۔ اگر تم نے بت پرستی ترک نہ کی تو تم پر خدا کا عذاب نازل ہوگا ۔

قوم ۔ ہم نہ تم سے ڈریں نہ خدا کے عذاب سے اپنے خدا سے کہو جو چاہے ہمارے ساتھ کرے

یونس ۔ وائے ہو تم پر تم کیسے ناسمجھ لوگ ہو ۔

قوم ۔ اگر تم نے ہمیں زیادہ پریشان کیا تو ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے

جب یونس ہر طرح مجبور ہو گئے تو بارگاہ باری میں عرض کی پالنے والے تو دیکھ رہا ہے کہ انکی سرکشی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جلد از جلد ان پر اپنا عذاب نازل کر ۔ وحی ہوئی اے یونس گھبراؤ مت اپنا کام کئے جاؤ جب وقت آئے گا ہم ان پر عذاب نازل کریں گے

یونس چاہتے تھے کہ فوراً ان پر عذاب نازل ہو جائے ۔ خدا کی مصلحتوں کو نہیں دیکھا سمجھے ۔ عذاب کی تاخیر سے ان کو بڑا رنج ہوا رنجیدہ ہونا کوئی گناہ تو نہ تھا مگر انبیا کے معاملات کچھ اور ہی ہوتے ہیں ۔ وہاں تو ذرا ذرا سی بات پکڑی جاتی ہے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے ۔ بادشاہوں سے جو قریب رہتے ہیں ان کی ذمہ داریاں کچھ اور ہی ہوتی ہیں

اس خیال سے کہ عذاب نہ آنے پر قوم ان کا مذاق اڑائے گی وہ بستی سے چل دیے ۔ اللہ کو یہ ذرا سی اکڑ بھی بری معلوم ہوئی ۔ پھر کیا تھا آگے امتحان ہیں ۔ راستہ میں ایک دریا کو عبور کرنا تھا کنبہ ساتھ تھا بڑے بیٹے کو کنارہ پر چھوڑا چھوٹے کو کندھے پر بٹھایا بی بی کا ہاتھ پکڑا اور دریا پار کرنے کے لئے پانی میں اتر گئے بیچ دھار میں پہنچے تو پانی کا ایسا ریلا آیا کہ بی بی کا ہاتھ چھوٹ گیا اسے پکڑنا چاہا تو کندھے پر سے لڑکا گر گیا ۔ بچانے کی بہت کوشش کی مگر نہ بچا سکے ۔ اب کنارہ کی طرف پرسے کہ بڑے لڑکے تک پہنچیں

وہاں پہنچے نہ پائے تھے کہ اسے بھیڑیا اٹھا کر لے گیا۔ بات کہتے بھرا گھر تباہ ہو گیا
یہ واقعہ اس لئے پیش آیا تاکہ وہ سمجھ جائیں کہ کسی قوم پر عذاب آنے سے ان کے دلوں پر کیا گزرتی ہے۔ اللہ تو سب ہی کا پالنے والا ہے وہ کسی قوم پر عذاب لانے میں جلدی نہیں کرتا۔ ہاں جب کسی طرح نہیں مانتے تو بیخ سرکوبی ضروری ہو جاتی ہے
یونس علیہ السلام پھر بستی کی طرف لوٹے۔ ان لوگوں نے مذاق اڑا کر ان کے زخموں پر اور نمک چھڑکا۔ پریشان ہو کر پھر اللہ سے عذاب کے لئے دعا کی۔ جواب ملا تین روز بعد اس قوم پر عذاب کی صورت نمودار ہوگی۔ وہ ان سے یہ کہکر پھر چلدئے تین دن بعد عذاب الٰہی تم کو گھیر لے گا اور تم سب ہلاک ہو جاؤ گے۔
تیسرا دن آیا تو آثار عذاب نمایاں ہوئے وہ لوگ گھبرا کر گھروں سے نکل پڑے اور میدان میں جا کر مردوں عورتوں اور بچوں نے بلبلا کر فریاد کرنی شروع کی۔ اللہ کو ان پر رحم آیا اور عذاب کو روک دیا۔ جب حضرت یونس کو یہ خبر ملی کہ عذاب ٹل گیا تو بہت جز بز ہوئے۔ دل میں کہنے لگے میرا قول غلط ثابت ہوا اب کس منہ سے قوم کے سامنے جاؤں۔
بندہ خدا کی مصلحت کو کیا سمجھے یہ سچ ہے کہ انبیا عام لوگوں کے مقابل بہت کچھ ہوتے ہیں مگر خدا کے سامنے ان کی کیا حقیقت بندوں اور خدا کے علم میں قطرہ اور سمندر کا فرق ہے۔ عذاب نازل کرنے کا وعدہ تھا نہ کہ ہلاک کرنے کا۔ چونکہ غصہ میں بھرے ہوئے وہاں سے چل دئے تھے لہذا پھر امتحان میں آ گئے۔ راستہ میں پھر دریا حائل ہوا۔ کشتی جانے کو تیار کھڑی تھی اس میں بیٹھ گئے۔ بیچ دریا میں کشتی پہنچی تو ایک بھنور میں پھنس گئی ملاح نے بہت زور مارا مگر نہ نکلنی تھی نہ نکلی۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غلام آقا سے بھاگا ہوا اس میں ہے اس کی نحوست ہم پر سوار ہے لیکن وہ کون ہے یہ کون بتلائے آخر قرعہ ڈالا گیا تو یونس کا نام نکلا لوگوں نے انہیں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا۔ کشتی بھنور سے نکل کر چلتی ہوئی۔ یونس کو ایک مچھلی نے نگل لیا۔ ہم تم ہوتے تو فوراً کام تمام ہو جاتا مگر وہ تو نبی تھے مچھلی کے پیٹ کی گرمی ان پر کیا اثر کرتی بروایتے تین دن اور بروایتے چالیس دن اس کے پیٹ میں رہے اور وہ سمندروں میں گھومتی پھری۔
حضرت یونس ذکر الٰہی کر رہے تھے اور رو رو کر کہہ رہے تھے پالنے والے میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے میں توبہ کرتا ہوں میری خطا معاف کر۔ خدا کو رحم آیا اور مچھلی کو حکم دیا کہ یونس کو اگل دے۔ اس نے کنارہ کے قریب جا کر اگل دیا۔ اللہ نے کدو کا درخت وہاں اگا دیا آناً فاناً میں وہ اتنا بڑھا کہ یونس اس کے سایہ میں بیٹھ گئے کئی روز نیم جان وہیں پڑے رہے
ادھر قوم توبہ تلا کرنے کے بعد پھر اسی ڈھنگ پر آ گئی لہذا آگ کا عذاب ان پر آیا اور اس کے شعلوں نے ساری بستی کو گھیر لیا۔ پھر الحذر گڑگڑا کر فریاد کی اور یہ عہد کیا کہ اب ایسا نہ کریں گے اور یونس کا حکم مانیں گے۔ اب وہ لوگ یونس ؑ کی تلاش میں نکلے۔ جب ان کو پا لیا تو قدموں پر گر گئے اور بڑی عزت کے ساتھ بستی میں لے آئے اس واقعہ کے بعد ۳۱ سال تک یونس اپنی قوم میں رہے
اب ان کے کنبہ کا حال سنئے جس لڑکے کو بھیڑیئے نے اٹھایا تھا اسے ایک چرواہے نے بچا لیا تھا اور بی بی اور بچہ کو ایک ملاح نے پانی سے نکال لیا تھا۔ جب ان کو پتہ چلا کہ یونس زندہ ہیں تو وہ ان کو یونس کی خدمت میں لے آئے۔

اس واقعہ میں چند باتیں قابل تبصرہ ہیں۔

(۱) یونس نبی تھے معصوم تھے۔ مزاج دان قدرت تھے ان کو رضائے الٰہی کا تابع ہونا چاہئے تھا پھر کیا وجہ کہ انھوں نے بے محل اپنے غصہ کا اظہار کیا۔ بات یہ ہے کہ معاذ اللہ یہ غصہ ان کا خدا پر نہ تھا بلکہ قوم کی ضلالت پسندی اور اپنی ذلت و سبکی پر یہ سمجھے ہوئے کہ جھوٹا قرار پانے کے بعد میرا وقار نگاہ قوم میں باقی نہ رہے گا۔ ان کو ملال ہونا چاہئے تھا کیونکہ یہ فطرت بشری کا تقاضا تھا۔ جو عمل ان سے سرزد ہوا وہ باغیانہ انداز کا نہ تھا بلکہ رحمت الٰہی پر ناز تھا۔ خدا تو ہر دل کا حال جاننے والا اگر اس عمل میں نافرمانی کا ہلکا سا شائبہ بھی ہوتا تو یونس عہدہ نبوت پر قائم نہیں رہ سکتے تھے

چونکہ یونس کو آئندہ واقعات کا علم نہ تھا اس لئے ان کو پریشانی لاحق ہوئی چونکہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کی دعا کو رد نہیں کرتا اس لئے دعا قبول تو ہوئی لیکن اللہ نے اپنے مصالح کی بنا پر جن کو وہ خود ہی جانتا ہے ان کی ہلاکت کو ملتوی کیا دوسرے اس قوم نے بلبلا کر دعا کی اور توبہ کی تو خدا کو انکی توبہ قبول کرنی چاہئے تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ عذاب خدا کے ہٹتے ہی مسلمان ہوگئے اگر یونس کی خواہش کے مطابق عذاب آجاتا تو سب ہلاک ہو جاتے اور مسلمان ہونے سے رہ جاتے۔ تیسرے یہ کہ سب انبیا علم اور فضائل نفسانی میں یکساں نہیں ہوتے بلکہ ان کے درجات ہیں۔ حضرت یونس میں برداشت کی طاقت ایسی نہ تھی جیسی انبیائے اولوالعزم ہوتی ہے حضرت رسولخدا سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل ولا تکن کصاحب الحوت (اے رسول انبیائے اولوالعزم کی طرح صبر کرو اور صاحب حوت (یونس) کی طرح بے صبر نہ بنو۔

(۲) حضرت یونس پر جو مصائب نازل ہوئے وہ صرف دوسروں کی تکالیف کا اندازہ کرانے کے لئے تھے۔

(۳) شکم ماہی میں حضرت یونس کا زندہ رہنا اس کی دلیل ہے کہ اجسام انبیا پر کسی مادہ ارضی کا تسلط نہیں ہوتا۔

(۴) کدو کی بیل چونکہ تمام نباتات سے زیادہ جلد نشوونما پاتی ہے اور اس کے پتے بڑے اور گھنے ہوتے ہیں لہٰذا ضرورت تھی کہ ایک بے تاب و تواں انسان کو جلد از جلد سایہ میں لیا جائے۔ حکیم مطلق نے انکی جسمانی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے کدو ہی کو انکی غذا قرار دیا۔

ذکر حضرت ایوبؑ

حضرت ایوب اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ بڑے صابر اور عبادت گزار بندے تھے۔ ملک شام ان کا وطن تھا افرائیم بن یوسف علیہ السلام کی بیٹی رحیمہ سے انکی شادی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی نعمتیں دے رکھی تھیں۔ مال میں مال اولاد میں اولاد بہ کثرت مویشی۔ نوکر چاکر۔ رہنے کو ایک چھوٹا سا مکان مگر ان کی زندگی وہی زاہدانہ تھی روکھی سوکھی کھانا اور اللہ اللہ کرنا۔ مال کا زیادہ حصہ راہ خدا میں صرف کرنا۔

مورخوں نے یہ روایت لکھی ہے خدا جانے جھوٹ ہے یا سچ کہ ایک بار شیطان نے بارگاہ باری میں عرض کی کہ ایوب تیرے عبادت گزار بندے ہیں اور تیری راہ میں بہت کچھ دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے ان کو بہت کچھ دے رکھا ہے اطمینان سے

زندگی بسر کر رہے ہیں اگر عبادت کر رہے ہیں اور راہ خدا میں دے رہے ہیں تو کون بڑی بات ہے مجھے اجازت دے کہ میں ان کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کروں پھر دیکھوں کیسے شکر کرنے والے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی تو اب اس نے اپنی چالیں چلنا شروع کیں۔ ایک روز چرواہے نے آکر خبر دی کہ جنگل میں ایسی آگ لگی کہ سب بکریاں جل بھن کر رہ گئیں۔ فرمایا سوائے صبر کیا چارہ کار جس نے مجھے یہ دولت دی تھی اب واپس لے لی یہ کہہ کر عبادت خدا میں مشغول ہو گئے۔ دوسرے دن چرواہے نے خبر دی کہ خدا جانے جنگل میں کیا وبا پھیلی کہ سب گائیں مر گئیں فرمایا جو مرضی خدا ہے میں اس پر راضی ہوں۔ پھر شتربان گھبرایا ہوا آیا کہ سب اونٹ مر گئے۔ سائیس روتا آیا کہ سب گھوڑے مر گئے آپ یہی فرماتے رہے کہ مرضیٔ خدا میں کیا زور۔

یکایک گھر میں آگ لگ گئی اور بات کہتے سارا سامان جل کر خاک ہو گیا لوگوں نے کہا اب تو خدا سے شکایت کیجئے اور دعا کیجئے کہ وہ آپ پر رحم کرے فرمایا مقام شکر ہے جلے کی شکایت نہیں کہ جانیں بچ گئیں دوسرے دن چھت گرنے سے آپ کے چاروں بیٹے اور تینوں بیٹیاں دب کر مر گئے۔ غرضکہ رفتہ رفتہ سارا گھر تباہ ہو گیا مگر نہ تو ان کے لب شکایت کھلے اور نہ عبادت میں فرق آیا۔ ابھی ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ بیمار پڑ گئے اور بیمار ہوئے تو ایسے سخت کہ اٹھنا بیٹھنا دشوار ہو گیا۔ پے در پے جو یہ مصیبتیں نازل ہوئیں تو بستی والوں نے منحوس سمجھ کر بستی سے باہر نکال دیا۔ کیا کرتے ایک سایہ دار درخت کے نیچے جا پڑے۔ تیمار داری کرنے والی ایک شکستہ دل کنبہ میں بی بی تھی۔ سب خدمتیں وہی انجام دیتیں مگر بی بی ہو تو ایسی ہمدرد بی بی کہ سات برس کی طولانی بیماری میں نہ گھبرائی نہ اکتائی روزمرہ محنت مزدوری سے جو ملتا اسی پر دوا و غذا کا انحصار تھا۔

ایک دن باوجود کوشش کے کوئی مزدوری نہ ملی سخت پریشان کہ آج بیمار کو دوا و غذا کہاں سے فراہم کروں اسی فکر میں ماری ماری پھر رہی تھیں کہ ایک عورت اپنے دروازہ پر کھڑی نظر آئی اس سے اپنا حال بیان کر کے کچھ رقم مانگا اس نے صاف انکار کر دیا جب زیادہ توجہ دلائی تو اس نے کہا مجھے تمہارے سر کے بال زیادہ پسند ہیں اگر یہ کاٹنے کی اجازت دیدو تو میں تمہیں کچھ پیسے دے دوں گی۔ انھوں نے رو کر کہا میں بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے ایسا نہیں کر سکتی اس نے کہا نہیں کر سکتیں تو اپنی راہ لو۔ جب دیکھا کہ کوئی صورت حاجت برآری کی نہیں تو مجبوراً بال کٹوا کر جو پیسے ملے ان سے سامان خورد و نوش خرید کر کے چلیں۔

شیطان تو گھات میں لگا ہوا ہی تھا ان سے پہلے ایوب کے پاس جا پہنچا اور کہا کچھ خبر بھی ہے فلاں عورت نے چوری کی علت میں آپ کی بی بی کے سر کے بال کاٹ لئے۔ یہ سنتے ہی ان کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور اس غم میں اتنا روئے کہ بیماری اتنا نہ رلائے تھے اسی غم کی حالت میں آپ نے قسم کھائی کہ جب میں اچھا ہو جاؤں گا تو رحیمہ کو سو کوڑے ماروں گا پھر بارگاہ باری میں عرض کی پالنے والے اب تک تو میں نے صبر کیا اب مجھے برداشت کی طاقت نہیں جلد مجھے اس غم سے نجات دے تو بڑا رحم کرنے والا ہے

اس دعا کے بعد امتحان کی مدت ختم ہوئی۔ وحی ہوئی تم امتحان میں پاس ہو گئے ہماری سرکار میں تمہارا رتبہ بلند ہوا۔ اب تم زمین پر پیر مارو۔ پیر مارتے ہی ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ حکم ہوا اس میں نہاؤ اور اسی کو پیو سب روگ دور ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا اس کے بعد اللہ نے وہ سب نعمتیں انہیں پھر عطا فرمائیں۔ ایوبؑ نے چاہا کہ بی بی کے متعلق جو عہد قسم کھا کر کیا تھا اسے پورا کریں۔ وحی ہوئی تمہاری بی بی بے قصور ہے اس نے جو کچھ کیا مجبوری کیا وہ چور نہیں تھی تم اپنی قسم اس طرح پوری کرو کہ سو سینکوں کا ایک مٹھا بنا کر ایک بار ہی اس کو مارو۔

ہمارے مورخین کی یہ عادت ہے کہ جو روایت جہاں سے ملتی ہے بغیر درایت کی کسوٹی پر کسے درج کر دیتے ہیں چنانچہ حضرت ایوب کے متعلق یہ بھی لکھا گیا ہے کہ بحالت بیماری ان کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ معاذ اللہ کس قدر توہین ہے عہدہ نبوت کی۔ نہ تو ایسی بیماری کسی نبی کو لاحق ہوتی ہے نہ ان کے اجسام مقدسہ پر حشرات الارض کا تسلط ہو سکتا ہے

مصیبت کو برداشت کرنے والے تو دنیا میں بہت سے لوگ ہیں لیکن صبر سے کام لینے والے بہت کم ہیں۔ صبر کے معنی یہ ہیں کہ فعل فاعل پر اعتراض نہ کیا جائے۔ قرآن میں سورہ کہف میں موسیٰ و خضر کا قصہ پڑھ لیجئے۔ جب موسیٰ فعل خضر پر اعتراض کرتے تھے تو وہ ہر بار یہی فرماتے تھے کہ تم میرے معاملہ میں صبر کی طاقت نہیں رکھتے یعنی بغیر اعتراض نہیں رہ سکتے۔ جناب ایوب نے اس صبر کا مظاہرہ کیا چاہے کیسی ہی مصیبت آئی مگر انھوں نے نہ تو شکایت کی اور نہ خدا پر اعتراض کیا یعنی یہ نہیں کہا کہ بغیر کسی قصور کے تو نے اس مصیبت میں کیوں ڈالا۔ ہاں جب ناموس کا معاملہ آیا تو بے چین ہو گئے۔ اس وقت بھی بجائے شکایت رحم کی درخواست کی

جناب ایوب کی بی بی نے دنیا کی عورتوں کو یہ سبق دیا کہ شوہر کی حق شناسی اور ہمدردی میں ان کو ہر تکلیف برداشت کر لینی چاہئے

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالے نے اپنے ایک برگزیدہ بندہ کو بے جرم و قصور ان تمام تکالیف میں کیوں مبتلا کیا؟ جواب یہ ہے کہ بندوں کو خدا پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ اس نے کوئی نعمت کسی بندہ کو کسی استحقاق کی بنا پر نہیں دی جو کچھ دیا ہے ازراہ تفضل دیا ہے پس اسے حق ہے جب چاہے سلب کر لے۔

دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ابتلا کسی جرم کی بنا پر نہیں ہوتی بلکہ اس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ ان کے قلوب میں ترحم پیدا ہو اور ان کو دوسروں کی تکالیف کا احساس ہو، اور وہ اپنی امتوں کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کریں۔

تیسرے اس لئے بھی کہ لوگ ان کو خدا نہ سمجھنے لگیں اور یہ جان لیں کہ ہماری طرح ان میں بھی حدوث کی شان پائی جاتی ہے اور جو حادث ہے وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

چوتھے کسی مصیبت میں مبتلا ہو کر ان کو بارگاہ باری میں تضرع اور زاری کا زیادہ موقع ملتا ہے اور خدا کے رحم و کرم کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔

پانچویں۔ مصائب و آلام پر صبر کرنے میں ان کے مراتب میں اضافہ ہوتا ہے۔

چھٹے۔ لوگوں کو اس پر اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے نفوس قدسیہ عام لوگوں کے نفوس سے زیادہ قوی ہوتے ہیں۔

ساتویں۔ بشریت کے جو اقتضاءات ہیں وہ ان میں پائے جائیں ورنہ لوگ ان کو اپنی نوع سے خارج کرنے کہنے لگیں گے کہ انکی تکالیف شرعی ہماری تکالیف شرعی سے الگ ہیں۔

ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ فرعون تھا جس کا اصلی نام مصعب تھا یوں تو مصر کا ہر بادشاہ فرعون کہلاتا تھا لیکن یہ اپنی سرکشی کی وجہ سے خاص طور پر فرعون کہا گیا یعنی اصلی نام کی بجائے فرعون ہی پکارا جانے لگا۔ یہ اسی بادشاہ کا پوتا تھا جو حضرت یوسف کے زمانہ میں مصر کا حکمران تھا۔ فرعون کا وزیر ہامان تھا جو اس کے دل و دماغ پر پوری طرح قابو پائے ہوئے تھا۔ اسی کے مشورہ سے فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔

مصر میں دو بڑے خاندان تھے ایک قبطی دوسرے بنی اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کے پوتے پروتے۔ قبطیوں نے فرعون کی خدائی کو مان لیا تھا مگر بنی اسرائیل جو ملت ابراہیمی پر تھے اس کے ہتھے نہ چڑھے۔ اس بنا پر وہ ان کا جانی دشمن ہو گیا اس کی تمام ہمدردیاں قبطیوں کے ساتھ تھیں۔ اس نے بنی اسرائیل پر بڑے بڑے ٹیکس باندھے جو ادا نہ کرتا اسے قبطیوں کی خدمت میں بڑے سخت کام کرنا پڑتے جیسے بھاری بوجھ اٹھانا۔ لکڑیاں کاٹنا۔ چنا دلنا۔ گھاس کاٹنا۔ گوبر اٹھانا۔ گھر میں جھاڑو دینا وغیرہ۔

فرعون کی بی بی کا نام آسیہ تھا جو بنی اسرائیل سے تھیں چونکہ بڑی حسین تھیں اس لئے فرعون نے جبراً ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ جناب آسیہ بڑی خداپرست خاتون تھیں۔ فرعون کے دعویٰ خدائی کو اس کی حماقت پر محمول کرتی تھیں۔ فرعون تو ان کا گرویدہ تھا مگر وہ اس کو نظر میں نہ لاتی تھیں مگر اس کے پنجہ سے نکلنا ناممکن تھا

حضرت رسولِ خدا نے پانچ عورتوں کی بزرگی خاص طور سے بیان کی ہے۔ مادر موسیٰ۔ مادر عیسیٰ۔ آسیہ زن فرعون۔ خدیجۃ الکبریٰ اور فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا۔

تیرہ برس تک فرعون اندھوں میں کانا راجہ بنا رہا اور اتنی مدت تک بنی اسرائیل اس کے ظلم کے شکنجوں میں پھنسے رہے۔ تیرہ برس بعد اس نے دریائے نیل کے کنارے اس نے بہت بڑا جشن کیا کئی روز خوب دھما چوکڑی رہی ایک دن اس نے اپنے درباریوں سے کہا میں تمام روئے زمین کا مالک ہوں دریا میرے حکم سے بہتے ہیں۔ درخت میرے حکم سے پھل لاتے ہیں لہذا تم سب مجھے خدا مانو سننے والے تو اس کی رعایا تھے۔ چپ چاپ بیٹھے رہے مگر خود کو اس کا یہ احمقانہ دعویٰ برا معلوم ہوا اسی وقت دریائے نیل خشک ہو گیا۔ لوگ گھبرا گئے اور اس سے کہنے لگے اگر تو خدا ہے تو اس سوکھے دریا میں پانی بہا دے۔ فرعون کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے خدائی کا دعویٰ کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ناک رگڑ دی

اسی روز جشن ختم کر کے وہ لوگوں سے منہ چھپا کر پہاڑ کے ایک غار میں جا بیٹھا۔ اور خدا سے فریاد کرنے لگا پالنے والے معبود حقیقی تو ہی ہے میں تو تیرا بندہ ہوں۔ میں نے دین کے بدلے دنیا کو اختیار کر لیا ہے جو کچھ مجھے دینا ہے یہیں دیدے میں آخرت میں کچھ نہیں چاہتا۔ یہ دعا کر کے غار کے دہانہ پر نظر کی تو ایک شخص کو کھڑا پایا۔ پوچھا تو کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے۔ اس نے کہا میں ایک شخص کی شکایت تیرے پاس لایا ہوں میرے اور اس کے معاملہ میں انصاف کر۔ اس نے پوچھا کیا معاملہ ہے اس نے کہا اگر ایک آقا اپنے غلام کی بیشمار آرزوئیں پوری کر دے اور قسم قسم کی نعمتیں اسے دیتا رہے مگر اس غلام کی ناک سیدھی نہ ہو اور ہر وقت اپنے آقا کی نافرمانی پر

کم ربہ رہے تو اس کی سزا کیا ہے؟

فرعون نے کہا اسے دریائے نیل میں ڈبو دینا چاہئے۔ اس نے کہا یہ آپ ایک کاغذ پر لکھ دیں تاکہ میں اس غلام کو دکھا سکوں فرعون نے لکھ دیا وہ اس تحریر کو لے کر چلا گیا۔ فرعون کو کیا خبر تھی کہ یہ ایک فرشتہ ہے اور اس تحریر کا خمیازہ ایک روز بھگتنا پڑے گا۔ چونکہ خدا اپنی مخلوق کے فائدہ کے لئے دریائے نیل کو جاری رکھنا چاہتا تھا لہٰذا فرعون کو ذلیل کرنے کے بعد دریائے نیل پھر جاری ہو گیا۔ بیوقوف لوگ یہ سمجھے کہ یہ فرعون کی کرامت ہے۔

اگر کوئی کہے کہ خدا نے فرعون کی دعا کیوں قبول کی جبکہ وہ خدا ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا اگر پانی نہ جاری ہوتا تو اس کی خدائی کا بھانڈا پھوٹ جاتا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہر طرح سے حجت قائم کرنا چاہتا ہے تاکہ روز قیامت ان کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ دوسرے وہ نافرمانوں پر احسان کر کے غور و خوض کا زیادہ موقع دیتا ہے تاکہ وہ کسی وقت اس کی طرف رجوع ہو جائیں اور اپنا ٹوٹا رشتہ جوڑ لیں۔

ولادت موسیٰ علیہ السلام

فرعون نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ اس کے سر سے تاج اتر کر بنی اسرائیل کی ٹھوکر دن میں جا پڑا اس نے نجومیوں کو بلا کر تعبیر پوچھی ایک کامل الفن نجومی نے کہا تعبیر یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیری سلطنت اور خدائی دونوں کو برباد کر دے گا

فرعون۔ وہ کب پیدا ہو گا؟

نجومی۔ تین روز کے اندر اس کا حمل قائم ہو جائے گا

فرعون۔ تب تو کوئی پریشانی کی بات نہیں

نجومی۔ کیوں؟

فرعون۔ میں ابھی یہ حکم جاری کرتا ہوں کہ بنی اسرائیل میں جو عورت حاملہ ہو اسکی کڑی نگرانی کی جائے اگر لڑکا ہو تو فوراً ذبح کر دیا جائے اور لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے۔

نجومی۔ ممکن ہے یہ تدبیر کارگر ہو جائے۔

فرعون کا یہ حکم جاری ہوتے ہی بنی اسرائیل کی عورتیں تھر تھر کانپنے لگیں مگر کر کیا سکتی تھیں۔

جہاں حمل کا پتہ چلتا ایک قبطی عورت گھر میں آ بیٹھتی اور ایک قبطی مرد دروازہ پر آ بیٹھتا۔

موسیٰ کے شبہ میں دس ہزار بچے چھری تلے آ گئے اور ان کی مائیں سر و سینہ پیٹتی رہ گئیں مگر جسے خدا نہ مارنا چاہے اُسے کون مار سکتا ہے۔ فرعون تو یہ انتظام کر کے مطمئن ہو گیا۔ اب خدائی انتظام کو دیکھو اس نے موسیٰ کا حمل ظاہر ہی نہ ہونے دیا ایک روز زچہ ہوا اور وہ پیدا ہو گئے

آپکی والدہ بہت پریشان تھیں زچہ اور بچہ دونوں ہی کی جان کا خطرہ تھا۔ بچہ کو لئے گھر کے صحن میں آئیں تو پڑوسن نے دیکھ لیا فوراً مخبری کر دی۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ افسر تحقیق چلا آ رہا ہے دروازہ کھلا تھا اسے دیکھتے ہی جلدی سے موسیٰ کو تنور میں

ڈال دیا۔ اور اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں اس نے کہا تمہارا بچہ کہاں ہے؟ انھوں نے فرمایا تو کیسا کھوجی ہے کہ یہ پتہ نہیں چلا سکتا کہ میں بچہ جننے والی عورت ہو سکتی ہوں یا نہیں۔ وہ فوراً دو قبطی عورتوں کو بلا لایا انھوں نے خوب دیکھا بھالا اور رپورٹ دی کہ یہ عورت بچہ جننے والی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا کھوجی واپس گیا

یہاں تو یہ ہو رہا تھا ایک کہنز نے یہ غضب ڈھایا کہ تنور میں لکڑیاں ڈال کر روشن کر دیں۔ جب فرعون کا سپاہی چلا گیا تو یہ بھاگی کو ٹھی دوڑیں کہ یہ کیا مصیبت آئی ارے لونڈی تو نے یہ کیا کیا اس میں تو میرا بچہ ہے۔ آگے بڑھ کر دیکھا تو موسیٰ آگ کے شعلوں میں اس طرح لیٹے ہیں جیسے کوئی پھولوں میں لیٹا ہو۔ سمجھ تو پہلے ہی گئی تھیں کہ یہ غیر معمولی بچہ ہے اب تو کوئی شبہ ہی نہ رہا

مادر موسیٰ کو وحی ہوئی (یہاں وحی بمعنی الہام ہے یعنی ان کے دل میں بات ڈال دی گئی۔ اس قسم کی وحی غیر انبیا کو ہوتی ہے بلکہ حیوانات کو بھی فاوحیٰ ربک الی النحل (تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی) کہ اپنے بچہ کو ایک صندوق میں رکھکر دریائے نیل کی موجوں کی سپرد کر دو اور اپنی لڑکی سے کہو کہ یہ دیکھتی رہے کہ جاتا کہاں ہے۔

موسیٰ کی ولادت ایک معجزانہ شان سے ہوئی اس کی صورت یہ ہے کہ عالم دو ہیں ایک عالم آب و گل یعنی مادی دوسرے عالم امری۔ عالم خلقی یا عالم آب و گل کی مخلوقات اسباب و علل کی محتاج ہوتی ہے۔ جب تک سلسلۂ اسباب قائم نہ ہو کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ مثلاً انسان کے وجود میں آنے کے اسباب یہ ہیں مرد و عورت کا جماع منی کا عورت کے رحم میں جانا۔ پھر نطفہ کا علقہ۔ علقہ کا مضغہ ہونا ہڈی بننا ہڈی پر گوشت چڑھنا پھر روح کا آنا پھر بطن مادر سے بچہ کا باہر آنا لیکن عالم امری میں ان وسائط کی ضرورت نہیں ہوتی وہاں تو کن فیکون ہے یعنی ارادۂ الٰہی کسی وجود سے متعلق ہوا اور وہ ہو گیا۔ انبیا علیہم السلام کی ولادت کا تعلق عالم امری سے ہوتا ہے اسی لئے انکی ولادت کے سلسلہ میں وہ امور دیکھے جاتے ہیں جو عام انسانوں کی ولادت میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً آدم کا بے ماں باپ کے پیدا ہونا۔ حضرت عیسیٰ کا بے باپ کے پیدا ہونا۔ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کا حمل ظاہر نہ ہونا۔ ابراہیم کا بچپن میں صاحب عقل سلیم ہونا حضرت یحییٰ اور امام حسین کے حمل کی مدت چھ ماہ ہونا۔ اور زندہ رہنا۔

صندوق موسیٰ محل فرعون میں

صبح سویرے فرعون مع اپنی بی بی آسیہ کے بالائے محل دریائے نیل کا منظر دیکھ رہا تھا کہ کوئی چیز بہتی ہوئی نظر آئی یہ موسیٰ کا صندوق تھا جس کو دریا کی موجیں بلحفو ناز اپنے آغوش میں لئے لوریاں دیتی چلی آ رہی تھیں دریا کی کیا طاقت تھی کہ خدا کے اس برگزیدہ بندہ کی عارضی آرام گاہ کو ڈبو دیتا۔ فرعون نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اسے اٹھا لاؤ جب صندوق کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک خوبصورت بچہ پڑا مسکرا رہا ہے۔ آسیہ برسوں سے اولاد کو ترس رہی تھیں موسیٰ کو دیکھتے ہی خوش ہو گئیں دل میں کہا ہوگا کہ یہ تو خدا نے میرے لئے بھیجا ہے۔ فرعون کا چہرہ بھی فرط مسرت سے دمک اٹھا۔

آسیہ نے کہا میں تو اسے اپنے بچہ کی طرح پالونگی۔ فرعون نے کہا ہاں ہاں ضرور پالو۔ خدا بنا ہوا تھا مگر ایک چڑیا کا بچہ اپنے گھر نہ پیدا کر سکا

اب سوال دودھ پلانے والی کا تھا۔ بات کہتے دائیاں آ موجود ہوئیں ان کے ساتھ حضرت موسیٰ کی بہن بھی دائیوں کے ساتھ محل فرعون

پاس داخل ہو گئی تھیں ہر دائی نے دودھ پلانے کی کوشش کی مگر موسیٰ نے کسی کی چھاتی کو منہ نہ لگایا آسیہ بہت پریشان ہوئیں موسیٰ کی بہن نے کہا کہو تو ایک اونچے خاندان کی ایک ایسی دائی بلا لاؤں جو اس بچہ کو اچھی طرح پرورش کر دے۔ آسیہ نے کہا فوراً جا اور اسے لے کر آ وہ دوڑی ہوئی ماں کے پاس آئیں اور سارا حال سنا کر کہا اب آپ چلئے یہ سنکر وہ خوشی سے اچھل پڑیں اور فوراً ساتھ ہو لیں۔ جیسے ہی انھوں اپنی چھاتی موسیٰ کے منہ سے لگائی وہ غٹ غٹ پینے لگے۔ اب یہ بات طے ہو گئی کہ ہر روز دو وقت آ کر دودھ پلا جایا کریں۔

حضرت موسیٰ پر اللہ تعالیٰ نے کافرہ دائیوں کا دودھ حرام کر دیا کس قدر کج فہم ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ حلیمہ اور ثوبیہ (کنیز ابولہب) کافرہ تھیں۔ استغفر اللہ جس خدا نے پستان کفر کا دودھ پینے سے موسیٰ کو روکا وہ اپنے حبیب خاتم الانبیا کی پرورش کافرہ کے دودھ سے کیسے کرا دیتا ماننا پڑے گا کہ حلیمہ اور ثوبیہ دونو مشرکہ نہ تھیں۔ بلکہ موحد تھیں

اللہ تعالیٰ نے دوسرا انتظام یہ کیا کہ آسیہ جیسی مومنہ کی آغوش میں پرورش کرائی ایسی صورت میں عقلمند آدمی کیسے یہ مان لے گا کہ ابو طالب جن کی آغوش شفقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پرورش پائی وہ کافر تھے

موسیٰ نے فرعون کے تمانچہ مارا

ایک دن فرعون نے موسیٰ کو گود میں لیا اور پیار کرنے لگا موسیٰ نے بائیں ہاتھ سے اس کی داڑھی پکڑ کر داہنے ہاتھ سے ایک تمانچہ اس زور سے مارا کہ وہ بلبلا گیا۔ موسیٰ کو نیچے ڈالا اور گال پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا اسے قتل کر ڈالو یہ بچہ وہی معلوم ہوتا ہے جس کی نجومیوں نے خبر دی۔

آسیہ۔ اے ننھے بچہ کی بات پر جا رہے ہو وہ کوئی سمجھ وال ہے کہ اسے مجرم قرار دیا جائے

فرعون۔ کیا باتیں کرتی ہو۔ یہ معمولی بچہ نہیں اس نے داڑھی پکڑ کر اس زور سے تمانچہ مارا گویا ہتھوڑا لگا وہ تو خیریت ہوئی دانت ٹوٹنے سے رہ گئے۔ ہو نہ ہو یہ وہی ہے۔ میں اسے جان سے مار دونگا کہ یہ وہی ہے میں یہ ذلت گوارا نہیں کر سکتا

آسیہ۔ وہم کا علاج تو لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں خواہ مخواہ قیاس آرائیاں کر رہے ہو (چندیں سال دعوئے خدائی کر دی) طفل و بزرگ کا نہ شناختی، بچہ ہے اسے کیا خبر یہ داڑھی کسی خدا کی ہے یا بندہ کی۔ اگر بنی اسرائیل میں سے ہوتا تو کیا قتل سے بچ سکتا تھا۔

فرعون۔ نہیں۔ آسیہ میں اسے بے قتل کئے نہ رہونگا۔

آسیہ۔ یوں تمہیں اختیار ہے جو چاہو سو کرو۔ ایسا ہی ہے تو اس کا امتحان کسی دوسرے طریقہ سے کر لو۔

فرعون۔ ہاں ہاں میں امتحان لونگا۔

ہامان سے مشورہ کیا اس نے کہا بات ہی کیا ہے ابھی پتہ چلا جاتا ہے اس نے دو طشت منگوائے ایک میں سرخ یاقوت رکھے اور دوسرے میں دہکتے ہوئے کوئلے یہ دونو طشت حضرت موسیٰ کے سامنے رکھے گئے اللہ کی قدرت دیکھو حضرت موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر جلتا کوئلہ اٹھا لیا اور منہ میں رکھ لیا جس سے زبان کا اگلا حصہ جل گیا اور ہمیشہ کے لئے لکنت پیدا ہو گئی۔

آسیہ ۔ کیوں میں نہ کہتی تھی کہ بچوں کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی ۔ اگر جان کر تمانچہ مارا ہوتا تو اپنے ہاتھ میں انگارا کیسے اٹھالیتا
فرعون ۔ بے شک میرا خیال غلط تھا ۔
الغرض موسیٰ خانہ فرعون میں پرورش پاتے رہے ۔ جب ذرا سیانے ہوئے تو فرعون کے نوکر ہر روز تفریح کرانے ادھر ادھر لے جاتے لوگ ان کو ابن فرعون کہکر پکارتے ۔ فرعون کو بھی ان سے محبت ہو گئی ۔ یہ ہے قدرتی انتظام کہ جس کے شبہ میں فرعون نے دس ہزار بچوں کو قتل کرایا تھا وہی بچہ اسی کے گھر میں پرورش پا رہا ہے ۔
جب بیس برس کے ہوئے تو فرعون نے سلطنت کا انتظام حضرت موسیٰ کی سپرد کرنا چاہا مگر انھوں نے منظور نہ کیا تیس سال تک حضرت موسیٰ فرعون کے گھر میں رہے اس کے بعد ہجرت کر کے مدین حضرت شعیب کے پاس چلے گئے
جناب موسیٰ کے اس واقعہ سے پتہ چلا کہ انبیا علیہم السلام کامل العقل ذالحواس پیدا ہوتے ہیں اور خدا کے یہاں سے پڑھے پڑھائے اور سیکھے سکھائے آتے ہیں ورنہ بغیر اس کے موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی داڑھی پکڑنا اور انگارہ منہ میں رکھ لینا کیسے ہو سکتا تھا حضور وہ جانتے تھے کہ میری جان انگارہ اٹھانے ہی میں بچ سکتی ہے لیں نبوت کے لئے یہ پہلی شرط ہے کہ نبی خدا کے یہاں سے علم لے کر آئے ۔ دنیا میں کسی سے حاصل نہ کرے ہاں نبی نبی سے اور امام امام سے حاصل کر سکتا ہے

موسیٰ کے ہاتھ سے قبطی کا قتل ہونا

حضرت موسیٰ کے مدین جانے کی یہ وجہ ہوئی کہ ایک دن وہ شہر میں گھومتے پھر رہے تھے دیکھا ایک قبطی بنی اسرائیل کے ایک نوجوان سے لڑ رہا ہے ۔ قبطی فرعون کے باورچی خانہ کا داروغہ تھا دوسرا سامری تھا ۔ سامری نے موسیٰ کو دیکھکر فریاد کی کہ یہ قبطی میری لکڑیاں چھینے لیتا ہے ۔ موسیٰ نے اسے سمجھایا مگر وہ نہ مانا موسیٰ کو غصہ آگیا ۔ ایک گھونسہ ایسا تان کر مارا کہ وہ زمین پر گر کر مر گیا ۔ جب قبطیوں کو یہ پتہ چلا تو وہ فریاد لے کر فرعون کے پاس آئے ۔ فرعون نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دیا ۔
دوسرے روز جب موسیٰ خیر خبر لینے کے لئے شہر میں نکلے تو دیکھا کہ ایک اور قبطی سامری کو مار رہا ہے ۔ اس نے موسیٰ کو دیکھتے ہی پھر فریاد کی آپ نے فرمایا تو بڑا لڑاکا آدمی معلوم ہوتا ہے روز کسی نہ کسی سے تیری جنگ ٹھنی رہتی ہے میں کہاں تک تجھے بچاؤں گا ۔ جب اس نے زیادہ التجا کی تو موسیٰ اس قبطی کی طرف بڑھے اس نے کہا تم مجھے بھی اسی طرح مار ڈالنا چاہتے ہو جیسے کل ایک قبطی کو مار چکے ہو معلوم ہوتا ہے تم نے فساد کرنے کی ٹھان لی ہے ۔ وہاں سے وہ سیدھا فرعون کے پاس گیا اور سارا قصہ اس سے بیان کیا ۔ اس نے حکم دیا موسیٰ کو پکڑ لاؤ ۔
موسیٰ وہاں سے گھر کو چلے ۔ راہ میں ایک شخص نے کہا غضب ہے تمہاری گرفتاری کو لوگ آنے والے ہیں اور وہ بے قتل کئے نہ چھوڑیں گے ۔ بہتر ہے کہ تم اس شہر سے نکل جاؤ ۔ یہ شخص جس کو قرآن میں مومن آل فرعون کہا گیا ہے اور جس کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنا ایمان چھپاتا تھا فرعون کا چچیرا بھائی تھا ۔ فرعون کے جرگہ میں بطور تقیہ شامل تھا مگر بباطن موسیٰ اور ان کے خدا پر ایمان لائے ہوئے تھا ۔
ایک بار لوگوں نے فرعون سے کہا کہ وہ تمہاری خدائی کو نہیں مانتا اور نادیدہ خدا پر ایمان رکھتا ہے اسے قتل کرا دیجئے فرعون نے اسے بلایا اور درباریوں کو جمع کیا تاکہ ان کے سامنے قتل کرے ۔ فرعون نے اس سے کہا کیا تو میری خدائی کا

منکر ہے۔ اس نے بھرے مجمع کو مخاطب کر کے کہا سنو بھائیو! میرا اعتقاد یہ ہے کہ جو تم سب کا رب ہے وہی میرا رب ہے جو تمہا معبود ہے وہی میرا معبود ہے فرعون یہ سنکر مطمئن ہو گیا اور جس نے چغلخوری کی تھی اسے قتل کرا دیا۔ مطلب یہ تھا کہ خدا ہی سب کا رب اور سب کا معبود ہے۔

اس قصہ میں چند باتیں قابل غور ہیں

(۱) جناب موسیٰ نے ایک قبطی کو بے جرم و قصور قتل کیا یہ امر شان نبوت کے خلاف تھا۔

جواب یہ ہے وہ قتل عمدنہ تھا اور نہ قتل کا ارادہ تھا تنبیہ کے لئے گھونسا مارا تھا اتفاقاً وہ مر گیا ایسی صورت میں قتل کا الزام ان پر عاید نہیں ہو سکتا۔ دوسرے وہ کافر تھا اور ایک مسلمان کو اذیت پہنچا رہا تھا۔ مسلمان کی حمایت ضروری تھی۔ اگر وہ عمداً بھی قتل کرتے تو کافر کے قتل پر کیا الزام بالخصوص جب کہ سمجھانے پر بھی وہ باز نہ آیا اور ابینلے بھی کافروں کو قتل کیا پھر حضرت موسیٰ پر ہی کیوں الزام ہو۔ کفر کی سزا قتل کر دینا ہے بالخصوص جبکہ وہ مسلمانوں کے در پے آزار ہو۔

(۲) اسرائیلی جوان کو موسیٰ نے کیسے جانا کہ یہ ان کے شیعوں میں سے ہے حالانکہ وہ اس وقت نبی بھی نہ ہوئے تھے۔

جواب یہ ہے کہ وہ شخص انکی قوم کا تھا اور انکی قوم مسلمان تھی۔ موسیٰ کو وہ شخص پہچانتا تھا کہ یہ اس کی قوم سے ہیں۔ قبطیوں اور اسرائیلیوں کی صورت میں بڑا اختلاف تھا۔ قبطی سیاہ فام ہوتے تھے اور اسرائیلی گورے چٹے۔ شیعہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس دین کے پیرو موسیٰ تھے اسی دین کا پیرو وہ اسرائیلی تھا گویا یہاں شیعہ کے معنی ہم مذہب ہیں۔

(۳) مومن آل فرعون (حزقیل) کی صفت قرآن میں یکتم ایمانہ ہے یعنی وہ اپنا ایمان چھپاتا تھا۔ یعنی بظاہر وہ فرعون کے ساتھیوں میں تھا لیکن در پردہ وہ ملت ابراہیمی پر تھا چونکہ جان کا خوف تھا اس لئے ایمان چھپانا ضروری تھا اسی کو تقیہ کہتے ہیں اگر تقیہ پسندیدہ باری تعالیٰ نہ ہوتا تو اسکو مومن آل فرعون کا لقب نہ دیا جاتا

حدیث۔ رسول ہے کہ صدیق تین ہیں یہ حدیث صواعق محرقہ میں بھی نقل کی گئی ہے اول مومن آل فرعون دوسرے مصدق نبوت حضرت عیسیٰ حبیب النجار تیسرے مصدق نبوت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ علی بن ابی طالب اور ان میں سب سے زیادہ عظمت والے علی علیہ السلام ہیں کیونکہ خاتم الانبیا کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے ہیں۔

(۴) یہ ماننا پڑے گا کہ مومن آل فرعون کو بالہام ربانی یہ پتہ چلا تھا کہ موسیٰ نبی بننے والے ہیں ورنہ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے پہلے [illegible]

کیا عجیب بات ہے قرآن کہے آل موسیٰ مفسرین کہیں ذاتِ موسیٰ۔ قرآن کا یہی اعجاز ہے کہ اس میں غیر ضروری لفظ ایک نہیں پھر لفظ آل کا اس میں کیوں اضافہ کیا گیا اگر صرف موسیٰ ہوتا تو کیا خرابی لازم آتی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ موسیٰ اولاد ہارون کو اپنی اولاد سمجھتے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے انکی اولاد قرار دیا۔ اسی طرح حضرت رسولخدا نے اولاد علی کو اپنی اولاد بنایا تھا چنانچہ آیہ مباہلہ میں ان کو ابناءنا کہا گیا اور حضرت رسولخدا نے اسکی توضیح ان الفاظ میں کی ہے ان اللہ جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ و جعل ذریتی فی صلب علی بن ابی طالب۔ (اللہ نے ہر نبی کی ذریت کو اس کے صلب سے قرار دیا لیکن میری ذریت کو صلب علی میں رکھا) ینابیع المودۃ

بنی اسرائیل تابوت سکینہ کی عزت و عظمت اس لحاظ سے کرتے تھے کہ اس میں وہ چیزیں تھیں جو جسم موسیٰ و ہارون سے متصل رہ چکی تھیں کس قدر افسوس ناک ہے ہمارے رسول کی امت کا یہ عمل کہ انھوں نے ان ہستیوں کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جن کی رگوں میں رسول کا خون تھا۔ تابوت سکینہ کی عظمت خدا کے نزدیک اتنی تھی کہ اس نے فرمایا کہ ملائکہ اسے اٹھائے اٹھائے پھرتے تھے۔ [illegible] ان تبرکات کی جن میں جز بھی تھے یہ قدر و منزلت کہ ان کو ملائکہ اٹھائیں لیکن ہمارے رسول کی امت نے تو اولاد کا قتل اپنے اوپر لازم سمجھا

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

بلعم باعور کا قصہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں ایک شخص بلعم باعور تھا اس کو اسم اعظم یاد تھا۔ جب وہ اس کے ذریعہ سے دعا کرتا تھا تو قبول ہو جاتی تھی۔ فرعون نے اسے لالچ دے کر کہا کہ حضرت موسیٰ کے لئے بددعا کرے۔ بلعم پر حرص غالب ہوئی وہ گدھے پر سوار ہو کر اپنے عبادت خانہ کی طرف جانا چاہتا تھا لیکن گدھے نے قدم نہ اٹھایا وہ اسے مارنے لگا وہ بقدرت خدا گویا ہوا وائے ہو تجھ پر مجھے کیوں مارتا ہے کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تجھے لے کر چلوں درانحالیکہ تو ایک نبی کے لئے بددعا کرنے جا رہا ہے۔ اس کم بخت نے اتنا مارا کہ وہ مر گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسم اعظم ہی بھول گیا

سکندر ذوالقرنین

ذوالقرنین کو بعض مفسرین نے نبی لکھا ہے اور بعض نے خدا کا نیک بندہ جو صاحب حکومت تھے۔ قرآن میں ان کا ذکر اس طرح ہے

اے رسول لوگ تم سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں تم ان سے کہہ دو میں کچھ حال ان کا بتائے دیتا ہوں۔ خدا فرماتا ہے بےشک ہم نے ان کو روئے زمین پر قدرت حکومت عطا کی تھی۔ جب وہ چلتے چلتے آفتاب کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو آفتاب اس کو ایسا دکھائی دیا گویا وہ کالی کیچڑ کے چشمے میں ڈوب رہا ہے اور اس کے قریب ایک قوم کو آباد پایا۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین تم کو اختیار ہے چاہے ان کے کفر کی وجہ سے ان کو سزا دو چاہے حسن سلوک سے کام لو کہ یہ خود ایمان قبول کر لیں۔ ذوالقرنین نے کہا جو سرکشی کرے گا ہم اسکو فوراً سزا دیں گے آخر پھر تو قیامت میں اپنے پروردگار کے سامنے لوٹا کر لایا ہی جائے گا اور وہاں بری سے بری سزا ملے گی۔

اور جو ایمان قبول کرے گا اور اچھے اچھے کام کرے گا تو اس کے لئے اچھا بدلہ ہے اور ہم بہت جلد اسے اپنے کاموں میں سے اچھے کام کرنے کو کہیں گے

پھر اس نے ایک دوسری راہ اختیار کی یہاں تک کہ وہ چلتے چلتے آفتاب کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچا تو آفتاب ایسا دکھائی دیا گویا کچھ لوگوں کے سر پر اس طرح طلوع کر رہا ہے کہ ہم نے آفتاب کے سامنے ان کے لئے کوئی آڑ نہیں بنایا تھا اور تھا بھی ایسا ہی اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا ہم کو اس سے پوری واقفیت تھی پھر اس نے ایک اور راہ اختیار کی یہاں تک کہ جب چلتے چلتے (روم کے ایک پہاڑ کے کنگروں کے) دیواروں کے بیچوں بیچ میں پہنچ گیا تو ان دیواروں کے اس طرف ایک قوم کو آباد پایا جو بات چیت کچھ نہ سمجھتے تھے اُن لوگوں نے (مترجم کے ذریعہ سے) عرض کی اے ذوالقرنین اس گھاٹی کے ادھر ادھر ایک قوم آباد ہے جو ملک میں فساد پھیلایا کرتی ہے اگر اجازت ہو تو اس غرض سے ہم چندہ کر کے آپ کے پاس جمع کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں۔ انھوں نے کہا میرے پروردگار نے جو قدرت مجھے دے رکھی ہے وہ تمہارے چندہ سے کہیں بہتر ہے (مال کی ضرورت نہیں) تم فقط اپنی قوت سے مجھے مدد دو تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دوں، اچھا تم مجھے کہیں سے لوہے کی سلیں لا دو (چنانچہ وہ لائے اور اوپر رکھ کر ایک دیوار بنائی) یہاں تک کہ جب دونوں کنگروں کے درمیان (دیوار کو بلند کر کے ان کو) برابر کر دیا تو حکم دیا اس کے گرد آگ لگا کر دھونکو یہاں تک کہ جب لال انگارا بنا دیا تو کہا اب تم ہم کو تانبا دو کہ اسے پگھلا کر دیوار پر انڈیل دیں۔ غرض ایسی اونچی اور مضبوط دیوار بنی کہ نہ تو یاجوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے دیوار کو دیکھ کر کہا یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے۔ مگر جب میرے پروردگار کا وعدہ قیامت آئے گا تو اسے ڈھا کر ہموار کر دے گا۔

مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ جس قوم نے سکندر ذوالقرنین سے یہ دیوار بنوائی ان کو نابک کہتے ہیں یہ بڑے قد آور اور سرخ بال اور کرنجی آنکھ والے تھے۔ ان کے لباس جانور کی کھال اور غذا جانوروں کا گوشت تھا اور ایسے وحشی تھے کہ انہیں گھر بنانے کا سلیقہ نہ تھا اور دھوپ سے بچنے کے لئے ان کے پاس کوئی سہارا نہ تھا بس غذا تھی اور جانوروں کی طرح بسر اوقات کرتے تھے۔ دھوپ کی تیزی اور بارش کی زیادتی کے وقت غاروں میں چلے جاتے

یہ سمجھ میں نہیں آتا جو قوم ایسی وحشی اور بے سروسامان ہو وہ چندہ کر کے ذوالقرنین کو اتنی رقم کہاں سے لا دیتی کہ وہ اتنی لمبی دیوار بنا دیتے دوسرے جب وہ ایسے وحشی تھے تو یہ لوہے کی سلیں وہ کہاں سے لے آتے ضرور انہیں لوہے اور پیتل کی کانوں کا حال معلوم ہوگا اور فن حدادی میں بھی کمال رکھتے ہونگے اور ضرور ان کے پاس ایسے ظروف بھی ہونگے کہ تانبا ان میں پگھلا کر لوہے کی سلوں کی درزوں میں ڈال سکیں

یاجوج و ماجوج کے متعلق مولانا نے یہ حاشیہ لکھا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ یاجوج و ماجوج حضرت یافث بن نوح کی اولاد سے تھے۔ یہ لوگ تین قسم کے تھے ایک ایسے لمبے تڑنگے جن کے قد تاڑ برابر تھے۔ دوسرے ایسے چوڑے کہ انکی لمبائی چوڑائی برابر تھی تیسرے بونے تھے ان کا ایک کان اوڑھنا اور ایک بچھونا تھا اور انکی تعداد چار لاکھ تھی اور ان میں سے کوئی نہ مرتا جب تک اپنے نطفہ سے ہزار جوان لڑنے والے نہ دیکھ لیتا اور اس قدر قوی

کر پہاڑ اور لوہے کی بھی ان کے سامنے کوئی ہستی نہ تھی۔ پتے۔ آدمی۔ جانور اور حرام و حلال سب کھا جاتے تھے۔ اور حملہ آور ہوتے تو سب چیزوں کا ستیاناس کر دیتے۔

یہ روایت بہت کچھ قابلِ غور ہے جیسا کہ اس روایت میں ہے اگر یہ قوم یافث بن نوح کی اولاد سے تھی تو اس کی ساخت جسمانی عام انسانوں کی سی ہونی چاہیے تھی لیکن جو صورت ان کی بیان کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نوعِ انسان سے الگ کوئی نوع تھی۔

اب ذرا دوسری روایت بھی سن لیجیے۔ ذوالقرنین نے جہاں سورج غروب ہو رہا تھا ایک ایسا شہر دیکھا جس کی چار دیواری کانسہ کی تھی اور کسی طرف اس کا راستہ نظر نہ آتا تھا ان کو شہر کے اندر جانے کا شوق پیدا ہوا اپنے ایک آدمی کو دیوار پر چڑھایا وہ اترا تو ایسا غائب ہوا کہ پتہ نہ چلا پھر دوسرے کو بھیجا وہ بھی غائب پھر تیسرے کو بھیجا وہ بھی غائب مجبور ہو کر واپس ہوئے اثنائے راہ میں ان کا گزر ایک جزیرہ میں سے ہوا وہاں کے آدمی بہت ہی دبلے پتلے تھے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہاں کی غذا گھاس ہی ہے ان لوگوں نے ذوالقرنین کی دعوت کی جب کھانے کا وقت آیا تو انھوں نے ایک خوان میں جواہرات پیش کیے۔ وہ کہنے لگے یہ تو کھانے کی چیز نہیں انھوں نے سن کر کہا یہی چیز تو آپ کو کھینچ کر یہاں تک لائی ہے ورنہ پیٹ بھرنے کو تو ہر جگہ غذا موجود ہے۔ یہ بات سن کر وہ خاموش ہو گئے وہاں سے روانہ ہو کر مشرق کی حد پر پہنچے یہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک قوم ایسی آباد تھی جس کی بولی قطعاً سمجھ میں نہ آتی تھی ان میں زاہد اور حکیم لوگ بہت زیادہ تھے دونو پہاڑ یاجوج و ماجوج کے درمیان حدِ فاصل تھے ان کے بیچ میں ایک راستہ تھا جس سے قوم یاجوج و ماجوج ادھر آ کر لوٹ مار مچاتی تھی۔

ذوالقرنین نے کچھ دن رہ کر ان کی زبان سیکھ لی اور ہدایت کر کے انھیں بت پرستی سے ہٹایا۔ پھر قوم یاجوج و ماجوج کی حالت پوچھی انھوں نے کہا ان دو پہاڑوں میں سے ایک میں قوم یاجوج رہتی ہے اور دوسرے میں ماجوج۔ یہ لوگ یافث بن نوح کی اولاد ہیں طوفانِ نوح کے بعد یہاں آ کر آباد ہوئے ان کی صورت تو آدمیوں کی سی ہے مگر ڈیل ڈول میں بہت فرق ہے بعض لمبے تڑنگے ہیں بعض گز گز بھر کے ہیں بعض بالشت بھر ہیں یا اس سے کچھ زیادہ ان کے کان اتنے لمبے ہیں کہ زمین سے رگڑتے ہیں۔ سوتے وقت ایک کان کا بستر بناتے ہیں دوسرے کو اوڑھ لیتے ہیں۔ حیوانوں کی سی زندگی ہے یہ بلائے ناگہانی کی طرح ہماری بستیوں میں گھس آتے ہیں اور لوٹ مار اور قتل و غارت کر کے بھاگ جاتے ہیں۔ ٹڈیوں کی طرح کھیتیوں کو چاٹ جاتے ہیں ہم کو ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں

ذوالقرنین کو ان پر رحم آیا پوچھا کیا کرنا چاہیے انھوں نے کہا آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دیں تو بڑا احسان ہو۔ چنانچہ وہ دیوار بنانے کی طرف متوجہ ہوئے ان سے کہا مجھے لوہے کی سلیں لا دو اس کے بعد انھیں تلے اوپر چننا شروع کر دیا۔ تانبا پگھلا کر ان کے جوڑوں پر ڈالا۔ وہ سب جڑ گئیں یہ دیوار اتنی اونچی تھی کہ وحشی قوم اس پر چڑھ نہیں سکتی تھی اور موٹی اتنی کہ سوراخ کرنا ناممکن تھا۔ اس دیوار بننے کے بعد وہ لوگ محفوظ ہو گئے۔

اس کے بعد ذوالقرنین نے ان سے پوچھا کہ انسان کی عمر کس چیز سے زیادہ ہو سکتی ہے انھوں نے کہا کوہ قاف میں تاریکی کے اندر ایک چشمہ آبِ حیات کا ہے جس کا پانی پینے والا قیامت تک زندہ رہے گا یہ سن کر ذوالقرنین کو وہاں جانے اور پانی پینے کا شوق پیدا ہوا۔ ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر اور حضرت خضر اپنے قافلہ کا پیش رو بنا کر چل پڑے۔ اتفاقاً خضر سے جدا ہو کر راستہ بھول گئے

اور ایک سال تک ٹھوکریں کھاتے پھرے حضرت خضر چلتے چلتے ظلمات میں داخل ہوگئے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے آب حیات کے چشمے تک جا پہنچے اس کا پانی پی کر شکر خدا بجا لائے ذوالقرنین کو راستہ نہ ملا۔ جب خضر پانی پی کر نکلے تو ذوالقرنین کی پارٹی ان کو ملی انھوں نے کہا ہمیں بھی وہاں پہنچا دیجئے مگر پھر خضر کو وہ راستہ نہ ملا اور ذوالقرنین کو مایوس ہو کر واپس آنا پڑا۔

ہم نے یہ واقعہ قرآن سے بھی نقل کر دیا اور روایات سے بھی۔ روایات کو اسلامی تاریخوں کا تبرک سمجھ کر پڑھ لیجئے اور روایات کی صداقت و تقدس پر درایت کو بھینٹ چڑھا دیجئے۔ چند باتیں اس واقعہ میں قابل تبصرہ ہیں

(۱) یہ دیوار جس کا ذکر قرآن میں ہے لوہے کی موٹی موٹی سلوں سے بنائی گئی تھی جس کے جوڑوں پر تانبا پگھلا کر ڈالا گیا تھا خیال کیجئے کیسی مضبوط دیوار ہوگی یہ دیوار۔ اب کہاں ہے؟ اگر کہتے ہیں یہ وہی ہے جسے چائنا وال کہا جاتا ہے لیکن اس میں تو یہ صفت نہیں پائی جاتی اور اگر وہ کوئی اور دیوار تھی تو ہماری نظروں سے غائب نہ ہونی چاہئے اس کو باقی رہنا چاہئے کیونکہ علامات قیامت میں ہے کہ اس وقت یہ دیوار ٹوٹے گی اور یاجوج اور ماجوج ہر طرف سے دوڑ پڑیں گے۔ لہٰذا اس قوم کا وجود بھی اس دیوار کے آس پاس کہیں ہونا چاہئے لیکن سیاحوں نے چپہ چپہ چھان مارا لیکن اس مخلوق کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ قدرت نے اس قوم کو اور اس دیوار کو نظر خلائق سے چھپا دیا ہے یہ دیوار قیامت کے قریب ظاہر ہوگی اور اسی وقت توڑی جائے گی اور یاجوج و ماجوج قوم کو بھی پردہ غیب سے نکالا جائے گا۔ یہ سب امام غائب کے ظہور کے وقت ہوگا۔ افسوس ہے کہ لوگ یاجوج و ماجوج کے غائب ہونے کو تو مانتے ہیں مگر امام کی غیبت پر ایمان نہیں لاتے۔

(۲) ایک سوال یہ بھی ہے کہ یاجوج و ماجوج نسل انسان سے تھے یا ان کی کوئی نوع علحدہ تھی۔ مورخین نے ان کو یافث بن نوح کی اولاد سے لکھا ہے لیکن جو ہیئت بیان کی ہے اس سے تو وہ انسان نہیں معلوم ہوتے مثلاً کانوں کی لمبائی چوڑائی۔ ٹڈی کی طرح کھیتوں کو چاٹ جانا۔ گھاس کھانا۔ کچا گوشت کھانا یہ تو نہ چرندوں میں ہے نہ درندوں میں۔ ان کو یافث بن نوح کی اولاد میں بتانا لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی تحت تو نہیں ہے۔ یعنی خدا فرماتا ہے ہم نے انسان کو اچھے کینڈے کا پیدا کیا کیا اچھا کینڈا اسی کا نام ہے۔ اگر جناب یافث کی اولاد سے ان کو مانا جائے تو یافث میں بھی یہ صفات ماننا پڑیں گی ورنہ یکایک ان کا یہ برزخ کیسے بدل گیا کہ انسان سے حیوان بن گئے۔

(۳) قرآن کے بیانات کے مطابق یہ ماننا پڑے گا کہ اس زمانہ میں فن حدادی نے کافی ترقی کر لی تھی اور یہ کہ لوہا اور تانبا بہ کثرت اس زمانہ میں پایا جاتا تھا ورنہ لوہے کی بہ کثرت سلیں وہ ذوالقرنین کو کہاں سے لا کر دیتے آسمان سے تو ان کا نزول ہوا نہ تھا تصور کیجئے کتنی بڑی بڑی بھٹیاں ہونگی جن میں وہ تانبا پگھلایا گیا ہوگا اور اونچی اونچی دیواروں پر کن آلات کے ذریعہ سے وہ شعلہ خیز تانبا انڈیلا گیا ہوگا۔ آج کل کی ترقیاں ہمیں حیرت میں ڈال رہی ہیں مگر ان ترقیوں پر کسی کی نظر نہیں۔

کالب کی نبوت

کالب حضرت یعقوب کی اولاد سے تھے اور حضرت موسیٰ کی بہن مریم کے شوہر تھے۔ حضرت یوشع کے بعد بنی اسرائیل میں یہی نبی ہوئے اس زمانہ میں بارق ملک شام کا بادشاہ تھا بڑا ظالم اور بدکار۔ کالب نے اس پر چڑھائی کی اور نیز حاجیل کو بے بقیۃ السیف گرفتار کر لاتے۔ کالب نے ان سب کی انگلیاں جڑ سے کٹوا دیں۔ کھانے کے وقت روٹی کے ٹکڑے ان کے سامنے ڈال دیے جاتے تھے اور وہ کتوں کی طرح اٹھا اٹھا کر کھاتے تھے اس کے بعد کالب بنی اسرائیل کو لے کر مصر چلے آئے

ذوالکفل یا حزقیل کے حالات

ذوالکفل جن کو حزقیل بھی کہتے ہیں انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ جب ان کو کافروں سے لڑنے کا حکم دیا گیا تو قوم نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا انھوں نے بد دعا کی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مرض کی ایسی وبا پھیلی کہ ہزارہا آدمی مرگئے اور ہزارہا بستی چھوڑ کر بھاگ گئے مگر وہاں بھی نہ بچ سکے رستہ میں لاشوں کے ڈھیر لگ گئے ان کو ایک احاطہ کے اندر بھر دیا گیا جہاں آفتاب کی گرمی سے پڑے سڑتے رہے۔ ذوالکفل کا ادھر سے گزر ہوا تو ان کا یہ حال دیکھ کر بہت کڑھے اور خدا سے دعا کی کہ ان کو زندہ کر دے وحی ہوئی کہ ان لوگوں نے ہماری نافرمانی کو معمولی بات سمجھا تھا اور ہمارے عذاب کو دھیان میں نہ لاتے تھے اس لئے ہم نے ان کو مار ڈالا اب تمہاری خاطر سے ہم ان کو زندہ کرتے ہیں۔ زندہ ہو کر کچھ دن تو وہ لوگ دین موسوی پر قائم رہے اس کے بعد پھر وہی بت پرستی شروع کر دی ذوالکفل ان کی یہ حالت دیکھ کر ترک وطن کر کے شام چلے گئے۔ کیا ستم ہے بعثت اس سے ثابت نہیں۔

حضرت الیاس کے حالات

یہ پیغمبر حضرت ہارون کی نسل سے تھے ان کو اہل بعلبک کی ہدایت پر مامور کیا گیا تھا یہ لوگ بعل نامے بت کی پوجا کرتے تھے آخر آپ نے بہت کچھ سمجھایا لیکن وہ بدستور بت پرستی کرتے رہے آپ نے ان کے لئے بد دعا کی۔ قحط کے عذاب نے انہیں آلیا تین سال تک پانی کا ایک قطرہ نہ برسا بے شمار آدمی بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ یہ وبال ان پر الیاس کی بد دعا سے آیا ہے تو ان کے قتل کے درپے ہوئے آپ وہاں سے نکل آئے اور کئی سال تک تنہا اور گاؤں گاؤں پھرتے رہے اس کے بعد وہاں پھر آئے ان کو سمجھایا کہ بیوقوفو! اگر تمہارے ان بتوں میں کوئی کرامت ہوتی تو کیا یہ قحط تم سے ہٹا نہ دیتے انھوں نے کہا اچھا آپ دعا کریں آپ نے دعا کی مینہ برسا اور کھیتوں میں بہار آگئی لیکن جب قحط دور ہو گیا اور غلہ ان کے گھروں میں آگیا تو پھر بت پرست بن گئے حضرت الیاس نے پھر بد دعا کی وحی ہوئی اے الیاس تم نے پہلے دعا کی میں نے قبول کی جس سے میرے بہتیرے بندے ہلاک ہو گئے اب تم پھر بد دعا کر رہے ہو۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم انہیں ہدایت کئے جاؤ کبھی تو راہ راست پر آہی جائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے پھر ہدایت شروع کی اب

جب نہ مانے تو حضرت الیسع کو وہاں چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے۔

حضرت حنظلہ کے حالات

حضرت حنظلہ اپنی قوم کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے مگر مخلوق نہ جانا کہ سمجھاتے رہے وہ بدبخت ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ اِس زمانہ میں طیغور نامی ایک بادشاہ تھا نہایت بے عقل اس نے موت سے بچنے کے لئے حکم دیا کہ ایک مضبوط قلعہ بنایا جائے جب وہ بن گیا تو اس کے اندر لوہے کی چادر وں کا ایک گنبد بنوایا اور اس پر مسلح پہرہ دار بٹھائے اور ان کو حکم دیا کہ جس وقت موت داخل ہو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں اور سر کاٹ کر میرے پاس لے آئیں اور اس گنبد میں خود جا بیٹھا اور ہر طرف سے دروازے بند کر لئے۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو اس نے دیکھا ایک نہایت خوفناک پیکر دروازہ سے چلا آرہا ہے اس نے ڈپٹ کر کہا تو کون ہے اور بے اجازت کیسے اندر آیا اس نے کہا میں ملک الموت ہوں اور تیری جان لینے آیا ہوں دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں روک سکتی یہ کہہ کر اس نے اس کی اور اس کے تمام غلاموں کی روح قبض کر لی۔ جب شہر والوں کو پتہ چلا تو گھبراتے ہوئے حضرت حنظلہ کے پاس آئے کہ یہ مصیبتیں ہم پر آپ کی وجہ سے آئی ہیں ہم آپ کو بے قتل کئے نہ چھوڑیں گے۔ یہ حال دیکھ کر آپ وہاں سے دوسری جگہ چلے گئے۔ قرآن میں اس واقعہ کا مختصر سا ذکر ہے "ولو کنتم فی بروج مشیدۃ" (موت تم کو پالے گی چاہے کتنے ہی مضبوط برجوں میں جا بیٹھو)۔

بنی اسرائیل پر عمالقہ کا حملہ

حضرت حنظلہ کے بعد جب بنی اسرائیل نے قوم عمالقہ پر بہت ظلم کئے تو وہ مغرب کے کسی ملک میں جا بسے ایک مدت بعد انکی قوت زور پکڑ گئی تو انھوں نے بنی اسرائیل سے اپنی چھینی ہوئی سلطنت واپس لینا چاہی بنی اسرائیل کو ان کے اس ارادہ کی خبر نہ تھی وہ داد عیش دے رہے تھے۔ عمالقہ نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور اچانک یلغار کرتے ہوئے ان پر آن پڑے بہتوں کو قتل کیا اور خوب ان کو لوٹا یہاں تک کہ وہ تابوت سکینہ کو بھی اٹھا کر لے گئے۔ یہ بڑی متبرک چیز تھی جس کی وجہ سے بادشاہت و نبوت ان کو حاصل تھی اس کے جاتے ہی نحوست ان پر منڈلانے لگی۔ جس کی برکت سے ان کی دعائیں قبول ہوتی تھیں اب وہ چیز نہ رہی۔ لڑائی کے وقت جب تابوت کو میدان میں وہ رکھتے تھے تو اس سے ایک ایسی خوفناک آواز پیدا ہوتی تھی کہ دشمن کانپ جاتا تھا۔ اس تابوت کا ذکر حضرت موسیٰ کے قصہ میں ہو چکا ہے۔ اب بنی اسرائیل اپنی حماقت پر بہت پچھتائے مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا

طالوت کی بادشاہت

اس زمانہ میں جس کا ذکر ہو رہا ہے شموئیل نبی بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ بہت سے لوگ ان پر ایمان لائے تھے۔ ان ...
طے کیا کہ تابوت سکینہ عمالقہ سے واپس لیا جائے۔ شموئیل نے فرمایا ابھی اس کا وقت نہیں آیا صبر سے کام لو۔ عمالقہ نے تابوت کے ساتھ ...
کی بے ادبیاں کیں پہلے جلا دینا چاہا جب نہ جلا تو توڑنا چاہا جب نہ ٹوٹا تو ایک ناپاک مقام پر رکھ دیا تاکہ لوگ وہاں بول و براز کریں ...
نے کیا بواسیر میں مبتلا ہو کر مر گیا آخر مجبور ہو کر وہاں سے اٹھا کر بنی اسرائیل کے کسی شہر میں رات کو چپکے سے رکھ آئے۔
اس کو طالوت نے جس کا ذکر آگے آئے گا اٹھا لیا اور نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے گھر لے گیا۔

قوم عمالقہ کا سردار اس زمانہ میں جالوت تھا۔ اس نے بنی اسرائیل پر بڑا سخت حملہ کیا اور ہزارہا کو قید کر کے اپنے ساتھ لے گیا ...
واقعہ سے بنی اسرائیل میں ہل چل مچ گئی وہ روتے پیٹتے حضرت شموئیل کے پاس آئے اور فریاد کی کہ ہم تباہ ہو گئے ہمارا کوئی سردار باقی ...
جس کے ساتھ جنگ کریں آپ خدا سے دعا کریں کہ وہ ہم پر رحم کھا کر کسی بادشاہ کو معین کر دے انھوں نے کہا تم لڑو گے بھی یا میدان جنگ ...
بھاگ جاؤ گے انھوں نے کہا بھلا کیوں نہ لڑیں گے جبکہ ہمارے بال بچے اور عزیز و اقارب دشمن کے قبضہ میں ہیں اور بے شمار رشتہ دار قتل ...
ہیں ہم ضرور ان کا بدلہ لیں گے۔

بنی اسرائیل میں طالوت نامی ایک غریب آدمی تھا دل کا بہادر طبیعت کا نیک ارادہ کا پختہ وہ لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا اللہ ...
اپنے نبی کو وحی کی کہ میں نے بنی اسرائیل کا بادشاہ طالوت کو مقرر کیا تم ان سے عہد لو کہ وہ ان کے ساتھ جم کر لڑیں اور بھاگ نہ جائیں ...
پیغمبر نے ان کو بلا کر کہا، اللہ نے قتال کو تم پر واجب کیا ہے اور طالوت کو تم پر بادشاہ بنایا ہے یہ سنکر وہ بگڑ گئے۔

بنی اسرائیل ۔ طالوت ہم پر کیسے بادشاہ ہو سکتا ہے وہ تو ایک غریب آدمی ہے اس کے پاس نہ مال ہے نہ دولت ہم اس سے زیادہ حکومت کے مستحق ہیں

نبی ۔ یہ سب کچھ سہی مگر اللہ نے تو اس کام کے لئے اسی کو چنا ہے۔

بنی اسرائیل ۔ آخر کس وجہ سے۔

نبی ۔ اللہ نے اسے علم کے ساتھ جسمانی قوت بھی دی ہے۔ خدا کی مرضی کے خلاف نہ کرو ورنہ اس کا نتیجہ برا ہوگا
ان بیچ سمجھ والے لوگ یہ کہنے لگے ہمیں منظور ہے ۔ آخر انھوں نے طالوت کو بادشاہ بنا لیا۔

تابوت سکینہ کی بازیافت کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک تو وہی جس کا ذکر پہلے ہو چکا۔ دوسری یہ ہے کہ شموئیل نبی نے طالوت سے کہا کہ ...
یہ ہے کہ تم فلاں میدان میں جاؤ اور وہاں سے تابوت سکینہ لے کر آؤ طالوت فوراً روانہ ہوئے راستہ میں دیکھا کہ کچھ لوگ اسے گاڑی ...
لئے چلے آ رہے ہیں طالوت نے ان سے لے لیا اور اسے اپنے گھر لے آئے۔

جب بنی اسرائیل کو طالوت کے بادشاہ ہونے کی خبر دی گئی تھی تو انھوں نے کہا تھا کہ اس کے بادشاہ ہونے کی علامت کیا ہے تو نبی نے بتایا
کہ تابوت سکینہ تمہارے پاس آجائے گا جب ان کو پتہ چلا کہ تابوت آگیا تو بہت خوش ہوئے اور جو مخالف تھے وہ بھی موافق ہو گئے

شموئیل نبی نے طالوت کو ایک لوہے کی زرہ دے کر کہا جس کے بدن پر یہ فٹ ہو جائے گی وہی جالوت کا قاتل ہوگا تم اس کی تلاش میں رہو

طالوت و جالوت کی لڑائی جب یہ لشکر جالوت سے لڑنے کے لئے روانہ ہوا تو طالوت نے اپنے ساتھیوں سے کہا راستہ میں ایک نہر ملنے والی ہے اس کا پانی جو کوئی پیئے گا وہ مجھ سے نہیں اور جو نہ پیئے گا وہ مجھ سے ہوگا ہاں ایک چلو پی لیا جائے تو مضائقہ نہیں سب نے کہا یہ بات ہے تو ہم زبان کو بھی نہ لگائیں گے۔ لیکن جب نہر پر پہنچے اور اس کا صاف شفاف اور ٹھنڈا پانی نظر کے سامنے آیا تو بے تحاشا اس پر ٹوٹ پڑے اور سوائے تین سو تیرہ آدمیوں کے سب نے پی لیا اور اتنا پیا کہ ایک ایک کا پیٹ پھول گیا اور وہ چلنے کی قابل نہ رہے اور وہیں لمبے لمبے لیٹ گئے۔ طالوت کو سخت ملال ہوا مگر کرتا کیا وہی تین سو تیرہ جانباز لے کر جالوت کے مقابلہ کو چل کھڑے ہوئے ان ہی میں داود اور ان کے چھ بھائی تھے۔ جب دونوں فوجیں نکر پر آئیں تو طالوت ان کے ساتھیوں نے کہا ہم چند آدمی اتنے بڑے لشکر سے کیسے لڑ سکتے ہیں۔ طالوت نے کہا تم اپنی کمزوری سے ڈرو مت اللہ مددگار ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تھوڑے لوگ بہت سوں پر غالب آ جاتے ہیں دعا کرو کہ خدا تم کو کافروں کے مقابل ثابت قدم رکھے۔

جب جالوت نے اپنے مقابل تھوڑے سے آدمی دیکھے تو ان کی بہادری پر بڑا تعجب کیا اسے شرم آئی کہ تین سو تیرہ آدمیوں پر ایک لاکھ فوج سے حملہ کرے اس نے طالوت کو پیغام بھیجا کہ تیرے لشکر کے مٹھی بھر آدمی میری ٹڈی دل فوج کا کیا مقابلہ کریں گے۔ فضول اپنی اور ان بیچاروں کی جان گنواتا ہے بہتر یہ ہے کہ میری اطاعت قبول کر اور اگر لڑنے ہی کی ٹھان لی ہے تو خم ٹھوک کر میدان میں آ جا تاکہ میں اور تو نمٹ لیں۔ طالوت نے اپنی فوج کی طرف دیکھا کون ایسا ہے کہ ہم دونوں کا کام تمام کر دے اور یہ بات اس کے کان میں ڈال دے کہ ہم راہ خدا میں لڑنے والے دشمن کی کثرت کو نظر میں نہیں لاتے اس کے بعد کہا جو اس کو قتل کرے گا میں آدھی سلطنت اس کو دیدونگا اور اپنا داماد بنالونگا

ایک جوان نے کھڑے ہو کر کہا میں اس کے مقابلہ کو جاتا ہوں پوچھا کس خاندان سے ہو اور تمہارا نام کیا ہے جوان نے کہا میں بنی اسرائیل سے ہوں اور میرا نام داود ہے آپ کے لشکر میں میرے چھ بھائی اور ہیں طالوت نے کہا تم ناتجربہ کار معلوم ہوتے ہو نوجوان ہو بہتر ہوگا کہ تم نہ جاؤ۔ داود نے کہا میں ضرور جاونگا اور اللہ کو منظور ہے تو اسے قتل کر کے رہونگا۔ طالوت نے شموئیل والی زرہ نکال کر کہا ذرا اسے تو پہنو۔ پہنا تو وہ ان کے بدن پر بالکل فٹ تھی۔ طالوت خوشی سے اچھل پڑے اور کہا اب تم شوق سے جاؤ ضرور جالوت تمہارے ہاتھ سے مارا جائے گا

داود نے اپنی جھولی میں دو تین پتھر ڈال کر اپنی گوپھن سنبھالی اور میدان میں بے دھڑک آ کھڑے ہوئے۔ جالوت نے کہا اے جوان تو کس ارادہ سے آیا ہے۔ فرمایا تجھ سے لڑنے۔ اس نے کہا ہتھیار۔ تو تیرے پاس کچھ بھی نہیں فرمایا یہ کیا میرے توبڑے میں پتھر پڑے ہیں ان میں سے ایک تیرے لئے کافی ہے اس نے کہا اے بے وقوف آج تک کوئی بادشاہوں سے پتھروں سے لڑا ہے فرمایا تو کتا ہے اور کتے کو پتھر ہی سے مارا جاتا ہے

اس کے بعد آپ نے گوپھن میں پتھر رکھ کر پوری قوت سے پھینکا تو وہ جا کر اس کے سر پر پڑا اور اس کے چھرے بکھر گئے اور وہ مر کر زمین پر گر پڑا۔ جالوت کی ساری فوج تتر بتر ہو گئی طالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا اپنی بیٹی بھی دیدی اور آدھی سلطنت بھی

اس واقعہ سے ہم کو یہ پتہ چلا کہ جو حکومت خدا کی طرف ہوتی ہے اس کا حاکم بندوں کا منتخب کردہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا انتخاب خدا کرتا ہے نیز یہ کہ وہ بزدل اور جاہل نہیں ہوتا۔

حضرت داؤد کے حالات

حضرت داؤد یہودا ابن یعقوب کی اولاد سے تھے چالیس سال بسر کرنے کے بعد ان کو نبوت ملی۔ آپ بڑے خوش آواز تھے جب زبور پڑھتے تو جنگل کے چرندے پرندے اور درندے کھچ کھچ کر آجاتے اور آپ کے چاروں طرف بیٹھ جاتے اور سننے میں ایسے محو ہوتے کہ کسی جانور کو کسی سے خطرہ نہ رہتا۔ دوسرا معجزہ یہ تھا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں آتے ہی موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ پھر آپ بغیر کسی اوزار کی مدد کے کڑیاں بنا کر زرہ تیار کر لیتے تھے ان کی بنائی ہوئی زرہ کے حلقے چونکہ بہت چھوٹے ہوتے تھے اس لئے اس کی قیمت زیادہ ہوتی تھی اور لوگ بڑی چاہت سے خریدتے تھے اس رقم میں سے بقدر قوت لایموت تو خود لے لیتے تھے باقی سب غریبوں پر تقسیم کر دیتے تھے۔

حضرت داؤد نے اپنے دن کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا ایک حصہ میں عبادت دوسرے حصہ میں مقدمات کا فیصلہ اور تیسرے حصہ میں اپنے ذاتی کام ایک بار حضرت داؤد کو خیال ہوا کہ مقدمات کا فیصلہ مجھ سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا بس پھر کیا تھا عرض امتحان میں ایک دن مسجد میں مشغول عبادت تھے کہ دیوار پھاند کر دو شخص آ موجود ہوئے پوچھا تم کون ہو اور کیسے آئے انھوں نے کہا ہم مقدمہ کے متعلق فیصلہ چاہتے ہیں۔ معاملہ یہ ہے کہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں اور میرے پاس صرف ایک یہ کہتا ہے وہ ایک بھی مجھے دیدے۔ داؤد نے کہا یہ تو کھلا ہوا ظلم ہے اور زبردست لوگ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ آپ نے بغیر گواہ طلب کئے اور مدعا علیہ کا بیان سنے یہ فیصلہ کر دیا کہ وہ اس کی بکری نہ لے۔

خدا نے وحی کی اے داؤد ہم نے روئے زمین پر تم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے لہٰذا تم کو چاہئے کہ لوگوں کے درمیان حق فیصلہ کرو۔ اب وہ سمجھے کہ یہ میرا امتحان تھا اور یہ دو آدمی نہیں فرشتے تھے۔

بنی اسرائیل میں یہ رسم تھی کہ اگر کسی عورت کا شوہر مر جاتا یا قتل کر دیا جاتا تو اسکی بی بی عمر بھر کسی سے شادی نہیں کر سکتی تھی جیسا کہ ہندوؤں میں اب تک یہ رواج ہے حضرت داؤد نے سب سے پہلے اس رسم کو توڑا اور اس عورت سے نکاح کیا جس کا شوہر اوریا ملے ایک جنگ میں قتل ہو گیا تھا۔ عورت کے خاندان والوں پر یہ بات گراں گزری انھوں نے حضرت داؤد پر الزام لگانا شروع کئے۔ چنانچہ توریت کی یہ روایت ہماری اسلامی تاریخوں میں بھی درج ہونے کا شرف پاچکی ہے کہ داؤد اوریا کی عورت پر عاشق تھے اور اس کے شوہر کو انھوں نے ایک جنگ میں بھیج کر قتل کرایا تھا۔

اسلامی مورخین روایات کو درج کرنے کے بڑے شائق ہیں مگر درایت سے کام لینا جانتے ہی نہیں۔ ایک دو نہیں بہت سی غلط روایات توریت سے نقل ہو کر ہماری تاریخوں میں آگئی ہیں کاش وہ اس پر غور کرتے کہ ایک معمولی شریف آدمی بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ کسی دوسرے کی

عورت پر نظر بد ڈالے اور مکر و حیلہ سے اُسے ہتیالے نہ کہ خدا کا ایک نمائندہ معصوم نبی۔ صاحب کتاب ایسی روایات کو مرف وہی تسلیم کر سکتے ہیں جن کی نظر میں ایک نبی کی حیثیت معمولی گنہگار آدمی کی سی ہو۔

ایک دن ایک اور قضیہ جناب داؤد کے سامنے آیا۔ جس کو ہم مولانا فرمان علی صاحب کے ترجمہ قرآن کے حاشیہ سے نقل کرتے ہیں۔

"یوحنا جب رات کو سو رہا تھا اس کی بکریوں نے ایلیا کے کھیت کو کچھ روند اکچھ کھایا۔ صبح کو ایلیا نے حضرت داؤد کی عدالت میں نالش کر دی۔ یوحنا طلب ہوا اور اس نے اپنی نیند کا عذر کیا۔ حضرت داؤد نے جو ایلیا کے کھیت کے نقصان کا اندازہ کیا تو یوحنا کی بکریوں کی برابر تھا آپ نے فیصلہ کیا کہ یوحنا اپنی بکریاں ایلیا کو دیدے۔ جب یہ دونوں باہر نکلے تو حضرت سلیمان سے ملاقات ہوئی آپ دونوں کو لئے حضرت داؤد کے پاس پہنچے اور عرض کی اگر فیصلہ دوسرا ہوتا تو اچھا ہوتا پوچھا تو وہ کیا بولے جب تک یوحنا کھیت کی خدمت کرے اس وقت اس کی بکریاں ایلیا کے پاس رہیں اور ایلیا ان کی اون اور دودھ وغیرہ سے نفع اٹھائے اس کے بعد جب اس کا کھیت ویسا ہی آباد ہو جائے تو بکریاں واپس کر دے۔ یہ فیصلہ حضرت داؤد کو بھی پسند آیا اور آپ نے پہلا حکم منسوخ کر کے یہی حکم دیا۔"

حضرت داؤد کے زمانہ میں یہودیوں کو ہفتہ کے روز شکار کھیلنے کی ممانعت تھی دریا کی مچھلیاں اس سے واقف ہو گئی تھیں وہ چھ دن تو دریا کی تہ میں رہتیں ساتویں دن ابھر کر اوپر آجاتیں اور آزادی سے ہر طرف گھومتی پھرتیں۔ یہودیوں کو یہ دیکھ کر لالچ آیا اور حکم خدا کے خلاف انھوں نے دریا سے ایک نالہ نکالا جتنی مچھلیاں ہفتہ کے روز اس میں آجاتیں وہ علی الصبح ان کو جا پکڑتے۔ خدا کو ان کی یہ بات ناپسند آئی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بندروں کی صورت میں مسخ کر دیئے گئے اور چند روز بعد وہ مر گئے۔

غور کیجیے خلاف حکم خدا صرف مچھلیوں کے ستانے والوں کو یہ سزا دی گئی پس جن لوگوں نے اولاد رسول کو ستایا اور ذبح کیا ان کی سزا کا کیا ٹھکانہ ہے۔

حضرت داؤد کی جانشینی کا مسئلہ حضرت داؤد پر وحی ہوئی کہ اب تمہاری موت کا وقت قریب آگیا ہے کسی کو اپنا خلیفہ بناؤ۔ جناب داؤد کی متعدد بیویوں سے کئی بیٹے تھے ان میں سے ہر ایک جانشین بننا چاہتا تھا حضرت داؤد کی ایک بڑی چہیتی بیوی تھیں ان کا اصرار تھا کہ میرے بیٹے کو بناؤ جب جھگڑا طول پکڑنے لگا تو وحی ہوئی کہ اے داؤد میں ایک سوال بھیجتا ہوں وہ جواب کے لئے اپنی اولاد کے سامنے رکھو جس کا جواب سب سے بہتر ہوگا وہی تمہارا جانشین ہوگا چونکہ حضرت سلیمان کا جواب سب سے بہتر تھا لہذا بحکم خدا نبوت اور سلطنت انھی کو ملی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ عہدہ الٰہی نہ خود دھینگا مشتی سے ملتا ہے نہ کسی کی وصیت یا اجماع سے نہ باہمی مشورہ سے بلکہ اسکی نامزدگی خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور اس کا دارومدار علم اور قوت پر ہے۔

غنا کو جائز جاننے والے کہتے ہیں اگر جائز نہ ہوتا تو حضرت داؤد کو اس میں کمال کیوں حاصل ہوتا ان کی آواز میں ایسی کشش کیوں ہوتی کہ انسان کیا ذکر جانور تک کھنچ آتے۔ یہ بیان اس غلط فہمی کی بنا پر ہے کہ لوگوں لحن و غنا میں کوئی فرق نہیں سمجھا لحن قدرتی خوش آوازی کا نام ہے اس کے لئے کسی مشق کی ضرورت نہیں برخلاف غنا کے کہ اس میں موسیقی کے قواعد کے تحت آواز میں گھٹاؤ بڑھاؤ اور تال سُر کی

نقل کی جاتی ہے بغیر اس کے کوئی گویا گویا نہیں بن سکتا۔
غنا میں جذبات بد ابھارا کرتے ہیں اور اس کا کمال زیادہ تر ایسے اشعار کے اندر مضمر ہوتا ہے جو شہوانی جذبات پر چوٹ دیتے ہیں اور شیطانی عمل کی طرف دل کھینچتے ہیں۔ غنا کی ساری کرامت اشعار میں ہوتی ہے کوئی موسیقی دان یہ کمال نثر میں نہیں دکھا سکتا بخلاف لحن کے کہ وہ نثر میں بھی ہوتی ہے چنانچہ حضرت داؤد کے گرد جو چرند اور پرند جمع ہوتے تھے وہ زبور کی تلاوت کے وقت جمع ہوتے تھے نہ کہ کوئی غزل گانے کی وجہ سے یعنی داؤد میں یہ اثر تھا کہ سننے والوں کا دل خدا کی طرف مائل کرتا تھا۔
ایک سوال یہ ہے کہ جب حضرت داؤد نبی تھے اور ان کو اللہ نے حکمت اور فصل خطاب عطا فرمایا تھا تو پھر مقدمات کے فیصلہ میں غلطی کیوں ہوتی تھی۔ ہمارے عقیدہ میں انبیاء غلطی سے پاک ہوتے ہیں کیا کسی قضیہ کا غلط فیصلہ خطا نہیں کیا مقدمہ کے غلط فیصلہ سے کسی فریق پر ظلم نہیں ہوتا۔ اس کا جواب بہت مشکل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبوت ملنے سے پہلے اپنی بادشاہت کے زمانہ میں غلط فیصلے کئے تھے اور بعد نبوت اس کا امکان نہ رہا تو یہ توجیہ بھی درست نہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ نبی بطن مادر ہی سے نبی ہوتا ہے اس عمومیت میں نبوت اور بعد نبوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اہل علم توجہ فرمائیں۔

حضرت لقمان کے حالات

داؤد علیہ السلام کی حکومت کے بعد خدا نے لقمان علیہ السلام کو علم و حکمت دے کر لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ یہ ذرا بدصورت اور سیاہ فام تھے گردش روزگار سے ایک بار ایک کسان کے غلام بن گئے جو نہایت بیوقوف و بدکار تھا حضرت لقمان بار بار اس کو سمجھاتے تھے کہ برائی کا نتیجہ برا ہوتا ہے جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے مگر اس کودن مغز کی سمجھ میں اتنی بات نہ آتی تھی۔
ایک دن اس نے لقمان سے کہا جاؤ کھیت میں گیہوں بو دو انھوں نے بجائے گیہوں کے جو بو دیے۔ جب پودے پھوٹے اور مالک دیکھنے گیا تو اسے گیہوں کی جگہ جو نظر آئے اسے غصہ آگیا جھلا کر کہنے لگا میں نے گیہوں بونے کو کہا تھا تو نے جو کیوں بوئے؟ انھوں نے کہا اس امید پر کہ گیہوں کاٹیں گے اس نے کہا تو بڑا ہی بیوقوف آدمی ہے کیسے ہو سکتا ہے کہ جو بوئیں اور گیہوں کاٹیں۔ انھوں نے کہا یہ سبق تو میں نے آپ ہی سے سیکھا ہے کہ آپ برے کام کرتے ہیں اور خدا سے نیکی کی امید رکھتے ہیں یہ سن کر وہ شرمندہ ہوا۔
اس واقعہ کا کوئی تذکرہ اجمالاً یا مفصلاً قرآن کریم کے اندر نہیں ایک روایتی بات ہے خدا جانے یہ واقعہ ان سے متعلق ہے یا کسی اور سے۔
بعض لوگوں نے ان کو نبی نہیں مانا بلکہ ایک صاحب فہم و دانش حکیم مانا ہے بہت سی حکایتیں ان کے متعلق پائی جاتی ہیں لقمان کو اللہ نے نور علم سے منور کر دیا تھا۔ ان نصائح کو جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں ہم قرآن سے ترجمہ کرتے ہیں
(۱) بیٹا خبردار خدا کا شریک کسی کو نہ بنانا شرک سب سے بڑا ظلم ہے
(۲) بیٹا اس میں شک نہیں کوئی عمل اچھا ہو یا برا اگر رائی کے دانہ کی برابر بھی ہوگا اور وہ کسی سخت پتھر کے اندر بھی ہوگا یا آسمانوں اور زمین میں کہیں چھپا ہوا ہوگا تو خدا قیامت میں اسے حاضر کر دے گا

بیٹا! پابندی سے نماز پڑھا کرو اور لوگوں کو اچھے کام کرنے کا حکم دو اور برے کاموں سے روکو۔

(۴) جو مصیبت تم پر پڑے اس پر صبر کرو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

(۵) لوگوں کے سامنے غرور سے اپنا مونھ نہ پھلاؤ اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو کیونکہ خدا کسی اکڑنے والے اور اترانے والے کو دوست نہیں رکھتا

(۶) اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو

(۷) دوسروں سے بولتے وقت اپنی آواز دھیمی رکھو کیونکہ آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔

ذکر حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان حضرت داودؑ کے بعد نبوت اور سلطنت دونوں کے مالک ہوئے۔ حضرت سلیمان نے یہ دعا کی تھی یا رب مجھے ایسا ملک عطا کر جو میرے بعد کسی کو نہ ملے۔ خدا نے یہ دعا قبول کی جن۔ دیو۔ حیوان۔ انسان ہوا وغیرہ سب ان کے تابع فرمان تھے اور مزید یہ کہ وہ پرندوں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے جب ان کا تخت ہوا میں اڑتا تو پرندے سر پر سایہ کرتے زمین پر آتا تو انسان داہنی طرف ہوتے پریاں بائیں طرف اور جن پیچھے کھڑے ہوتے۔ تمام حیوان صفیں باندھے تخت کے سامنے ہوتے۔ حضرت سلیمان کا لشکر سو کوس تک پھیل جاتا تھا ۲۵ کوس تک آدمی۔ ۲۵ کوس تک جن ۲۵ کوس تک چوپائے اور ۲۵ کوس تک پرندے رہتے تھے۔

آپ کا تخت اتنا بڑا تھا کہ اس پر ایک بڑے لشکر کو بٹھا کر جہاں چاہتے لے جاتے شام سے بلخ تک گھوڑے اور اونٹ پر جاتے ہیں تو ایک مہینہ لگ جاتا ہے مگر سلیمان آدھے دن میں وہاں پہنچکر لوٹ آتے تھے زمین کے اندر کے خزانے آواز دیتے تھے کہ اے سلیمان ہم کو نکالو۔ آپ نے بہت سے دیووں کو اس کام پر معین کیا تھا کہ زمین کے خزانے دریاؤں کے موتی اور پہاڑوں سے جواہرات لاکر ایک جگہ جمع کریں لیکن کسی کو ستائیں نہیں۔ اگر پتہ چل جاتا کہ کسی کو ستایا ہے تو ان دیووں کو قید کر کے یا تو دریا میں ڈال دیتے یا زمین میں گڑوا دیتے یا زنجیروں میں جکڑ کر انہیں چھوڑ دیا جاتا۔

آپ نے ایک عالیشان محل بنوایا تھا جس کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا اس میں بہت سے مکانات ایسے تھے جو سونے چاندی کی اینٹوں سے بنائے گئے تھے اور ان میں آپ کی بیبیاں رہا کرتی تھیں۔ (یہ روایت کان کو نہیں لگتی اور نہ ایمان کے دل میں جگہ باقی ہے ایک نبی ایسے مکانات اپنی خوابگاہوں اور اپنی ازواج کی آرام گاہوں کے لئے نہیں بنوا سکتا)

جس تخت پر آپ بیٹھ کر دربار کرتے تھے وہ ایسا شاندار تھا کہ آج تک کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوا اس کے چاروں کونوں پر ایسے چاندی کے درخت تھے جن کی ڈالیاں سونے کی اور پتے زمرد کے تھے۔ تخت کے سامنے ہزاروں سونے چاندی کی کرسیاں تھیں جن پر عظیم المرتبت انسان اور جن بیٹھا کرتے تھے۔ تخت کے دونوں طرف زمرد کے دو شیر تھے اور آمنے سامنے ستونوں پر دو کبوتر بیٹھے رہتے تھے جب تخت پر پیر رکھتے تو شیر سر جھکا لیتے اور کبوتر ہوا دینے کے لئے ایک ستون سے دوسرے پر جلتے آتے رہتے۔

قرآن میں ان باتوں میں سے ایک کا بھی ذکر نہیں یہ تمام تر روایتی ستونوں پر بلند ہوئی ہے

حضرت سلیمان کا ایک بڑا لنگر خانہ تھا جس میں لاکھوں آدمی صبح و شام کھانا کھاتے تھے۔ مہمانوں کے لئے طرح طرح کے لذیذ کھانے پکتے مگر آپ اس میں سے ایک لقمہ بھی خود نہ کھاتے بلکہ اپنے ہاتھوں سے زنبیل بنکر بیچتے اور اس سے اپنی غذا مہیا کرتے۔ معمولی کپڑا پہنتے اور یاد الٰہی میں اتنا روتے کہ گریبان تر ہو جاتا۔

سلیمان اور وادی نمل

ایک روز حضرت سلیمان گھوڑے پر سوار مع لشکر وادی نمل کی طرف سے گزرے تو ایک چیونٹی نے اپنی قوم سے کہا اے چیونٹیو اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں بے خبری میں کچل ڈالے۔

حضرت سلیمان اس کی بات سنکر پہلے تو مسکرائے پھر ہنسے۔ گھوڑے سے اترے اور اس چیونٹی کو اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور فرمایا

سلیمان ۔ کیا تو نے مجھے کسی پر ظلم کرتے دیکھا ہے جو اپنی قوم سے ایسا کہہ رہی تھی

چیونٹی ۔ یا نبی اللہ معصوم تو صرف ایک آپ ہی ہیں سارا لشکر تو نہیں

سلیمان ۔ تیری رعایا کتنی ہے؟

چیونٹی ۔ ان کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں لیکن آپ کے لشکر سے ضرور زیادہ ہو گی

امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے کسی نے یہ قصہ بیان کیا فرمایا والذین انکی تعداد بتا سکتا تھا اور یہ بھی کہ ان میں کتنے نر ہیں اور کتنے مادہ

سلیمان ۔ بتا میری سلطنت بہتر ہے یا میری

چیونٹی ۔ یہ تو خدا جانے لیکن اس وقت میں آپ سے بہتر ہوں

سلیمان ۔ یہ کیسے ۔

چیونٹی ۔ آپ کی سواری ایک چوپایہ ہے اور میری سواری ایک نبی کی ہتھیلی

یہ سنکر جناب سلیمان ہنس پڑے ۔

سلیمان اور بلقیس

ایک روز جناب سلیمان بساط پر بیٹھے جا رہے تھے۔ پرندوں کا سایہ سر پر تھا۔ ایک طرف دھوپ پڑی تو نظر اٹھا کر دیکھا۔ ہدہد اپنی جگہ پر نہ تھا آپ کو بہت غصہ آیا۔ فرمایا کیا بات ہے میں ہدہد کو اس کی جگہ پر نہیں پاتا۔ اگر اس نے معقول عذر پیش نہ کیا تو میں اسے سخت سزا دونگا یا قتل کر ڈالوں گا (جانور بے نہیں بجا لگا عرف اپنی جگہ سے ہٹا ہے)

تھوڑی دیر بعد ہدہد آ گیا

سلیمان ۔ تو کہاں تھا؟

ہدہد ۔ حضور میں ایک خبر لایا ہوں جس کا علم آپ کو نہیں ۔

سلیمان ۔ بھلا کیا

ہدہد ۔ میں شہر سبا سے خبر لایا ہوں ۔ یہاں ایک خوبصورت عورت کی حکومت ہے اور وہ اور اس کی تمام قوم آفتاب پرست ہے اس کا نام بلقیس ہے اور اس کا تخت بڑا قیمتی ہے ۔

سلیمان نے کہا اچھا میں دیکھتا ہوں کہ تو سچا ہے یا جھوٹا میرا یہ خط اس کے پاس لیجا۔ آپ نے اس میں لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے۔ یا تو تم مسلمان ہو کر چلی آؤ ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ جس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔

ہدہد یہ خط لے کر اُڑا اور بلقیس کے محل میں ایک روشندان کے ذریعہ سے داخل ہوا وہ سو رہی تھی اس کے سینہ پر رکھ کر چلا آیا۔ بیدار ہوئی تو خط کو کھول پڑھا۔ نہایت پریشان ہوئی۔ درباریوں کو بلا کر کہنے لگی۔

بلقیس۔ میرے پاس اس مضمون کا خط آیا ہے سمجھ میں نہیں آتا اسے کون میری چھاتی پر رکھ کر چلا گیا اچھا تم لوگوں کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے۔ کیا جواب دیا جائے۔ تم کو معلوم ہے کہ میں بغیر تمہارے مشورہ کے کوئی کام نہیں کرتی

درباری۔ آپ پریشان نہ ہوں سلیمان بادشاہ ہے تو ہوا کرے۔ ہمارے پاس بھی کافی لشکر ہے مقابلہ ہوا تو ہم اس سے مغلوب ہونے والے نہیں۔ آگے جیسے آپ کی رائے

بلقیس۔ دیکھو اگر یہاں سے اگر معقول جواب نہ گیا اور وہ چڑھ دوڑے تو پھر کچھ نہ بن پڑے گی بادشاہوں کی یہ عادت ہے کہ یہ لوگ فتح پانے کے بعد کسی ملک کے عزت داروں کو ذلیل کیا کرتے ہیں

درباری۔ جو سرکار نے فرمایا بجا ہے ہم سب تابع فرمان ہیں۔

بلقیس۔ میری رائے تو یہ ہے کہ پہلے ان کے پاس تحفے بھیجے جائیں اگر قبول کر لیا تو سمجھوں گی پیغمبر نہیں لالچی لوگ ہیں ورنہ وہ بغیر میرے اسلام لائے راضی نہ ہونگے۔ غرض بلقیس نے ایسا ہی کیا۔ بہت سے تحفے دے کر حضرت سلیمان کے پاس بھیجا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے اور حضرت سلیمان کی شان و شوکت دیکھی تو ہوش اڑ گئے بہر حال انھوں نے وہ تحفے پیش کئے حضرت نے فرمایا کیا تم مجھے مالی فائدہ پہنچانا چاہتے ہوں سو میرے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے اس کو واپس لے جاؤ اور اس سے کہہ دینا کہ عنقریب ایک ایسا لشکر بھیجنے والا ہوں جس سے مقابلہ کرنا تمہارے لئے دشوار ہوگا اور پھر تمہارے عزت دار ذلیل کئے جائیں گے

ایک روز آپ کا دربار جما ہوا تھا اور بلقیس کے دربار آنے کا تذکرہ ہو رہا تھا حضرت نے کہا تم میں کون ایسا ہے کہ اس کو مع تخت کے اٹھا لائے ایک دیو نے کہا یہ کون بڑی بات ہے آپ کا اجلاس برخاست ہونے سے پہلے میں اس کو مع تخت کے حاضر کر دونگا

آصف برخیا (وزیر سلیمان) جن کو کتاب خدا کا تھوڑا سا علم تھا کہا یہ تو بڑی تاخیر ہوگی میں تو اسے چشم زدن میں حاضر کئے دیتا ہوں۔

دیوؤں نے مشہور کر دیا تھا کہ بلقیس دیوزاد ہے اس کی پنڈلیوں پر بڑے بڑے بال ہیں لہذا اس کا جانچنا ضروری تھا۔ حضرت سلیمان نے ایک شیشہ کا محل بنوایا اس کا فرش بھی شیشہ کا تھا جس کے نیچے پانی بہہ رہا تھا۔ جب بلقیس آئی تو آپ اس کو محل کے اندر لے چلے پانی سمجھ کر اس نے اپنی پنڈلیوں پر سے کپڑا اوپر کو اٹھا لیا معلوم ہوا دیوؤں نے غلط بیانی کی تھی آپ نے اس سے کہا یہ شیشہ منڈھا ہوا ہے پانی اس کے نیچے ہے اب اس کی عقل کا امتحان لینا اور باقی تھا

آپ نے دیوؤں کو حکم دیا کہ جلد اس کے تخت میں کچھ رد و بدل کر دیں۔ آپ نے اس سے کہا دیکھو تمہارا تخت یہی ہے اس نے کہا ہے تو وہی مگر اس میں کچھ تبدیلی کر دی گئی ہے۔ حضرت نے پوچھا تمہارا مذہب کیا ہے۔ اس نے کہا اب تک تو آفتاب پرست تھی اب میں مسلمان ہوتی ہوں اس کے بعد آپ نے اس سے شادی کر لی

حضرت داؤد کے ترکہ میں حضرت سلیمان کو کچھ گھوڑے ملے ایک جنگی مہم کے سلسلہ میں آپ نے ان کا جائزہ لینا چاہا۔ شام کا وقت تھا کہ سائیسوں نے وہ گھوڑے آپ کے سامنے پیش کرنے شروع کئے۔ آپ ان کو دیکھتے اور پیار سے پیشانیوں پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور جو اوراد و وظائف آپ غروب آفتاب کے وقت پڑھا کرتے تھے وہ رہ گئے۔ اس کوتاہی پر آپ کو سخت ملال ہوا آپ نے ان گھوڑوں کو کٹوا کر ان کا گوشت تقسیم کر دیا۔

خاتم سلیمان

حضرت سلیمان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس پر اسم اعظم الٰہی کندہ تھا اس کی وجہ سے قوم جن ان کے تابع تھی۔ تاریخوں میں ہے کہ وہ انگوٹھی ایک دیو نے چرالی اور وہ حضرت سلیمان کی جگہ تخت پر جا بیٹھا۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ سلیمان نہیں تو اس پر تشدد کیا۔ اس نے وہ انگوٹھی دریا میں پھینک دی اُسے مچھلی نے کھالیا اور وہ مچھلی سلیمان کے ہاتھ آگئی آپ نے اس کے پیٹ سے وہ انگوٹھی نکال لی

ایسی روایتیں قابل وثوق نہیں یہ انبیائے کرام کے مقدس حالات ہیں حاتم طائی کے واقعات نہیں۔ انگوٹھی کھو جانے سے نہ سلیمان کی صورت بدل سکتی تھی اور نہ دیو بصورت سلیمان ہو سکتا تھا اور نہ درباری اتنے احمق تھے کہ دیو اور سلیمان میں تمیز نہ کرتے۔ اسلامی مورخین کی یہ عادت ہے کہ وہ درایت سے کام لینا جانتے ہی نہیں۔ سنی سنائی کہانیاں علم برداشتہ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن و احادیث میں انگوٹھی کی چوری کا ذکر کہیں نہیں۔

سلیمان اور سحر

احمقوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ سحر یا جادو حضرت سلیمان نے سکھایا ہے اور انھوں نے ہاروت و ماروت فرشتوں سے سیکھا تھا۔ یہ ایک نبی پر کھلا ہوا اتہام ہے۔ سحر حرام ہے پھر ایک نبی کیونکہ اس کا عامل ہو سکتا ہے۔ ہاروت و ماروت کا قصہ قرآن میں مذکور ہے مگر لوگوں نے معلوم کیا کیا خرافات حضرت سلیمان سے منسوب کر رکھی ہیں اور فرشتوں کے متعلق بھی عجیب و غریب قصے بنا رکھے ہیں۔ یہاں تک کہ زہرہ و مشتری دو رنڈیوں سے ان کا عشق ان کو اسم اعظم تعلیم کرنا اور اس کی برکت سے ان کا آسمان کی طرف اڑ جانا اور وہاں ستارے بن جانا اور ہاروت و ماروت کا چاہ بابل میں جادو سکھانے کی سزا میں الٹا لٹکایا جانا بھی اپنے معتقدات کی فہرست میں داخل کر لیا ہے

واقعہ صرف اتنا ہے کہ جناب سلیمان کے زمانہ میں شیطان نے لوگوں کو جادو کی تعلیم دی جس سے وہ لوگ عورتوں اور ان کے شوہروں کے درمیان تفرقہ ڈالنے لگے اس سے تمام قوم میں ایک ہیجان برپا ہو گیا تھا۔ حضرت سلیمان نے خدا سے دعا کی خدا نے دو فرشتے ہاروت و ماروت نامی بھیجے انھوں نے حضرت سلیمان کے ذریعہ ان لوگوں کو جادو کا توڑ سکھایا اور یہ تاکید کر دی کہ کسی کو ضرر پہنچانے کے لئے ہرگز نہ کریں۔ ع۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

حضرت سلیمان کی وفات

یہ روایت بھی مشہور ہے کہ حضرت سلیمان کی تین سو بی بیاں تھیں نیز ان کا گھر عورتوں کی چھاؤنی تھا اور اولاد ایک سے بھی نہ ہوئی ایک لڑکا ہوا بھی تو ادھورا کچرا لوتھڑا جسے لوگوں نے لاکر ان کے تخت پر رکھ دیا۔ اسلامی راوی کہتے

کہ حضرت سلیمانؑ نے درباریوں کی یہ باتیں سن کر کہ ان کا سلسلہ نسل چونکہ منقطع ہے لہٰذا ان کی سلطنت کے مالک ہم ہوں گے حضرت سلیمانؑ نے از راہ تکبر (معاذ اللہ) کہا تھا میرے تین سو بیبیاں ہیں اگر ایک ایک رات بھی ہر ایک کے پاس جاؤں گا تو بکثرت اولاد ہو جائے گی لہٰذا قدرت کو یہ ناگوار ہوا اور اس غرور کی یہ سزا دی کہ ایک بچہ بھی نہ ہوا۔ اول تو تین سو بیبیوں کی روایت غلط پھر اس پر یہ حاشیہ کہ اگر میں ہر ایک بی بی کے پاس ایک ایک بار جاؤں گا تو بکثرت اولاد ہو جائے گی یہ بتاتا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی بی بی کے پاس گئے ہی نہ تھے صرف بہار حسن دیکھنے کے لئے یہ حسینوں کا جھرمٹ سامنے رکھ لیا تھا۔ ع۔ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

درایت تو یہ کہتی ہے کہ چونکہ حضرت سلیمانؑ نے یہ دعا کی تھی کہ مجھے ایسا ملک دے جو میرے بعد پھر کسی کو نہ ملے لہٰذا اگر ان کے کوئی لڑکا ہوتا تو وہ اس تمام سلطنت کا اسی طرح وارث ہوتا۔ اس صورت میں دعا کی قبولیت ثابت نہ ہوتی۔

حضرت سلیمانؑ ایک روز عصا پر تکیہ کئے کھڑے تھے کہ اسی حالت میں ملک الموت نے ان کی روح قبض کر لی مگر بقدرت خدا وہ اسی طرح کھڑے رہے وزیروں نے چاہا کہ جب تک نظام سلطنت درست نہ کر لیا جائے اور سرکش قابو میں نہ آ جائیں آپ کے مرنے کا حال کسی پر نہ کھلے۔ اس زمانہ میں چونکہ حضرت سلیمانؑ کے حکم سے بیت المقدس کی تعمیر کا کام بڑے زور و شور سے جاری تھا اس لئے لوگوں کا وہاں جانا زیادہ رہتا تھا۔ اس خیال سے کہ اس کام میں رخنہ نہ پڑ جائے آصف برخیا وزیر سلیمان، سلیمانؑ کو کھڑا ہوا دکھا کر کہہ دیتے تھے کہ صرف زیارت کر کے چلے جاؤ ملنے کا موقع نہیں۔ آخر رفتہ رفتہ دیمک نے ان کے عصا کو کھا لیا اور ان کی لاش زمین پر گر پڑی۔ تب ان کے انتقال کا پتہ لوگوں کو چلا۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد جنوں کی تسخیر کا قصہ ختم ہو گیا اس وقت سے وہ آزاد ہیں۔

تبصرہ۔ (۱) ہدہد کے غائب ہونے پر حضرت سلیمانؑ کا یہ کہنا کہ میں اسے ذبح کر دوں گا یا اسے سخت سزا دوں گا کیوں تھا۔ غائب ہونا ایسا سخت جرم نہ تھا کہ اس کو ذبح کر دیا جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس زمانہ کا قانون یہ ہوگا کہ بادشاہ وقت کی نافرمانی کی سزا موت ہوگی۔ یا پھر نبوت کی عظمت و جلالت کی توہین میں یہ سزا تجویز کی گئی یا پھر یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ قوم جن بھی آپ کی تسخیر میں تھی لہٰذا ان پر رعب ڈالنے کے لئے یہ کلمات کہے گئے تاکہ وہ سمجھ لیں کہ اگر بے اجازت ہم بھی غائب ہوں گے تو یہی سزا ہماری ہوگی۔ اسی سلسلہ میں یہ بات ادھر توجہ کیجئے کہ ہدہد صرف اپنی معین جگہ سے ہٹ گیا تھا ہٹ گیا تھا تو اس کی یہ سزا تجویز ہوئی حالانکہ وہ میدان جنگ نہ تھا پس کیا سزا ہوگی ان لوگوں کے لئے جو میدان جنگ میں ایک رسول کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ہوں۔

(۲) ہدہد نے جواب میں بہت سخت بات کہی تھی جس کو ذوالجلال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ قد احطت بما لم تحط به (مجھے وہ بات معلوم ہے جو حضور کو معلوم نہیں) یہ اس کی انتہائی گستاخی تھی کہ ایک نبی کو جہل سے نسبت دے رہا تھا۔ یہ یا تو فطرت پر ایک چوٹ تھی کہ جب انسان کو زیادہ غصہ ہوتا ہے کوئی کمزوری بتا کر بھڑکتی آگ پر پانی ڈالا جائے یا پھر یہ مانا جائے کہ سوائے سرور انبیاء اور کسی نبی کو تمام باتوں کا علم نہیں دیا گیا تھا بلکہ حسب ضرورت ان کے علم میں اضافہ کیا جاتا تھا۔ ہدہد کو جو علم از روئے مشاہدہ حاصل ہوا تھا وہ وقتی تھا لہٰذا اس کی وجہ سے علم سلیمان علیہ السلام پر اس کو فضیلت نہیں ہو سکتی۔

(۳) جناب سلیمانؑ کا چیونٹی کی بات سن لینا اور کئی میل ان میں سننا یہ بتاتا ہے کہ انبیاء کے حواس خمسہ عام انسانوں کے سے نہیں ہوتے ان کے ہر حاسہ میں ایک مخصوص قوت ہوتی ہے جناب ابراہیمؑ کی آواز کی قوت کا ذکر ہو چکا کہ جہاں جہاں انسان آباد تھے ان کی آواز پہنچ گئی

جناب یعقوب کے کوسوں دور سے پیراہن یوسف کی بو سونگھ لی حضرت ابراہیم کی نبوت بانمرہ لے ملکوت آسمان و زمین کی سیر کرنی۔

(۴) جب دیو نے حضرت سلیمان سے کہا کہ میں آپ کا دربار ختم ہونے سے پہلے اٹھا لاؤں گا تو یہ تاخیر حضرت سلیمان کو گوارا نہ ہوئی اور بلک جھپکتے اسے پر رضامند ہو گئے۔ بعض یاوہ گو مورخین نے لکھا ہے کہ ہدہد سے بلقیس کے حسن و جمال کا حال سنکر حضرت سلیمان اس پر عاشق ہو گئے تھے اس لئے جلد از جلد ملنے کے لئے تیار تھے۔ خدا ان احمقوں سے سمجھے جو اپنی کج فہمی سے وقار نبوت کو پامال کرتے ہیں

اول تو حضرت سلیمان نے یہ کہا ہی نہ تھا کہ مجھے اتنی تاخیر پسند نہیں یہ جو کچھ کہا تھا ان کے وزیر آصف برخیا نے کہا تھا پس انکی بات نہ ماننا ان کے علم کتاب اور خدا داد قوت کی توہین تھی۔ دوسرے حضرت سلیمان کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں وہ لوگ ملک پر چڑھائی نہ کر دیں کیونکہ ہدایا کا واپس کرنا سلاطین کی توہین ہوتا ہے۔

(۵) صرف اتنا معلوم کرنے کے لئے کہ بلقیس کی پنڈلی پر بال ہیں حضرت سلیمان نے کتنے طول عمل سے کام لیا کہ شیشہ کا فرش ہوایا اور اس کے نیچے پانی جاری کرایا۔ کیا اس کا پائنچا اٹھا کر نہ دیکھ سکتے تھے یا کسی عورت کے ذریعہ سے پتہ نہ چلا سکتے تھے۔ ایسا کہنے والے انبیا کو ایسا ہی بھیا سمجھتے ہیں کہ جب عورت کو چاہا پکڑ لیا اور جو حصہ اس کے بدن کا چاہا دیکھ لیا بھلا کیسے ممکن تھا کہ ایک نبی ایک نامحرم عورت کو قبل عقد ہاتھ لگا دیتا اور اس کا پائنچہ اٹھا کر اپنے جذبہ عشق کا اظہار کرتا۔ اب رہا کسی عورت کے ذریعہ سے یہ کام کرنا تو بلقیس معمولی عورت نہ تھی صاحب تخت و تاج تھی ایک معمولی عورت کا بے محابا اس کا پائنچہ اٹھا کر دیکھنا اسکی بہت بڑی عرفی توہین تھی

حضرت زکریا علیہ السلام کے حالات

حضرت زکریا داؤد علیہ السلام کی اولاد سے تھے بوڑھے ہو گئے مگر کوئی اولاد نہ ہوئی ایک دن بارگاہ ایزدی میں عرض کی پالنے والے میری ہڈیاں کمزور پڑ گئیں۔ میرے سر کے بال سفید ہو گئے بڑھاپے نے آگھیرا مگر اب تک تیری رحمت سے محروم ہوں۔ لاولد ہونے کی وجہ سے ہر وقت یہ خوف رہتا ہے کہ میرے بعد بیت المقدس کا انتظام کون کرے گا قوم کا رہنما کون بنے گا کہیں ایسا نہ ہو میرے مرتے ہی یہ سب دین حق سے پھر جائیں۔ اگرچہ میں بڈھا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے مگر تیرے نزدیک کوئی دشوار بات نہیں مجھے اپنے فضل سے ایک بیٹا عنایت کر جو میرا بھی وارث ہو اور اولاد یعقوب کا بھی۔ خدا نے انکی دعا قبول کی اور ایک فرشتہ کے ذریعہ سے یحیی علیہ السلام کی بشارت دی۔ جب فرشتہ نے یہ خبر سنائی تو انھوں نے کہا اس کی کوئی علامت بھی ہو گی اس نے کہا تم تین دن بات چیت نہ کر سکوگے مگر اشارہ سے پس سمجھ لینا کہ بچہ حالت حمل میں ہے چنانچہ چھ ماہ بعد حضرت یحیی پیدا ہوئے دنیا میں صرف دو ہی بچے ایسے ہیں جو چھ ماہ کے حمل کے بعد پیدا ہوئے اور زندہ رہے ایک حضرت یحیی دوسرے امام حسین علیہ السلام۔

حضرت یحیی کبھی بچپن میں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ نہیں کھیلے اگر انکی والدہ کہتیں کہ تم کیوں نہیں کھیلتے تو جواب دیتے کہ خدا نے مجھے کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کیا وہ محبت الہی میں ایسے چور تھے کہ اس کی یاد میں رات دن رویا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت زکریا وعظ فرما رہے تھے اثنائے تقریر میں دوزخ کا بھی ذکر آ گیا حضرت یحیی بھی ایک گوشہ میں بیٹھے سن رہے تھے یکایک دل میں ایسا خوف پیدا ہوا کہ دہاڑیں مار کر رونے

اور وہاں سے اٹھ کر پہاڑ کی طرف چلے گئے۔ سات دن پہاڑ کے دامنوں اور گھاٹیوں میں روتے پھرے ماں باپ کا صدمہ سے غیر حال تھا ہر طرف ڈھونڈتے پھرتے تھے آخر پتہ چلا کہ ایک غار کے اندر بیٹھے رو رہے ہیں جب ماں باپ کو دیکھا تو وہاں سے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے روک کر کہا تمہارا یہ رونا کس وجہ سے ہے کہنے لگے دوزخ کے تصور میں رو رہا ہوں نہ معلوم خدا مجھے کہاں ڈالے گا مجھ کو کوئی بات اچھی نہیں لگتی، غرض انکی زاری دیکھ کر ساتھ لے آئیں۔ سات برس کی عمر میں دنیا سے قطع تعلق کر کے بیت المقدس کے ایک گوشہ میں جا بیٹھے اور وہیں یاد خدا کرتے رہے

بنی اسرائیل بڑے سرکش اور بگڑے ہوئے تھے انبیا کی سب سے بڑی تعداد انہی کی ہدایت کے لئے آئی مگر یہ ایسے خفتی القلب تھے کہ طرح طرح سے ان کو ستاتے بلکہ بے محابا ان کو قتل کر ڈالتے۔ جناب زکریا نے جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں زیادہ سختی کی تو وہ ان کے قتل پر آمادہ ہو گئے آپ ان کے خوف سے جنگل کے ایک کھوکھلے درخت میں جا چھپے۔ درخت نے اپنے اندر اس طرح لے لیا جیسے ماں بچہ کو پیٹ میں رکھتی ہے۔ تلاش کرتے کرتے انھوں نے پتہ چلا لیا اب یہ فکر ہوئی درخت کو کیسے چیرا جائے۔ شیطان نے ایک نیم کا پتہ لاکر دیا کہ ایسا آرہ بناؤ۔ چنانچہ ان بدبختوں نے درخت کو چیر کر اس نبی معصوم کے دو ٹکڑے کر دئے ۔ ہر زمانہ میں خدا کے نیک بندوں پر ایسے ظلم ہوتے رہے ہیں

حضرت یحییٰ بن زکریا کے حالات

مروی ہے کہ جب انطاکیہ والوں کی گمراہی حد سے بڑھ گئی تو حضرت عیسیٰ نے حضرت یحییٰ و یونس کو اپنے دین کے مطابق ان کی ہدایت کو بھیجا۔ جب یہ دونو شہر کے قریب پہنچے تو ایک بوڑھے آدمی حبیب النجار کو دیکھا تو اسے سلام کیا اس نے جواب سلام دے کر پوچھا تم لوگ کہاں جاتے ہو انھوں نے کہا ہم اس شہر والوں کو خدا کی عبادت کی طرف متوجہ کرنے اور بتوں کی پرستش سے روکنے کے لئے آئے ہیں وہ بولا تمہارے پاس کوئی دلیل بھی ہے فرمایا ہم لوگ دعا کر کے بیماروں کو شفا دیتے ہیں اس نے کہا میرے لڑکے کو جو عرصہ سے بیمار ہے اور تمام اطبا اس کے علاج سے عاجز آچکے ہیں اسے اچھا کر دو تو جانیں فرمایا اسے بلاؤ وہ دوڑا گیا اور لے آیا انھوں نے دعا کی تو وہ اچھا ہو گیا وہ فوراً ایمان لے آیا اس کے بعد یہ دونوں شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے پاس پہنچے اس سے بھی اسی قسم کی باتیں ہوئیں اس نے کہا تم لوگ ٹھہرو میں تمہارے بارہ میں غور کروں گا اب یہ حضرات اور لوگوں کی ہدایت میں مشغول ہوئے

ایک دن بادشاہ کی سواری جا رہی تھی کہ ان دونوں نے با آواز بلند تکبیر کہی بادشاہ کو یہ برا معلوم ہوا اس نے دونوں کو ایک بتخانہ میں قید کر دیا۔ جب یہ خبر حضرت عیسیٰ کو معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت شمعون کو جو آپ کے خلیفہ تھے ان کی مدد کو روانہ کیا جب یہ پہنچے تو شہر کے دروازہ پر جا کر کہنے لگے میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے خدا کی پرستش کروں غرض یہ بت اعزاز و اکرام کے ساتھ [illegible] کے پاس پہنچے اور اس نے بتخانہ کی اگر جا میں عبادت کرنے کی اجازت دیدی جہاں وہ دونوں مقید تھے ملاقات ہوئی ان سے کہا میں بادشاہ کے پاس بلیا دیکھ تم میری شناسائی کا اظہار نہ کرنا اس کے بعد یہ برابر بادشاہ کے پاس آتے جاتے رہے بادشاہ کو ان سے خاص خلوص ہو گیا اور اکثر امور میں ان سے مشورہ لینے لگا ایک دن موقع پاکر کہنے لگے کہ اس بتخانہ میں دو اجنبی آدمی کون ہیں بادشاہ نے کہا یہ دونوں ایک نئے دین

کا پیغام لے کر آئے تھے اس وجہ سے میں نے ان کو قید کر دیا۔ آپ نے فرمایا ان کو بلا کر پوچھنا چاہیے کہ آخر وہ کہتے کیا ہیں۔ غرض وہ بلائے گئے اور بادشاہ کے سامنے حالات دریافت کر کے پہلے ایک شخص کو بلایا گیا جس کے آنکھوں کے نشان بھی نہ تھے حضرت شمعون کی فرمائش پر دونوں نے دعا کی تو شگاف ہو گیا پھر دو ڈھیلے مٹی کے رکھ دیئے تو آنکھیں ہو گئیں تب حضرت شمعون نے پوچھا تمہارے خدا میں اور کیا قدرت ہے وہ بولے مردہ کو زندہ کر سکتا ہے شمعون نے کہا بھلا تم بادشاہ کے بیٹے کو جسے مرے ہوئے عرصہ ہو گیا زندہ کر سکتے ہو انھوں نے کہا ہاں چنانچہ وہ دونوں قبر پر گئے اور دعا کی وہ زندہ ہو گیا اور اس نے خود یہ بیان کیا کہ میں فلاں فلاں کی دعا سے زندہ ہوا ہوں پھر اس نے ان دونوں کو پہچان لیا تب تو وہ دونوں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جانے لگے بہرحال بادشاہ ایمان لے آیا مگر اور لوگ ایمان نہ لائے اور اپنے کفر پر اڑے رہے اور کچھ عرصہ بعد ان کو ستانا شروع کیا تب حبیب النجار نے سفارش کی لوگوں کو یہ ناگوار ہوا اور اس بیچارے کو اتنا مارا کہ مر گیا۔ سورہ یٰس میں بالاجمال اس واقعہ کا تذکرہ ہے۔

حضرت یحییٰ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کا ایک بادشاہ نہایت بدکار اور تند خو تھا جب اسکی بی بی بوڑھی ہونے لگی تو اس نے اپنی لڑکی سے جو پہلے شوہر سے تھی شادی کرنی چاہی چونکہ لڑکی بے حد حسین تھی بادشاہ بھی خواہش مند ہوا جب حضرت یحییٰ سے جواز کا فتویٰ طلب کیا گیا تو آپ نے انکار کیا اور فرمایا یہ فعل حرام ہے اس پر دعشق کا جنون سوار تھا غصہ میں بھر گیا اور قتل کی دھمکی دی فرمایا مجھے قتل ہونا گوارا ہے مگر خلاف حکم خدا کہنا گوارا نہیں۔ یہ سنکر اس نے ان کو قتل کر دیا جس مقام پر وہ شہید ہوئے تھے مدتوں تازہ خون جوش مارتا رہا ہر چند اس پر مٹی ڈالتے رہے مگر وہ ابلتا ہی رہا یہاں تک کہ ایک ٹیلہ بن گیا۔ جب تک اس خون ناحق کے بدلے ستر ہزار بنی اسرائیل موت کے گھاٹ نہ اترے اس کا جوش کم نہ ہوا۔ سوائے حضرت یحییٰ اور حضرت امام حسینؑ کے اور کسی شہید کے خون نے جوش نہیں مارا

حضرت ارمیا اور دانیال کا واقعہ

حضرت دانیال انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں ایک دن انھوں نے خواب میں کسی کو کہتے سنا کہ بابل کا رہنے والا ایک یتیم جس کا نام بخت النصر ہوگا بیت المقدس کو تباہ کرنے والا ہے اور بنی اسرائیل کو بری طرح قتل کرے گا۔ دانیال دوسرے ہی روز بابل روانہ ہو گئے تاکہ پتہ چلائیں ایک روز پتہ چلا کہ ایک لاوارث بچہ بستی سے الگ کوڑے گھر پر پڑا ہوا ہے کوئی اس کا پرسان حال نہیں بیماری سے اس کا بدن سڑ گیا ہے۔ دانیال اس کے پاس گئے نام پوچھا تو اس نے بخت النصر بتایا سمجھ گئے جس کی تلاش تھی وہ یہی ہے۔ آپ نے اس کے ساتھ اظہار شفقت کیا اور اسے وہاں سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے آئے اور علاج شروع کیا جب وہ بالکل تندرست ہو گیا تو آپ نے اس سے کہا میری اس خدمت کا صلہ ہونا چاہیے اس نے کہا میں کس قابل ہوں آپ نے خواب کا واقعہ بیان کر کے کہا تو بادشاہ ہوگا اور بنی اسرائیل کو قتل کرے گا میں چاہتا ہوں کہ اس وقت مجھے اور میرے خاندان کو نہ بھولنا اس نے وعدہ کر لیا اور ایک امان نامہ لکھ کر دیدیا

جب بخت النصر کی رت پھری اور وہ ساری سلطنت پر قابض ہو گیا تو پھر بنی اسرائیل کے لئے مصیبت بن گیا۔

بنی اسرائیل کی سرکشی اور ظلم پسندی تو انبیا کے لئے ایک بلائے بے درماں بنی ہوئی تھی ستر ستر نبیوں کے گروہ کے بعد دیگرے قتل کئے جاتے تھے حضرت دانیال نے بہت سمجھایا کہ عنقریب خدا تم پر تم ایک آتش پرست بادشاہ کو مسلط کرنے والا ہے جو روز قتل کرے گا اور بیت المقدس کو تباہ و برباد۔ انھوں نے کہا ہم کو تمہاری بات کا یقین نہیں اور ان کو قید کر دیا۔
بخت النصر نے چند روز بعد چڑھائی کی اور بنی اسرائیل کو محاصرہ میں لے کر سوائے بوڑھوں اور بیماروں کے سب کے قتل کا حکم دیدیا دانیال کے متعلق معلوم کیا تو لوگوں نے کہا وہ تو مر چکے ان کے دو بیٹے باقی ہیں اس نے حکم دیا ان کا کل خاندان امان میں ہے۔ اس حملہ میں ستر ہزار بنی اسرائیل بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دیئے گئے اور بیت المقدس کو لوٹ کر جلا دیا توریت کے نسخے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نذر آتش کئے گئے۔ بعد میں اسے پتہ چلا کہ دانیال زندہ ہیں قید میں ہیں اس نے ان کو قید سے آزاد کیا اور کہا آپ میرے ساتھ چلیں فرمایا میں یہیں رہنا چاہتا ہوں۔ بخت النصر اس کے بعد بابل چلا گیا۔ جو بقیۃ السیف تھے وہ دانیال کے پاس آئے اور توبہ تلا کرنے کے بعد ان سے کہا آپ ہمارے ساتھ مصر چلئے وہاں کے بادشاہ کو اپنی نصرت پر آمادہ کریں گے وہ ان کے ساتھ چلے گئے۔ تب بخت النصر کو پتہ چلا تو اس نے بادشاہ مصر کو لکھا ان کو ہمارے حوالہ کردو ورنہ جو حشر بیت المقدس کا ہوا ہے وہی تمہارے شہر کا ہوگا مصر کے بادشاہ نے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ دانیال نے بنی اسرائیل سے کہا تم خدا کی نافرمانی چھوڑو ورنہ بخت النصر کے ہاتھوں تمہاری بھی وہی گت بنے گی جو تمہارے یار و نکی بن چکی ہے۔ انھوں نے اس بات پر توجہ نہ کی آخر بخت النصر نے چڑھائی کر کے مصر کو تباہ کیا اور بنی اسرائیل کو چن چن کر قتل کر دیا۔

حضرت عزیر کا مر کر زندہ ہونا

حضرت عزیر بنی اسرائیل کے نبی تھے یہودی ان کو خدا کا بیٹا کہتے تھے بخت النصر کے قتل و غارت کے بعد جناب عزیر شہر کی خرابی اور قوم کی تباہی پر بہت کڑھتے اور یہ خیال پیدا ہوا کہ اب یہ شہر بسنے والا نہیں۔ بنی اسرائیل کے لاشوں سے گزرتے ہوئے بہت سے خدا کے نیک بندے بھی مقتول پائے گئے خدا سے کہنے لگے میرے معبود یہ تو بتا کہ بدوں کے ساتھ نیک بندے کیوں مارے گئے۔ اسی خیال میں ایک درخت کے نیچے پڑ کر سو گئے ایک چیونٹی نے انکی آنکھ میں کاٹا گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے پاس ہی چیونٹیوں کا سوراخ نظر آیا آپ نے اس سوراخ میں آگ بھر دی اور سب چیونٹیوں کو جلا دیا وحی ہوئی اے عزیر تمہاری آنکھ میں تو ایک ہی چیونٹی نے کاٹا تھا تم نے سب کو کیوں جلا دیا آخر ان کا کیا قصور تھا عزیر کا ندامت سے عجب حال ہوا بہت روئے اور خدا سے معافی مانگتے رہے ان کے دل میں یہ خیال باقی رہا کہ جو لوگ مر گئے ہیں اور گل سڑ کر خاک ہو گئے ہیں اب وہ کیسے زندہ ہونگے اس کو سمجھانے کے لئے خدا نے ان کو مار دیا سو برس تک وہیں مردہ پڑے رہے اس عرصہ میں بیت المقدس پھر آباد ہو گیا۔ خدا نے سو برس بعد ان کو زندہ کیا پوچھا اے عزیر تم کتنے دن اس حالت میں رہے عرض کی ایک دن یا اس سے کم فرمایا نہیں تم ایک سو برس مرے رہے اور دیکھو تمہارا کھانا اب تک خراب نہیں ہوا۔ اب کے گدھے کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں خدا نے ان پر کپڑا ڈال دو وہ گدھا بھی زندہ ہو گیا خدا نے فرمایا اے

عزیر اب تو ہماری قدرت کو سمجھے ۔ اس واقعہ سے مسئلہ رجعت صاف ہو جاتا ہے

حضرت جرجیس کا واقعہ

ملک شام میں ایک بت پرست بادشاہ تھا اس نے سونے کا ایک بت بنوایا تھا اور اس کے اندر مشک و عنبر بھرا تھا اور پر جواہرات جڑے تھے خود بھی اسے پوجتا تھا اور رعایا کو بھی اس کی پرستش پر مجبور کرتا تھا جو ایسا نہ کرتا اسے آگ میں ڈال دیتا حضرت جرجیس نے اس کو ایسا کرنے سے منع کیا ۔ بادشاہ کو ناگوار ہوا اور اس نے ان کو جلانے کا حکم دیا ۔ جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ وہاں سے صحیح سالم نکل آئے اب بادشاہ کا غصہ اور بڑھا اور اس نے حکم دیا کہ ان کو تیل کے کھولتے ہوئے کڑھاؤ میں ڈال دو لیکن وہ وہاں سے بھی صاف نکل آئے مجبور ہو کر چھوڑ دیا گیا ۔

ایک دن ایک بوڑھی عورت نے جرجیس سے کہا کہ میری ساری پونجی ایک گائے تھی اس کا دودھ پی کر دن گزار رہی تھی وہ مر گئی آپ دعا فرمائیں کہ وہ زندہ ہو جائے آپ کی دعا سے وہ زندہ ہو گئی یہ معجزہ جب مشہور ہوا تو تقریباً چار ہزار آدمی آپ پر ایمان لے آئے بادشاہ نے ان سب کو قتل کرا دیا اور حضرت سے کہا اگر تم نبی ہو تو میرے سامنے کوئی معجزہ دکھاؤ فرمایا کیا دیکھنا چاہتا ہے اس نے کہا جس کرسی پر میں بیٹھا ہوں اس کے چاروں پایوں سے پھل پھول سے لدے ہوئے درخت پیدا کر دو آپ کی دعا سے درخت پیدا ہو گئے وہ بدبخت پھر بھی ایمان نہ لایا اور کہنے لگا یہ تو جادو ہے ۔ آپ نے فرمایا عنقریب تم لوگوں پر عذاب آئے گا اور تم سب ہلاک ہو جاؤ گے انھوں نے مذاق اڑایا اور طرح طرح سے ستانے لگے ۔ حضرت نے بددعا کی ایک بجلی گری اور وہ سب ہلاک ہو گئے ۔

حضرت شمعون کا قصہ

حضرت شمعون بڑے طاقتور نبی تھے ان کے زمانہ کا بادشاہ بت پرست تھا اور سب رعایا ہم عقیدہ تھی ۔ جب وہ آپ کو ستاتے تو آپ بھی ڈنڈے سے خبر لیتے جب اس طرح کام نہ چلا تو انھوں نے آپ کی بی بی کو بہکایا کہ جب یہ سو جائیں تو ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دے اور ہم کو خبر کر دے ہم دروازہ پر موجود ہوں گے ۔ عورت نے جوں ہی اپنا کام ختم کیا آپ بیدار ہو گئے دیکھا تو بدن رسی سے بندھا ہوا ہے فوراً انگڑائی لی تو سارے بند ٹوٹ گئے ۔ بی بی سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا اس نے کہا میں آپ کی طاقت کو آزما رہی تھی آپ خاموش ہو رہے دوسرے دن بادشاہ نے بجائے رسی کے زنجیر بھیجی آپ نے اسے بھی توڑ دیا اب بادشاہ کو فکر ہوئی کہ زنجیر سے زیادہ مضبوط چیز کہاں سے لائے ۔ عورت نے کہا تم اس معاملہ کو میرے اوپر چھوڑ دو

ایک دن شمعون لڑائی سے واپس آئے تو بی بی نے کہا خدا نے آپ کو بڑی طاقت دی ہے بھلا تو بتائیے کہ جب آپ تھک

فرمایا ہاں اگر کوئی میرے سر کے اور بدن کے بالوں سے باندھ دے گا تو میں نہ توڑ سکوں گا۔ یہ سنکر وہ خوش ہوگئی۔ جب رات کو آپ سوئے تو اس نے آپ کے سر اور بدن کے بال کاٹ کر ایک رسّی بٹی اور اس سے آپ کو باندھ دیا گیا۔ جب آنکھ کھلی تو آپ نے پوچھا مجھے کیوں باندھا گیا ہے۔ اس نے کہا آزمانے کے لئے فرمایا کوئی چیز میرے اوپر غالب نہ آسکے گی تو میرے ہاتھ کھول دے اس نے کہا میں نے پہلے بھی چند بار ایسا کیا ہے مگر آپ نے کھولنے کو نہیں کہا فرمایا ایسی حالت میں زور لگاؤں گا تو میرے بدن کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ جب بادشاہ پر حضرت کی مجبوری ظاہر ہوئی تو اس نے ایک ہزار آدمی بھیجے کہ ان کے ہاتھ پاؤں اور ناک کان کاٹ کر میرے پاس لاؤ۔ جب وہ اس طرح اس ظالم کے سامنے لائے گئے تو اس نے حکم دیا کہ بالائے بام لے جاکر نیچے گرادو کہ بدن کی ہڈیاں چور چور ہو جائیں لوگوں نے ایسا ہی کیا مگر وہ زمین پر گرتے ہی پھر صحیح و سالم ہوگئے اور وہی پہلی سی قوت بدن میں آگئی اور آپ نے ان سے لڑنا شروع کیا اور ایک ایک بت پرست کو چن چن کر مار ڈالا۔ شمعون کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا مرد عابد و زاہد۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت عیسیٰؑ کے حالات

حضرت زکریاؑ کے زمانہ میں حنہ نامی ایک بڑی نیک بخت بی بی تھیں دنیا سے الگ تھلگ ہو کر عبادت خدا میں شب و روز بسر کرتی تھیں ان کے شوہر کا نام عمران بن ماثل تھا حضرت زکریا حنہ کے بہنوئی تھے۔ حنہ بیت المقدس کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ آخری عمر میں جب حاملہ ہوئیں تو خدا سے یہ نذر مانی کہ میرے پیٹ میں جو لڑکا ہے پیدا ہونے پر میں اُسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردونگی۔ اس وقت یہ دستور تھا کہ ماں باپ اپنی اولاد میں سے کسی کو اللہ کی نذر کردیتے تھے اور پھر ان سے عمر بھر دنیا کا کوئی کام نہ لیتے تھے۔ کاہنوں نے یقین دلادیا تھا کہ لڑکا ہوگا۔ لیکن پیدا ہوئی لڑکی حنہ کو بڑا صدمہ ہوا کہ میری نذر قبول نہ ہوگی کیونکہ لڑکی کو نذر کرنے کا دستور نہ تھا روروکر کہنے لگیں یا اللہ تو جانتا ہے کہ میں لڑکی جنی ہوں اور عورت مرد کی طرح نہیں ہوتی۔ میں نے اس کا نام مریم رکھا میں اس کو اور اسکی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان کے مکر سے ان کو بچائے رکھنا آواز آئی اے حنہ تمہاری نذر قبول ہے مریم عورت ہے تو ہوا کرے تم اس کو بیت المقدس کی نذر کردو۔

جب مریم سات برس کی ہوئیں تو ان کی ماں نے ان کو بیت المقدس میں لا بٹھایا۔ ان کی کفالت اور نگرانی پر قرعہ ڈالا گیا حضرت زکریا کا نام نکلا۔ چنانچہ مریم انہی کی نگرانی میں آگئیں۔ جناب زکریا نے بیت المقدس میں ایک حجرہ ان کو دیدیا کہ وہاں بیٹھی یاد خدا کرتی رہیں دروازہ اپنے ساتھ لے جاتے ایک بار ایسا ہوا کہ یہ حجرہ کو بند کر کے گھر چلے گئے شام کو آئے تو دیکھا مریم نماز پڑھ رہی ہیں اور خوشبو کی لپٹیں اڑانے والے میوے کھانے ایک خوان میں ان کے سامنے رکھے ہیں۔ بڑا تعجب ہوا پوچھا یہ کھانا کہاں سے آیا انھوں نے کہا یہ اللہ کے یہاں سے ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے

ولادت حضرت عیسیٰؑ | جب مریم چودہ برس کی ہوئیں تو ایک دن غسل کر کے نکلیں تو ایک خوبصورت جوان کو کھڑا ہوا پایا ڈر کر کہنے لگیں اگر تو مرد پرہیزگار ہے تو میں تیرے معاملہ میں خدا سے پناہ مانگتی ہوں اس نے کہا ڈرو مت میں تمہارے رب کا

کا رسول (جبریل) ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تم کو ایک صاف ستھرے بچہ کی بشارت دوں انھوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے میں کنواری ہوں میرا کسی مرد سے تعلق نہیں رہا اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں اس نے کہا میرے رب کا یہی حکم ہے یہ بات خدا کے نزدیک بہت آسان ہے۔ تمہارا بیٹا خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگا

اس کے بعد مسجد میں جاکر پھر عبادت خدا میں مصروف ہوگئیں اور اس بات کو کسی سے ذکر نہ کیا۔ جب درد زہ عارض ہوا تو کہنے لگیں کاش میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔ چپ چاپ وہاں سے نکل کر دور ایک میدان میں چلی گئیں اور ایک سوکھے کھجور کے درخت کے نیچے جا بیٹھیں وہیں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے آپ کی برکت سے کھجور کا درخت ہرا بھرا ہوگیا اور رسیلی کھجوریں ٹپکنے لگیں اور پانی کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ کھجوروں کے کھاتے ہی چھاتیوں میں دودھ بھر آیا اور حضرت عیسیٰ کو پلانے لگیں۔ جب حضرت عیسیٰ کو وہاں سے گود میں لئے ہوئے چلیں تو یہودیوں نے آگھیرا اور کہنے لگے اے نیک بخت بی بی یہ کیسی عجیب بات تم سے ظاہر ہوئی نہ تو تمہارا باپ ہی کوئی بدکار آدمی تھا اور نہ تمہاری ماں ہی ایسی تھیں۔ یہ سنکر انھوں نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھو انھوں نے کہا بھلا ماں کی گود میں پڑا ہوا بچہ کیسے بولے گا اشارہ سے کہا پوچھو تو بولے گا وہ قریب ہوئے تو حضرت عیسیٰ نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں (نا زادہ نہیں) اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور ہر طرح برکت ڈال رکھا دیا ہے۔ بعض تو ان پر ایمان لے آئے اور بعض نے کفر اختیار کیا

حضرت عیسیٰ کی ہدایت

ایک یا دو گھڑی کر پھر خاموش ہوگئے جب سیانے ہوئے تو سب بچوں کی طرح بولے جب بڑے ہوئے تو خدا کا حکم ہوا کہ لوگوں کو ہدایت کرو آپ نے بنی اسرائیل کے مجمع میں کہا میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہوں اور بشارت دیتا ہوں اس نبی کی جو میرے بعد آنے والا ہے اور جس کا نام احمد ہوگا یہود ہی تو پرلے درجہ کے شریر تھے ہی کہنے لگے ہم دین کو دیتی کو چھوڑ کر کسی دین کا اتباع نہ کریں گے۔ حضرت یہ سنکر بیدل ہوئے اور وہاں سے ایک گاؤں کی طرف چلے گئے دریا کے کنارے چند دھوبیوں کو کپڑے دھوتے دیکھا ان کے پاس جاکر کہا تم کپڑے تو صاف کرتے ہو مگر اپنا دل صاف نہیں کرتے انھوں نے کہا کیونکر صاف ہو تو کہ فرمایا سچے دل سے اللہ کے ایک ہونے اور میرے رسول ہونے کا اقرار کرو۔ اس بات کا ان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت ایمان لے آئے اور امر ہدایت میں آپ کو مدد دینے کا وعدہ کیا یہ حواری کہلاتے ہیں

اس کے بعد آپ یہودیوں کے پاس آئے اور اپنی نبوت کا ذکر کیا انھوں نے کہا اگر آپ نبی ہیں تو کوئی معجزہ دکھئے جیسے اور انبیاء دکھا گئے تھے فرمایا میں اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کر دیتا ہوں مُردوں کو جلاتا ہوں تمہارے گھر کے اندر کی چھپی ہوئی چیزوں کو بتا سکتا ہوں میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تم نے جو چیزیں اپنے اوپر حرام کر رکھی ہیں ان کو حلال کر دوں۔ میں خدا کی نشانیاں لے کر آیا ہوں پس خدا سے ڈرو اور میرا کہنا مانو کہ سیدھا راستہ یہی ہے۔ انھوں نے آپ کی نبوت کو مان لیا اور درخواست کی کہ کرلے دعا کیجئے کہ وہ ہم پر لذیذ کھانوں کا ایک خوان نازل کرے حضرت نے بارگاہ باری میں عرض کی بار الہا اپنے فضل سے ہم پر مائدہ نازل کر تاکہ وہ دن ہمارے پہلے اور پچھلوں کے لئے عید کا دن ہو پالنے والے تو ہم کو روزی دے تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے

یہ دعا قبول ہوئی اور ایک خوان نعمت آسمان سے نازل ہوا جس میں ایک تلی ہوئی مچھلی تھی کچھ ترکاری کچھ روغن زیتون اور سرکہ وغیرہ۔ بنی اسرائیل نے ان میں سے ایک چیز کو بھی نہ چکھا اور کہا ہم تو جب جانیں کہ آپ اس تلی ہوئی مچھلی کو زندہ کر دیں آپ نے یہ بھی کر دکھایا تب ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض نے پھر بھی نہ مانا۔

آپ نے چند محتاجوں کو بلایا، اور اپنے پاس بٹھا کر ان کو مائدہ کھلایا سب سیر ہو گئے اور مائدہ کی کسی غذا میں کمی نہ آئی جب رات آ گئی تو آسمان پر اٹھ گیا۔ جن لوگوں نے از راہ نخوت نہ کھایا تھا وہ بہت پچھتائے کیونکہ جس بیمار نے کھایا تھا اس کے بدن میں کوئی روگ نہ رہا اور کھانے والے جو غریب تھے مالدار ہو گئے۔

دوسرے دن وہ خوان پھر اترا اب تو امیر و غریب سب کھانے پر ٹوٹ پڑے ایک تلی ہوئی مچھلی کو ہزار آدمیوں نے کھایا مگر وہ بدستور اتنی ہی رہی۔ تین دن برابر یہی ہوتا رہا ایک روایت ہے کہ وہ چالیس دن آتا رہا اس معجزہ کو دیکھ کر بہت سے تو ایمان لے آئے اور بہت سے جادو کہہ کر ایمان سے بے نصیب رہے۔

ایک بار حواریوں نے خواہش کی کہ آپ اپنے لئے مکان بنوائیں فرمایا میرے پاس پیسہ نہیں انھوں نے کہا ہم بنوا دیں گے فرمایا تو اچھا جہاں کہیں میں کہوں وہاں بنواؤ وہ راضی ہو گئے آپ ان کو لے کر دریا کے کنارے آئے اور فرمایا ان بہتی ہوئی موجوں پر بنواؤ انھوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے فرمایا دنیا اور زندگانی دنیا کی یہی حالت ہے عقلمند ایسی جگہ کیوں گھر بنائے جہاں ایک دن قیام کا بھروسہ نہیں۔

ایک دن حضرت عیسیٰ نے لوگوں سے کہا توریت میں ہفتہ کے دن کو مبارک بتایا گیا ہے یعنی اس روز عبادت کے سوا کچھ نہ ہونا چاہئے اب خدا نے اس حکم کو اٹھا لیا اور ہفتہ کی بجائے اتوار کو مبارک دن قرار دیا ہے۔ یہودی یہ سن کر بگڑ گئے اور کہنے لگے حضرت موسیٰ کے بعد بہت سے نبی آئے کسی نے کتاب موسیٰ کو منسوخ نہیں کیا یہ نوجوان جس کے باپ کا بھی پتہ نہیں توریت کے حکم کو منسوخ کر رہا ہے واجب القتل ہے تاکہ دین موسیٰ اس کی دست برد سے محفوظ رہے۔ کافروں کے اس ارادہ کا پتہ ان لوگوں کو چل گیا جو ایمان لائے تھے لہٰذا وہ ہر وقت حفاظت کے لئے حضرت عیسیٰ کے ساتھ رہنے لگے یہودی موقع ڈھونڈتے رہے رفتہ رفتہ انھوں نے بادشاہ کو ورغلا کر ان کے قتل کا حکم حاصل کر لیا۔

حضرت عیسیٰ کے صحابیوں کو یہ معلوم ہوا تو بہت گھبرائے حضرت عیسیٰ نے ان کو تسلی دی کہ یہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتے تم خدا پر بھروسہ کرو اس کے بعد ایک مکان میں جس کو عین السلوک کہتے تھے چلے گئے یہودیوں نے آ کر گھیر لیا۔ حضرت کے حواریوں میں کئی آدمی منافق ثابت ہوئے ایک تو دیوار پھاند کر بھاگ گیا ایک نے یہودیوں سے سازش کر کے اس جگہ کا پتہ بتا دیا جہاں آپ روپوش تھے اللہ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ یہودی دروازہ پر جمع ہو گئے تھے کہ جب حضرت برآمد ہوں گے تو آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ جب انتظار کرتے کرتے اکتا گئے تو اندر داخل ہوئے خدا نے ان کے سردار کو حضرت عیسیٰ کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ یہودیوں نے اسے عیسیٰ سمجھ کر چاروں طرف سے گھیر لیا اس نے ہر چند غل مچایا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں میں تو تمہارا ساتھی شیوع ہوں مجھے چھوڑ دو مگر انھوں نے ایک نہ سنی، اور اس کو پکڑ کر باہر کھینچ لائے اور سولی پر چڑھا دیا تین دن تک وہ سولی پر لٹکا رہا۔

عیسائی کہتے ہیں کہ سولی حضرت عیسیٰ کو دی گئی قرآن کہتا ہے نہ تو ان کو قتل کیا گیا اور نہ سولی دی گئی بلکہ اللہ نے ان کو اٹھا لیا۔

اس سلسلہ میں چند باتوں پر غور کرنا ہے۔

(۱) حضرت مریم معصوم بی بی تھیں جب انکی کفالت کا مسئلہ درپیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت زکریا کی سپرد کیا کیونکہ وہ نبی معصوم تھے اور رہبان جو بیت المقدس کے خدمت گزاروں میں تھے ان کا ایمان قابل اعتماد نہ تھا کس قدر احمق ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ابوطالب کافر تھے، اور کافر مرے بھلا اللہ تعالیٰ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ خاتم الانبیا کی پرورش ایک کافر کی آغوش میں ہو جس نے موسیٰ کی پرورش خانہ فرعون میں آسیہ جیسی مومنہ سے کرائی اور جس کافرہ دائیوں کے دودھ سے انہیں بچایا وہ اپنے حبیب رسول کی پرورش ایک کافر سے کیسے کرا سکتا تھا۔

(۲) حضرت مریم وہ مقدس خاتون ہیں جو نجاست ظاہری اور باطنی سے پاک تھیں۔ یہودیوں نے جو زنا کا الزام ان پر لگایا تھا قرآن نے اس کی تردید کی ہے ان کا اصطفا کیا ہے انکی طہارت کا ذکر کیا ہے ایسی مقدس بی بی فعل بد کی مرتکب کیسے ہو سکتی تھی۔ پھر حضرت عیسیٰ نے آغوش مادر میں انکی عصمت کی گواہی دی۔

(۳) حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے ان کی ولادت اگر بیت المقدس میں ہوتی تو یہ بیت المقدس کا فخر تھا لیکن مصلحت الٰہی یہ تھی کہ یہاں ایسا نہ ہو وہ جانتا تھا کہ ایک قوم ان کے ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کرے گی لہٰذا اگر وہ بیت المقدس میں پیدا ہوئے تو ان کی گمراہی کو اور تقویت پہنچے گی اور یہ خیال قوی ہوگا کہ خدا کے گھر میں جو پیدا ہوا وہ یقیناً اس کا بیٹا ہے

(۴) حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں چونکہ اطبائے امراض کے علاج میں بڑا کمال پیدا کیا تھا اس لئے ان کو مردوں کو جلانے اور مریضوں کو اچھا کرنے کا معجزہ دیا گیا تاکہ ان کا سر نیچا ہو اور وہ حضرت عیسیٰ کی نبوت تسلیم کرنے پر مجبور ہوں

(۵) حضرت عیسیٰ کے بارہ میں ان کے دوست اور دشمن دونوں جہنمی قرار پائے ہیں دشمن اس لئے کہ انھوں نے زنا زادہ سمجھ کر انکی نبوت سے انکار کیا اور دوست اس لئے کہ انھوں نے خدا کا بیٹا مانا۔

(۶) حضرت عیسیٰ پر کتابی صورت کتاب نازل نہیں ہوئی بلکہ جو کچھ وحی ہوتی تھی وہ اسے اپنے حواریوں کو سنا دیتے تھے وہ اسکو یاد رکھتے تھے آپ کے رفع کے تیس برس بعد چار حواریوں نے انجیل کو چار حصوں میں جمع کیا۔ لوقا کی انجیل۔ مرقس کی انجیل۔ متی کی انجیل اور یوحنا کی انجیل یہی اناجیل اربعہ آج تک عیسائیوں میں مانی جاتی ہیں چونکہ علمائے یہود نے ان میں بہت سی تحریفیں کر دی ہیں لہٰذا یہ قابل اعتماد نہیں۔ قرآن نازل ہونے کے بعد تمام کتب سابقہ منسوخ ہو گئیں۔

واقعات سابقہ کے متعلق چند ضروری باتیں

بحمد اللہ اس کتاب کا حصہ اول ختم ہوا۔ سابقہ تمام واقعات کے سلسلہ میں چند باتیں بیان کرنا ضروری ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام بندوں تک پہنچانے کے لئے اپنے انبیا کو بھیجا تاکہ روز قیامت کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم تیرے احکام سے بے خبر تھے کوئی ہادی ہمارے پاس نہیں آیا ایک دو نہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار اپنے نمائندے ہر خطہ ارض پر بھیجے تاکہ حجت تمام ہو

یہ مختلف حیثیتوں کے لوگ تھے اور انکی تبلیغ کے دائرے بھی جداگانہ تھے

الف - بعض صرف ذات کے لئے نبی تھے ان کے عمل خیر سے لوگوں کو خدا پرستی اور اعمال صالحہ کی طرف توجہ ہوتی تھی

ب - بعض صرف اپنی بستی کے باشندوں کی ہدایت پر مامور تھے

ج - بعض کو ایک ہزار سے کچھ زیادہ کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا۔

د - بعض ایک خاص شہر کی ہدایت پر مامور تھے

ہ - بعض پوری قوم کے ہادی تھے جہاں جہاں بھی وہ قوم آباد ہو۔

و - صرف ایک نبی حضرت محمد مصطفٰے ایسے ہیں جو کافۃ الناس کی ہدایت کے لئے قیامت تک بھیجے گئے یعنی قیامت تک تمام نوع انسانی آپ کی امت قرار پائی۔

(۲) - پانچ نبی ایسے ہیں جو صاحب شریعت ہیں - نوح - ابراہیم - موسیٰ عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفٰے ان کو انبیائے اولوالعزم کہتے ہیں

(۳) بعض انبیا پر صحیفوں کی صورت میں احکام ربانی نازل ہوئے انکی تعداد ایک سو چار تھی

(۴) نبی وہ کہلاتا ہے جو کسی صاحب شریعت رسول کی کتاب کے مطابق لوگوں کو ہدایت کرے اور اس کی شریعت کا تابع ہو۔ لیکن اس تعریف سے حضرت محمد مصطفٰے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ اس وقت بھی نبی تھے جب نہ کوئی نبی تھا نہ تھا جیسا کہ حضرت نے فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم آب و گل میں تھے۔

(۵) تمام انبیا علم میں برابر نہ تھے کوئی کم تھا کوئی زیادہ ہر ایک کو اس کی امت کی ضروریات کے لحاظ سے علم دیا گیا سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے جن کو ہر اس چیز کا علم دیا گیا جس کو وہ نہیں جانتے تھے۔ اور یہ اس لئے کہ انکی نبوت کا دائرہ غیر محدود تھا جس کا سلسلہ قیامت تک جانے والا تھا پس جس قدر علوم و فنون اس وقت تک پیدا ہونگے ان سب کا عالم آپ کو بنایا گیا تاکہ کسی زمانہ کے علم والوں کو آپ پر فوقیت حاصل نہ ہو۔

(۶) کوئی نبی یا رسول دنیا کے کسی مدرسہ کا تعلیم یافتہ نہیں ہوتا بلکہ وہ براہ راست خدا یا اس کے رسول سے تعلیم حاصل کرتا ہے۔ تاکہ اور کسی استاد کو اس پر فضیلت حاصل نہ ہو۔

(۷) تمام انبیا خواہ کسی درجہ کے ہوں معصوم ہوتے ہیں یعنی اول عمر سے آخر عمر تک عمداً یا سہواً کوئی گناہ یا غیرہ ان سے صادر نہیں ہوتا اور نہ ان کو سہو و نسیان عارض ہوتا ہے

(۸) کوئی نبی یا رسول کبھی اپنے عہدہ سے معزول نہیں کیا جاتا۔

(۹) کسی نبی یا رسول کا یا اس کے وصی کا تقرر کبھی بندوں سے متعلق نہیں ہوا بلکہ اس کا انتخاب خدا کرتا ہے۔

(۱۰) اگر کوئی قوم کسی نبی یا امام کو نہ مانے تو یہ انکار اس کو نبوت یا امامت سے معزول نہیں کرتا وہ ہر حال میں عہدہ الٰہی پر رہتا ہے

(۱۱) ہر نبی کو اسکی قوم ہی میں سے بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ ان ہی کی زبان میں ان کو ہدایت کرے۔

(۱۲) تصدیق نبوت کے لئے انہیں کوئی معجزہ دیا جاتا ہے اور وہ ایسا امر ہوتا ہے کہ کوئی امت اسکی مثل کر کے دکھا نہیں سکتی

(۱۳) ہر رسول کے لئے نبی ہونا ضروری ہے لیکن نبی کے لئے رسول ہونا ضروری نہیں

(۱۴) ایک وقت میں صاحب کتاب رسول ایک ہی ہوتا ہے اسی کی شریعت پر سب کو عمل کرنے کا حکم ہوتا ہے دو شریعتیں ایک ساتھ نہیں چلتیں

(۱۵) کسی شریعت کے منسوخ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کے پہلے احکام غلط تھے بلکہ مفاد پرستوں نے احکام الٰہی میں تصرف کرکے کچھ سے کچھ بنا دیا اس لئے اس کی اصلاح کے لئے دوسری شریعت آئی جب بار بار یہی ہوتا رہا تو آخر کار خدا نے ایک مکمل شریعت شریعت محمدیہ بھیجی اور اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی اب یہ قیامت تک چلتی رہے گی کسی کی مجال نہیں کہ اس میں کمی بیشی کر سکے۔

(۱۶) انبیا ایک وقت میں بہت سے ہو سکتے ہیں مگر رسول صرف ایک ہی ہوتا ہے۔

(۱۷) رسول یا نبی یا امام کا یہ فرض نہیں ہوتا کہ وہ گھر گھر جاکر تعلیم و تبلیغ کرے بلکہ لوگوں کا یہ فرض ہے کہ جب اس کے وجود کا پتہ چل جائے تو خود اس سے ہدایت حاصل کریں۔

(۱۸) ہر نبی واجب الاطاعت ہوتا ہے اس کی اطاعت مطلقہ امت کی ہر فرد پر واجب ہوتی ہے اور نافرمانی باعث غضب الٰہی

(۱۹) ہر نبی کا عمل حجت ہوتا ہے۔ امت کا فرض ہوتا ہے کہ اسی کے مطابق عمل کرے۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مالدار اور عیش پسند بنا کر نہیں بھیجتا تاکہ کسی لالچ سے کوئی ایمان نہ لائے۔

(۲۱) بعض انبیا کو بادشاہت اس لئے دی گئی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ان کا مرتکب گناہ نہ ہونا اور دنیا سے الگ تھلگ رہنا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس کے محرکات سے محروم رہتے ہیں مالدار اور صاحب حکومت بنکر ایسا کرتے تو ہم جانتے۔ دوسرے انبیا کو بادشاہ بنانے میں یہ مصلحت بھی کارفرما تھی کہ حکومت الٰہیہ اور سیاست ربانیہ کے قوانین کا اجرا کریں اور خود عمل کرکے دکھائیں اور دوسروں کو ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔

(۲۲) انبیا پر مصائب کا نزول اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ وہ کسی جرم کی سزا ہوتی ہے بلکہ ان کے مدارج قرب کو بڑھانے کے لئے یا لوگوں کو یہ بتانے کے لئے کہ عام لوگوں کو جو فضیلت ان پر دی گئی ہے وہ ان کے اس نفس مطمئنہ کا صلہ ہے جو کسی مصیبت میں کتنی ہی بڑی ہو اپنے رخ کو خدا کی طرف سے نہیں موڑتے۔

(۲۳) انبیا اپنی ماند و بود کے طریقے نادار محتاجوں کے سے رکھتے ہیں بلکہ ان سے بھی کچھ گرے ہوئے تاکہ ان کی حالت پر غریبوں کو رشک نہ آئے۔

(۲۴) انبیا اپنی دینی خدمات کا اجر خدا کے سوا کسی سے نہیں چاہتے

(۲۵) اصول دین میں تمام انبیا کی تعلیم یکساں ہوتی ہے البتہ فروع میں جن کا تعلق اس زمانہ کی شریعت سے ہوتا ہے فرق پیدا ہو جاتا ہے

(۲۶) انبیا کے لئے احکام الٰہی جاننے کے تین طریقے ہیں (۱) بذریعہ خواب ان کو بتایا جاتا ہے (۲) کسی حجاب کے پیچھے سے آواز سنائی دیتی ہے (۳) فرشتہ وحی لے کر آتا ہے

(۲۷) فرشتہ انبیا کے سوا دوسری نیک ہستیوں کے پاس بھی آتا ہے اور بشکل انسان وہ اسکو دیکھتے ہیں جیسے مریم کے پاس آیا یا شب قدر ہر زمانہ میں آتے ہیں۔ فرشتہ کو اصلی صورت میں سوائے حضرت رسول خدا کسی نے نہیں دیکھا۔

(۲۸) وحی تشریعی صرف مرسلین سے متعلق ہوتی ہے۔ وحی بمعنی الہام عام ہے جیسے مریم کو وحی ہوئی بلکہ اس کا تعلق حیوانوں سے بھی ہے جیسے شہد کی مکھی کو خدا نے وحی کی۔

(۲۹) انبیا کے پاس فرشتہ بصورت انسان آتا ہے جیسے ابراہیم اور لوط کے پاس فرشتے نوجوانوں کی صورت میں آئے یا جناب رسول خدا کے پاس دحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے

(۳۰) خدائے بزرگ و برتر کی سرکار کے عہدے حسب ذیل ہیں۔

نبی۔ رسول۔ خلیفہ۔ امام۔ ولی۔ شہید۔

ان کے درمیان کیا فرق ہے اور ان کے مصداق کون کون لوگ ہیں۔ ان کی تعریف کیا ہے۔ ان کے درمیان امتیازات کا ضابطہ کیا ہے یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ علمائے اسلام نے ان لطیف و باریک فرقوں کو بتانے کی کوشش تو بہت کی ہے لیکن صحیح معنی میں عہدہ برآ ہو نہیں سکے۔ اور ہونا بھی نہیں چاہیے انسان کی کیا طاقت کہ ان مناصب جلیلہ کے حدود کو بیان کرے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے لہذا اعتراف عجز و تقصیر کا کر کے ایک دوسرے رخ کو دیکھیں

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بے بصیرت مسلمانوں نے ان مقدس اور صاحب عظمت الفاظ کے نورانی چہروں کو اپنی جہالت کے ناخنوں سے ایسا کھسوٹا کہ ان کی اصلی صورتیں مسخ ہو کر رہ گئیں آیئے لگے ہاتھوں ذرا اس حماقت کا جائزہ لیں۔

(۱) نبی۔ یہ وہی عہدۂ جلیلہ ہے جو سب سے پہلے انسان کو دیا گیا تھا رسول کی یہ حدیث کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین۔ (میں اس وقت نبی تھا جب آدم آب و گل میں ہی تھے) نبوت مقدم ہے خلافت سے۔ ان تین حرفوں (ن ب ی) میں کتنی عظمت و جلالت سموئی ہوتی ہے اور کتنی الوہی صفات اس کے اندر جلوہ فرما ہیں اس کا اندازہ یوں کیجیے کہ یہ تاج کرامت سب سے پہلے جس کے سر پر رکھا گیا وہ خدا کی اول مخلوق تھا لیکن جب دنیا کے جہالت شعار اور ناشستہ اطوار نے اس عہدہ الٰہیہ پر ہاتھ مارا اس کے حروف تو رہ گئے لیکن روحانیت کی چمک ماری گئی۔ کہاں مسیلمہ۔ سجاح۔ ابوالاسود عنسی اور پنجابی نبی وغیرہ اور کہاں نبوت

(۲) خلیفہ ـــ اس لفظ میں اتنا وزن ہے اور اس کے اختیارات میں اتنی وسعت ہے کہ ملائکہ بھی للچا گئے۔ خلافت آدم پر بزم آسمانی میں جو ہنگامہ ہوا قرآن میں پڑھ لیجیے۔ دنیاداروں نے اپنے اغراض کے پیش نظر اس وقار پر بھی ہاتھ مارا اور اس کو نقطۂ عروج سے اتار کر زمین پر لا ڈالا۔ جب نانی نصاری خلیفہ بن گئے تو اب ان ہڈیوں کے ڈھانچہ اور منڈے سر میں رہ گیا کیا

(۳) امام ـ کس کی طاقت کہ اس عہدہ دار کے روحانی اقتدار اور مخلوق الٰہی پر حاکمانہ تصرف کو بیان کرے سب سے پہلے اس خلعت خاصہ سے جس کو نوازا گیا وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کے بعد یہ تاج کرامت اوصیائے ختم المرسلین کے سروں پر سجایا گیا لیکن جب لفظ امام کی رگوں سے روحانی عظمت و وقار کا خون نکال دیا گیا تو دنیا میں نگی کہنے امام نظر آنے لگے لفظ رہ گیا مفہوم غائب

(۴) ولی ـ اس لفظ کی کسی وقت یہ عظمت تھی کہ خدا و رسول کی طرح اسکی اطاعت بھی بتائی گئی تھی۔ جب اس کی قسمت بگڑی تو ہر خرقہ پوش ولی بن گیا۔ جس کی جتنی عقل زیادہ ماری گئی اور دیوانگی زیادہ بڑھ گئی وہ سب سے بڑا ولی سمجھا جانے لگا

(۵) شہید ـ یہ بیچارہ بھی تمام لوگوں کے گھروں میں آ کر اپنی عصمت کھو بیٹھا۔ بکس پر چوٹ والا یا انگلی کٹانے والا بھی شہیدوں کی فہرست میں آ گیا

(۳۱) انبیا علیہم السلام کی زیادہ تعداد بنی اسرائیل میں پائی جاتی ہے حضرت یعقوب کا نام اسرائیل تھا ان کے بارہ بیٹوں سے جو نسل چلی وہ بنی اسرائیل کہلائی۔ یہ ایسی سرکش اور کفر پرست قوم تھی کہ انبیا کی زیادہ تعداد انہی کی ہدایت کے لیے آئی انہی کو یہودی کہتے ہیں

(۳۲) دین اسلام آدم سے لے کر خاتم الانبیا تک ایک ہی ہے یہ کسی زمانہ میں نہیں بدلا۔ اصول اسلام جو آدم کے وقت تھے وہ آج

بھی ہمیشہ نبی کی کوشش عمر بھر یہی رہتی تھی کہ اپنی قوم کو توحید پرست بنائے اور بت پرستی کا بیڑا غرق کرے۔
سب سے پہلے ہر نبی اپنی امت سے کہتا تھا اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانو۔ اس کے بعد اپنی نبوت کا اقرار کراتا تھا۔ اس کے بعد قیامت کا اقرار۔ اور عقلی دلائل سے ان اصول سہ گانہ کو سمجھاتا تھا
ہدایت کا کام آسان نہیں اس میں انبیا کو بڑا خون جگر پینا پڑتا تھا۔ آبا و اجداد کی تقلید میں جکڑے ہوئے کان لگا کر ان کی بات ہی نہ سنتے تھے وہ تو ایسے خداؤں کو پوجنا پسند کرتے تھے جن کا مجسمہ نظر کے سامنے ہو اور انبیا ایسے معبود کا بندہ بنانا چاہتے تھے جو کسی حاسہ سے محسوس نہیں ہوتا جس میں مخلوق کی کوئی بات ہی نہیں پائی جاتی۔ یہ ذہنی انقلاب یکایک نہیں پیدا ہو سکتا تھا اس کے لئے بڑی محنت کرنا پڑتی تھی اور بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا مگر انبیا تو انبیا ہی تھے ان کے ارادہ کا سا استحکام کس نے پایا

(۳۳) نبوت ہو یا رسالت اس کی کامیابی ملکی فتوحات پر نہیں ہوتی اور نہ یہ شرائط نبوت و امامت میں داخل ہے۔ اگر کوئی نبی ایک چھوٹا سا گاؤں بھی فتح نہ کرے تو بھی اسکی نبوت میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا اس کا کام تسخیر قلوب ہے تزکیہ نفس ہے بالیدگی روح ہے پس جن لوگوں نے فتوحات ملکی کو معیار خلافت و امامت یا استحقاق حکومت اسلامی قرار دیا ہے وہ نبوت و خلافت کو جبابرہ و سلاطین کی تلواروں کے سایہ میں بٹھانا چاہتے ہیں

(۳۴) اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کو ذریت انبیا میں قرار دیا ہے جیسا کہ آیہ وَآتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا سے ظاہر ہے یہ اس لئے ہے کہ اولاد انبیا کا اعزاز و احترام عام امت سے لاکھ درجہ زیادہ ہوتا ہے ان کو چھوڑ کر دوسروں کو دینا نسل انبیا کی توہین ہے اور ان کے حقوق کا غصب

(۳۵) انبیا کبھی ایسے مرض میں مبتلا نہیں ہوتے جو باعث نفرت خلق ہوں جیسے جذام و برص وغیرہ

(۳۶) انبیا کا کام ہدایت کرنا ہے نہ کہ بجبر کسی کو اپنے دین میں داخل نہیں کرتے۔ اسلام کا زریں اصول یہ ہے لا اکراہ فی الدین پس جن لوگوں نے گلے پر تلوار رکھ کر مسلمان بنایا انھوں نے اسلام پر احسان نہیں کیا بلکہ ظلم کیا

(۳۷) سوائے خاتم الانبیا حضرت کسی نبی کی اولاد کو واجب نہیں کیا

(۳۸) سوائے آل رسول صلی اللہ علیہ و آلہ کسی نبی کی اولاد پر درود و سلام بھیجنے کا حکم نہیں

(۳۹) کسی نبی کی اولاد پر سوائے آنحضرتؐ صدقہ حرام نہیں کیا گیا۔ چنانچہ اولاد یعقوب نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا تصدق علینا (ہم کو صدقہ دیجئے) اگر حرام ہوتا تو ایسا نہ کہتے۔

(۴۰) سوائے قرآن مجید اور کسی رسول کی کتاب سے تحدی نہیں کی گئی یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ اس کی مثل کتاب لاؤ

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

حصہ اول ختم
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات انبیاء و آئمہ علیہم السلام

پر

تنقید و تبصرہ

حصہ دویم

حالات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنی اسرائیل کی آخری حجت حضرت عیسیٰ

حضرت عیسیٰ کے بعد تقریباً چھ سو سال تک نہ کوئی رسول آیا اور نہ کوئی کتاب نازل ہوئی۔ سلسلہ بنی اسرائیل کی آخری کتاب انجیل تھی۔ اس زمانہ کو جو مرسلین سے خالی رہا زمانہ فترت کہتے ہیں

تھے اور آخری کتاب انجیل تھی۔ اس زمانہ کو جو مرسلین سے خالی رہا زمانہ فترت کہتے ہیں۔ اگرچہ کوئی رسول نہیں آیا مگر حضرت عیسیٰ کے اوصیا

زمانہ کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہتا پھر یہ چھ صدیاں کیوں خالی رہیں۔ جواب یہ ہے کہ اگرچہ کوئی رسول نہیں آیا مگر حضرت عیسیٰ کے اوصیا

تبلیغ دین کرتے رہے بہرحال مدت ایزدی کا تسلسل کسی وقت رکی نہیں لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ اس تعلیم و تبلیغ کی رفتار دھیمی پڑ گئی تھی۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ کو خالی کیسے چھوڑ دیا گیا۔ اصلی سبب تو اس کا خدا ہی بہتر جانتا ہے بظاہر جو سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے

کہ بنی اسرائیل نے انتہائی سرکشی پر کمر باندھ لی تھی بہت کم لوگ ان میں ایسے تھے جو انبیا کی ہدایت پر عمل کرتے تھے ورنہ زیادہ تر تاز زمان

اور خدا کے باغی بندے تھے۔ مادیت ان پر اس حد تک غالب آگئی تھی کہ وہ بجائے انبیا کے بدکار سلاطین کے زمرہ میں شامل تھے

جہالت کا دور دورہ تھا اور طوائف الملوکی کا بازار گرم ہر طرف کشت و خون ہو رہا تھا انہیں دین سے زیادہ دنیا کی فکر تھی۔

یہ قانون قدرت ہے کہ جب کسی نعمت کی قدر نہیں ہوتی اور کفران نعمت کسی قوم کا شعار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کو سلب

کر لیتا ہے۔ من و سلویٰ کا نزول اسی لئے ختم ہوا۔ مائدہ کا آنا اسی لئے بند ہوا انبیا و مرسلین کی بعثت اسی لئے رک گئی تاکہ انہیں اپنی سرکشی

کی سزا اچھی طرح ملے وہ کسی نبی کی ضرورت کہ جس کا وجود باعث برکت ہوتا ہے اچھی طرح محسوس کرنے لگیں۔

چنانچہ وہی بنی اسرائیل جو یہود و نصاریٰ کے نام سے پکارے جاتے تھے نہایت بے چینی سے اس نبی کی آمد کا انتظار کرنے لگے جس کی پیشنگوئی

اپنی کتابوں میں پڑھ چکے تھے قرآن کہتا ہے وہ ان کو اس طرح پہچانتے تھے جیسے وہ اپنی اولاد کو پہچانتے تھے۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ احبار

طرح طرح ظلم کرنے والے تو اتنی حد کے دائرہ سے باہر ہو چکے تھے اس درجہ مشتاق بن جائے کہ آمد کی گھڑیاں گننے اور کاہنوں سے

آمد کا وقت معلوم کرتے اور اپنی اولاد کو وصیت کرتے کہ جب اس نبی کا ظہور ہو تو اس پر ایمان لانا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا

ہو گئے کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا اور جب ان کا ظہور بنی اسمٰعیل میں ہوا تو تعصب کی آگ ان کے دل میں بھڑک اٹھی اور حضور

کی نبوت پر ایمان نہ لائے۔ تاہم اگر کسی نبی کی ضرورت کا احساس نہ ہوتا تو دین خدا میں فوج در فوج لوگ داخل نہ ہوتے۔ اس

سے معلوم ہوا کہ چھ سو برس تک کسی نبی کے نہ آنے سے ان کے تمدن اور معاشرہ میں، ور اخلاقی اور روحانی قوتوں میں جو کمزوری

ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی اور بہیمیت و بربریت نے جو ظلم ان کی جانوں پر کیا تھا وہ نبی کی ضرورت کو ثابت کر رہا تھا

کسی ہادی کے نہ ہونے ہی کا تو یہ اثر تھا کہ سرزمین عرب صدیوں سے وحشت و بربریت کی لپیٹ میں آئی ہوئی تھی خانہ بدوشی نے ان

تمدن کا نقشہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا اور ان کے معاشرت کی رگ رگ میں ایسے کیڑے پڑ گئے تھے کہ مختلف خاندان والے ایک جگہ مل کر رہ

سکتے تھے جس سے مدنیت کے فوائد سے وہ یکسر محروم ہو گئے تھے۔ جہالت نے ان کی انسانیت کو مسخ کر کے درندوں کی صف میں لا کھڑا کیا

زبان سے زیادہ ان کی تلوار چلتی تھی۔ جب تک تلوار کی دھار سے خون نہ ٹپکے ان کی شجاعت مار سیاہ کی طرح بل کھاتی رہتی تھی۔

جہاں تین سو ساٹھ بتوں کی خدائی ہو وہاں امن و آشتی کی محفلوں میں گرمی کہاں اور اتحاد و یگانگت کے فرشتوں کا گزر کیسا۔ باہمی نزاع

کا ہر عقدہ نوک شمشیر سے کھولا جاتا تھا۔ جہاں زناکاری باعث فخر ہو وہاں نکوکاری سے کیا تعلق۔ جہاں لوٹ مار پر زندگی کا کاروبار

چلتا ہو وہاں ہمدردی و روا داری کیسی جہاں ہوا و ہوس کے بھوتوں کی عملداری ہو وہاں سکون و اطمینان کہاں۔ کسی قانون کی پابندی

انکی نخوت و رعونت کی پشت پر فولادی گھونسہ تھا۔ نوزائیدہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا ان کی سنگدلی کا بہترین کارنامہ تھا الغرض عیب تھے اور ہزاروں بدکاریاں تھیں تو بے شمار کوئی گنائے تو کہاں تک۔ اس صدیوں کے زنگ خوردہ لوہے کو آئینہ کی طرح چمکانا آسان کام نہ تھا۔ پہاڑوں کو کاٹ کر ہموار بنانا اور طوفانی تیز سیلابوں کی پرشکن موجوں کا زور خاک میں ملانا تھا۔ مشیت ایزدی نے اس قوم ضلالت شعار کی کایا پلٹنے کے لئے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو منتخب کیا

آنحضرتؐ کا ظہور

۱۲ ربیع الاول عام الفیل مطابق ۲۹ اگست ۵۷۰ء روز جمعہ وقت صبح فخر انبیاء مرسلین ختم نبوت کا تاج سر پر رکھے عالم نور سے کشور اجسام کی طرف آیا اسلام کی قسمت جاگی ایمان کا ستارہ اقبال جگمگایا۔ بنی ہاشم کے خاندان کو چار چاند لگ گئے۔ ایک یتیم بچہ ماں کی آغوش اور دادا کے سایہ عاطفت میں پرورش پانے لگا۔ حلیمہ سعدیہ اور ابولہب کی آزاد کردہ کنیز ثوبیہ کے دودھ کی دھاریں اس کی زندگی کی ضامن بنیں کیونکہ ماں کا دودھ خشک ہوگیا تھا یا اس لئے کہ اعرابی عورتیں قومی رسم کے مطابق پرورش کے لئے اپنے بچوں کو بدوی عورتوں کے سپرد کردیتی تھیں تاکہ کھلی فضا میں رہ کر ان کی صحت اچھی رہے۔

اسلامی مورخین کے نزدیک یہ دونو عورتیں کافرہ تھیں۔ اللہ اس ذہنیت پر رحم کرے۔ سرور انبیا کے منہ میں اور کافرہ کی ناپاک چھاتی۔ یوسف نے تو کسی کافرہ دائی کی چھاتی کو منہ نہ لگایا اور فخر آدم و بنی آدم نجس دودھ کو غٹ غٹ پیتا چلا گیا اگر ایسی ناپاک باتوں پر ان کا ایمان راضی ہو جائے تو ہو جائے ہمارا ایمان تو اس کو قبول نہیں کرتا اگر اس زمانہ میں ملت ابراہیمی کا وجود تھا تو یہ کتے منہ میں کیوں چھالے پڑتے ہیں کہ یہ دونو عورتیں ملت ابراہیمی پر تھیں اور خدائے واحد پر ایمان رکھتی تھیں۔ ثوبیہ کے کفر پر مورخین کا ایمان اس لئے راضی ہو گیا کہ وہ ابولہب جیسے کٹر کافر کی کنیز تھی لیکن اس طرف نظر نہ گئی کہ وہ آزاد کردہ کنیز تھی۔

حضور سرور کائنات کی پرورش ابتداً عبد المطلب سے متعلق ہوئی بعد میں یہ سعادت ابوطالب نے حاصل کی ہمارے عقیدہ میں درایتاً اور روایتاً یہ دونو بزرگ مسلمان تھے ورنہ اللہ تعالیٰ ناپاک کندھوں پر یہ بار نہ رکھتا

۱۱ نومبر ۱۹۷۰ء کے روزنامہ جنگ میں ایک صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ عبد المطلب اور ابوطالب کے مسلمان ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اسوقت اسلام تھا کہاں" یہ ہے ہمارے مسلمان اہل علم کا علمی اور تحقیقی افلاس گویا مضمون نویس کی تحقیق میں اسلام کا آغاز سرور دو عالم کی بعثت کے بعد ہوا۔ اسلامی لٹریچر کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اسلام کا وجود آدم کے وقت سے ہے قرآن بتاتا ہے کہ اس دین کے ماننے والوں کا نام مسلمان حضرت ابراہیم نے رکھا ہے ملۃ ابیکم ابراهیم وهو سماکم المسلمین۔

اگر یہ دونو کافر ہوتے تو خدا اپنے رسول کو کافروں کے گھروں اور کفر و شرک کے ماحول میں پرورش کیوں کراتا موسیٰ کی پرورش کے لئے تو خانہ فرعون میں آسیہ جیسی مومنہ کو رکھ چھوڑا تھا لیکن اپنے حبیب خاص کے لئے ویسا اہتمام نہ کیا کیسی تعجب خیز بات ہے اگر ابوطالب اور عبد المطلب کافر تھے تو لامحالہ جناب آمنہ اور فاطمہ بنت اسد بھی کافر ہونگی۔ سبحان اللہ خدا نے ختم نبوت کے لئے کیا اچھا گھر تجویز کیا۔ کفر محض۔

اگر عبد المطلب مسلمان نہ ہوتے تو جب ابرہہ فوج لیکر خانہ کعبہ کے منہدم کرنے کو آیا تھا اور اس کے فوجی ان کے اونٹ ہنکا کر لے گئے تھے اور آپ انکی رہائی کے سلسلہ میں اس سے ملے تھے تو اس نے کہا تھا آپ اونٹوں کی رہائی کے لئے تو بجھ سے درخواست کر رہے ہیں لیکن کعبہ کے لئے کچھ نہیں کہتے جس کو منہدم کرنے کے لئے میں آیا ہوں فرمایا اونٹ میری ملکیت ہیں اور اس گھر کا مالک دوسرا ہے وہ بچائے گا

تنقید و تبصرہ

جب وہاں سے واپس آئے تو آپ مع قریش سے کہا سب مل کر اللہ سے دعا کرو کہ وہ اس ظالم کو ہلاک کرے - اگر کافر ہوتے تو یہ کہتے بتوں سے دعا کرو - رہے ابوطالب کیا مزہ کی بات ہے کہ ان کے گھر والے تو کہیں کہ مومن تھے اور غیر کہیں کافر - گھر کی بات گھر والے زیادہ جانتے ہیں یا غیر دوسرے جب انھوں نے اپنے بیٹے علی کو آنحضرت کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا تھا تو اسی وقت ٹوکتے اور علی کو آئندہ ایسا کرنے سے روک دیتے اور رسول سے خفا ہو کر کہتے تم میرے بیٹے کو گمراہ کر رہے ہو - تیسرے حضرت کی شان میں قصیدے نہ کہتے چوتھے آپ کی پرورش منظور نہ کر لیتے اور اگر کر بھی لی تھی تو یہ شفقت پیش نہ آتے - پانچویں جب قریش نے بائیکاٹ کیا تھا تو اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے آنحضرت کو مجبور کرتے کہ وہ اپنی تبلیغ سے باز آئیں - چھٹے اگر کافر ہوتے تو الٹے سے اپنا عقد جو جناب خدیجہ سے ہوا نہ پڑھاتے - ساتویں آنحضرت اسلامی طور پر آپ کی تجہیز و تکفین نہ کرتے - آٹھویں ان کی وفات کے سال کو عام الحزن نہ کہتے -

قبل بعثت حضور کے مشاغل

ایک ریفارمر یا مصلح قوم کا یہ فرض ہے کہ وہ جس قوم کی اصلاح کے لئے کھڑا ہو پہلے اس کے عادات و اطوار - رسم و رواج اور طریقہ ماند و بود پر گہری نظر ڈالے اور غور کرے کہ کیا کیا باتیں قابل اصلاح ہیں اور ان کی اصلاح کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے - سرکار دو عالم بھی اپنے تبلیغی پروگرام کے متعلق چالیس سال تک غور فرماتے رہے اور ان کے معاشرہ کی چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نگاہ اعتبار میں تولتے رہے اور بتوفیق ایزدی آپ نے اصلاح کا وہ طریقہ سوچا جو یقیناً قوم کے ہر [illegible] مداوا تھا - آپ نے اسی ضرورت کے تحت حضرت ابوطالب کے ساتھ سفر شام کیا اور اسی سلسلہ میں تجارت جناب خدیجہ سے متعلق ہو کر عرب کے اور صوبوں میں بھی جانا پڑا - ہر جگہ کے لوگوں سے ملے ان کے عقاید و رسوم معلوم کئے

ایسی امت کی اصلاح کا کام آسان نہ تھا جس کی کوئی کل سیدھی نہ تھی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ آپ اپنی امت کے لئے ایک ایسا ضابطہ حیات پیش کرنا چاہتے تھے جو ہر حیثیت سے مکمل بھی ہو اور جس میں دین و دنیا دونوں کی فلاح و بہبود ہو اور عقل و فطرت دونوں کے کانٹے پر تلا ہوا ہو اس وقت پڑوسی ملکوں کا تمدن اثر انداز تھا ایک ایرانی تمدن جس میں عیش و عشرت کی بہار تھی - مینخانے جا بجا کھلے ہوئے تھے - شب و روز شراب ناب کے دور چلتے تھے رامشگران عقل و ہوش ربا کے رقص و سرود سے محفلیں گرم ہوتی - فلسفہ یہ تھا کہ انسان اس لئے پیدا کیا گیا کہ نعمات الہی سے لطف اندوز ہو اس زندگی کے بعد پھر کچھ نہیں جو کچھ کرنا ہے وہ یہاں کر لو جزا و سزا بے معنی بات ہے انسان کی طبیعت جس کام کرنے سے خوش ہو وہ حلال ہے جس سے دل گرفتہ ہو وہ حرام ہے - مرنے کے بعد کیا ہوگا یہ سوچنے کی ضرورت نہیں ع گزرنی جو ہوئی گزر جائے گی - نقد کو چھوڑ کر نسیہ کی طرف کون جائے - عمر کی مدت تھوڑی سی ہے جس قدر زیادہ ہو سکے خواہشیں پوری کر سکے ہو کہو زندگی کی غرض و غایت عیش کوشی اور بادہ نوشی ہے باقی ہیچ - حضور سرکار دو عالم نہیں چاہتے تھے کہ امت میں یہ دین پھیلے اور وہ دین کو چھوڑ کر ہمہ تن دنیا پرست بن جائیں - یہ ضابطہ حیات تو سراسر انہماک فی الدنیا ہے

دوسرا تمدن نصاریٰ و رومیوں کا تھا جو انسان کو رہبانیت کی طرف لیجانے والا تھا - بودھ اور ہندوازم بھی یہی تعلیم دے رہا تھا ان کا فلسفہ یہ تھا کہ جب تک انسان علائق دنیا کی زنجیروں کو توڑ کر بیابانی و دو گوشہ کسی پہاڑ کی کھو یا کسی دریا کے کنارے یا جنگل اور میں کبھی خانقاہ کے اندر بیٹھ کر خدا کی یاد نہ کرے گا اس کی مکتی نہ ہوگی اور وہ خدا کے بدن کا جزو نہ بنے گا - ان کے نزدیک سب سے بڑی نیکی یہی ترک دنیا تھی - چنانچہ سرزمین عرب پر مشیار مرد و عورت جو رہبان و احبار و قسیس کہلاتے تھے جا بجا گوشہ نشین پائے جا

یہ دونوں صورتیں سخت خطرناک تھیں۔ پہلی صورت میں دین سے انسان کا تعلق قطع ہو جاتا ہے اور نفس پرستی نوع انسانی پر فتنہ و فساد کے دروازے کھول دیتی ہے دوسری صورت میں انسان کا تعلق ابنائے روزگار سے باقی نہیں رہتا اور بجائے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے ان کا وجود ان کے معاصرین پر بار ہو جاتا ہے اگر سب لوگ اسی طرز زندگی کی طرف مائل ہو جائیں تو انسانی تمدن و معاشرہ ملیامیٹ ہو جائے لہذا حضور سرکار دو عالم نے ان دونوں طریقوں سے ہٹ کر اپنی امت کے لئے ایک نیا راستہ تجویز کیا۔ یعنی دنیا و دین دونوں کو سمو دیا۔ جس سے انسان کا تعلق دنیا سے بھی رہے اور آخرت سے بھی۔ فرمادیا دنیا مزرعہ آخرت ہے جو یہاں بوؤ گے وہی آخرت میں کاٹو گے۔ یہ نظام حیات ایسا مکمل تھا کہ اول عمر سے آخر عمر تک زندگی کی ہر چھوٹی بڑی موڑ پر رہنمائی کرنے والا تھا۔

نیز اعلان نبوت سے پہلے آپ کو اپنے خاندان میں کچھ ایسے لوگ بھی تیار کرنا تھے جو آپ کی نبوت کی تصدیق بھی کریں اور آغاز کار میں آپ کو مدد بھی دیں چنانچہ بایمائے ربانی آپ نے اس غرض کو پورا کرنے کے لئے علیؑ کو اپنی پرورش میں لے لیا۔ بعثت سے پہلے تولید مثل کی قوت کا ظہور آپ سے ہوا اور حضرت علی کو اپنے نقش قدم پر چلا کر اپنی سیرت کا ایک بہترین نمونہ عمل لوگوں کے سامنے پیش کر دیا

حضرت خدیجہ سے عقد | حضرت خدیجہ عرب کی بڑی متمول خاتون تھیں ان کے والد خویلد تجارت کرتے تھے ان کے مرنے کے بعد جناب خدیجہ باپ کے سرمایہ کی مالک بنیں اور تجارت کا سلسلہ جاری رکھا آنحضرت بطور ایک کاربرداز کے ان کا مال لے کر کئی بار ملک کے مختلف حصوں میں گئے چونکہ پوری دیانت داری سے خرید و فروخت کی گئی اس لئے کافی نفع ہوا اور آنحضرت کی دیانت اور ایمانداری کا جناب خدیجہ کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ یہاں تک کہ خود پیغام دے کر حضرت سے شادی کرلی۔ نکاح کا خطبہ حضرت ابو طالب نے پڑھا جس میں خدا کی حمد و ثنا کی۔ مسلمان غور کریں اگر ابو طالب کافر ہوتے تو خطبہ میں حمد خدا کیوں کرتے اور آنحضرت ایک کافر سے نکاح کیوں پڑھواتے

اسلامی مورخین لکھتے ہیں وقت نکاح حضرت کی عمر پچیس سال تھی اور جناب خدیجہ کی چالیس سال۔ مورخین کا یہ بیان بہت غور طلب ہے کوئی روایت جب تک درایت کی کسوٹی پر کھری نہ اترے قابل وثوق نہیں ہو سکتی۔

ازدواجی تعلق میں عموماً اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ عورت کی عمر مرد کی عمر سے کم ہو کیونکہ عورت مرد سے پہلے بڑھیا ہو جاتی ہے چونکہ وہ مرد سے چھ سال پہلے بالغ ہوتی ہے اس لئے اسکی قوت توالد و تناسل بھی مرد سے پہلے ختم ہو جاتی ہے لہذا زوجہ شوہر سے کم عمر ہونی چاہیے۔ فطرت چالیس برس کے بعد عورت کو بیکار بنا دیتی ہے پھر ایسی عورت سے شادی کرنا اپنی نسل کو تباہ کرنا ہے

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ پر نظر کیجیے آپ کی عمر ۲۵ سال ہے عالی خاندان ہیں اس وقت تک اہل مکہ آپ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے آپ کو صادق اور امین سمجھتے تھے ایسی صورت میں ایک جوان لڑکی آپ کی آسانی کے ساتھ مل سکتی تھی پھر کیا وجہ کہ آپ نے ایک ادھیڑ عمر کی بیوہ سے شادی کی۔ اس کی محرک دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو حسن پر فریفتہ ہوئے یا دولت پر۔ چالیس برس بعد عورت کا حسن ایک کملایا ہوا پھول ہوتا ہے اگر اس پر ریجھے تو قیاس میں آنے والی بات نہیں اور اگر مال کی طمع دامنگیر ہوئی تو یہ تقدس نبوت کے ماتھے پر داغ تھا حضور نے خود فرمایا ہے کہ حسن اور دولت پر ریجھ کر شادی نہ کرو کہ اس کا انجام فتنہ و فساد ہوتا ہے۔

جب یہ دونوں صورتیں قرین عقل نہیں تو ماننا پڑے گا کہ حضرت خدیجہ کنواری تھیں جیسا کہ علامہ ابن شہر آشوب مازندرانی نے اپنی معتبر و موثق کتاب مناقب میں لکھا ہے انھا کانت باکرہ (وہ باکرہ تھیں)

تنقید و تبصرہ

مورخین کا بیان ہے کہ جناب خدیجہ ۱۵ سال بیوہ رہیں اس کے بعد حضرت سے عقد کیا سوال یہ ہے کہ ایک میمون خاتون نے ۱۵ سال کیوں گنوائے
جبکہ تجارتی معاملات کے لئے ایک سرپرست کی ضرورت تھی۔

مورخین اسلام حضرت خدیجہ کے بطن اور آنحضرت کے صلب سے چھ اولادیں لکھتے ہیں چار صاحبزادیاں (زینب۔ رقیہ۔ کلثوم اور فاطمہ)
اور دو صاحبزادے (قاسم۔ طیب و طاہر) بعض نے طیب و طاہر علیحدہ علیحدہ دو نام بتلائے ہیں اگر بفرض محال پچاس سال کی عمر
تک بھی جناب خدیجہ کے اولاد ہوتی جاتی تو بھی دس سال میں چھ سات اولادیں کیسے ہوگئیں اگر دو دو سال کی بڑائی چھٹائی ہو تو اس کے
لئے بارہ یا چودہ سال کی مدت درکار ہے یعنی ۵۲ یا ۵۴ سال کی عمر تک اولاد ہوئی حالانکہ چالیس سال کے بعد عام عورتوں کا اور زیادہ سے زیادہ
پچاس سال زنان قریشیہ اور نبطیہ کا حیض بھی بند ہو جاتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ سال بسال حاملہ ہوتی رہیں تو مرد کے لئے شرعی حکم یہ ہے
کہ بچہ کی دودھ بڑھائی یعنی دو سال سے پہلے عورت سے مقاربت نہ کرے کیونکہ اگر حمل قرار پا جائے گا تو پہلے بچہ کا دودھ تقسیم ہو جائے
گا اور یہ اس پر ظلم ہو جائے گا اسی احتیاط کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مرد کو چار عورتیں بیک وقت رکھنے کی اجازت دی۔ بہرحال اس احتیاط
پر کوئی عمل کرے یا نہ کرے رسول کو تو ضرور کرنا چاہیے تھا۔ پس درصورت احتیاط دس سال کی مدت میں چھ سات اولادیں نہیں ہو سکتیں
کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا کے علاوہ تین لڑکیاں حضور کی اور بھی تھیں لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ یہ کس سنہ میں پیدا ہوئیں۔ صرف جناب
فاطمہ کا سنہ ولادت آج تک محفوظ ہے اور نہ اس کا پتہ کہ یہ کب مریں نہ انکی اولاد کا کہیں ذکر۔ ہاں اتنا پتہ چلتا ہے کہ دو صاحبزادیوں
کی شادی عتبہ اور عتیبہ فرزندان ابولہب سے ہوئی تھی اور ایک کی ابوالعاص سے اور یہ تینوں کافر تھے۔ عقل حیران ہے کہ جو رسول رشتہ
کفر کو قطع کرنے آیا تھا جس نے اسلام کی محبت میں اپنے حقیقی چچا ابولہب کو چھوڑ دیا اس نے پے درپے اپنی تین لڑکیاں کافروں کو دینا کیسے گوارا
کر لیا۔ اگر کہا جائے کہ یہ واقعہ اعلان رسالت سے پہلے کا ہے تو رسول اعلان رسالت سے پہلے بھی رسول تھے اگر اس وقت ایسا کرنے کی
اجازت ہوتی تو قرآن میں اس کا کہیں ذکر ہوتا اور رسول کو متنبہ کیا جاتا کہ اب تو جو ہو گیا سو ہو گیا آئندہ ایسا نہ کرنا
ابولہب کو دیکھئے کہ وہ اپنے کفر میں اتنا سخت کہ اس نے اپنے دونوں بیٹوں سے طلاق دلوا دی اور رسول معاذ اللہ ایسے کمزور ایمان والے
کہ وہ دھڑا دھڑ کافر بچوں کو اپنی لڑکیاں دیتے چلے گئے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ رسول زادیاں نہ تھیں بلکہ کسی اور بدن کی بوٹی تھیں
علاوہ ازیں کیا وجہ کہ فاطمہ کی شادی میں یہ اہتمام کہ بے اذن خدا ان کا رشتہ نہ ہوا اور باقی لڑکیوں کے بارہ میں یہ سرد مہری کہ خدا کا کیا ذکر
بندوں سے بھی مشورہ ندارد۔ پھر فاطمہ کی تعریف میں بے شمار احادیث بیان فرمائیں اور ان لڑکیوں کے لئے زبان رسول بالکل خاموش۔ نہ
رسول کے یہاں ان کا آنا جانا ثابت نہ ان کے شوہروں کی آؤ بھگت نہ ان کے بچوں پر لاڈ پیار۔ کافروں کو چھوڑ و حضرت عثمان جن کو ذوالنورین
کہا جاتا ہے انکی دامادی کے سر پر بھی شفقت کا سہرا بندھا نظر نہیں آتا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ لڑکیاں آنحضرت کی لے پالک تھیں۔ عرب کا دستور تھا کہ
لے پالک کو بھی بیٹوں اور بیٹیوں میں شمار کرتے تھے جیسے زید بن حارثہ کو لوگ ابن رسول اللہ کہتے تھے

اسلام کے دو محسن اعظم

کسی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے دو باتیں بہت ضروری ہیں اول کسی ایسے ذی اقتدار اور
صاحب اثر انسان کی سرپرستی جو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے دوسرے دولت کہ اس کے سہارے لوگوں کی مدد کرے جو اس تحریک کے
مؤید ہوں۔ آنحضرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں انتظام کر دئے۔ ابو طالب کا وقار آپ کو دشمنوں کے شر سے بچاتا رہا اور جب تک

آپ زندہ رہے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آپ کو ٹیڑھی نظر سے دیکھے دوسرے جناب خدیجہ نے اپنی ساری دولت حضور کے قدموں پر ڈال دی اعلانِ رسالت کے بعد مشرکین مکہ آپ کے کھلم کھلا دشمن ہوگئے اور آپ کی تبلیغ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنے لگے جو لوگ مسلمان ہوگئے تھے ان کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔ ان کا مال چھین لیتے۔ ان کو گھر سے نکال دیتے۔ بخت۔ بہت تکلیفیں دینے والے ان کا بائیکاٹ کر دیتے۔

آنحضرت نے مال خدیجہ سے جو اسلام کی خدمت انجام دی اسکی صورت یہ تھی۔

(۱) ان غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کرایا اور ان کی خریداری میں کثیر رقم صرف کی کیونکہ آقا لوگ یہ سمجھ کر کہ جتنا ہم مانگیں گے یہ مجبوراً ہم کو دیں گے

(۲) جن کے گھر لٹ گئے تھے ان کو دوبارہ اپنی حالت درست کرنے کے لئے رقمیں دیں

(۳) جو نادار و محتاج تھے ان کے نفقہ کا بندوبست کیا

(۴) ہجرت اولیٰ کے سلسلہ میں جو لوگ حبشہ بھیجے گئے ان کو زادِ راہ دیا اور ملکِ غیر میں رہنے کے لئے اتنا مال دیا کہ وہ وہاں کسی کے دست نگر نہ بنیں۔

جناب خدیجہ کی کثیر دولت ان ضرورتوں میں بے دریغ صرف ہوتی رہی مگر وہ کتنی عالی حوصلہ خاتون تھیں کہ انھوں نے اپنی دولت لٹانے میں ذرا تامل نہ کیا۔ مثل مشہور ہے کہ عورت کا زیور گہنے کا رس ہوتا ہے جو بڑے دباؤ سے نکلتا ہے لیکن خدیجہ نے یہ مثل اپنے اوپر صادق نہیں آنے دی زرِ نقد کے علاوہ اپنے بدن سے چھلا چھلا اتار کر حضور کے سامنے رکھ دیا۔ آنحضرت کی ازواج میں کوئی بی بی بھی اس داد و دہش میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر یہ دولت آپ کے قبضہ میں نہ آگئی ہوتی تو آپ کو بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا ان حالات پر نظر رکھنے والا یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ ابو طالب اور خدیجہ اسلام کے سب سے بڑے محسن تھے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ان کی قدر نہ کی۔ ابو طالب کا کفر اس لئے ثابت کیا کہ وہ علی کے باپ تھے اور خدیجہ سے رشتہ عقیدت اس لئے قطع کیا کہ وہ فاطمہ کی ماں تھیں اور انکی بیوہ تھیں اس لئے ثابت کی کہ باکرہ بیاہی آنے کا فخر صرف حضرت عائشہ کے لئے رہے۔

زید بن حارثہ | آنحضرت کے زمانہ میں غلاموں اور کنیزوں کی خرید و فروخت کی رسم تمام ملکوں میں جاری تھی۔ بردہ فروش ان کو منڈی بازار پر لا کر جانوروں کی طرح فروخت کرتے تھے۔ جوق جوق لوگ آتے اور اپنی پسند کے مطابق ایک ایک دو دو اور چار چار خرید کرتے۔ اہلِ زمانہ کی بدمذاقی کا یہ عالم تھا جس کے پاس غلام اور کنیزیں زیادہ ہوتیں وہ قبیلہ کا ایک معزز و ممتاز شخص سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ رسم بری طرح جگہ پکڑ چکی تھی اس لئے اس کا سدباب آسان کام نہ تھا۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں اس مصیبت زدہ طبقہ کی کوئی فرد موجود نہ ہو اسلام نے بہت سی مصلحتوں پر نظر رکھ کر اس کو جاری تو رکھا لیکن بہ نسبت ان کو قید و بند میں رکھنے کے آزادی بہتر و زیادہ بہتر سے گناہوں کا کفارہ غلام آزاد کرنا مقرر کیا۔ غلاموں کو آزاد کرنے کا بڑا اجر رکھا اور باعث خوشنودیٔ خدا بتایا آقاؤں کو تاکید کی گئی۔

(۱) انکی طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لیا جائے (۲) ان کو پیٹ بھر کر کھانا دیا جائے (۳) حسب حیثیت لباس دیا جائے (۴) ان کا قصور حتی الامکان معاف کیا جائے (۵) ان کو شادی بیاہ سے نہ روکا جائے (۶) اگر وہ کچھ معاوضہ دے کر اپنے کو آزاد کرانا چاہیں تو اسے منظور کر لیں (۷) اگر بیمار ہوں تو پوری توجہ سے ان کا علاج کیا جائے (۸) حسن خدمت کے صلہ میں ان کو انعام دیا جائے

(٩) اگر کوئی مسلمان کنیز یا غلام کسی کافر کی ملکیت ہو تو سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ اس کو خرید کر کے آزاد کر دیا جائے (١٠) ان کو اپنے خاندان کی ایک فرد سمجھا جائے (١١) ان کو تصور پر سخت جسمانی سزا نہ دی جائے (١٢) ان کے کام اور راحت کے اوقات معین کئے جائیں (١٣) گھر کے کام ان کو اپنے اور ان کے درمیان تقسیم کیا جائے (١٤) ان کو شادی بیاہ سے اپنی راحت و آرام کی خاطر نہ روکا جائے۔

اسلام میں غلامی کے شرائط یہ ہیں ان قوانین پر محمد و آل محمد ہمیشہ عمل کرتے رہے اس کی ایک مثال زید بن حارثہ ہے۔ یہ غلام حضرت خدیجہ کے بھتیجے کی ملکیت تھا اس نے حضرت خدیجہ کو دیدیا تھا آنحضرت نے ان سے اپنے لئے مانگ لیا اور اس پیار اور محبت سے رکھا کہ لوگ اسے ابن رسول اللہ کہنے لگے۔ زید کا باپ حارثہ ایک روز حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ زید کو اس کے حوالے کر دیں۔ فرمایا اگر وہ جانا چاہتا ہے تو لیجاؤ مگر زید کے دل پر حضور کی شفقت اور محبت کا اتنا گہرا اثر تھا کہ باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اسی زید کے ذریعہ سے آپ نے عرب کی ایک جاہلانہ رسم کو توڑا۔ اقوام عرب میں دستور تھا کہ لے پالک کو شریک میراث بھی کرتے تھے اور صلبی بیٹوں کے تمام احکام اس سے متعلق کرتے تھے۔ نیز یہ کہ غلام کو حقیر سمجھ کر اس کی شادی اپنے قبیلہ کی عورت سے نہیں کرتے تھے۔ زید بن حارثہ جب جوان ہوا تو آپ نے اس کی شادی اپنی پھوپی زاد بہن زینب بنت جحش سے کر دی۔ خلاف رسم عرب زینب کو یہ رشتہ ناگوار تو ضرور تھا مگر خوشنودی خدا کے لئے منظور کر لیا۔ کچھ دن بعد فریقین میں نا اتفاقی کی صورت پیدا ہو گئی اور زید نے زینب کو طلاق دیدی چونکہ زینب کی عزت عرفی پر داغ لگا تھا اور وہ شکستہ دل تھیں لہذا آنحضرت نے تلافی مافات کے لئے ان سے عقد کر لیا۔

مخالفین اسلام نے اس واقعہ کو نہایت بھونڈے طریقے سے پیش کیا یعنی فرشتہ کو بھوت بنا دیا واقعہ پر سطحی نظر ڈال کر معاشقہ کی داستان چھیڑ کر اعتراضات کی بھرمار کر دی حالانکہ اس واقعہ میں جو مصالح مضمر ہیں وہ روح اسلام ہیں۔ یہ واقعہ قرآن میں مذکور ہے حضور نے زینب کا نکاح زید سے کر کے یہ بتا دیا کہ اسلام میں محمود و ایاز کا کوئی فرق نہیں مسلمان مسلمان کا کفو ہے ذات پات کی تفریق اسلامی آغوش میں پرورش نہیں پا سکتی اس عمل کے ذریعہ حضور نے معاشرہ کی ناہموار سطح کو برابر کر دیا اور زینب سے عقد کر کے یہ بتا دیا کہ لے پالک پر صلبی احکام نافذ نہیں ہو سکتے۔ اس میں ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ حضرت نے اپنے خاندان کی ایک معزز خاتون کا نکاح ایک غلام سے کر دیا تھا جو ان کی عزت کو بٹہ لگانے والا تھا یہی امر زینب پر شاق تھا اس میں اور تلخی اس وقت پیدا ہوئی جب زید نے طلاق دیدی چونکہ زینب ایک غلام کی زوجیت میں رہ چکی تھیں لہذا اب کوئی معزز آدمی ان سے شادی کرنے پر آمادہ نہ ہوتا اور زینب کی زندگی خاک در خاک ہو جاتی لہذا ان کی دل شکنی دور کرنے کے لئے اپنی زوجیت میں لے لیا اس طرح دو بری رسموں کا انسداد ہو گیا اور زینب کے اس احسان کا بدلہ بھی چک گیا کہ انھوں نے حضور کے کہنے سے ایک غلام کو شوہر بنانا منظور کر لیا تھا

زید بن حارثہ بہت بہادر آدمی تھا تمام غزوات میں ان کا شریک ہونا پایا جاتا ہے۔ جنگ موتہ میں حضور نے ان کو امیر لشکر بنایا تھا اسی جنگ میں وہ شہید ہوئے۔

بعثت رسول آنحضرت صلی اللہ و آلہ وسلم اڑتیس سال تک اپنی قوم کی مشرکانہ زندگی کے ہر پہلو پر غور کرتے رہے اور ان کی اصلاح کے لئے حکم خدا کے منتظر تھے۔ جب آپ ٣٨ ویں سال میں داخل ہوئے تو آپ کو کچھ غیبی آوازیں سنائی دینے لگیں لہذا آپ کو عزلت گزینی کا شوق پیدا ہوا کوہ حرا میں ایک غار تھا جو مکہ سے تین میل دور تھا یہ ٤ فٹ لمبا اور ١½ فٹ چوڑا تھا۔ خلوت کے لئے آپ نے

اس غار کو پسند کیا پہلے دو دو چار چار روز رہے پھر کئی کئی روز متواتر وہیں رہنے لگے۔ رجب اور رمضان کا پورا مہینہ وہیں گزرتا۔
جناب خدیجہ حضرت علی کو ساتھ لے کر جاتیں اور کھانا پانی دے کر چلی آتیں۔

نزول وحی جب حضرت کی عمر چالیس سال اور ایک دن کی ہوئی تو حضرت غسل کرنے کے لئے غار حرا سے نکلے دفعۃً فضا میں یہ آواز گونجی "اے محمد" بولنے والا کوئی نظر نہ آیا۔ یہ جبریل فرشتہ تھے جن کے ہاتھ میں ایک حریر کا ٹکڑا تھا۔ حضرت سے کہا اسے پڑھو فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتہ نے بغل میں لے کر ایسا دبایا کہ حضرت کو پسینہ آگیا۔ کہا اب پڑھو آپ نے پھر وہی کہا میں پڑھنا نہیں جانتا فرشتہ نے پھر زور سے دبایا تین بار ایسا ہی ہوا اس کے بعد آپ پر نور علم چمکا فرشتہ نے کہا پڑھو بسم اللہ الرحمن الرحیم اقرء باسم ربك الذی خلق الخ پھر جبریل نے زمین پر ایک پیر مارا تو ایک چشمہ نمودار ہوا۔ جبریل نے وضو کر کے بتایا اور ایک چلو سے پانی کا چھینٹا دیا اور خود آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور حضرت نے ان کی اقتدا کی جب فارغ ہوئے تو جبریل نے کہا وضو اس طرح کیا جاتا ہے اور نماز اس طرح پڑھی جاتی ہے ہاں یہ بات تو رہ ہی گئی کہ جبریل نے حضرت کا سینہ چیرا اور اندر سے آپ کا دل نکالا پھر دل کو چیر کر اس میں سے وہ سیاہ نقطہ نوچ کر پھینکا جو مرکز گناہ ہوتا ہے اس کے بعد سب کو جوڑ جاڑ دیا اس وقت سے آپ عالم ہو گئے

نور خلق اسلام کی بیان کردہ کہانی ہی کی زبانی دلیل نادانی ختم ہو گئی اب ہمیں اس داستان ہوشربا پر تبصرہ کرنا ہے۔
جن لوگوں کو نبوت شناسی کی سعادت نصیب نہیں وہ اس قسم کی بے تکی باتیں کیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ رسول کو اپنا ہی جیسا انسان سمجھا کرتے ہیں وہ اپنی بشریت کے تمام لوازم رسالت کے نورانی پیکر پر چپکایا کرتے ہیں جب ان کے نزدیک یہ طے ہو گیا کہ دینی معاملات میں عقل و فہم سے کام لینا گناہ ہے اور ابوہریرہ جیسے راست گو اصحاب کی ہر بیان کردہ حدیث پر آمنا و صدقنا کہنا ایمان کی سوکھی جڑوں کو پانی دینا ہے تو پھر ایسی دلچسپ کہانیاں تاریخ اسلام کے سینہ پر سنہری نقوش نہ بنیں تو کیوں نہ بنیں
ہماری عقل تو اس خرافات پر کبھی ایمان لا ہی نہیں سکتی۔ نبوت کیا ہوئی ایک تماشا ہو گیا اتنی سی بات پر کہ میں پڑھنا نہیں جانتا فرشتہ نے جن کی بے پناہ طاقت اندازہ سے باہر ہے حضرت کو ایک بار نہیں تین بار دھر کر ایسا دبایا کہ آپ پسینہ پسینہ ہو گئے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے اندر کوئی کثافت ایسی جم گئی تھی کہ ایک دو بار فشار دینے سے بھی نہ نکلی اور بمشکل تیسری بار دبانے کے بعد وہ پسینہ کے ساتھ نکلی تب خدا خدا کر کے اس بندے کا بدن صاف ہوا جس کو قرآن نے نور کہا ہے یعنی جب آئینہ کا زنگ کھرچا گیا تب پاک ہوا اور جب اس میں چمک آئی اور حضور پڑھنے کی قابل ہوئے۔ اگر وحی کا مفہوم یہی ہے تب تو معلوم کتنی بار جبریل نے دبوچا ہوگا۔ نزول قرآن کے وقت تو بڑی دقت پیش آئی ہوگی اور ایک ایک لفظ بتانا پڑا ہوگا۔ سمجھ میں نہیں آتا فرشتہ کی اس زور آزمائی کے بعد زندہ کیسے رہے اور سب سے بڑی عجیب بات یہ ہے کہ خدا نے تعلیم دینے کا یہ طریقہ حضور ہی سے کیوں مخصوص کیا۔
اس سے بھی زیادہ عقل ربا اور ہوش شکن واقعہ شرح صدر کا ہے جس طرح ہسپتالوں میں ڈاکٹر اپریشن کر کے اندر سے کوئی تکلیف دہ چیز نکال لیا کرتے ہیں معاذ اللہ اسی طرح رسول کا اپریشن بھی ہوا دل کے اندر سے گناہوں کی جڑ نوچ کر پھینک دی گئی اور پھر مرہم پٹی کر کے درست کر دیا گیا۔ یہ بیان آنحضرت کی نبوت کی انتہائی توہین ہے۔ یار لوگوں نے یہ مضمون اس آیت کو سمجھانے کے لئے پیدا کیا ہے

الم نشرح لک صدرک (کیا ہم نے تمہارے سینہ کو کشادہ نہیں کیا) یہی تو ہے چیرنا یعنی حق کو سمجھانے کے لئے رسول نے قرآن کے ساتھ اہلبیت کو کیا تھا۔ جناب موسیٰ نے یہ دعا کی تھی رب اشرح لی صدری (پالنے والے میرے سینہ کو کشادہ کر دے) خدا نے ان کی یہ دعا قبول کی مگر ان کا سینہ اور دل چیرنے کے لئے کوئی فرشتہ نہ آیا۔ تعجب تو اس پر ہے کہ موسیٰ کا شرح صدر تو بے آپریشن کے ہو گیا اور خاتم الانبیا کا شرح صدر بغیر آپریشن کے نہ ہوا

ذرا اس پر بھی غور کیجئے کہ جبریل نے وضو کرنا تو خیر بتایا ہی تھا مزہ کی بات تو یہ ہے کہ آگے کھڑے ہو کر نماز بھی پڑھا دی یعنی فرشتہ امام بنا اور رسول ماموم وہ مقتدا بنا یہ مقتدی وہ فاضل بنا یہ مفضول اب تو فرشتہ کی فضیلت رسول پر یقینی ہو گئی۔ کسی کو انکار کی کیا مجال فرشتہ پہلا رسول شاگرد کون نہیں جانتا کہ استاد کا مرتبہ شاگرد سے زیادہ ہوتا ہے اب تو یہ قاعدہ بن گیا کہ فرشتہ ہر عمل کا معلم ہے گا جب وہ سکھلائے گا تب رسول کوئی عمل کر کے دکھائیں گے۔ رسول کا کام تو صرف یہی ہوگا کہ جیسے وہ بتاتا جائے یہ کرتے جائیں وحی والہام سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ سب کرشمے اس مفروضہ کے ہیں کہ رسول کو امی و جاہل قبل بعثت مان لیا گیا ہے لہذا اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا ضروری۔

کیا حضرت رسولخدا قبل بعثت جاہل تھے

مسلمانوں کی اکثریت اس عقیدہ پر ہے کہ سرکار دو عالم قبل بعثت جاہل تھے نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا یعنی معاذ اللہ جاہل محض تھے شرح صدر کے بعد سب کچھ ہو گیا یعنی یکایک سارے علم آپ کے سینہ میں آ گئے۔ یہ غلط عقیدہ صرف لفظ امی کے معنی نہ سمجھنے کی بنا پر ہوا لغت عرب میں امی کے معنی جاہل کے بھی ہیں ضرور لیکن اس کے علاوہ اور معنی بھی ہیں۔ سورہ جمعہ میں یہ آیت ہے ھو الذی بعث فی الامیین رسولا (وہ اللہ وہ ہے جس نے امیوں میں سے ایک رسول کو انہی میں سے بھیجا۔) اس کے یہ معنی نہیں کہ جاہلوں میں سے ایک رسول کو بھیجا تو ان کی طرح خود بھی جاہل ہے یہ تو رسول کی کھلی منقصت ہے نہ کہ فضیلت بلکہ معنی یہ ہیں کہ مکہ والوں میں ایک رسول کو بھیجا جو خود بھی مکہ کا رہنے والا ہے۔ چونکہ سنت الٰہیہ یہ ہے کہ ہر نبی کو اسی کی قوم میں سے بھیجا جاتا ہے لہذا مکہ والوں میں مکی نبی کو بھیجا۔ ام القریٰ مکہ کو کہتے ہیں کیونکہ وہ حجاز کی بستیوں میں سب سے بڑی بستی تھی لہذا وہ تمام قریوں کا مرکز قرار پایا یہ ایسا ہی ہے جیسے زکام کو ام الامراض یا شراب کو ام الخبائث کہتے ہیں۔ سورہ قصص کی یہ آیت اس کی وضاحت کرتی ہے ما کان ربک مھلک القری حتی یبعث فی امھا رسولا یتلو علیھم آیاتنا (اے رسول تمہارا رب اہل قریہ کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے صدر مقام میں کسی رسول کو نہ بھیجدے) یہاں لفظ ام صدر مقام کے معنی میں ہے بس اسی طرح مکہ ہوا اور اس کے رہنے والے امی کہلائے۔

سمجھ میں نہیں آتا ان عقلوں کی کس قدر تعریف کی جائے جو رسول کی فضیلت چالیس سال تک جاہل ہونے میں سمجھتے ہیں جہالت کسی حالت اور کسی وقت میں بھی ہو مذموم ہے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس نبی کے کندھوں پر قیامت تک کی ہدایت کا بار رکھا گیا ہو اسے چالیس برس کامل جاہل رکھا جائے اور اس تمام مدت میں اس کے تمام پڑھے لکھے لوگوں کو اس پر فضیلت حاصل رہے اور آخر میں صرف ۲۳ برس اسے دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل کرنے کا موقع ملے کیا یہ ایک شرمناک زندگی نہ ہو گی کہ اس کے امتی تو پڑھے لکھے ہوں اور وہ جاہل ہو اگر حضور جاہل ہوتے تو قبل بعثت جاہلوں کا سا عمل بھی کرتے اس پر لوگ ٹوکتے بھی اور بعد میں وحی آگاہ کرتی کہ ایسا عمل اب نہ کرنا۔

اب رہا یہ امر کہ آپ نہ لکھتے تھے نہ پڑھتے تھے اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا کہ آپ لکھنا پڑھنا جانتے ہی نہ تھے۔ ایسا تو اس لئے مصلحتاً تھا تاکہ کاذب کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ رسول نے پچھلی کتابیں پڑھ کر یہ قرآن اپنے ہاتھوں سے لکھ لیا ہے۔ کسی قوت کا عمل میں نہ لانا اس کی دلیل نہیں کہ وہ قوت اس کے اندر نہیں کیا کسی شخص کو اگر کچھ دنوں لکھنے پڑھنے کا موقع نہ ملے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ جاہل ہے۔

سبقت الی الاسلام | چالیسویں سال دوشنبہ کا دن تھا کہ حضرت مبعوث برسالت ہوئے اسی روز حضرت خدیجہ ایمان لائیں اور عصر کی نماز حضرت کے ساتھ پڑھی دوسرے روز حضرت علی نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت علی ایمان لائے یعنی مسلمان ہوئے وہ کافر ہی کب تھے کہ مسلمان ہوتے۔ خدا کے گھر میں پیدا ہونے والا کافر کیسے ہو سکتا ہے انھوں نے طفولیت میں بھی شرک باللہ نہیں کیا کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا جب ہی تو مسلمان بجائے رضی اللہ عنہ کے کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں راضی تو خدا ان سے ہی ہوا جن سے کفر کی بنا پر ناراض تھا اگر یہ صورت حضرت علی کے لئے بھی ہوتی تو آپ کے لئے بھی رضی اللہ عنہ کہا جاتا

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت علی کی عمر چونکہ دس بارہ سال کی تھی لہٰذا یہ کم سنی کی تصدیق سن رسیدوں کے مقابل کوئی وجہ فضیلت نہیں قرار پا سکتی۔ لیکن یہ خیال غلط ہے خدا تو ماں کی گود اور گہوارہ میں پڑے ہوئے بچوں سے تصدیق عصمت کرائی ہے حضرت مریم کی عصمت کی گواہی حضرت عیسیٰ نے آغوش مادر میں دی اور حضرت یوسف کی گواہی گہوارہ میں پڑے ہوئے بچے نے دی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت رسول خدا مباہلہ میں اپنی نبوت کی گواہی دلوانے کے لئے حسن و حسین کو لے گئے درانحالیکہ آپ حسین کو گود میں لئے ہوئے تھے ادھر حسن کی انگلی پکڑے ہوئے تھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت علی نے گواہی رسول کی دعوت کے بعد ہی دی ہوگی اور رسول نے بے حکم خدا دعوت نہ دی ہوگی پس اگر علی کی یہ تصدیق قابل قبول نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ کو دعوت اسلام دیتے ہی کیوں

حضرت علی نے مقام احتجاج میں صحابہ کرام کے بھرے مجمع میں یہ فرمایا تھا تم میں کون ہے جو جس کو میرے اوپر فضیلت حاصل ہو۔ میں نے تم سے سات برس پہلے رسول کے پیچھے نماز پڑھی ہے (طبری۔ تاریخ کامل) جنہوں نے سبقت الی الاسلام کی ہیں انکی فضیلت سے انکار نہیں لیکن یہاں سوال افضلیت کا ہے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت ابوبکر سے پہلے پچاس آدمی ایمان لا چکے تھے لہٰذا حضرت علی پر انکو فضیلت نہیں ہو سکتی۔

اعلان رسالت | بعثت کے بعد حضور نے تین سال تک لوگوں کو خفیہ دعوت اسلام دی اہل نظر غور کریں اس میں کوئی صورت تقیہ کی تو نہیں پیدا ہوتی لوگ اپنے گھروں میں چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ (اسی کا نام تقیہ ہے)۔ بعثت کے چوتھے سال جب آیہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو حضرت نے اپنے خاندان والوں کو جو تعداد میں چالیس تھے دعوت طعام دی اور اس کا اہتمام حضرت علی کی سپرد کیا گیا۔ کیوں؟ اس وقت تو پچاس ساٹھ آدمی مسلمان ہو چکے تھے یہ کام ان میں سے بھی کسی کی سپرد کیا جا سکتا تھا اور اس مقصد میں ان سے مدد لی جا سکتی تھی مگر حضور نے ایسا نہیں کیا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ دعوت ایک معجزانہ شان لئے ہوئے تھی چالیس آدمیوں کا کھانا اور سوا تین سیر آٹے کی روٹی بکرے کی ایک ران کا سالن اور ایک پیالہ بھر دودھ۔ چالیس آدمیوں نے کھا لیا اور دستور باقی رہا ایسا کام معصوم ہی سے لیا جا سکتا تھا یہ کھانا علی ہی کے ہاتھوں سے تقسیم بھی ہوا۔

فراغت ہوئی تو حضور نے ایک مختصر
پیارو تبلیغ اپنی مراد کو پہنچی۔ کھانے والے کھاپی کر چل دئے دوسرے روز کا پھر اہتمام ہوا جب کھانے سے فراغت ہوئی تو حضور نے ایک مختصر
تقریر فرمائی آخر میں کہا اے اولاد عبدالمطلب خدا نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر کسی کو اس کے اہل میں سے اس کا وصی مقرر کیا ہے تم میں سے جو کوئی
مجھ پر پہلے ایمان لائے گا وہی میرا وزیر میرا خلیفہ اور میرا بھائی اور وارث ہوگا اور اسکی منزلت میرے نزدیک وہی ہوگی جو ہارون
کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی یہ سنکر سب چپ ہو گئے حضرت علی اٹھ کھڑے ہوئے اور کارلائل کے الفاظ میں کہا یا رسول اللہ میں مدد
میں انجام دونگا اور جو آپ کا مقابلہ کرے گا میں اس کے دانت توڑ دونگا اس کی آنکھیں نکال لونگا اور پیٹ پھاڑ ڈالوں گا اور ٹانگیں
توڑ دونگا۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ حضرت نے اسی مضمون کا پھر اعادہ کیا پھر کسی نے جواب نہ دیا۔ حضرت علی نے پھر وہی کلمات ادا کئے تین بار
جب ایسا ہی ہو چکا تو آپ نے حضرت علی کو پاس بلایا بیعت لی اور گلے لگایا اور فرمایا لوگو! میرے بھائی۔ میرے وزیر اور میرے خلیفہ کی
بات ماننا اور اسکی اطاعت کرنا۔ قریش قہقہہ مار کر ہنسے اور ابو طالب سے طنزاً یہ کہتے ہوئے چل دئے کہ اپنے بیٹے کی اطاعت کرو
(طبری جلد ۲ صہ ۲۰۷۔ ابن اثیر جلد ۲ صہ ۲۲۔ ابوالفدا جلد ۱ صہ ۸۶ حبیب السیر جلد ۱ جزو ۳ صہ ۱۶ گبن جلد ۱ صہ ۲۹۹ او کلے صہ ۱ کارلائل صہ ۶۱ ایرونگ
صہ ۴۷ گلس صہ ۸۳ ڈیون پورٹ صہ ۵ معالم التنزیل۔ تفسیر ثعلبی۔)
کیا اس کے بعد کسی کو یہ کہنے کا حق باقی رہتا ہے کہ حضور سرکار دو عالم نے اپنا جانشین کسی کو نہیں بنایا اس واقعہ میں چونکہ تواتر کی شان پیدا ہو گئی ہے
اس لئے اسے جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا اس کے ساتھ آنحضرت سے خلف وعدہ بھی ممکن نہ تھا اگر آپ کا پہلا وعدہ ہی جھوٹا ثابت ہوتا تو اور وعدے
جو قیامت وغیرہ کے عذاب و ثواب کے متعلق تھے وہ سب مشکوک ہو جاتے۔ بہت ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی بات ہے
مسلمان بھول جائیں تو بھول جائیں مگر رسول نہیں بھولے انھوں نے غدیر خم کے مسلمانوں سے بھرے مجمع میں خلافت علی کا آخری اعلان کر دیا یہی
مطلب ہے اس آیت کا وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ یعنی اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو گویا رسالت کا فریضہ ہی ادا نہ کیا جس کا مطلب
یہ ہے کہ اگر ایک وعدہ غلط ثابت ہوا تو تمہاری ساری تبلیغ پر سے اعتبار اٹھ جائے گا۔ وزیر کا تعین آغاز کار ہی میں ہوا کرتا ہے چنانچہ
جب حضرت موسیٰ کو نبوت ملی تو سب سے پہلے خدا سے اپنے وزیر کے لئے درخواست کی اور بھی اپنے بھائی ہارون کے لئے کیا کوئی مسلمان
اس کی تردید کر سکتا ہے۔ دنیوی بادشاہوں میں بھی یہی قاعدہ ہوتا ہے کہ تاج پوشی کے وقت ہی ولیعہدی کا اعلان کر دیا جاتا ہے
یہ تو قدرت کا نظام ہے اسے کون بدل سکتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں یہ وقتی اعلان تھا جس سے یہ مراد تھی کہ تبلیغی ضرورتوں میں آپ کی مدد
کریں اس سے بعد وفات کی خلافت ثابت نہیں ہوتی۔
انصاف کی طرف سے اگر پیٹھ موڑ لی جائے اور خود غرضی کے آئینہ کو اگر سامنے رکھ لیا جائے تو قیاسات کی ایسی ہی بھیانک صورتیں
نظر آئیں گی۔ جو شخص عمر بھر ہر جگہ رسالت کے فروغ دینے میں کوشاں رہا ہو جس نے بار بار اپنی جان جوکھوں میں ڈالی ہو کیا خدا و رسول اس کی
حق تلفی بعد وفات رسول ضائع کر سکتے ہیں۔ پھر یہ بھی تو غور کیجئے جو وعدہ دعوت ذوالعشیرہ میں کیا گیا تھا اسی کا اعلان پھر بھی کبھی ہوا یا نہیں
شب ہجرت فرش رسول پر آپ کا سونا اس کی دلیل تھا کہ علی کا حق بھلایا نہیں گیا۔ بادشاہ اگر کہیں جاتا ہے تو اپنا قائم مقام اس کا نائب ہوا کرتا ہے
کیا اس قاعدہ کی مخالفت کی جا سکتی ہے؟ جنگ تبوک کے موقع پر اپنا جانشین بنا کر مدینہ میں چھوڑا اور اسی موقع پر یہ بھی فرمایا کہ اے علی
تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا یعنی اگر نبوت کا سلسلہ میرے بعد باقی
رہتا تو تم بھی نبی ہوتے

اہل علم و فضل مجھے بتائیں کہ اگر یہ مطلب نہیں تو پھر لانبی بعدی کا جوڑ یہاں کیوں لگایا گیا۔ اسی طرح اور مواقع پر بھی قولاً و فعلاً اس امر کو واضح کیا گیا اور غدیر خم میں تو وضاحت اپنی پوری تابش پر تھی۔ نام بھی بتا دیا اشارہ بھی کر دیا اور بازو پکڑ کر دکھا بھی دیا دعا بھی کر دی۔ دو چیزوں کے چھوڑنے کا ذکر بھی کر دیا ان سے تمسک کرنے کا حکم بھی دیدیا ان سے حسن سلوک کی وصیت بھی کی۔ اپنا جیسا مولا ہونا بھی بتایا۔ ان سے بیعت کرنے کا حکم بھی دیا۔ مبارکبادیں بھی ہوئیں۔ اعلان لا بعدی کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا ہوتا۔

قریش کی ایذا رسانی

اعلان رسالت کے بعد قریش نے آپ کو ستانا شروع کیا جتنے طریقے ان کو ظلم کے یاد تھے وہ سب عمل میں لاتے تھے۔ ساحر کہا مجنوں کہا۔ آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے۔ آپ پر پتھر برسائے نماز پڑھتے میں بحالت سجدہ اونٹ کی اوجھڑی آپ کی پیٹھ پر رکھدی۔ راہ چلتے آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکتے۔ جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کو بری طرح ستانے لگے بالخصوص اپنے مسلمان غلاموں کو۔ گرم ریت پر لٹا کر ان کے سینہ پر سل رکھتے اور اسکو پیروں سے دباتے ان کو رسیوں اور زنجیروں سے جکڑتے اور اتنا مارتے کہ لب گور ہو جاتے۔ ان کا بائیکاٹ کرتے۔ ان کے گھروں کو لوٹ لیتے۔ ان کو قتل بھی کر ڈالتے۔ آنحضرت یہ سب ظلم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ مسلمان بتائیں حضور ان کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے تھے جو سو پچاس آدمی آپ پر ایمان لا چکے تھے انہی کے ساتھ تلوار لیکر جنگ کیوں نہ کی۔ موقع شناس آدمی یہی جواب دے گا کہ یہ وقت ان سے جنگ کرنے کا نہ تھا

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن — کہ جاہا سپر باید انداختن

اگر حضرت سے یہ سوال کیا جاتا تو یہی جواب دیتے کہ اس وقت ان سے جنگ کر کے کیا اپنے کو ہلاک کرنا ہے میرے پاس اتنے مددگار کہاں تھے کہ ہزاروں کا مقابلہ کرتے۔ حضرت کا یہ جواب ناقابل تردید ہوگا اگر یہی جواب حضرت علی کی طرف سے ہو تو کیا قابل قبول نہیں۔ معاملہ ایک سا ہی ہے۔ دونوں موقعوں پر ناصروں کی قلت مانع جنگ تھی۔ متعصب مسلمانوں کی یہ طعنہ زنی اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ وہ تو خدا کے شیر تھے بدر و احد و خیبر و خندق کے فاتح تھے خوف زدہ ہو کر گھر میں کیوں بیٹھ رہے۔ جو جنگ بے سوچے سمجھے ہوتی ہے وہ شجاعت کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ تہور یا اجڈپن کہلاتی ہے۔

ہجرت حبشہ

جب کفار مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو حضرت نے حکم دیا کہ مسلمان حبشہ کو ہجرت کر جائیں کیونکہ وہاں کا بادشاہ نجاشی نیک دل اور انصاف پسند تھا۔ یہ ہجرت کرنے والے تین گروہ تھے۔ بعثت کے پانچویں سال سے یہ سلسلہ شروع ہوا۔ پہلا گروہ گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا تھا جن میں حضرت عثمان اور انکی بی بی رقیہ بھی تھیں۔ یہ لوگ پا پیادہ جدہ تک گئے اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر حبشہ پہنچے دوسرا گروہ ۳۳ مردوں اور ۱۴ عورتوں کا غلاموں و بچوں کے علاوہ تھا۔ تیسرا گروہ حضرت جعفر بن ابی طالب کے ہمراہ گیا کل ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں وہاں پہنچے

ان کے حبشہ جانے کی خبر پا کر کفار قریش کا ایک وفد بھی وہاں پہنچا انھوں نے نجاشی سے کہا ہمارے کچھ بھائی بند جو ایک نئے مذہب کے پیرو بن گئے ہیں یہاں چلے آئے ہیں ان کو واپس لے جانے کی اجازت دیجئے۔ نجاشی نے سب مسلمانوں کو بلایا اور ان سے احوال پرسی کی اس موقع پر ابو طالب کے بیٹے اور علی کے بھائی جناب جعفر نے جس بیباکی سے تقریر کی اور اسلامی خصوصیات ذکر کرنے کے بعد بت پرستی کی مذمت کی

وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اسی تقریر کا اثر تھا کہ مسلمان کفر کی زد سے بچ گئے اور نجاشی کی نظر میں انکی اتنی وقعت ہوئی کہ اس نے اپنے ملک میں ان کے لئے تسکین و اطمینان رہنے کا بندوبست کر دیا۔

جن ابو طالب کو مسلمان کافر بتاتے ہیں ان کی اولاد میں سے ایک کا کارنامہ تو یہ ہے اور دوسرے بیٹے علی کے وہ شاندار کارنامے ہیں جن سے اسلام کی جڑ جمی اور اسلامی سلطنت کا پرچم تمام عرب پر لہرایا اولاد ابو طالب کے ان حقوق کو نظر انداز کرنے والے انصاف کا خون کرتے ہیں۔ اگر جعفر یہ پر اثر تقریر نہ کرتے تو یقیناً نجاشی سب مسلمانوں کو کفار مکہ کے وفد کے حوالے کر دیتا اور وہ سب کے سب مارے جاتے پس سچ پوچھو تو ملت اسلامیہ کا سب سے پہلا مجاہد جعفر تھا۔ ۸ھ میں جعفر وہاں سے واپس آئے اور جنگ موتہ میں شہادت پائی دشمن نے ان کے دونوں ہاتھ قلم کر دئیے تھے رسول اللہ نے فرمایا اللہ نے ان کو دو پر دئیے ہیں جن سے وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔ سوائے جناب جعفر اصحاب رسول میں سے کسی کو یہ مرتبہ نہیں ملا۔

شعب ابی طالب میں محصور ہونا

کفار کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ دعوت ذوالعشیرہ میں جس نبوت کا حضرت نے ذکر کیا تھا وہ رفتہ رفتہ تمام عرب پر چھا جائے گی اور انکی بت پرستی کا قلع قمع کر دے گی وہ سمجھے تھے کہ ہم آنحضرت کی تمام کوششوں کو ساحر و مجنون کہہ کر خاک میں ملا دیں گے مگر جس چراغ کو اللہ روشن کرے کس کی طاقت کہ اس کو بجھا دے۔ بہر حال جب انھوں نے حضور کی تبلیغی سرگرمیوں کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو اب ان میں کھلبلی مچی اور اب ان کے عقلات آگئیں دل و دماغ ہر وقت اس فکر میں رہنے لگے کہ اس نئے دین کی بیخ کنی کس طرح کی جائے ہر شخص اپنی ایک رائے رکھتا تھا۔

(۱) جب محمد تبلیغ کے لئے کہیں جائیں تو ایک گروہ ان کے پیچھے لگا دیا جائے اور اتنا شور و غل مچائے کہ انکی بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے

(۲) ہر قبیلہ میں جا کر یہ مشہور کیا جائے کہ محمدؐ بڑا جادوگر ہے۔

(۳) محمدؐ کی دیوانگی کا ہر طرف چرچا کیا جائے۔

(۴) اس کتاب کے جواب میں ایک دوسری کتاب تصنیف کی جائے۔

(۵) مال و دولت کا لالچ دے کر اس جد و جہد کو ختم کر دیا جائے۔

(۶) عرب کی کسی حسین ترین عورت سے شادی کرانے کا لالچ دیا جائے۔

(۷) جو کتاب محمد پر نازل ہو رہی ہے اس کی وقعت یہ کہہ کر ختم کر دی جائے کہ اس میں پرانے قصوں کے سوا اور ہے کیا

(۸) کوئی معجزہ طلب کیا جائے۔

(۹) بتوں کے سامنے محمد کی ہلاکت کے لئے دعائیں کی جائیں

(۱۰) جب وہ تبلیغ کے لئے نکلے تو اس پر پتھروں کی بارش کی جائے اسکی راہ میں کانٹے بچھا دئیے جائیں

(۱۱) ابو طالب پر زور ڈالا جائے کہ وہ محمد کی حمایت ترک کر دیں

(۱۲) قتل کی دھمکی دی جائے۔

جب ان میں سے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو بالاتفاق یہ طے پایا کہ خاندان بنی ہاشم کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ ملنا جلنا ترک۔ خرید و فروخت بند

لڑکی لینے دینے کا سلسلہ ختم۔ غلہ کی رسد پر کڑی نگرانی۔ جب ہمدردی کے تمام سررشتے قطع ہو گئے اور جانی نقصانات کے خطرات نے شہری بود و باش کو مشکل بنا دیا تو بمجبور ہو کر شعب ابی طالب میں چلے گئے اور یہاں تین سال محصور رہے یہ طویل مدت کیسے گزری ایک دردناک کہانی ہے۔ وہی ابو طالب جن کو ہمارے مسلمان بھائی کافر بتاتے ہیں تمام خاندان کا عموماً اور آنحضرت کی نگرانی کا بار خصوصاً اپنے سر لئے رہے۔ ابو طالب اپنی قوم میں نہایت معزز اور مقتدر ہستی تھے لوگ ان کا بڑا احترام کرتے تھے اور ان کو اپنا سردار مانتے تھے آنحضرت کی بدولت قریش میں انکی کوئی پوزیشن نہ رہی اور بیشمار مصائب و آلام کے پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑے اگر ان کے دل میں نور ایمان نہ ہوتا تو یہ سختیاں کیوں برداشت کرتے۔ قوم کے نزدیک ان کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ وہ آنحضرت کے چچا تھے اور دل و جان سے ان کے حامی۔

کیا ایک ایسا انسان جو اپنی قوم کے مذہبی رنگ میں رنگا ہوا ہو جو کفر نوازی میں ان کا شریک ہو وہ اپنے دین کے دشمن کی خاطر مصائب و آلام کے یہ پہاڑ اپنے اوپر لے سکتا ہے کیا وہ ایسے شخص کو محبت بھری نظروں سے دیکھ سکتا تھا اور اسکی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لے سکتا تھا جو اس کے معبودوں کی انتہائی توہین کر رہا ہو۔ اگر کہا جائے کہ چچا ہونے کی وجہ سے ایسا کیا جیسا خون تھا جوش میں آگیا تو اسی جیسے خون نے ابولہب کی رگوں کو کیوں نہ گرمایا۔ عباس کے دل میں یہ تڑپ کیوں نہ پیدا کی یہی رشتہ ان دونوں سے بھی تھا۔ انصاف پسند لوگوں سے اپیل ہے کہ وہ اس بارہ میں اپنا ووٹ دیں۔ کیا اب بھی یہی کہا جائے گا کہ ابو طالب کافر تھے اور کافر مرے ہمارے نزدیک ایسے کفر پر ہزاروں ایمان قربان جو خدا کے رسول کو بچانے میں سر دھڑ کی بازی لگا دے بدگمانیوں کے جال میں حقائق کے فرشتے نہیں پھنسا کرتے۔ تعصب کی اندھی آنکھ میں روشنی کہاں اور خصومت بھرے دلوں میں حق نوازی کی گنجائش کیسی۔

جب تک شعب میں محصور رہے ابو طالب نے اس اصول حفظ ما تقدم پر عمل کرنے میں کبھی غفلت نہ کی۔ جہاں اللہ کا محبوب رسول نصف شب تک سوتا آخر نصف شب میں وہاں سے ہٹا لیا جاتا اور ان کی جگہ اپنے پیارے بیٹے علی کو سلا دیا جاتا تاکہ رات کی تاریکی میں اگر دشمن حملہ آور ہو تو ان کا بیٹا فدیہ بن جائے۔ کیا یہ عمل بھی ایک کافر کا ہو سکتا ہے؟ ابولہب تو حضرت کے قتل کی اسکیم بنائے اور ابو طالب ان کے بچانے کی تدبیر کریں۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں۔

معجزہ شق القمر

بعثت کے نویں سال ابو جہل وغیرہ کی درخواست پر یہ معجزہ دکھایا گیا حضور نے اشارہ کیا تو چاند میں ایک شگاف پڑ گیا اور وہ دو حصوں میں نظر آنے لگا۔ غیر مسلموں کا گیا ذکر ہم مسلمانوں کا روشن خیال طبقہ بھی اس پر ناک بھوں چڑھاتا ہے لہذا اس پر مختصر سا تبصرہ کرنا ضروری ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے اقتربت الساعۃ وانشق القمر (قیامت قریب ہوئی اور چاند شق ہو گیا) اس سے یہ امر واضح ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ واقعہ قیامت سے متعلق ہے تو غلط ہے کیونکہ وانشق ماضی کا صیغہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ واقعہ ہو چکا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر وقوع شق القمر کو تسلیم کر لیا جائے تو قیامت کو قریب ہونا چاہیے حالانکہ چودہ سو برس گزر گئے وہ اب تک نہیں آئی۔ جواب یہ ہے کہ ہمارا سال ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے ہم قرب و بعد کو اسی اعتبار سے سمجھتے ہیں۔ لیکن آسمانی دنیا میں ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے اِنَّ یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون (الآیہ) اس حساب سے تو اس واقعہ کو گزرے

تنقید وتبصرہ

ابھی ڈیڑھ دن بھی نہیں گزرا۔ خدا نے وہاں کے دنوں کے حساب سے قریب کہا ہے نہ کہ ہمارے دنوں کے حساب سے ہے بلکہ شق کے معنی دراڑ پڑ جانے کے ہیں یعنی
شق کے معنی یہ نہیں کہ دو ٹکڑے الگ الگ ہو گئے بے شک اس سے نظام شمسی میں ابتری ہو سکتی ہے
کسی شے کے بیچ میں ایسا خلا پیدا ہو جانا کہ وہ دو ٹکڑے معلوم ہو۔ اس صورت میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ ابھی اجرام سماوی کے متعلق
انسان کا علم بہت کم ہے لوگ چاند تک ضرور پہنچے ہیں لیکن ابھی ایک محدود سطح تک ان کے قدم گئے ہیں اس کے تمام حصے نظر کے سامنے
نہیں آئے ہو سکتا ہے کہ کسی وقت یہ انکشاف ہو جائے کہ اس میں کوئی بڑا شگاف ہے۔ ابھی تو اس کی سطح کے متعلق بہت تھوڑی معلومات
ہے تاہم جو تصاویر اس کی تھوڑی سی سطح کی دکھائی گئی ہیں ان سے بھی ایک خاصہ حصہ تاریک نظر آتا ہے جس کے متعلق یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ
لمبے گہرے غار ہیں جو کسی پہاڑ کے اندر واقع ہیں ان غاروں کے آس پاس دو حصے نظر آتے ہیں۔

معجزہ تو کہتے ہی اس عمل کو ہیں جس کی لم سمجھ میں نہ آئے اور اس کے اسباب و علل معلوم نہ ہوں ورنہ پھر وہ معجزہ ہی نہ رہے گا۔ ایک شق
القمر ہی کیا انبیا کے تمام معجزات ایسے ہی ہیں کہ عقل کی رسائی ان تک ممکن نہیں کیا یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ابراہیمؑ پر آگ پھولوں کا بستر بن گئی
یا انھوں نے ایک ہی نظر میں ملکوت سماوات و ارض کو دیکھ لیا یا موسیٰ کے لئے عصا سانپ بن گیا۔

رہا یہ کہنا کہ شق القمر ہوا تھا تو لوگوں نے دیکھا کیوں نہیں تو یہ بھی غلط ہے۔ اگر وہ لوگ جو طالب معجزہ تھے نہ دیکھتے تو یہ کیوں کہتے کہ یہ تو کھلا جادو
ہے ان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی دیکھا رہا یہ امر کہ ہر ملک میں دیکھا جانا چاہئے تھا تو یہ جب ہو سکتا تھا کہ اس کے متعلق پہلے سے اعلان
کیا جاتا کہ فلاں شب کو فلاں وقت ایسا نظر آئے گا اس وقت ضرور لوگ تاک میں بیٹھتے ورنہ کون چاند کو رات میں گھورا کرتا ہے
بہت سے چاند گرہن ایسے ہو جاتے ہیں کہ لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی اتفاقاً نظر پڑ جاتی ہے تو دیکھ لیتے ہیں۔

آئے دن نظام شمسی میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں کیا تمام دنیا ان کو دیکھتی ہے اکثر اوقات دمدار ستارے برآمد ہوتے ہیں کم لوگ دیکھتے
ہیں زیادہ نہیں دیکھتے۔ شوٹنگ اسٹار نکلتے ہیں میٹیور باہم ٹکرا کر شعلہ ریزی کرتے ہیں لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ شق القمر
کو لوگوں نے دیکھا نہیں۔ لوگ پڑے سوتے ہوں گے انہیں کیا خبر کہ چاند کس عالم میں ہے جاگنے والوں کو کیا ضرورت کہ خواہ مخواہ چاند کو کھڑے
ہو ہو کر دیکھیں۔ ایسا طولانی مدت تک تو ہوا نہ تھا چند منٹ کا معاملہ تھا پھر سب کے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ جب شگاف پڑ گیا تھا تو اسے بھرنا چاہئے تھا۔ اول تو کون دیکھنے گیا تھا کہ باقی رہا یا نہیں ممکن چاند کی جن سیاہیوں
کو چاند کے داغ MOON SPOT کہا جاتا ہے ان میں سے ایک وہ بھی ہو۔ دوسرے اگر مادی چیز اپنے زخموں کو خود ہی بھر
لیتی ہیں درختوں پر کلہاڑیوں وغیرہ سے جو خراش پڑ جاتے ہیں وہ خود بخود بھر جاتے ہیں آتش فشاں پہاڑوں کے دہانے اور زمین کے غاروں
کے دہانے بھی یوں ہی بند ہو جاتے ہیں

حضرت ابو طالب اور خدیجہ کی وفات

حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ نے کفار و مشرکین کے ہاتھوں اپنی مقدس زندگی
جس مصیبت و پریشانی میں گزاری اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے اس خوفناک دور میں حضرت کے درد دل کا مداوا کرنے والے
اور ٹوٹے دل کو تسلی دینے والے صرف دو تھے ایک ابو طالب دوسرے خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام اس عالم میں موت کے زبردست ہاتھوں
نے دونوں کو چھین لیا بعثت کو نکلے ۸ ماہ اور ۲۰ دن ہوئے تھے کہ جناب ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور تین دن بعد جناب خدیجہ مر گئیں

اس دہری مصیبت سے جو صدمہ قلب اقدس کو پہنچا اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ آپ نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا یعنی غم کا سال جس چچا کی سرپرستی میں آپ نے پچاس سال گزارے تھے اس کے مرنے کا جتنا غم ہوتا تھوڑا تھا اسلام کے پودے کو انکی نشو ونما میں بڑی مدد ملی تھی۔ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں حضرت ابو طالب کی تعریف میں جو اشعار لکھے ہیں ان میں سے دو یہ ہیں

ولولا ابو طالب و ابنہ	لما مثل الدین شخصاً و قاما
مگر ابو طالب اور انکے بیٹے نہ ہوتے	تو نہ دین صورت پذیر ہوتا نہ قائم رہتا
فذاک بمکۃ آوی و حامی	و ھذا بیثرب خاض الحماما
ابو طالب نے مکہ میں پناہ دی اور حمایت کی	اور علی نے مدینہ میں اپنے کو ہلاکتوں میں ڈالا

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسا دین کا حامی اور ہمدرد رسول کافر تھا۔

اب رہیں جناب خدیجہ تو آنحضرت کے دل میں سب سے زیادہ وقار اس بی بی کا تھا اور سب سے زیادہ محبت بھی اسی بی بی سے تھی۔ حسن و جمال کی وجہ سے نہیں مال و دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ انھوں نے ترویج دین اسلام میں اس وقت مدد کی جبکہ کوئی آپ کی بات بھی پوچھنے والا نہ تھا اور اس وجہ سے کہ سب سے پہلے حضرت پر وہی ایمان لائیں۔ مورخین نے انکی عمر ۶۴ سال لکھی ہے اور ان کے انتقال کے وقت حضرت کی عمر ۴۹ سال ۸ ماہ اور ۱۴ دن لکھی ہے۔ ۲۵ سال حضرت کی زوجیت میں رہیں اس طویل مدت میں کبھی ان کے کسی برتاو سے آنحضرت کا دل آزردہ نہ ہوا۔ آپ کا انتقال دار خدیجہ میں ہوا جو بعد میں مولد فاطمہ کہلانے لگا کسی زمانہ میں یہ گھر مسجد الحرام کے بعد سب سے زیادہ مقدس و متبرک سمجھا جاتا تھا اور اب تو دنیا کچھ اور ہے کوئی ان مقامات مقدسہ کی نشان دہی کرنے والا ڈھونڈے نہیں ملتا جہاں اہلبیت رسول کے انوار مقدسہ کی جلوہ ریزیاں تھیں بلکہ ان کا پتہ چلانے والا غضب آلود نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ شرف صرف جناب خدیجہ سے مخصوص ہے کہ ان کی زندگی میں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔

جناب سودہ اور عائشہ سے عقد | جناب خدیجہ کے بعد سب سے پہلے حضرت نے سودہ بنت زمعہ سے عقد کیا اسی سال دوسرا عقد جناب عائشہ سے کیا جن کی عمر چھ سال تھی اور ۱ھ میں جبکہ ان کی عمر ۹ سال تھی زفاف واقع ہوا۔ مدارج النبوہ میں ہے کہ انکی منگنی پہلے جبیر بن مطعم سے ہوئی تھی لیکن مصنف نے اس پر روشنی نہ ڈالی کہ یہ منگنی کیوں قطع کرائی آیا رسول کی خواہش پر یا باپ کی خواہش پر اگر رسول کی خواہش پر ایسا ہوا تو آپ کے خلق عظیم کے خلاف تھا کہ منسوب شدہ لڑکی کا رشتہ قطع کرا کے خود اس سے شادی کر لیں اور اگر باپ کی خواہش سے ایسا ہوا تو آپ کو روکنا چاہیے تھا کہ یہ غلط کام نہ کرو ابن جبیر کو ناگوار ہوگا۔

دوسرا امر یہ قابل غور ہے کہ حضور نے اس نکاح میں اتنی جلدی کیوں کی جبکہ منکوحہ قابل مباشرت بھی نہ تھی اور حضرت کے گھر میں ایک بی بی موجود بھی تھی اور حضور صاحب اولاد بھی تھے اور سن رسیدہ بھی تھے۔ مورخین سے اس کا جواب سننے کو دل چاہتا ہے

معراج النبیؐ | یہ واقعہ بعثت کے بارہویں سال کا ہے ۔ ۲۷ رجب کو حضور حضرت علیؑ کی بہن ام ہانی کے مکان میں تھے ۔ گھر
کے سب لوگ سو گئے تھے حضور مصلے پر بیٹھے ذکر الٰہی کر رہے تھے جب نصف رات ہوئی تو آپ سونے کے لئے بستر پر آئے ۔ جبرئیل نازل
ہوئے اور آپ کو براق پر سوار کر کے لے گئے

اس واقعہ میں چند باتوں پر تبصرہ کرنا ضروری ہے

(۱) معراج جسمانی تھی یا روحانی ۔ بہت سے مسلمان تو معراج روحانی کے قائل ہیں یعنی حضرت نے خواب میں عالم بالا کی سیر کی
اس پر جناب عائشہ ۔ معاویہ اور حسن بصری کے قول سے سند لائی جاتی ہے ۔ حالانکہ یہ تینوں گواہیاں ناقابل اعتبار ہیں
حضرت عائشہ اول تو اس وقت تک بیت الشرف نبوت میں داخل ہی نہ ہوئی تھیں انہیں کیا خبر کہ کسی کے گھر کیا ہو رہا ہے
سنی سنائی بات کی گواہی کیا بالخصوص جبکہ وقت معراج بالغہ و رشیدہ بھی نہ تھیں رہے معاویہ وہ تو اس وقت کفر کی گندگی میں تھڑے
ہوئے تھے ۔ اور حسن بصری تو اس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے ۔ اگر مسلمان مورخین درایت سے کام لیتے تو انکی تاریخیں خرافات کی پوٹ
نہ ہوتیں ۔ خواب میں تو مومن و کافر سب ہی زمین و آسمان کی سیر کر سکتے ہیں ۔ اس میں کونسی فخر کی بات ہے ۔ خواب کی سیر کو تو کوئی احمق
ہی معجزات کی فہرست میں داخل کر سکتا ہے ۔

(۲) معراج کہاں سے کہاں تک ہوئی ۔

قرآن کہتا ہے "پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندہ کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا" بعض مورخین نے مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس لی ہے
لیکن اگر معراج بصورت معجزہ اسی کا نام ہے تو اس کو معراج کہنا ایک بے معنی سی بات ہے مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر تو عموماً لوگ کیا ہی
کرتے ہیں خواہ کسی سواری پر ہو پس رسول کا وہاں تک جانا کون بڑی بات ہوئی جس کو معجزہ کہا جائے ۔ اگر یہ کہا جائے کہ براق پر تشریف
لے گئے تو یہ بھی کوئی خاص فضیلت نہیں جبکہ لوگ ہوائی جہاز پر ہزارہا میل کی مسافت طے کر رہے ہیں ۔ معجزہ کی صورت تو جب ہی ہو سکتی ہے
کہ یہ سفر اس نقطۂ عروج تک ہو جہاں تک کوئی نہ جا سکتا ہو ۔ یہی امر خاتم الانبیا کی شان کے شایاں ہے ۔ زمین کا سفر تو جناب سلیمان ہوا کے
ذریعہ بہت پہلے کر چکے تھے پس جب اس اعجازی شان کا مظاہرہ ہو چکا تو اب خاتم الانبیا کے لیے کیا خصوصیت باقی رہی ۔
مسجد اقصیٰ کے معنی تو یہ ہیں کہ انتہائی سجدہ کی جگہ یعنی اس سے اوپر کسی کو سجدہ کرنے کا موقع نہ ہو ۔ سجدہ لازمۂ مخلوق ہے لہذا اس کو یوں سمجھے
کہ مسجد اقصیٰ ممکن کے سجدہ کی آخری جگہ ہوئی یہاں امکان کی حد ہی ختم ہو جاتی ہے اس کے اوپر جو کچھ ہے آثار وجوب ہیں ۔ مطلب یہ ہوا
کہ حضور امکان یا حادث کی حد آخر تک پہنچ گئے اور یہی اس ذات کا کمال ہے کہ جس علوئے مکان تک فرشتہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا اللہ
تعالیٰ نے حبیب کو اس حد تک بلا لیا ۔ جبرئیل نے تو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچکر آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور عاجزانہ لہجہ میں کہا تھا اگر اب میں یہاں
سے ایک انگل بھی اونچا ہوا تو جل بھن کر رہ جاؤنگا ۔ پس جہاں نور اعظم کی تابش فرشتوں کے پر جلاتی ہو وہاں انسان کا جانا انسانی قرب
و شرف کا نقطۂ آخر ہے اس معراج سے مقصود بھی یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کو ممکن و حادث کی حد آخر دکھا دے
ورنہ آسمان پر جانے والے تو اور بھی تھے جیسے حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ ۔
اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آپ کی نبوت کے دائرہ کے اندر ایسے لوگ بھی پیدا ہونے والے ہیں جو راکٹوں کے ذریعہ سے سیاروں تک پہنچ جائیں گے
لہذا وہ حضور کے کمال ذات کو نظر میں نہ لائیں گے جب تک آپ کی ذات میں اس سے مافوق کوئی کمال نہ پائیں لہذا خدا نے حضور کو براق

کے ذریعہ اس حد تک پہنچا دیا جہاں کوئی راکٹ نہیں جا سکتا تھا اور نہ کوئی خلا پیمایہ تو سماوی کروں تک جا کر پلٹ آئیں گے (اگر پہنچ پائے) قاب قوسین او ادنیٰ کا مقام تو انہیں ڈھونڈا نہ ملے گا کیونکہ وہ تو امکان کی حد آخر ہے لہٰذا ایسے سائنس دانوں پر بھی آپ کی افضلیت کی حجت تمام ہو جائے گی۔ جس نقطہ اعلیٰ پر نور اولیں جلوہ فرما تھا وہی نور پیکر مادی کے ساتھ جب اس مقام پر پہنچا تو وجودی دائرہ ہر حیثیت سے مکمل ہو گیا یعنی نقطہ اول نقطہ آخر سے جا ملا یہی خدا کی وہ آیت کبریٰ ہے جس کو دکھلانے کے لئے اللہ نے اپنے حبیب کو بلایا

معراج میں حضور نے کیا دیکھا۔

مسلمانوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ حضور نے خدا کا دیدار کیا۔ یہ ایک مضحکہ خیز عقیدہ ہے کیونکہ اس سے تو خدا کا مجسم اور صاحب صورت ہونا لازم آتا ہے اور وہ ایک جگہ محدود ہو جاتا ہے پھر اسے لامکاں نہیں کہا جا سکتا اور نہ وہ صفات مخلوق سے الگ کوئی ذات ہو سکتا ہے وہ تو قرآن میں یہ کہتا ہے لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں ہاں وہ آنکھوں کا ادراک کر سکتا ہے اگر وہ ذات دیکھنے کی قابل ہوتی تو موسیٰ سے لن ترانی نہ کہا جاتا۔ قوم کے اور ان کے اصرار پر دکھا دیتا اور یہ صورت خواہ مخواہ پیش نہ آتی کہ طور جل گیا موسیٰ غش کھا گئے اور قوم مر گئی۔

قرآن کہتا ہے کہ جو کچھ حضور نے دیکھا نہ تو اس کے جلوہ سے آپ کی آنکھ خیرہ ہوئی اور نہ آپ کے قلب نے جھٹلایا۔ اس پر غور کیجیے کہ انسانی آنکھ اپنی قوت بصارت سے زیادہ کسی چیز کو دیکھ کر خیرہ ہو جاتی ہے جیسے ہم سورج کو نظر جما کر نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ہماری بصارت کمزور ہے یہ تو اجرام سماوی میں سے ایک جرم کی نورانیت کا حال تھا لیکن جہاں نظام شمسی سے بالاتر کوئی نور جلوہ فرما ہو جس کے آگے آفتاب کی تابش کوئی حقیقت نہ رکھتی ہو اس سے آنکھ لڑانے کے لئے تو بڑی زبردست بصارت کی ضرورت ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جو آیت کبریٰ یعنی نور اعظم رسول نے دیکھا اس سے نہ پلک جھپکی اور نہ دل نے جھٹلایا اور ایسا اس لئے ہوا کہ نور اولیں تحت عرش الٰہی یہ جلوہ فرمائیاں عالم آب و گل میں آنے سے پہلے دیکھ چکا تھا اس کی آنکھ کیوں خیرہ ہوتی۔ اور دل کیوں جھٹلاتا۔ دل کیوں جھٹلاتا اس کی دلیل ہے کہ آپ پہلے اس نور کو دیکھ چکے تھے ورنہ قلبی تصدیق نہ ہوتی صرف بصارت سے اس کا تعلق رہتا۔

یہ نور جو رسول نے دیکھا یہ خدا نہیں کہا جا سکتا بلکہ جس طرح اس نے ہزار ہا نورانی مخلوق پیدا کی ہے یہ بھی ایک نورانی مخلوق تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو صاعقہ طور پر دیکھا جس طرح وہ خدا نہ تھا اسی طرح جو رسول نے دیکھا وہ بھی خدا نہ تھا۔ فرق یہ ہے کہ موسیٰ کی نظر کے سامنے جو تابش آئی باوجودیکہ وہ نورانیت میں کم تھی پھر بھی موسیٰ غش کھا گئے اور قاب قوسین پر جو جلوہ آرائی ہو باوجود اس سے زیادہ نورانی ہونے کے رسول کی بصارت کو خیرہ نہ کر سکی یہ اپنا اپنا ظرف ہے۔ اگر موسیٰ یا آنحضرت نے خدا کو دیکھا ہوتا تو لوگوں سے فخریہ بیان کرتے کیونکہ یہ معمولی بات نہ تھی اور اگر بیان کرتے تو لوگ مختلف قسم کے سوالات بھی کرتے

جو لوگ رویت باری کے روز قیامت قایل ہیں وہ کہتے ہیں اگر وہ کرسی عدالت پر انصاف کرنے نہ بیٹھے گا تو بندوں سے اس کے سوال و جواب کیسے کرے گا اس کا جواب یہ ہے کہ طور پر موسیٰ سے سوال و جواب بغیر اپنے کو دکھائے جس طرح ہوتے تھے اسی طرح وہاں بھی میدان حشر میں وہ اسی طرح آواز پیدا کرے گا جس طرح شجر طور میں پیدا کر دی تھی۔

براق کیا تھا

ہمارے مسلمان مفسرین نے براق کو اپنی سواریوں پر قیاس کر کے ایک خوبصورت پردار گھوڑے کی صورت میں پیش کیا ہے جس کا سارا بدن جواہرات سے مرصع تھا اور چاندی سونے کا بدن تھا۔ اس کی سرکشی بھی دکھائی ہے۔ جبریل کا اس کو سمجھانا بھی بتایا ہے

فخر سے اس کا اچھلنا کودنا بھی بیان کر دیا ہے اور اس تفصیل سے گویا راوی آنحضرت کے پاس کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اللہ اس مفلوج ذہنیت پر رحم کرے کہ مادیت کی دلدل سے نکلنا چاہتے ہی نہیں کوئی ان سے پوچھے جب حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھایا گیا تھا اس وقت کون سا عجیب الخلقت گھوڑا آسمان سے اترا تھا۔ جو پاکذات سورج کی نازک اور غیر محسوس کرنوں سے سمندروں اور دریاؤں کا لاکھوں پانی کھینچ کر ہوا کے دامن پر بچھا دیتا ہے اور زمین کا سمندر فضا میں موجیں مارنے لگتا ہے اسکو کوئی گھوڑا بھیجنے کی کیا ضرورت تھی یہ تو قدرت کا ایک برقی نظام تھا جو حضور کو زمین سے اٹھا کر قاب قوسین او ادنیٰ تک لے گیا۔ انسان کی سمجھ سے باہر ہے۔ سلیمان کا بساط کیا کوئی گھوڑا تھا وہ بھی ایک قوت برقی کا کرشمہ تھا چونکہ اسکی طاقت کم تھی اس لئے وہ صرف فضا میں چکر لگاتا تھا برخلاف اس کے براق وہ زبردست برقی قوت تھی جو حضور کو کائنات کے نقطہ آخر تک لے گئی۔ راکٹ جو انسان کو چاند تک لے گئے وہ بھی برقی قوت کا زور تھا۔ انسان کو اس قوت سے کام لینے کے لئے ایک خاص قسم کے مادی ڈھانچہ کی ضرورت تھی قدرت کو اس کی کیا ضرورت تھی۔ فرشتے جو رات دن زمین پر آتے رہتے ہیں وہ کیسے گھوڑے پر سوار ہو کر آتے ہیں جو نوری ہیں لیکن آخر یہ مخدوم جبرئیل ہی کو گھوڑے کی ضرورت ہوتی۔ براق کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ قوت برقی سے اس کا تعلق تھا یہ چیزیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں

شیر و برنج کا واقعہ معراج کے سلسلہ میں یہ روایت بھی گھڑ لی گئی ہے کہ حضور کی دعوت کا قدرت نے یہ سامان کیا کہ پردہ غیب سے ایک کاسہ میں شیر و برنج پیش کیا۔ چونکہ ہم مادیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں لہذا ہم کو عالم نور میں بھی اپنا ہی جیسا دسترخوان بچھا نظر آتا ہے ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

حضرت علی کے لہجہ میں بات چیت قرآن بتاتا ہے کہ عبد و معبود کے درمیان کچھ بات چیت شب معراج ضرور ہوئی ہے جیسا کہ آیہ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (اس نے اپنے بندہ کو وحی کی جو وحی کی) سے ظاہر ہے، وحی کی تین صورتیں ہیں اول خواب میں بتانا یہ صورت تو معراج میں تھی نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ کی معرفت کچھ بتانا یعنی فرشتہ وہاں تھا کہاں۔ امین وحی یعنی جبرئیل تو سدرہ ہی سے الگ ہو گئے تھے اب تیسری صورت رہ جاتی ہے یعنی پس حجاب سے آواز آنا تو اب آواز و کلام کی بحث سے بحث کرنی ہے وہاں کوئی مادی دیوار یا پردہ تو حائل نہ تھا جو کچھ بات ہوئی حجاب نور کے عقب سے ہوئی یہ حجاب امکان و وجوب کے درمیان ماننا پڑے گا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ خدا کا متکلم ہونا ہماری طرح نہیں۔ ہم اپنے منہ میں زبان کو حرکت دے کر کلام کرتے ہیں اللہ کے نہ منہ ہے نہ زبان۔ اس کے متکلم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز میں چاہے کلام پیدا کر دے جیسے حضرت موسیٰ کے لئے درخت میں آواز پیدا کر دی یہ آواز ایسی ہونی چاہیے کہ سننے والا اس سے مانوس ہو

اس کے ساتھ یہ بھی مانئے کہ قاب قوسین او ادنیٰ وہ مقام ہے جہاں مادی مخلوق میں سے کوئی چیز نہیں نہ دیوار ہے نہ درخت نہ فرشتہ نہ جن اب بتلائیے وہاں کس مخلوق سے کلام پیدا کر کے اپنے رسول کو سنائے اجنبی آواز سے ضرور رسول گھبرائیں گے لہذا ضرورت ہوئی کہ کسی ایسی مخلوق کی زبان میں بات چیت کی جائے جو محبوب رسول بھی ہو اور عالم نور میں رسول کے ساتھ بھی رہا ہو اس کو اس درجہ تقرب ایزدی حاصل ہو کہ اس کی زبان لسان اللہ کہی جا سکے یہ خصوصیت سوائے حضرت علی کے دوسرے کو حاصل نہیں لہذا ماننا پڑے گا کہ حضرت علی کے

تنہائی میں بات چیت ہوئی جو کچھ بھی ہوئی۔ چونکہ بمفہوائے فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ وہ رازداری کی بات تھی لہذا ایک رازداری کے لہجہ میں ہونی چاہئے تھی

یہ کوئی ناک بھوں چڑھانے کی بات نہیں اب تو ٹیلی ویژن اس کو آسانی سے سمجھا سکتا ہے جب بندوں کی آواز اور انکی تصویر ملکوں ملکوں میں گھر گھر پہنچائی جاتی ہے تو قدرت کے نزدیک کون بڑی بات تھی کہ وہ علی کی آواز بھی سنوا دے اور ان کا ہاتھ بھی دکھا دے یہ اس لئے کیا گیا کہ مابعد زمانہ میں اگر ٹیلیویژن اور ریڈیو جیسی ایجادیں ظہور میں آئیں تو رسول کی فوقیت ان پر قائم رہے۔

سفر میں سرعت حضور سرور انبیا اس سفر سے اتنے جلد واپس آگئے کہ بستر خواب کی گرمی ختم نہ ہونے پائی تھی۔ اس پر بھی لوگوں کو تعجب ہونا چاہئے انسان کا بنایا ہوا راکٹ ایک منٹ میں ہزارہا میل طے کرتا ہے راکٹ کو چھوڑئے اپنی نگاہ پر ایک نظر ڈالئے ایک منٹ کے ہزارویں حصہ میں آسمان کی وسعت کو دیکھ کر واپس آجاتی ہے۔ نہ صرف اس کی وسعت کو دیکھتی ہے بلکہ اس کے چاند تاروں وغیرہ کو بھی جب خدا نے ابراہیمؑ کو ایک نظر میں نظام آسمان و زمین دکھا دیا اگر اس نے اتنے جلد تمام نظام سماوی دکھا دیا تو کیا تعجب کی بات ہے۔ اس قسم کے اعتراضات صرف اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ ہم نے انبیا و مرسلین کے قوائے جسمانی اور حواس مادی کو اپنا ہی جیسا سمجھ رکھا ہے حالانکہ ان کے اور ہمارے قویٰ اور ہمارے حواس میں زمین و آسمان کا فرق ہے

ہجرت رسول

مشرکین مکہ کی ایذا رسانی جب اپنا دم توڑ چکی اور تشدد پسندی کی رگیں ڈھیلی پڑ چکیں تو انھوں نے قتل کا منصوبہ باندھا۔ وحی نے اس سازش سے حضرت کو آگاہ کر دیا۔ آپ نے حضرت علی کو کفار کے ارادہ کی خبر دی اور فرمایا آج کی رات تم میرے بستر پر سو رہو میں غار ثور کی طرف جا رہا ہوں تم تین دن مکہ میں قیام کر کے عورتوں کو ساتھ لے کر اور کافروں کی جو امانتیں میرے پاس ہیں انہیں انکے سپرد کر کے میرے پاس مدینہ چلے آنا۔

یہ واقعہ اپنے دامن میں بہت سے سربستہ راز لئے ہوئے ہے۔ جن کا بیان ضروری ہے

(۱) اس بات کا قوی خطرہ پیش تھا کہ اس رات جو فرش رسول پر ہوگا رسول کے دھوکہ میں قتل کر دیا جائے گا علی علیہ السلام نے بڑی خوشی سے رسول کا فدیہ بننا گوارا کر لیا ایک آن کے لئے دل میں یہ وسوسہ پیدا نہ ہوا کہ حضور مجھے تو موت کے منہ میں دے رہے ہیں اور اپنے کو بچا رہے ہیں یہ حضرت علیؑ کے کمال ایمان کی مستحکم دلیل ہے

(۲) رسول کو علی کی شجاعت اور رازداری پر کتنا اعتماد تھا کہ کسی شبہ نے دل میں راہ نہ لی۔ اس وقت حضور کی سلامتی اور اسلام کی زندگی کی پوری پوری ذمہ داری علی کے استقلال و ثبات پر تھی۔ علی کے سوا کوئی دوسرا ہوتا تو معلوم کن حالات کے تحت اپنی رات کاٹتا تھرتھراتا۔ گھبراتا روتا پیٹتا اٹھتا بیٹھتا ساری رات تارے گن گن کر گزارتا کیونکہ بظاہر یہ رات زندگی کی آخری رات سمجھی جا سکتی تھی۔

علی نے خوف و ہراس کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دیا سوئے اور بڑے اطمینان سے سوئے۔ جس قدر موت زیادہ قریب تھی اسی قدر اطمینان زیادہ تھا شجاعت کی یہ شان علی سے مختص ہو کر رہ گئی۔

(۳) مشرکین رات بھر برہنہ تلواریں لئے خانہ رسالت کے گرد گھومتے رہے صبح ہوتے ہی وہ بے محابا اندر داخل ہو گئے۔ علی کو دیکھ کر حیران ہوئے خشمناک لہجہ میں پوچھا محمد کہاں ہیں؟ اگر صرف بشریت مقابلہ میں ہوتی تو تھرتھرانے لگتے اور گھبرا کر اپنی جان بچانے کے لئے بتا دیتے کہ فلاں مقام پر ہیں لیکن چونکہ ان اللہ معنا پر ایمان تھا بے جھجک جواب دیا کیا مجھے سونپ گئے تھے کہ پوچھتے ہو جہاں ہوں جا کر ڈھونڈو۔ اس وقت تلوار نوک در چل جاتی لیکن کفار کو جلدی یہ تھی کہ ابھی حدود مکہ سے باہر نہ نکلے ہونگے۔ تعاقب کر کے جلد پتہ لگا لینا چاہئے۔

(۴) امانتوں کا سونپنا معمولی کام نہ تھا۔ سب مسلمان سدھار چکے تھے مکہ کے خون آشام مشرک تھے اور علی مگر وہ رہے بہادر بے خوف وہراس ایک ایک کے گھر جا کر انکی امانتیں پہنچا دیں۔ اس موقع پر ایک تو رسول کی جان بچائی دوسرے آبرو بچائی اگر امانتیں ادا نہ ہوتیں تو کفار خیانت کا الزام لگاتے اور آپ کی صادق اور امین کی صفت مشکوک ہو جاتی اور دامن عصمت پر دھبہ لگ جاتا۔

(۵) تیسری خدمت جو رسول نے سپرد کی تھی وہ زنان بنی ہاشم کا مدینہ پہنچانا تھا۔ اکیلا آدمی ہو تو چھپ چھپاتا جان بچا کر نکل جائے مگر یہاں تو عورتوں کا ساتھ تھا۔ سواری کا مہیا کرنا اور مکہ سے مدینہ تک انتہائی پر خوف سفر دشمن کے جاسوس ہر طرف لگے ہوئے۔ مگر علی [illegible] کیا جانیں سب کو لے کر روانہ ہو گئے۔ عورتیں سوار تھیں اور خود پیدل۔ گرمی کا موسم پہاڑوں اور ریگستانوں کا سفر۔ پیدل پاؤں سوجھ [illegible] پیروں کے چھالے پھوٹ کر زخم بن گئے مگر جو قدم آگے بڑھ رہے تھے وہ پیچھے نہ ہٹے۔ راستہ میں دشمن سے ٹکر بھی ہوئی مگر خدا کے شیر پر کون غالب آتا۔

(۶) مسلمان مانیں یا نہ مانیں اگر اس رات ذرا سی بزدلی علی پر غالب آ جاتی تو نہ رسول کی جان بچتی نہ علی کی نہ ابوبکر کی کفار دونوں کو کاٹ کر رکھ دیتے۔ کیا حضرت ابوبکر کو یہ احسان بھلا دینا چاہئے تھا۔

رسول غار ثور میں

رات کے گھپ اندھیرے میں خدا کا محبوب رسول گھر سے نکل کر غار ثور کی طرف روانہ ہوا۔ کیسا پر خطر کا وقت تھا۔ قدم قدم پر شرکوں کے آنے کا دھڑکا لگا ہوا تھا راہ میں کسی کے قدم کی چاپ سنائی دی سمجھے کوئی مشرک آ رہا [illegible] تیزی سے چلے تو ٹھوکر لگی انگوٹھا زخمی ہو کر خون دینے لگا مڑ کر دیکھا تو حضرت ابوبکر ہانپتے کانپتے چلے آ رہے ہیں۔ لوٹا دینے کا [illegible] نہ تھا مجبوراً ساتھ لے لیا۔

مورخین کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر [illegible] چڑھا کر غار تک لے گئے اس روایت کو تسلیم کرنے میں یوں تامل ہوتا ہے کہ اگر صحیح مان لی جا[illegible] تو حضرت کے قدم کے نشانات غار تک زمین پر نہ بنتے جن کو پہچانتا ہوا نقش شناس کفار کو غار تک لے گیا اس پر غور کرنے کے [illegible] روایت میں جان ہی باقی نہیں رہتی۔ یہ غار مکہ سے ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر ہے اس میں بمشکل دو آدمیوں کے لئے جگہ تھی [illegible] ابوبکر داخل ہوئے پھر آنحضرت خدا نے حفاظت کا یہ بندوبست کیا کہ غار کے دہانہ پر جس درخت کی شاخیں چھائی ہوئی تھیں وہاں کبوتر نے گھونسلا بنا کر انڈے دیدئے اور مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا۔ مشرکین وہاں تک پہنچے ضرور مگر مکڑی کا جالا اور کبوتر کو انڈوں پر بیٹھا [illegible] سمجھے کہ اگر اس غار میں داخل ہوتے تو کبوتر اڑ جاتا اور جالا ٹوٹ جاتا ناکام واپس ہو گئے

جب وہ غار کے دہانے پر کھڑے بات چیت کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر پر خوف طاری ہوا۔ ہونا چاہئے تھا یا نہیں اس کا فیصلہ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں رونے یا نہ رونے اللہ بہتر جانتا ہے لیکن اضطراب اس حد تک ضرور پہنچا کہ بصراحت قرآنی رسول کو یہ کہنا ضرور پڑا لاتحزن ان اللہ معنا۔ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ کتنا فرق ہے حضرت علی اور ابوبکر کی قلبی حالت میں

صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ اس غار میں کچھ سوراخ سانپوں کے تھے حضرت ابوبکر کی تیز نظر نے انہیں بھانپ لیا انھوں نے بمقتضائے احتیاط اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر ان کو بند کرنا شروع کیا کپڑا ختم ہوگیا پھر بھی ایک سوراخ باقی رہ گیا مجبوراً اس پر پیر کا انگوٹھا رکھ دیا۔ سانپ نے فوراً ڈس لیا۔ چودہ برس بعد اس کا زہر رنگ لایا اور اسی میں آپ کی شہادت واقع ہوگئی۔ ہم اس روایت پر کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتے خوش اعتقادی فضیلت کے ایسے بہت سے گوشے تلاش کر لیتی ہے۔ درایت البتہ ایسی روایتوں پر ناک بھوں چڑھاتی ہے کیونکہ اس کی تمام چولیں ڈھیلی ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ حضرت ابوبکر کی معیت سے حضرت رسولِ خدا کو کیا فائدہ پہنچا اور اگر یہ رسول کے ساتھ نہ ہوتے تو کیا نقصان پہنچتا۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ یہ سلسلۂ ہجرت حضرت ابوبکر سے پہلے قرار داد ہو چکی تھی اور حضرت نے اپنی اسکیم سے ان کو آگاہ کر دیا تھا اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابوبکر شب ہجرت یہ پوچھنے جاتے کہ حضور کہاں گئے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے کفار کے پہرہ میں یہ خانۂ رسالت کے اندر کیسے داخل ہو گئے۔ اگر حضور کو لے جانا ہوتا تو جیسے علی سے کہا تھا کہ آج کی رات تم میرے فرش پر سو رہنا ان سے بھی کہتے کہ آج رات تم میرے ساتھ چلنا ایسی صورت میں حضرت علی سے پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

غار ثور سے مدینہ کا سفر | تین روز غار ثور میں رہ کر آنحضرت مع ابوبکر مدینہ کو روانہ ہوئے۔ صاحب تاریخ اسلام لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن اریقط حضرت کے لئے اونٹ لے آیا اور عامر بن فہیرہ ابوبکر کے لئے یہ دونوں آدمی بطور دلیل مدینہ تک ساتھ گئے

مورخین لکھتے ہیں کہ یہ دونوں اونٹ حضرت ابوبکر نے سپلائی کئے تھے یعنی حضرت کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں فروخت کئے تھے جنہیں چار چار سو درہم میں خریدا تھا۔ یہ روایت مورخین کو لکھنی نہ چاہئے تھی اس سے تو حضرت ابوبکر پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نفع کے ساتھ رسول کے ہاتھ بیچے حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے لئے اونٹ کا بندوبست پہلے ہی کر لیا تھا چنانچہ عبداللہ بن اریقط بر وقت لے کر آگیا۔

آنحضرت کا ورود قبا میں اور پھر مدینہ میں داخلہ | ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ وقت زوال حضور کا ورود قبا میں ہوا یہ بستی مدینہ سے دو میل دور ہے۔ جناب سلمان رضی اللہ عنہ یہیں آکر مشرف باسلام ہوئے تھے تین روز بعد حضرت علی بھی پا پیادہ مکہ سے آکر حاضر خدمت ہو گئے آنحضرتؐ حضرت علی کے صحیح سالم آنے پر بے حد خوش ہوئے ان سے بغلگیر ہوئے۔ جب پنڈلیوں پر ورم اور پیر زخمی دیکھا تو رو پڑے۔ حضرت کے ہاتھ پھیرنے سے وہ زخم اچھے ہو گئے۔

۱۶ ربیع الاول روز جمعہ حضرت مدینہ منورہ میں تشریف لائے حضرت علی آپ کے پاس اونٹ پر بیٹھے تھے۔ ہر شخص کی خواہش تھی حضور میرے مکان پر قیام فرمائیں آپ نے فرمایا جس گھر کے سامنے میرا اونٹ بیٹھ جائے گا وہیں ٹھہروں گا ابو ایوب کی قسمت کا ستارہ چمکا آپ نے انہی کے گھر میں قیام فرمایا۔ دوسرے ہی روز ایک زمین خرید کر کے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی۔

مسجد نبوی | یہ مسجد بنانے کے لئے کھجور کے درخت کاٹے گئے ان کے تنوں کے ستون بنائے گئے پتوں سے چھت پاٹی گئی۔ دیواریں

بنیں۔ مسجد کا فرش بھی کچا تھا۔ اس مسجد کی چوڑائی ۵۴ گز اور لمبائی ۶۰ گز تھی ۱۶۱/۲ سال بعد کعبہ قبلہ قرار پایا اس سے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جاتی تھی۔ اس مسجد کا ایک حصہ جو صفہ کہلاتا تھا ان نادار مسلمانوں کے لئے رکھا گیا جو بے گھر تھے انکی تعداد ۷۰ سے ۸۰ تک پہنچ گئی تھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں حضرت نے خود بھی کام کیا۔ عمار یاسر حضرت کے بدلے دوگنا کام کرتے تھے رات کو روشنی کھجور کی ٹہنیاں جلا کر کی جاتی تھی۔ زمین پر ٹھیکرا، درستوں سے پشت لگا کر حضور وعظ فرمایا کرتے تھے۔ مسجد سے متصل آنحضرت نے اپنی ازواج اور گھر والوں کے مکان بنوائے اول ام المومنین جناب سودہ اور عائشہ کا گھر بنا پھر رفتہ رفتہ دیگر ازواج و اقربا کے مکانات بنتے گئے ہم بار بار یہ دکھاتے چلے آرہے ہیں کہ مسلمان مورخین بے سوچے سمجھے جس روایت کو چاہتے ہیں نقل کر دیتے ہیں تاکہ انکی کتابوں کے خالی صفحے پر ہو جائیں۔ چنانچہ طبری اور حبیب السیر میں یہ روایت درج ہے کہ جب مکانات بن گئے تو آنحضرت نے زید بن حارثہ اور ابورافع کو دو اونٹ دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا کہ حضرت فاطمہ۔ ام کلثوم سودہ بنت زمعہ۔ اسامہ بن زید اور ان کی والدہ ام ایمن کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ انہی کے ساتھ عبداللہ بن ابی بکر بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ چلے آئے اور طلحہ بن عبیداللہ بھی آپ کے ساتھ مدینہ آئیں۔ ہماری عقل نہ اس کو قبول یہ روایت وضع کرکے حضرت علی کی یہ فضیلت ختم کر دی گئی کہ زنان بنی ہاشم آپ کے ساتھ مدینہ آئیں۔ ہماری عقل نہ اس کو قبول کرتی ہے نہ ایمان۔ کیسے ممکن تھا کہ حضرت علی خود تو چلے آتے اور جگر پارہ رسول حضرت فاطمہ کو اور حرم رسول جناب سودہ وغیرہ کو دشمنوں میں چھوڑ آتے وہاں کون ایسا معتمد تھا جس کی نگرانی میں ان مخدرات کو چھوڑا جاتا۔ زید بن حارثہ اور ابورافع چاہے کیسے ہی پارسا غلام سہی لیکن رسول کی حمیت کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ ان اغیار کے ساتھ اپنی ناموس کو بلائیں۔ جن لوگوں کی نظر میں احترام رسول معمولی بات ہو ان کو ایسی روایات درج کرنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے ہم یہ کتاب ایسی ہی روایات کا اپریشن کرنے کے لئے لکھ رہے ہیں یہ بات بھی اس سلسلہ میں قابل غور ہے کہ مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے ازواج کے مکانات بننے تک اپنے گھر کی مخدرات کو مدینہ بلانے کا کام ملتوی رکھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ مکانات ایک دو دن میں تو بن نہ گئے ہوں گے کم از کم دس بارہ روز کا وقت ضرور لگا ہوگا اس تاخیر کو حضرت نے کس دل سے منظور کر لیا ہوگا جبکہ مکہ میں ان کی حفاظت کا کوئی بند و بست نہ تھا۔

کیا اچھا ہوتا کہ مسلمان مسجد نبوی کی وہی شان باقی رکھتے جو عہد رسالت میں تھی تاکہ مسلمانوں کے ایمان میں تازہ جان آتی رہتی۔ اور عہد رسالت کا ایک نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا۔ حضرت عمر کے عہد میں ہی اس کا وجود ختم کرکے اسے نئی صورت دی گئی پھر جو بادشاہ آتا گیا اپنے اپنے خیال کے مطابق ترمیم و تنسیخ کرتا گیا تا اینکہ جو صورت اب ہے وہ ظہور میں آئی۔ مسجد بڑی طویل و عریض اور شاندار بن گئی مگر وہ بات کہاں جو اس چھپر والی مسجد میں تھی جس کی تعمیر میں رسول اللہ نے بھی حصہ لیا تھا۔

ذوالنون مصری ایک بڑے صوفی صافی تھے ایک بار وہ مدینہ آئے تو ہر طرف مسجد رسول کو تلاش کرنے لگے۔ لوگوں نے کہا کس چیز کی تلاش ہے انھوں نے کہا مسجد رسول کی تلاش ہے انھوں نے کہا بڑے تعجب کی بات ہے اتنی بڑی شاندار مسجد آپ کو نظر نہیں آتی فرمایا یہ تو کسی بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے میں تو اس مسجد کو تلاش کر رہا ہوں جو حبیب خدا حضرت محمد مصطفےٰ نے بنائی تھی تاکہ اس کے ایک ایک ذرہ کو بوسہ دوں اور اس کے ایک ایک ستون سے لپٹ کر ابولبابہ کی طرح اپنے گناہوں کی معافی مانگوں

عقد مواخات

ہجرت کے پانچ ماہ بعد حضور نے مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قایم کیا یعنی ایک مہاجر کو ایک انصار کا دینی اور دنیوی بھائی بنایا تاکہ وہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں۔ جو جس مزاج و طبیعت اور ایمان و خلوص کا تھا اس کا بھائی اُس کو بنایا گیا جو ان خصوصیات میں اس کی مثل تھا۔ جب تمام مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قایم ہو چکی تو حضرت علی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو یوں ہی رہ گیا۔ آپ نے فرمایا تمہارا بھائی دنیا و آخرت میں میں ہوں۔

تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں فخریہ فرمایا۔ اے مسلمانو! میں رسول اللہ کا بھائی ہوں اور اللہ کا بندہ ہوں۔ تاریخ الخمیس اور حبیب السیر میں ہے کہ جب آنحضرت مکہ میں تھے اس وقت بھی آپ نے اخوت قایم کی تھی اور حضرت علی کو اپنا بھائی بنایا تھا۔ حضرت علی اور رسول خدا کے درمیان دو قسم کی مواخات تھی ایک نسبی یعنی رسول کے چچازاد بھائی تھے دوسرے دینی اخوت جس کا رشتہ پہلی اخوت سے زیادہ مضبوط تھا اور اسی پر حضرت علی نے فخر کیا۔ یہ فخر سوائے حضرت علی کسی کو حاصل نہ تھا۔

ہجرت کے بعد جو مہاجر مدینہ میں آئے انصار نے ان سے بڑی فراخ حوصلگی اور عالی ہمتی سے کام لیا۔ ان کو رہنے کے لئے گھر دیئے انکی معاش کا انتظام کیا ان کو اپنے کاروبار میں شریک کیا۔ دکھ سکھ میں ان کے ساتھی رہے لیکن رسول کے بعد مہاجرین انکی طرف سے بدگمان ہی رہے چنانچہ سقیفائی خلافت قایم ہونے کے بعد ان کے حقوق کا کوئی لحاظ نہ کیا گیا۔ اور تمام بڑے عہدوں سے ان کو دور رکھا گیا

عقد حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام

اصحاب رسول میں سے کئی حضرات جناب فاطمہ زہرا سے عقد کے خواہشمند تھے جن میں حضرت ابوبکر و عمر بھی شامل تھے لیکن آنحضرت نے منظور نہ فرمایا اور یہ کہکر ٹال دیا کہ میں اس بارہ میں وحی کا منتظر ہوں لیکن جب حضرت علی نے پیغام دیا تو آپ نے منظور فرما لیا اور شادی ہو گئی۔ اس واقعہ کے تحت میں حسب ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں۔

(۱) انبیا و مرسلین کے سلسلہ میں یہ سب سے پہلی اور آخری شادی ہے جس کا اہتمام قدرت نے عرش پر کیا اور عقد کا گواہ ملائکہ کو بنایا۔

(۲) یہ سب سے پہلی شادی ہے جو اسلامی طریقہ پر ہوئی یعنی اس شادی کی تمام رسوم اسلامی تھیں جن میں رسوم عرب کو دخل نہ تھا

(۳) اسلام میں صرف یہی وہ اکیلی لڑکی ہے جس کے باپ نے باوجود بادشاہ دین و دنیا ہونے کے ایسا مختصر جہیز دیا جو ایک غریب آدمی کی ضروریات زندگی کو پورا کر سکتا تھا۔ کاش یہ رسم مسلمانوں میں رائج ہو جاتی تو لڑکی والوں کو نہ گھر بیچنا پڑتا اور نہ سودی قرضہ لینا پڑتا۔ نام و نمود کے شوق میں اور تفوق و برتری کے خبط میں ہم نے یہ طریقہ چھوڑ کر خود اپنے لئے مصیبت مول لی ہے

(۴) معلوم ہوا کہ سیدۂ عالمین کا کفو علی کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس ہمسری میں نہ مال و دولت کو دخل تھا اور نہ

کسی قبیلہ کی سرداری کو بلکہ عصمت و طہارت علم و قربت پر نظر تھی علی کا روحانی پیکر انہی چار عنصر سے بنا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ جن کی درخواستیں رسول نے رد کی تھیں ان کے دلوں میں حسد کا کانٹا کھٹک گیا ہو اور بعد میں وہ واقعات پیش آئے ہوں جو اسی کا شاخسانہ ہوں۔

(۵) اس عقد میں جو اہتمام کیا گیا وہ بتاتا ہے کہ رسول کی ایک ہی صاحبزادی تھیں ورنہ اوروں کے لئے بھی یہی صورت مدنظر رکھی جاتی۔ صاحب ارجح المطالب مولوی عبید اللہ امرتسری نے باب مصاہرت کے تحت ایک حدیث نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے

اے علی! خدا نے تم کو تین فضیلتیں ایسی دی ہیں جو کسی اور کو نہیں دیں یہاں تک کہ مجھے بھی۔ اول یہ کہ تم کو مجھ جیسا خسر ملا۔ میرا خسر ایسا نہیں۔ دوسرے تم کو بی بی ملی صدیقہ میری بیٹی فاطمہ زہرا۔ میری کوئی بی بی ایسی نہیں۔ تیسرے تم کو بیٹے ملے حسن و حسین جیسے۔

اس حدیث میں پہلی بات قابل غور ہے "تم کو مجھ جیسا خسر ملا" اگر آپ کسی دوسرے کے خسر ہوتے تو یہ نہ فرماتے کہ تم کو تین باتیں ایسی ملی ہیں جو کسی کو نہیں ملیں۔ دوسرا داماد ہوتا تو ضرور یہ اعتراض کرتا کہ کیا آپ میرے خسر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ آپ صرف حضرت علی کے خسر تھے۔ اور فاطمہ زہرا کے سوا آپ کی کوئی صلبی بیٹی نہ تھی۔

سدّ ابواب

صاحب ارجح المطالب نے ص ۵۱۵ پر لکھا ہے کہ احمد نسائی اور طبرانی نے زید بن ارقم سے اور براء بن عازب سے روایت کی ہے کہ چند اصحاب رسول کے دروازے مسجد نبوی میں تھے۔ رسول اللہ نے ایک روز حکم دیا کہ علی کے دروازہ کے سوا سب دروازے بند کر دئے جائیں۔ اس پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں اور یہ امر سخت ناگوار گزرا انھوں نے عباس سے کہا آپ جا کر رسول اللہ سے کہئے کہ انہیں ایسا نہ کرنا چاہئے تھا چنانچہ وہ آئے اور کہنے لگے آپ نے ہم لوگوں کی سخت توہین کی سب دروازے بند کرا دئے صرف ایک علی کا دروازہ کھلا رکھا آخر ان میں کیا خصوصیت ہے۔ حضرت نے فرمایا نہ تو میں نے کھولا تھا اور نہ بند کیا بلکہ میں نے تو حکم خدا کی تعمیل کی ہے اس کا یہی حکم ہے کہ علی کے دروازہ کے سوا کوئی دروازہ اندر نہ کھلے یہ سن کر وہ منہ بنائے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس واقعہ میں چند باتیں غور طلب ہیں۔

(۱) دروازوں کے بند کرنے کا حکم کیوں ہوا ضرور کوئی بات حرمت مسجد کے خلاف عمل میں آئی ہوگی یا تو بحالت جنابت صحن مسجد سے گزرتے ہونگے یا وہاں ایسی بات چیت ہوتی ہوگی جو احترام مسجد کے خلاف ہوگی یا تجارتی سودے بازی ہوتی ہوگی۔ جب یہ حکم ہوا تو بعض اصحاب نے کھڑکی رکھنے کی اجازت چاہی مگر نہ ملی بعض نے صرف روشندان رکھنا چاہا مگر یہ بھی منظور نہ ہوا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس قدر سخت احتیاط کیوں مدنظر رکھی گئی۔

(۲) ذرا اس حدیث پر غور کیجئے اے علی سوائے میرے اور تمہارے کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ بحالت جنابت میری مسجد سے گزرے (ارجح المطالب

جو لوگ رسول اور علی کو اپنا ہی جیسا گمان کرتے ہیں ذرا اس حدیث پر غور کریں یقیناً یہی وجہ ہوگی کہ علی کا دروازہ بند نہ کیا گیا۔ کیونکہ مسجد کی طہارت میں احتمال نجاست نہیں ہو سکتا اس حدیث کی تصدیق آیت تطہیر سے ہوتی ہے۔

بکشود مصطفےٰ در حیدر بمسجد ش
تا بر سی بہ بیت خدا از در علی

جہاد

عہد رسالت میں جہاد کی دو صورتیں تھیں ایک وہ لڑائیاں جن میں حضرت خود شریک ہوتے تھے اسلامی اصطلاح میں ان کو غزوات کہتے ہیں۔ دوسری وہ لڑائیاں جن میں کوئی سردار فوج لشکر لے جاتا تھا اس کو سریہ کہتے ہیں۔ غزوات کی تعداد انیس[۱۹] سے ستائیس[۲۷] تک بیان کی جاتی ہے اور سرایا کی تعداد ۵۶ تھی۔

دنیا کی سیاسی اور ملکی لڑائیوں سے اسلامی جہاد ایک الگ چیز تھی۔ اسلامی جہاد میں جارحانہ حملوں کو دخل نہ تھا بلکہ ایسے لوگوں سے جنگ کی جاتی تھی جو نہ تو اسلام قبول کرتے اور نہ سلطنت اسلامیہ کی رعایا بن کر رہنا چاہتے اور ایسے لوگوں سے جو مسلمانوں پر حملہ کرتے یا راستوں میں اسلامی قافلوں کو لوٹتے یا ان کے مویشی ہنکا کر لے جاتے۔ ان میں جو کفار جزیہ دینا منظور کرتے ان سے جنگ نہ کی جاتی یہ جہاد فی سبیل اللہ ہوتا تھا جو قوت ایمانی کے زور پر لڑا جاتا تھا اس میں زمانہ جاہلیت یا دنیوی معرکہ آرائیوں کی طرح خود غرضی کو دخل نہ تھا۔ صرف حفاظت دین اور ترویج اسلام اور تحفظ مسلمین کے لئے لڑا جاتا تھا۔ جو لڑائی سے بغیر عذر صحیح کے گریز کرتے یا میدان جنگ سے فرار کر جاتے وہ منافقین کہلاتے تھے۔

مجاہدین کا اسلام میں بڑا مرتبہ ہے وہ مرتے ہیں تو ان کو درجۂ شہادت نصیب ہوتا ہے زندہ رہتے ہیں تو غازی کہلاتے ہیں اسلامی غزوات و سرایا میں مجاہدین کو بتاکید شدید آنحضرت یہ باتیں سمجھا دیتے تھے۔ اور خلاف ورزی کرنے والوں پر حضور کا عتاب نازل ہوتا تھا

(۱) میدان جنگ سے جو جان بچا کر بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کرو

(۲) مقتولوں کے ناک کان نہ کاٹیں

(۳) مقتول کے بدن سے لباس نہ اتاریں۔

(۴) مقتول کی لاش تصداً نہ روندیں

(۵) عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کریں

(۶) گھروں میں آگ نہ لگائیں

(۷) جو مال میدان جنگ سے ملے وہ مال غنیمت سمجھ کر لے لو بستی کے اندر جا کر لوٹ مار نہ مچاؤ

(۸) بیمار یا اپاہج پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

(۹) جو لوگ طالب پناہ ہوں انہیں پناہ دو۔

(۱۰) جبراً کسی کو مسلمان نہ بناؤ۔

(۱۱) دورانِ سفر لوگوں کے باغوں اور کھیتوں کو تباہ کرتے نہ جاؤ۔

(۱۲) کسی پر پانی بند نہ کرو

(۱۳) قیدی عورتوں اور بچوں پر سختی نہ کرو۔

(۱۴) غیر مسلم تارک الدنیا لوگوں کی خانقاہوں پر حملہ نہ کرو

غزوات و سریات میں جو لوگ قید کئے جاتے تھے وہ غلام و کنیز بنائے جاتے تھے اس کے سوا چارہ کار نہ تھا اس زمانہ میں آج کل کی طرح جیل خانے نہ تھے کہ قیدیوں کو ان میں رکھا جا سکتا ان کو چھوڑا بھی نہیں جا سکتا تھا ورنہ وہ پھر فتنہ و فساد برپا کرتے۔ جب مال غنیمت تقسیم ہوتا تو قیدیوں کو بھی مجاہدوں پر تقسیم کر دیا جاتا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی جاتی۔

آنحضرت کے بعد اسلامی محاربات میں ان امور کا لحاظ نہ رکھا گیا اور اسلامی لڑائیاں نبوی لڑائیاں جیسی بن گئیں اور جو نہ ہونا چاہیے تھا وہ سب کچھ ہوا۔ غیر مسلم اقوام پر جارحانہ حملے ہی ہوتے تھے۔ فتوحات ملکی کو خلیفہ رسول کے فرائض میں داخل کر لیا گیا اور جس نے زیادہ فتوحات کیں خلیفہ اسلام اسی کے قدموں سے لپٹ گیا اور اسلام کا بہترین کارپرداز اسی کو سمجھا گیا

جہاد سے اسلام کا مقصد یہ تھا کہ ان نیرو قوتوں کو جو اشاعت اسلام میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں اور جو اسلامی حکومت کو ناپسند کرتی تھیں ان کو تہس نہس کیا جائے اور جب وہ حملہ آور ہوں یا حملہ کا ارادہ کریں تو ان سے مدافعانہ جنگ کی جائے پھر ان کی سرکوبی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے ایسے لوگ جہاں ملیں ان کو قتل کر دیا جائے۔ ہمارے مذہب میں بغیر اجازت امام جہاد نہیں ہو سکتا ہاں دفاعی جنگ ہر وقت ہو سکتی ہے۔ جہاد در حقیقت حفاظت خود اختیاری کے تحت تھا نہ کہ تسخیر ممالک کا شوق پورا کرنے کے لئے۔ ایسی لڑائیاں تو تمام اقوام عالم لڑا کرتی ہیں پھر ان میں اور اسلامی جہاد میں کیا فرق رہے گا

جزیہ

کفار و مشرکین میں جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور اسلامی حدود میں بحفاظت رہنا چاہتے تھے ان کے لئے یہ لازم قرار دیا گیا تھا کہ وہ اسلامی فوجوں کے خرچ کے لئے کچھ سالانہ رقم بطور ٹیکس ادا کریں۔ ایسے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کا فرض ہوتا تھا یہ جزیہ اتنا کم ہوتا تھا کہ کسی پر بار نہ ہوتا تھا امیروں سے ۴۸ درہم متوسطین سے ۲۴ درہم کاشتکاروں اور اہل حرفہ سے صرف ۱۲ درہم سالانہ۔ جو نقد نہ دے سکے اس سے جنس غلہ بھی لے لی جاتی تھی۔ بلکہ مویشی اور مال تجارت تک۔ عورتوں بچوں مفلسوں۔ بوڑھوں۔ اندھوں اپاہجوں اور دیوانوں پر کوئی ٹیکس نہ تھا۔ یہ تھی اسلام کی رواداری اور بنی نوع انسان سے ہمدردی۔ پادریوں اور رہبانوں سے بھی جن کی روزی دوسروں پر تھی کچھ نہ لیا جائے۔ وصول کرنے والوں پر یہ تاکید تھی کہ سختی سے وصول نہ کریں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ اسلام ظالم مذہب ہے یا بزور شمشیر پھیلا ہے وہ تعصب سے کام لیتے ہیں پیغمبر اسلام رحمۃ للعالمین تھے ان کی حکومت

ظلم و تشدد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
جن مسلمان بادشاہوں نے احکام اسلامی کی خلاف ورزی کر کے ملک گیری کی ہوس میں جارحانہ حملے کئے اور رعایا کو لوٹا کھسوٹا اور ان کو جبراً مسلمان بنایا وہ اپنے اس عمل کے خود ذمہ دار تھے اسلامی احکام سے ان کا کیا تعلق بے شک ان کے خلاف شرع کردار نے اسلام کو بدنام کیا جب لوگوں نے ایسی لڑائیوں کو اسلامی جنگ کا نام دیا انھوں نے سخت دھوکہ کھایا۔ پیغمبر اسلام نے جو حکومت قایم کی تھی اس کے آئین جنگ وہی تھے جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں وہ سب عدل و انصاف اور ہمدردی پر مبنی تھے۔ خود غرضی ہوس رانی اور ظلم پسندی کو اس میں دخل نہ تھا۔

غزوات و سرایا

سنہ ۲ھ میں سات غزوات ہوئے ان میں سے بعض میں جنگ ہوئی اور بعض میں نہیں وہ سات یہ ہیں
سریہ رابغ ۔ سیف البحر ۔ خرار ۔ بواط ۔ ذوالعشیرہ ۔ بدر اولیٰ ۔ بطن نخلہ ۔

غزوہ بدر کبریٰ مدینہ میں آنے کے بعد اسلام نے جو قوت حاصل کی کفار و مشرکین مکہ ان کی خبر سن کر سخت پریشان تھے اور جنگ کرنے کے لئے بے چین ۔ سنہ ۲ھ میں ابوجہل ایک ہزار سلحشور لشکر لے کر سرزمین یثرب پر آ گیا ۔ بدر کے کنوئیں کے قریب پڑاو ڈالا ۔ مسلمانوں کی تعداد اس وقت بہت کم تھی چنانچہ ان سے مقابلہ کے لئے جو مجاہد منتخب ہوئے انکی تعداد ۳۱۳ سے زیادہ نہ تھی ان میں سے بہت کم لوگوں کے پاس ہتھیار اور سواریاں تھیں یہ پہلا سخت معرکہ تھا جو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہوا اس معرکہ میں سب سے پہلے مشرکین سے مقابلہ کو نکلنے والے بنی ہاشم کے تین جوان علی ۔ حمزہ اور عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب تھے انکے حریف عتبہ ۔ شیبہ اور ولید قریش کے نامور نبرد آزما تھے ۔ سخت رن پڑا ۔ عبیدہ اس جنگ میں شہید ہوئے ۔ اس معرکہ میں ستر مشرکین قتل ہوئے اور ۱۴ مسلمانوں نے درجہ شہادت پایا ان ستر میں سے صرف حضرت علی نے ۳۵ آدمیوں کو قتل کیا ۔ کیا یہ شجاعت قابل داد نہیں

اس جنگ میں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین ہزار ملائکہ سے مدد کی ۔ اونچی عقل والے کہتے ہیں ایک ہزار دشمن کے مقابل تین ہزار ملائکہ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی صرف ایک فرشتہ ذرا پر مار دیتا تو سب ہلاک ہو جاتے دوسرے جو ستر مشرکین مارے گئے وہ تو مسلمانوں کے مقتول تھے ۔ ملائکہ نے جو قتل کئے وہ کشتے کہاں گئے ۔ کفار کی تعداد میں تو صرف ستر ہی کم ہوئے
جب کسی امر پر سطحی نظر ڈالی جائے تو ایسے ہی لغو اعتراض پیدا ہوتے ہیں ۔ قرآن نے یہ کہاں کہا ہے کہ ملائکہ نے کفار کو قتل بھی کیا تھا جو ان کے کشتے تلاش کئے جا رہے ہیں اس نے تو صرف مدد کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہدیا ہے کہ اس سے مقصود کفار کے قلوب کو مرعوب کرنا تھا چنانچہ جب انھوں نے بشمار صفیں ملائکہ کی بصورت انسان دیکھیں تو اوسان خطا ہو گئے اور میدان چھوڑ بھاگے ورنہ بے سروسامان تین سو مسلمان ایک ہزار سلحشور مشرکین کو کیسے شکست دے سکتے تھے ۔

تنقید وتبصرہ

ان کی بدحواسی اور کمزوری دلی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عباس جن کو عم رسول کہا جاتا ہے جو بڑے ڈیل ڈول کے آدمی تھے انکو ایک پستہ قد مسلمان ابوالیسر باندھ کر لے آیا۔ اور وہ کان دبائے چلے آئے۔

ہمارے مسلمان بھائی ابوطالب کے ایمان کو نہیں مانتے اگر وہ کافر ہوتے تو ان کا حال بھی ویسا ہی ہوتا جیسا اس چچا کا دیکھا گیا کہ بھتیجے سے لڑنے کے لئے کفار ومشرکین کے ساتھ نکل آئے اگرچہ جبراً لائے گئے ہوتے تو پھر جانے کا نام نہ لیتے۔ جب انھوں نے فدیہ طلب کرنے پر یہ عذر پیش کیا کہ میں تو مجبوراً ان کے ساتھ آیا ہوں مجھ سے فدیہ کیوں لیا جاتا ہے تو حضرت نے فرمایا دل کا حال تو خدا جانتا ہے اس وقت تو تم کفار کے ساتھ ہو چنانچہ ان سے فدیہ لیا گیا۔ ایک سفید جھوٹ تو یہ بولا گیا دوسرے یہ کہ جب فدیہ مانگا گیا تو کہنے لگے کہ میں تو مفلس قلاش ہوں میرے پاس کیا رکھا ہے کہ فدیہ دوں۔ حضور نے فرمایا کیا وہ رقم تمہارے پاس نہیں جو چلتے وقت چپ چپاتے اپنی بی بی ام الفضل کو دے آئے ہو۔ کہنے لگے آپ کو کس نے خبر دی فرمایا خداوند علیم وحکیم نے۔ اس کے بعد مکہ واپس گئے اور کفار سے خلط ملط ہو گئے یہاں تک کہ فتح مکہ تک ابوسفیان جیسے دشمن اسلام اور اس کی بی بی ہندہ جگر خوارہ سے مخلصانہ گٹھ جوڑ باقی رہا۔ اسی سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ ہڈی کسی اور بدن کی تھی۔

حضرت علی کی یہ شجاعانہ خدمت اسلام کس قدر قابل قدر تھی مگر افسوس ہے کہ یہ اسلامی ہمدردی آگے چل کر ان کے اور ان کے خاندان والوں کے لئے ایک عظیم الشان مصیبت بن گئی جنگ بدر میں چونکہ ابوسفیان کے سالے سسرے سب کو علی کی تلوار نے موت کی نیند سلا دیا تھا لہذا اولاد ابوسفیان کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اس نے جب تک اس خاندان کو تباہ وبرباد نہ کر دیا اور ایک ایک کو چن چن کر قتل نہ کرا دیا چین نہ آیا۔ واقعہ کربلا کے بعد یزید کا فخریہ یہ کہنا کہ میں نے کشتگان بدر کا بدلہ لیا ہے اسی کی صدائے بازگشت تھی۔ علی کی یہ بہترین خدمات جن حلقوں میں بدترین جرم قرار دی گئیں افسوس ہے کہ وہ احسان فراموش اور ننگ اسلام مسلمان کے دینی رہنما سمجھے گئے۔ اور ان کی مدح وثنا کے گیت گائے گئے۔

غزوۂ احد

بدر کی شکست کے بعد اس کی خجالت دور کرنے اور کشتوں کا انتقام لینے کے لئے ابوسفیان تین ہزار فوج لے کر مدینہ پر چڑھ آیا ان میں سات جوان زرہ پوش دو سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ جب حضرت کو خبر ملی تو آپ ایک ہزار سے کم مسلمانوں کو لے کر اس کے مقابلہ کو بڑھے۔ حضرت علی علمدار لشکر تھے اور اُحد پہاڑ کے دامن میں فوج اسلام اتری ہوئی تھی کوہ عقیق میں ایک درہ ایسا کہ دشمن ادھر سے آکر حملہ کر سکتا تھا آپ نے عبداللہ بن جبیر کو پچاس آدمیوں کا ایک دستہ دے کر اس درہ پر معین کیا اور بتا کہہ دیا کوئی بھی حالت ہو تم یہاں سے قدم نہ ہٹانا

جب جنگ کا آغاز ہوا تو قریش کی عورتوں نے دفوں پر نحن بنات الطارق نمشی علی النمارق کے جوش آفریں گیت گا گا کر مشرکین کے حوصلہ کو ابھارا۔ پہلے تو انھوں نے بے پناہ تیروں کی بارش کی جس سے مسلمان گھبرا گئے پھر میدان جنگ میں ان کے نامور بہادر مبارز طلبی کرنے لگے۔ سب سے پہلے طلحہ بن ابی طلحہ رجز پڑھتا ہوا نکلا حضرت علی اس کے مقابل ہوئے اور دو چار

اُسے واصلِ جہنم کیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے پے در پے حملے کر کے ان کی صفوں کو درہم و برہم کر دیا۔ اس گھمسان کی لڑائی میں حضرت حمزہ شہید ہوئے۔ جب کفار کو ابتدا میں شکست ہوئی اور مسلمان مالِ غنیمت لینے کی طرف بڑھے تو عبداللہ بن جبیر اور اس کے ساتھی مالِ غنیمت کے لالچ میں درہ چھوڑ کر بھاگے۔ ان کا وہاں سے ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید جو ایک ہزار فوج لئے کھڑا تھا درہ سے داخل ہو کر میدان میں آ گیا اور پیچھے سے مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ پھر کیا تھا جس کا منہ جدھر اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔ رسول پکارتے رہ گئے مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ کچھ نشیب کی طرف بھاگے جا رہے تھے اور کچھ پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے اور بز کوہی کی طرح بھاگے پھرتے تھے۔ میدان میں کافروں نے آواز لگا دی کہ محمد قتل ہو گئے۔ اس سے رہے سہے بیش لوگوں کے جاتے رہے۔ یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو جناب فاطمہ اور حضرت حمزہ کی بہن مضطربانہ حالت میں میدانِ رزم میں پہنچیں۔

حضرت علی جب مصروفِ جنگ تھے کفار کے ایک دستہ نے آنحضرت پر حملہ کر دیا۔ ایک ملعون نے پتھر مار کر حضور کے دندان مبارک کو شہید کر دیا۔ نیزوں کے کئی زخم بھی حضرت کے جسمِ اقدس پر لگے۔ آپ زخمی ہو کر ایک گڑھے میں جا گرے۔ حضرت فاطمہ حضرت کے پاس موجود تھیں۔ حضرت علی کا یہ حال تھا کبھی تو کفار کو مارتے ہٹاتے دور تک نکل جاتے، کبھی حضرت کی خدمت میں آتے۔ سپر میں پانی لا کر حضرت کے زخم دھلاتے۔ فاطمہ بوریا جلا کر راکھ زخموں میں بھرتیں۔ جب کفار بڑھتے ہوئے اس طرف آتے تو علی پھر جھپٹ کر ان پر حملہ کرتے۔ ہر ہر قدم پر جان خطرہ میں تھی لیکن اللہ کے شیر نے جب تک دشمن کو میدان سے بھگا نہ دیا تلوار نیام میں نہ کی۔ آپ ہی حضرت کو بحفاظت وہاں سے مدینہ لائے۔

واقعہ ختم ہو گیا اب اس سلسلہ میں چند باتوں پر غور کیجئے

(۱) جب علی رسول اللہ کے زخم دھلا رہے تھے تو جبریل امین نے آ کر کہا یا رسول اللہ یہ ہے مواسات (ہمدردی) فرمایا کیوں نہ ہو علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ جبریل نے کہا اور میں آپ دونوں سے ہوں۔ کیا اسلامی فوج میں کوئی اور بھی مجاہد ایسا ہے جس کو اس فضیلت میں ہلکی سی بھی شرکت ہو۔

(۲) جب اسلام کے بڑے بڑے نامور سردار بھاگ گئے تو حضرتؐ نے علی سے فرمایا اے علی ان کے ساتھ تم کیوں نہ بھاگے۔ فرمایا أَكفر بعد الایمان (کیا ایمان کے بعد میں کافر ہو جاتا) یہ فقرہ بہت غور طلب ہے۔ یہ فقرہ بتاتا ہے کہ حضرت علی کے نزدیک جہاد سے بھاگ جانا کفر تھا۔ ورنہ ایسا کیوں فرماتے۔ اس وقت نہ تو کفر و ایمان کی بحث تھی نہ اس کا کوئی ذکر تھا بلکہ صرف جنگ سے بھاگ جانے کے متعلق حضرت نے پوچھا تھا۔ اس کے جواب میں یہ کہنا چاہیئے تھا حضور میں لڑوں گا۔ جہاد کروں گا جان دوں گا منہ نہ پھیروں گا۔ مگر بجائے اس کے یہ کہا کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کے خیال میں اس وقت بھاگ جانے سے ایمان والے کفر کی صفت سے متصف ہو جاتے تھے۔ اگر حضرت علی کا یہ خیال غلط ہوتا تو حضرت رسولِ خدا کا فرض تھا کہ اس کی اصلاح کر دیتے اور فرما دیتے یہ کیا کہہ رہے ہو کیا تم بھاگ جاتے تو کافر ہو جاتے۔ کیا دوسرے صحابہ جو بھاگ گئے ہیں وہ کافر ہو گئے؟ پھر تم نے یہ غلط رائے کیوں قائم کی۔ لیکن حضرت نے قطعاً اس رائے کی تردید نہیں کی۔ حضرت علی نے یہ جو کچھ فرمایا اپنی رائے سے نہیں فرمایا بلکہ سورہ نور رکوع ۱۵ پ کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

انما المومنون الذین امنوا باللہ و رسولہ و اذا کانوا معہ علیٰ امر جامع لم یذہبوا حتی یستاذنوہ ان الذین یستاذنونک اولئک الذین یومنون باللہ و رسولہ (یعنی مومنین تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب کسی ایسی بات

کے لئے جس میں لوگوں کے جمع رہنے کی ضرورت ہے (جہاد) پیغمبر کے پاس ہوتے ہیں تو جب تک پیغمبر سے اجازت نہ لے لیں نہیں جاتے اے رسول جو لوگ اجازت لے لیتے ہیں حقیقت میں یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ اس آیت کو خدا نے لفظ انما سے شروع کیا ہے جو حصر کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان والے صرف وہی لوگ ہیں جو بغیر پیغمبر کی اجازت کے جہاد سے نہیں جاتے۔ پس اسی آیت سے استنباط کر کے حضرت علی نے فرمایا تھا۔

(۳) میں یہ نہیں کہتا کہ سب مسلمانوں نے غداری کی بزدلی دکھائی اور سب ہی بھاگ گئے۔ یہ کہنا بے انصافی ہو گی۔ ایسے بھی تھے جو جم کر لڑے ایسے بھی تھے جو شہید ہوئے۔ ایسے بھی تھے جنہوں نے کافروں کو قتل کیا اور ایسے بھی جو بے تحاشا بھاگ نکلے۔ ایسے لوگوں کے نام بھی اسلامی تاریخ کے سینہ پر نقش ہیں جو اتنے لمبے گئے کہ تین روز بعد لوٹے ان کے نام بھی معلوم ہیں جو ہانپتے کانپتے مدینہ میں آئے۔ ان کا بھی پتہ ہے جو پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے ہم کیوں کسی کی پردہ دری کریں۔ اللہ سب کو دیکھ رہا تھا اور رسول سب کا حال جانتے تھے لہذا وہ جانیں اور اللہ کا رسول جانے۔

(۳) جو لوگ اس معرکہ میں جم کر لڑے یا شہید ہوئے ان کی فضیلت سے انکار کرنا کفر ہے لیکن ہم فاضل کو نہیں بلکہ افضل کو تلاش کرنا چاہتے ہیں ہم اس بہادر کے عمل کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جس کی شجاعت کی تعریف ہاتف غیبی نے ان الفاظ میں کی لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار

(۴) ہم اس کامیابی کی مبارکباد اس بہادر کو دینا چاہتے ہیں جو اس معرکہ میں اول سے آخر تک قدم جمائے لڑتا رہا جس کی تلوار کی دھار پر مشرکین کی جانیں خس و خاشاک کی طرح کٹی جاتی تھیں جس نے سروں کی جھڑی لگا کر میدان جنگ کو لاشوں سے پاٹ دیا تھا۔

(۵) ہمارا اعتقاد جھک جھک کر اس عدیم المثال غازی کو سلام کرتا ہے جس نے مال غنیمت کو نظر اٹھا کر نہ دیکھا اور سرمایہ آخرت جمع کرنے کی فکر اول سے آخر تک لگا رہا۔

(۶) ہم تحسین و آفرین کے پھول اس سرفروش جاں نثار رسول کے طرہ دستار پر نچھاور کر رہے ہیں جس نے بغیر زرہ جنگ کی اور پشت پر ایک زخم نہ کھایا جس کے سینہ اور بازوں سے خون کی دھاریں بہ رہی تھیں مگر اس کی پشت نے دشمن کی ضرب کو اپنی طرف آنے ہی نہ دیا۔

(۷) لڑائی ختم ہونے کے بعد سب نے علی کی تعریف کی۔ علی کی دینی خدمات کو سراہا۔ رسول کے سامنے ان کے پے در پے حملوں کی تعریف کی لیکن جن آنکھوں نے یہ سب کچھ دیکھا تھا رسول کے مرتے ہی ان پر چربی چھا گئی۔ جن زبانوں نے آفرینوں کے پل باندھے تھے وہ اپنی قوت گویائی کھو بیٹھیں۔ وقت کی جھوٹی مکر و عیار کی زنبیل اور جادو گر کا تھیلا ہے جس میں بے شمار شعبدہ کاریاں بھری پڑی ہیں۔ اس نے بہت جلد لوگوں کو یہ دکھا دیا کہ جو پیچھے تھے وہ آگے آ گئے اور جو آگے تھے وہ دھکیل کر پیچھے کر دئے گئے جس کی بہادری کا ملک عرب میں ڈنکا بج رہا تھا وقت بدلتے ہی اس کا کوئی عمل قابل ستائش نہ رہا آج کا ہنر کل کا عیب تھا۔ جو حکومت کی داغ بیل ڈالنے کے لئے سربکف تھا آج وہ اپنی سیاسی حقوق سے دست برداری پر مجبور کیا جا رہا ہے اس کی میراث لٹ رہی ہے اور وہ خموشی سے دیکھ رہا ہے۔ نیکی برباد گناہ لازم اسی کو کہتے ہیں۔

(۸) اس جنگ میں ۴ یا ۶ مہاجر اور ۶۴ انصار مارے گئے اور ۷۰ مسلمان زخمی ہوئے۔ حضرت علی کے ہاتھ سے بارہ آدمی ایسے قتل ہوئے جو مشرکین کی فوج کے سردار یا علمدار تھے اس جنگ میں سب سے کم مہاجر اور سب سے زیادہ انصار شہید ہوئے

جنگ ختم ہونے کے بعد جب لوگ پلٹے تو انصار کے گھروں سے رونے کی آواز بلند ہوئی حضرت رسولخدا نے ایک آہ سرد بھر کر فرمایا ہائے میرے چچا حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں، جب انصار نے یہ سنا تو اپنی عورتوں سے کہا پہلے عم رسول حضرت حمزہ کے گھر جا کر ماتم کرو بعد میں اپنے شہیدوں کو رونا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے بکا علی المیت جائز ہے مجلس حسین میں رونے سے منع کرنے والے اور اس کے متعلق غلط احادیث پیش کرنے والے ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

(۹) حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد ابوسفیان کی بی بی، معاویہ کی ماں اور یزید کی دادی نے حضرت حمزہ کا سینہ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالا اور اسے چابنا شروع کیا مگر حلق سے اتر انہیں اسی لئے اس کا لقب ہندہ جگر خوار ہوا اس نے حضرت حمزہ کی لاش کو مثلہ بھی کیا۔ زمانہ کا یہ انقلاب دیکھنے کی قابل ہے کہ اس ماں کا پوت اور اس دادی کا پوتا ایک روز خلافت رسول کا مدعی بن کر اسلامی حکومت اپنا قلم چلا رہا تھا۔ ع ۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو ۔

غزوہ خندق

یہ جنگ ۵ھ میں ہوئی اس جنگ میں چونکہ مشرکین قریش کے ساتھ یہودیوں کے کئی قبیلے بھی ہو گئے تھے لہذا اس کا نام غزوہ احزاب بھی ہے مشرکین قریش کی تعداد چار ہزار تھی اور چھ ہزار آدمی یہودی دس ہزار کی جمعیت سے مدینہ پر چڑھائی کی گئی۔ مسلمان صرف تین ہزار تھے۔ جناب سلمان کی رائے سے دشمن کی روک کے لئے ایک خندق کھودی گئی۔ ۲۰ روز متواتر کھدائی ہوئی اس میں حضور نے بھی حصہ لیا۔ مسلمانوں کے گروہ بنا کر تھوڑی تھوڑی زمین کی کھدائی تقسیم کر دی گئی۔ حضرت سلمان چونکہ بڑی محنت سے کھود رہے تھے اس لئے ہر گروہ چاہتا تھا کہ ہم میں شامل ہو جائیں۔ آنحضرت نے فرمایا السلمان منا اہل البیت ۔ (سلمان ہم اہلبیت میں سے ہیں)

مسلمان مقابلہ سے اس لئے گھبرا رہے تھے کہ دشمن کی قوت ۳ گنا زیادہ تھی پھر غذا کا پورا بندوبست بھی نہ تھا موسم بھی خراب تھا اور ایک خاص بات یہ تھی کہ کفار کی جماعت میں عرب کا دیو پیکر اور نامور سردار عمرو بن عبدود بھی شامل تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ ایک ہزار کا مقابلہ تنہا کرتا ہے۔ ایک جگہ سے خندق ذرا تنگ تھا وہ اس طرف سے گھوڑے کو ایڑ دے کر اسلامی کیمپ میں آگیا اور بڑے زور سے للکارا کہ اے مسلمانو تمہارا عقیدہ ہے کہ جو شہید ہوتا ہے وہ سیدھا جنت میں جاتا ہے آؤ میں تمہیں جلد جلد جنت میں بھیجا جاؤں۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے پتے پانی ہونے لگے یا قرآن کی زبان میں یوں کہیے کہ کلیجے منہ کو آگئے اور اس طرح سر جھکا کر بیٹھ گئے گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں۔

وہ بار بار مستانہ انداز میں ہل من مبارز کے نعرے لگا رہا تھا۔ حضرت نے اہل لشکر سے فرمایا تم میں کون ایسا ہے کہ اس گستاخ ملعون کا سر کاٹ لائے کسی نے جواب نہ دیا بار بار حضور یہ ارشاد فرما رہے تھے ہر بار حضرت علی کھڑے ہو کر کہتے تھے یا رسول اللہ میں اس کے مقابل کو جاؤں گا حضور فرماتے تھے بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد جو چوٹی کے نامور سردار تھے ان کے نام لے کر جانے کا حکم دیا۔ حضرت عمر نے کہا حضور آپ کس کے مقابلہ کے لئے بھیج رہے ہیں ایک بار میں ایک قافلہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا یہ بھی اسی قافلہ میں ہم سفر تھا۔ ناگاہ راہ میں ایک ہزار ڈاکوؤں نے حملہ کیا اس اکیلے نے چار ہزار ڈاکوؤں کا مقابلہ کیا اور ایک اونٹ کے بچہ کی ٹانگ پکڑ کر اس کو اپنی سپر

حضور رابحرس کے تابو کو قصائی کے بغدے کیا منبت
بنایا اور اس دلیری سے لڑا کہ وہ سب بھاگ گئے۔ حضور نے امیر المومنین کے سر پر عمامہ باندھا
جب آپ مایوس ہو گئے تو حضرت علیؑ سے فرمایا۔ تم جاؤ اور اس کا سر کاٹ لاؤ اس کے بعد حضور نے
اپنی زرہ پہنائی۔ پشت پر سپر لٹکائی اور فرمایا جاؤ خدا حافظ جب چلنے لگے تو فرمایا برز الایمان کلّہٗ الی الکفر کلّہٖ آج پورا پورا
ایمان پورے پورے کفر کے مقابلہ جا رہا ہے۔ حضرت علی پا پیادہ میدان میں آئے جس پر عمرو کو بڑا تعجب ہوا جب قریب پہنچے تو اس نے کہا
اے جواں کیا تجھے اپنی جان پیاری نہیں کہ میرے مقابلہ کے لیے آیا ہے کیا لشکر اسلام میں تجھ سے زیادہ کوئی اور بہادر نہیں۔ کیا تجھے معلوم
نہیں کہ میں عمرو بن عبدود ہوں فرمایا تو مجھے جانتا نہیں میں علی بن ابی طالب ہوں۔ اس نے کہا اچھا تم ابو طالب کے بیٹے ہو وہ میرے
دوست تھے جاؤ میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا فرمایا مومن و کافر میں دوستی نہیں ہوتی اگر تو مجھے قتل کرنا نہیں چاہتا تو میں تو تجھے
قتل کرنا چاہتا ہوں

یہ سنکر اسے غصہ آ گیا اور کہنے لگا اچھا تو اب مرنے کے لیے تیار ہو جا فرمایا میں نے سنا ہے تو اپنے مقابل سے کہا کرتا ہے میں اپنے
حریف کے تین سوالوں میں سے ایک کو ضرور قبول کر لیتا ہوں لہذا میں تجھ سے تین سوال کرتا ہوں ان میں سے ایک کو قبول کر۔
پہلی بات یہ ہے کہ تو مسلمان ہو جا اس نے کہا یہ نہ ہوگا۔ فرمایا دوسری بات یہ ہے کہ اپنے لشکر کی طرف واپس جا اس نے کہا میں عورتوں کو
اپنے اوپر ہنسوانا نہیں چاہتا۔ فرمایا تیسری بات یہ ہے کہ میں پیادہ ہوں تو بھی گھوڑے سے اتر آ اس نے کہا یہ منظور ہے وہ گھوڑے سے
اتر آیا اور اپنے گھوڑے کے پیر کاٹ دیئے

اب کفر و ایمان کی ٹکر دیکھئے اس نے کہا پہلے تم وار کرو فرمایا ابتداء بجنگ ہمارا شیوہ نہیں پہلے تو وار کر اس نے پوری طاقت کے ساتھ
تلوار سر اقدس پر ماری جو کئی انچ گہرا اور لمبا زخم دے گئی اس کے بعد خدا کے شیر نے اپنی بھرپور یزدانی قوت کے ساتھ حملہ کیا اور ایک ہی
وار میں اس کا کام تمام کر دیا وہ گرا تو آپ نے سینہ پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹ لیا اور جوش شجاعت میں جھومتے ہوئے اس طرح لشکر
اسلام کی طرف بڑھے کہ ایک ہاتھ میں خون آلود تلوار تھی اور دوسرے ہاتھ میں عمرو کا سر۔ مورخین نے لکھا ہے آپ اس طرح جھومتے
ہوئے آ رہے تھے جیسے شیر ہلکی بوندوں میں آتا ہے۔ رسول اللہ نے آگے بڑھ کر چھاتی سے لگا لیا اور فرمایا ضربۃ علیّ یوم الخندق
افضل من عبادۃ الثقلین (علی کی ضرب یوم خندق دو جہان کی عبادت سے بہتر ہے) عمرو کے قتل ہونے کے بعد اس کی بہن
اس کی لاش پر آئی دیکھا کہ دستور عرب کے خلاف نہ تو قاتل نے اس کی قیمتی زرہ اتاری ہے اور نہ لباس۔ اس نے اس موقع پر جو الفاظ
اس کی زبان سے نکلے وہ یہ تھے ما قتلہ الا کفو کریم (میرے بھائی کا قاتل یقیناً کوئی شریف اور بزرگ شخص ہے پھر دو شعر پڑھے جن
کا ترجمہ یہ ہے۔ اگر عمرو کا قاتل علی کے سوا دوسرا ہوتا تو میں اس پر عمر بھر روتی لیکن اس کا قاتل وہ بزرگ ہے جس میں کوئی عیب نکل ہی
نہیں سکتا اور جس کو ہمیشہ سے بیضۃ البلد کہتے آئے ہیں یعنی سردار عرب۔

واقعہ ختم ہو گیا اب اس پر تبصرہ کرنا باقی ہے۔

(۱) سلمان رضی اللہ عنہ کو اپنے اہلبیت میں شامل کر کے ان کے روحانی اعزاز اور ایمانی عظمت کو ایک سے ہزار بنا دیا اگرچہ اس زمرہ
میں آکر سلمان معصوم تو نہیں ہو گئے لیکن محفوظ عن الخطا ضرور بن گئے۔

(۲) جب عمرو نے للکارا تھا تو تین ہزار مسلمانوں میں سے کسی ایک کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی مسلمان سوچیں اگر علی بھی نہ نکلتے تو کیا ہوتا؟

آخر اس خوف و ہراس کی کیا وجہ تھی۔ علی کا بدن فولاد کا بنا ہوا نہ تھا بلکہ اسی گوشت پوست کا تھا جیسا اور دوگوں کا تھا۔ تن و توش کے اعتبار سے وہ اور لوگوں سے زیادہ نہ تھے لڑائیوں کا تجربہ جیسا سب کو تھا انہیں بھی تھا پھر کیا وجہ تھی کہ انہوں نے لڑنے میں ذرا پس و پیش نہ کیا ایک ذی عقل انسان اس کا جواب یہی دے سکتا ہے کہ ان کی قوت ایمانی اس پایہ کی تھی کہ رسول نے ان کو کل ایمان قرار دیا بعض اور کل ایمان میں بڑا فرق ہے۔ کل ایمان کے دل میں شک و ریب آن و احد کے لئے جگہ نہیں پاتا۔ کل ایمان کے دامن پر غیر خدا کو سجدہ کرنے کا داغ نہیں ہوتا۔ کل ایمان کا ہر عمل صرف خوشنودی خدا کے لئے ہوتا ہے وہ اس آیت کا مصداق ہوتا ہے ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین (میری عبادت میری حیات و موت سب خدا کے لئے ہے

(۳) جس کی ایک ضربت عبادت ثقلین سے بہتر ہو اس کے اجر و ثواب کا کیا ٹھکانہ ہے۔ غور اس پر کرنا ہے کہ رسول نے ایسا کیوں فرمایا بات یہ ہے کہ اگر عمرو بن عبدود قتل نہ ہوتا تو اول تو فوج کفار کے حوصلے بلند رہتے دوسرے اس کے خوف سے مسلمانوں کے کلیجے منہ کو آ جاتے اور جب انکو اس سے مقابلہ کی جرأت نہ ہوتی تو وہ سب کو کاٹ کر رکھ دیتا اور ساری فوج اس کی پشت پر آ جاتی ایسی صورت میں رسول بھی قتل ہو جاتے اور اسلام کا خاتمہ ہو جاتا اور جب اسلام ہی نہ رہتا تو عبادت کون کرتا پس جب علی کی وجہ سے اسلام رہ گیا تو انکی ضرب عبادت ثقلین سے آپ بہتر ہوئی۔ علی کا یہ احسان بھلانے کے قابل نہ تھا لیکن مسلمانوں نے بھلا دیا اور علی جنھوں نے ایسے سخت موقعوں میں سربکف ہو کر جو فتوحات حاصل کی تھیں اور اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی اس کو بری طرح نظر انداز کر دیا گیا۔

(۴) عمرو کے جسم سے زرہ نہ اتارنا اس کی دلیل ہے کہ علی کا جہاد قربۃً الی اللہ تھا کوئی ذاتی غرض اس میں شامل نہ تھی

صلح حدیبیہ

کفار کی سرکشی مسلمانوں کے لئے تنبیہ۔ دق تھی جس کا سلسلہ ختم ہونے میں آتا ہی نہ تھا۔ رات دن لڑائی جھگڑے تھے۔ مکہ میں آنحضرت کو آنے اور حج و عمرہ کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے بمشکل تمام صلح کی بات چیت ہوئی یکم ذی قعدہ کو چودہ برس بعد مسلمان آنحضرت کے ساتھ مکہ کو روانہ ہوئے حضرت کا ارادہ حج کرنے کا تھا۔ قریش کو خبر ملی تو وہ مان گئے۔ حضور نے بات چیت کے لئے لوگوں کو بھیجنا چاہا تو کوئی مکہ کے اندر جانے پر راضی نہ ہوتا تھا ہر ایک کو قتل ہو جانے کا خوف تھا آخر حضرت عثمان کو وہاں بھیجا گیا جن کے رشتہ دار وہاں موجود تھے۔ اس کے بعد آنحضرت نے ایک ببول کے درخت کے نیچے مسلمانوں سے اس امر پر بیعت لی کہ اگر کفار اپنی ہٹ سے باز نہ آئے تو بے دھڑک ان کو قتل کر دیا جائے گا

اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں

اس کے بعد مشرکین مکہ صلح کے لئے آئے شرائط صلح پر بات چیت ہونے لگی بہت سی حیص بیص کے بعد جو شرائط طے ہوئے وہ مشرکین کے حق میں زیادہ مفید تھے اور مسلمانوں کے حق میں کم مثلاً یہ شرط کہ اگر کافروں میں سے کوئی مسلمانوں کی طرف آ جائے گا تو مشرکین اس کو واپس لے جائیں گے اور کوئی مسلمان انکی طرف چلا جائے گا تو وہ واپس نہ دیں گے یہ بات مسلمانوں پر بہت شاق گزری ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کو منظور نہیں کریں گے لیکن رسول کی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔ پھر بھی حضرت عمر سے ضبط نہ ہو سکا وہ کہنے لگے یا رسول اللہ کیا

فرمایا کیوں نہیں انھوں نے کہا پھر آپ دین اسلام کی عظمت کیوں کھو رہے ہیں اور اس قدر دب کر صلح کیوں کر رہے ہیں۔ فرمایا میں خدا کا رسول ہوں میں اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت کرے گا اس پر حضرت عمرؓ کو رسول کی رسالت میں شک بھی ہوا۔

کفار قریش کی طرف سے صلحنامہ لکھوانے کے لئے سہیل بن عمرو مع اپنے چند ساتھیوں کے آگیا تھا۔ آنحضرت نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ صلحنامہ لکھو اور سر نامہ یوں لکھو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل نے کہا ہم یوں نہیں لکھا کرتے اس کی جگہ باسمک اللھم لکھو۔ حضور نے فرمایا اچھا یوں ہی لکھو دو اس کے بعد حضور نے لکھوایا یہ صلحنامہ ہے جو محمد رسول اللہ نے قریش کے ساتھ کیا ہے۔ سہیل اس پر بگڑ گیا اور کہنے لگا اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا یوں لکھوائیے کہ یہ محمد بن عبداللہ کی طرف سے ہے آپ نے یہ بھی منظور فرمالیا (ابوالفدا) اور حضرت علیؓ سے فرمایا لفظ رسول اللہ مٹادو۔ عرض کی یا رسول اللہ میں آپ کی رسالت پر ایمان لاچکا ہوں کیسے ہو سکتا ہے کہ میں لفظ رسول اللہ کو محو کردوں چنانچہ حضور نے خود دست مبارک سے مٹادیا۔ بروایت روضۃ الاحباب حضرت عمرؓ نے فرمایا ما شککت فی نبوۃ محمد کیوم الحدیبیہ (محمد کی نبوت کے بارہ میں جیسا شک مجھے روز حدیبیہ ہوا ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا)

واقعہ اختصار کے ساتھ نقل کردیا گیا اب اس کے مختلف پہلوؤں پر ایک نظر ڈالیے۔

(۱) بظاہر یہ صلحنامہ مشرکوں کے حق میں مفید اور مسلمانوں کے لئے مضر تھا لیکن اس کے نتائج بہت اچھے برآمد ہوئے۔ کچھ مسلمان کفار کے پاس سے نکل کر مدینہ آگئے تھے حضرت نے بنا پر معاہدہ انہیں واپس لوٹا دیا یہ بات بھی مسلمانوں کو ناگوار ہوئی۔ وہ لوگ بجائے مکہ واپس جانے کے ایک شاہ راہ پر مقیم ہوگئے اور رفتہ رفتہ بہت سے لوگ ان سے آکر مل گئے اور ان کا ایک بڑا گروہ بن گیا۔ اب قریش کا جو قافلہ ادھر سے گزرتا وہ لوٹ لیتے۔ جب کفار قریش اس طرح قتل و غارت گری سے اکتا گئے تو انھوں نے خود آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اس شرط کو منسوخ کرایا اس مصلحت کو خدا و رسول کے سوا کون سمجھ سکتا تھا۔ اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ کس کس کا ایمان ہلکا یا بھاری ہے۔

(۲) اس صلح سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قریش بے کھٹکے مسلمان ہونے لگے کوئی روک ٹوک باقی نہ رہی مکہ میں کھلم کھلا قرآن خوانی ہونے لگی اور چند ہی روز میں مسلمانوں کی تعداد دونی سے زیادہ ہوگئی اور تمام حجاز میں لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا جرم نہ رہا ہر شخص علانیہ عبادت کرتا اور بے محابا دوسروں پر اسلامی تبلیغ کرتا تھا۔ نیز یہ کہ مسلمان آزادانہ کفار سے مل سکتے تھے جس سے تبلیغ کے راستے کھل گئے

غزوۂ خیبر

خیبر کا علاقہ مدینہ سے اسی میل کے فاصلہ پر ہے یہاں یہودیوں نے سات مستحکم قلعے بنالئے تھے ان میں قلعہ قموص سب سے زیادہ لمبا چوڑا اور مستحکم تھا یہ سب یہودی جن کو حضرت نے جلاوطن کیا تھا خیبر میں جاکر آباد ہوگئے تھے۔ جب وہاں انکی تعداد زیادہ ہوگئی تو انھوں نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا یہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔ جب آنحضرت کو ان کے ارادہ کی خبر لگی تو آپ انکی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ جنگ کا سلسلہ آغاز ہونے کے بعد پتہ چلا کہ یہودیوں کی تعداد دس ہزار ہے اور ان کے سردار مرحب و حارث و عنتر ہیں سب نے دار میں جو چھوٹے قلعے تھے وہ تو مسلمانوں نے فتح کرلئے لیکن قلعہ قموص کسی طرح فتح نہ ہوتا تھا ۱۹ روز یہ صورت رہی کہ لشکر اسلام جاتا اور ناکام

آتے اسلام کے تمام نامور سرداروں نے قسمت آزمائی کی مگر کامیاب کوئی نہ لوٹا۔ طبری کے الفاظ میں فوج تھی تھی ہم کیا کریں سردار خود بزدل ہے اس کے قدم میدان میں نہ جمے۔ سردار یہی الزام لشکر پر لگاتے تھے۔ رسول نے لشکر کے ان دستوں کو نہیں بدلا جو سرداروں کی ماتحتی میں جاتے تھے بلکہ سرداروں کو ہر روز تبدیل کیا۔ ارباب تاریخ کا بیان ہے کہ ان ناکامیوں میں حضرت ابوبکر و عمر بھی شریک تھے۔ جس قدر جنگ طول پکڑتی جارہی تھی مسلمانوں میں بددلی اور کمزوری جگہ پکڑتی جارہی تھی۔ آخر ایک روز حضرت نے وقت شام فوج کی ناکام واپسی کے بعد یہ اعلان کیا

کل میں اپنا پرچم اس بہادر کو دونگا جو کرار غیر فرار ہوگا وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ اور رسول اس کو دوست رکھتے ہونگے

یہ حدیث بہ کثرت راویوں نے نقل کی ہے۔ لہذا اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔

اس زمانہ میں حضرت علی کی آنکھیں دکھ رہی تھیں اور ورم کی زیادتی سے کوئی چیز آپ کو دکھائی نہ دیتی تھی۔ یہ حدیث سنکر مسلمان سرداروں میں ایک نیا جوش پیدا ہوا۔ ہر سردار کے دل میں یہ تمنا تھی کہ کل یہ علم مجھے ملنا چاہیے اگر مل گیا تو فاتح خیبر کہلاؤنگا۔ کرار غیر فرار کا خطاب پاؤنگا اور یہ فضیلت مستند ہو جائیگی کہ میں اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہوں اور اللہ اور رسول مجھے دوست رکھتے ہیں یہ فضیلت وہ نقطہ عروج ہے جس کے بعد تمام فضیلتیں پست ہو جاتی ہیں۔ امید کے لئے دل کا دروازہ کھلا ہو تو اسے کون روک سکتا ہے۔ فطرت انسانی ہزار ناکامیوں کے بعد بھی امید کا دامن نہیں چھوڑتی۔ اس خواہش میں سب سے بڑی قوت اس لئے پیدا ہوگئی کہ علی علیہ السلام آشوب چشم کی وجہ سے ناقابل جنگ تھے لامحالہ موجودہ سرداروں میں ہی سے کسی کو یہ عہدہ ملنا ہے

اگر مورخ یہ لکھتے ہیں تو بیج لکھتے ہیں کہ علمداری کے خواہشمندوں نے یہ رات انتہائی کرب میں گزاری ہر خواہش کا نشا ہوتی ہے اور یہ کانٹا تو بدل تھا جس نے نیند کا ہر پہلو گھایل کر دیا تھا۔ دعا کے لئے ہاتھ اور دلوں میں کامیابی کے سیلاب اٹھے ہوئے تھے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ رات کیسے کٹی مینارہ افق پر صبح کے موذن کی آواز ابھی صحن عام میں گونجنے بھی نہ پائی تھی کہ شہ زور بہادروں نے سلاح جنگ بدن پر سجانے شروع کر دیے اور جتنے ہتھیار کسی کے پاس تھے سب ہی کو بدن کا جزو بنا لیا۔

صبح ہوتے ہی لشکر کا ہر سردار اونچی بناہوا سینہ تانے خیمہ رسالت کے سامنے لیفٹ رائٹ کرنے لگا تاکہ اس کا شجاعت سے لبریز سراپا ہیانہ انداز رسول کی نظر میں سما جائے۔ ایک صاحب نے تو یہ غضب ڈھایا کہ اپنے سامنے والے کو جوش شجاعت میں ایسا دھکا دیا کہ وہ زمیں بوس ہوگئے اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے ہٹ جاؤ اس وقت جوش شجاعت ہے۔ رسول خیمہ کے اندر سے بہادری کے دلکش مناظر دیکھ رہے تھے کیا بعید ہے کہ مسکرا بھی رہے ہوں کہ کل کا بزدل آج کا شیر ہے۔

حضور بعد نماز صبح خیمہ سے باہر تشریف لائے علم لفرت شیم آپ کے دست مبارک میں تھا لوگوں نے تقاضا شروع کیا کہ جس کو دینا ہو جلد دیجئے زیادہ انتظار شوق کی آگ پر پٹرول کی ڈلی ہے آج یہ پکا ارادہ ہے کہ دشمن کی ہڈیوں سے ناسفور س نک نکال کر پھینک دینگے۔ حضرت ابھی جواب دینے بھی نہ پائے تھے کہ جبریل امیں نازل ہوئے اور کہنے لگے

نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لک فی النوائب

اے رسول علی کو پکارو جو مظہر العجائب ہیں تم ان کو مصیبتوں میں مددگار پاؤگے

آپ نے یہ مژدہ سنتے ہی فرمایا اَینَ ابنَ اَخی علیّ بن ابی طالب لوگوں نے کہا حضور انکی آنکھوں پر تو آشوب اتنا ہے کہ چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔ آپ نے باواز بلند فرمایا یا علی ادھر [illegible]۔ یہ آواز جوں ہی علی علیہ السلام کے کان سے ٹکرائی آپ نے فوراً جواب دیا لبیک لبیک یا رسول اللہ۔ کسی نے یہ آواز سنی ہو یا نہ سنی ہو رسول نے سن لی۔ حضرت علی ایک شخص کے سہارے خراماں خراماں خیمہ سے نکلے۔ ان کو آتا دیکھتے ہی رات کی تمام خواہیں اضغاث احلام ہو کر رہ گئیں۔ جب آنحضرت کے قریب آئے تو پوچھا یا علی کیا حال ہے۔ عرض کی شرف زیارت سے محروم ہوں۔ آپ نے اپنا لعاب دہن آنکھوں پر لگا دیا آنکھیں بالکل ٹھیک ہو گئیں اور پھر کبھی دکھی ہی نہیں۔ اس کے بعد علم دے کر فرمایا جاؤ اور لڑو۔ پوچھا کب تک؟ فرمایا حتیٰ یفتح اللہ علیٰ یدیک (یہاں تک کہ اللہ تمہارے دونوں ہاتھوں پر فتح دے)، حضرت فوج کو لے کر بڑھے۔ میدان میں جاتے ہی ایک چٹان پر علم کو گاڑ دیا اور مبارز طلبی کی۔ مرحب مقابلہ کے لیے تیار ہوا۔ جب وہ مقابلہ کے لیے تیار ہوا تو اس کی ماں نے کہا میری ایک بات سن مجھے ایک کاہن نے بتایا ہے کہ تیرا قاتل حیدر نام کا شخص ہوگا۔ لہذا اگر وہ مقابلہ کو آئے تو اس سے نہ لڑنا۔

مرحب جب میدان میں آیا تو پتھر کے دو خود اس کے سر پر تھے اور لوہے کی دوہری زرہ پہنے تھا اور دو تلواریں کمر سے باندھے تھا اس نے بڑے جوش میں رجز پڑھا حضرت علی نے بھی رجز پڑھا جس کا ایک شعر یہ ہے

انا الذی سمتنی امی حیدرا ضرغام آجام ولیث قسورہ

میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا میں بیشۂ شجاعت کا شیر ہوں

یہ سنکر مرحب کا سر چکرا گیا مگر میدان جنگ سے واپس جانا اس کی شہرۂ آفاق شجاعت کی موت تھی لڑائی شروع ہوگئی دونوں طرف سے وار ہونے لگے آخر کار شاہ خیبر گیر کی ذوالفقار آبدار نے اس کے دو ٹکڑے کرکے زمین پر گرا دیے۔ مرحب کے قتل ہوتے ہی یہودیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ مرحب کے بعد حارث و عنتر دو دیو پیکر یہودی مقابلہ کو نکلے لیکن وہ بھی بہت جلد لقمۂ نہنگ اجل ہو گئے۔ یہودی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور قلعہ قموص میں پناہ گزیں ہوئی اور اس کا آہنی دروازہ بند کر لیا اور دروازہ کے بعد جو گہرا خندق تھا اس کا تختہ جس پر آمد و رفت ہوتی تھی اٹھا لیا امیر المومنین مع فوج کے قلعہ کی طرف بڑھے اور دروازہ کے پٹ پر ہاتھ مارا آپ کی انگلیاں اس میں در آئیں آپ نے زور کر کے قلعہ کا دروازہ اکھاڑ لیا اس دروازہ کو چالیس آدمی بند کرتے اور کھولتے تھے۔ سپر کی طرح اسکو ہاتھ پر لیے ہوئے خندق میں اتر گئے۔ خندق چوڑا تھا آپ نے دروازہ کا ایک سرا خندق کی دیوار سے لگا کر اسلامی سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس پر آ جائیں جب وہ آ گئے تو آپ نے دوسرا سرا دوسرے کنارہ سے جا لگا دیا اس طرح تمام فوج قلعہ میں داخل کر دی اور مکمل فتح حاصل کر کے خدمت رسول میں حاضر ہو گئے

واقعہ ختم ہو گیا اب اس کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے

(۱) کیا وجہ ہے کہ خیبر کو اسلامی لشکر ۱۹ روز تک فتح نہ کر سکا۔ فوج اسلام کے سپاہی امور جنگ سے نہ تو ناواقف تھے اور نہ انکی تعداد بہت زیادہ کم تھی۔ سنہ ۲ھ سے سنہ ۶ھ یعنی جنگ خیبر تک بہت سے غزوے اور سرایا میں شریک ہو چکے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ اس غزوہ میں پے در پے ناکامی ہوتی رہی دشمن سے مقابلہ کی جو صورت تمام غزوات میں تھی وہی یہاں بھی تھی کوئی خاص بات ایسی پیش نہیں جس کو اس متواتر ناکامی کا سبب قرار دیا جا سکے۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے اس کے سوا اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ

اس وقت تک عرب کا نامور بہادر خدا کا شیر علی بن ابی طالب اس معرکہ میں شریک نہ ہوا تھا بڑے بڑے غزوات جو اس غزوہ سے پہلے ہو چکے تھے بدر و احد و خندق انکی فتح کا سہرا علی کے سر تھا چنانچہ خیبر کی جنگ بھی اس وقت تک فتح نہ ہوئی جب تک علی اس میں شریک نہ ہوئے۔ جب تک فوج کا سردار جیالا نہ ہو فتح نہیں ہوتی۔ جنگ خیبر میں آنحضرت کا ہر روز سردار کو بدلنا اس کی دلیل ہے کہ ناکامی کا باعث سردار ہوتے ہیں نہ کہ فوج۔ اگر سردار محاذ جنگ سے بھاگ جائے تو فوج چاہے کتنی ہی بہادر ہو پھر نہیں لڑ سکتی۔ حضرت کا یہ فرمانا کہ کل میں اپنا علم ایسے شخص کو دونگا جو کرار غیر فرار ہو اور اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہو اور اللہ اور رسول اس کو دوست رکھتے ہوں اس کا ثبوت ہے کہ جو سردار ناکام واپس آئے تھے یہ صفات ان میں نہ تھیں۔ کسی بہادر کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی اس میں دونو قسم کی فضیلتیں شامل ہیں جسمانی بھی اور روحانی بھی۔ یہ فضیلت علی علیہ السلام سے مخصوص ہو کر رہ گئی۔ یہ ایک ایسی فضیلت تھی جس کے نہ پانے کی تڑپ ایک نامور صحابی کے دل میں مرتے دم تک رہی۔

(۲) جبکہ بار بار تجربہ ہو چکا تھا کہ سرداران فوج کی شجاعت مفلوج ہے تو پھر حضرت رسولخدا نے ایک دو بار ہی کے بعد حضرت علی کو کیوں نہ بھیجدیا تاکہ یہ فتح پہلے ہی ہو جاتی۔ ہاں ایسا ہونا تو بظاہر چاہئے تھا لیکن ایسا کرنے سے دوسرے سرداروں کو رسول کا یہ عمل اپنی شجاعت کی توہین معلوم ہوتا اور ان کو شکایت کا موقع ملتا کہ آنحضرت علی کے سوا کسی کو بہادر جانتے ہی نہیں انہیں یہ گوارا ہی نہیں کہ فتح کا سہرا کسی اور کے سر بندھے لہذا ضروری تھا کہ ہر ایک کو اپنی قوت آزمانے کا موقع دیا جائے۔

(۳) یوں تو حضرت علی نے ہر جنگ میں اپنی شجاعت کا بہترین مظاہرہ کیا لیکن اس شجاعت کے تیور ہی کچھ اور ہیں۔ حضرت علی نے یہ فتح فوجی طاقت کے زور پر حاصل نہیں کی بلکہ بذات خود میدان میں آ کر یہ پالا مارا انھوں نے فوج کو لڑتے نہیں دیکھا بلکہ فوج نے ان کو لڑتے دیکھا یہ بہادری اور سپہ سالاری کا سب سے اونچا درجہ ہے

(۴) قلعہ کے دروازہ کا وزن بتانے میں بالفرض اگر مورخوں نے مبالغہ سے کام لیا ہے تو اسے نظر انداز کر کے اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ وہ فولادی دروازہ تھا اور قلعہ کا دروازہ تھا۔ ایک آدمی تو لکڑی کا چھوٹا سا دروازہ بھی اکھاڑ کر ہاتھ پر نہیں لے سکتا چہ جائیکہ فولادی دروازہ لہذا ماننا پڑے گا کہ علی کے بازو میں بشری طاقت کے سوا کوئی اور طاقت کارفرما تھی جیسا کہ حضرت علی نے لوگوں کے شکوک و شبہات دور کرنے کے لئے فرمایا تھا ما قلعت باب خیبر من قوة الجسمانیه بل بقوة الربانیه (میں نے خیبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا تھا بلکہ ربانی قوت سے) یعنی دست خدا نے اکھاڑا تھا اس کے بعد شکوک کا سارا طلسم ٹوٹ کر رہ جاتا ہے ہم ایک مثال کے ذریعہ سے اس کو سمجھاتے ہیں

بجلی کا ایک پتلا تار بڑی سے بڑی وزنی چیز کو اٹھا لیتا ہے۔ ریلوے انجن کو زمین کی تہ سے نکال کر زمین کی سطح پر لے آتا ہے ڈوبے ہوئے جہازوں کو ابھار لیتا ہے۔ یہ سب کرشمہ اس پتلے تار کا نہیں ہوتا بلکہ اس برقی کرنٹ کا ہوتا ہے جو کسی جادر ماوس سے چلتا ہے دیکھنے والو! تم علی کے پتلے بازو کو نہ دیکھو بلکہ اس لاہوتی قوت کو دیکھو جو اس کے اندر پائی جاتی ہے

(۵) بدر و احد و خندق کے بعد یہ چوتھا معرکہ تھا جو علی کے زور بازو سے فتح ہوا اور جس نے اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی نیز دشمنوں کے خس و خاشاک سے سرزمین اسلام کو پاک کیا۔ یہ احسان بھلانے کے قابل نہ تھا

(۶) جس قوت کے سہارے حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہا موم بن جاتا تھا۔ جس قوت کے سہارے آصف برخیا چشم زدن میں بلقیس کا

تخت اٹھا لائے تھے اسی طاقت کے زور پر خیبر کا قلعہ اکھاڑ گیا۔

(۸) ایک نامور صحابی کہا کرتے تھے مجھے علی کی تین فضیلتوں پر رشک آتا ہے کاش مجھے ان میں سے ایک ملجاتی تو میرے لئے دو ہزار سرخ مو والے اونٹوں سے بہتر ہوتی۔ اول فاطمہ کا شوہر ہونا دوسرے ان کا دروازہ مسجد کی طرف کھلا ہونا تیسرے جنگ خیبر میں علم ملنا رشک تو اپنے مقام پر ٹھیک ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ روحانی اور نورانی فضیلتوں کو اونٹوں کے گوشت سے ہموزن کیا جا رہا ہے کسی نے سچ کہا ہے فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

(۹) ینابیع المودۃ، روضۃ الصفا اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب حضرت علی فتح کر کے آئے تو حضرت رسولخدا اس قدر خوش ہوئے کہ چھاتی سے لگا کر فرمایا کہ خدا بھی تم سے خوش ہے اور میں بھی خوش ہوں ملائکہ بھی خوش ہیں۔ ینابیع المودۃ میں ہے کہ حضرت نے فرمایا اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ میری امت تمہارے بارہ میں وہی کہنے لگے گی جو نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کے لئے کہتے ہیں تو تمہارے متعلق وہ باتیں کہتا کہ تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے قدموں تلے کی مٹی تک نہ چھوڑتے اور بچا ہوا آب طہارت لے کر اس سے امراض کا علاج کرتے بس اب تو اتنا ہی کہتا ہوں کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو موسیٰ کی منزلت ہارون کے نزدیک تھی۔

(۱۰) جناب جعفر اپنے ساتھیوں کے اسی سنہ میں جنگ خیبر کے موقع پر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کس امر پر زیادہ خوشی کا اظہار کروں۔ فتح خیبر پر یا اپنے بھائی جعفر کے آنے پر

حصول فدک

معارج النبوۃ۔ حبیب السیر اور روضۃ الصفا میں ہے کہ فتح خیبر کے بعد آنحضرت نے جناب امیر علیہ السلام کو علاقہ فدک کی طرف روانہ کیا۔ خیبر میں شکست کھانے کے بعد یہودی یہاں آکر پناہ گزیں ہو گئے تھے جب لشکر اسلام وہاں پہنچا تو وہ خوف زدہ ہوئے اور اس شرط پر صلح کر لی کہ جان و مال کی امان دی جائے اور فدک کا کل علاقہ آنحضرت کی ملکیت قرار پائے اس مصالحت کے بعد جبرئیل امین آئے اور یہ پیغام پہنچایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واٰتِ ذا القربیٰ حقه (قرابت دار کا حق ادا کرو) حضرت نے پوچھا قرابت دار کون ہے۔ جبرئیل نے کہا آپ کی بیٹی فاطمہ۔ علاقہ فدک ان کے حوالے کر دو۔ آپ نے جناب فاطمہ کو بلایا اور اس کے ہبہ کے متعلق آپ نے وثیقہ لکھدیا اور اسکو ان کے قبضہ میں دیدیا۔ یہی وہ وثیقہ تھا جسے وفات رسول کے بعد جناب فاطمہ نے جناب ابوبکر کے سامنے پیش کیا تھا اور جسے حضرت عمر نے چاک کر دیا تھا اس پر مفصل تبصرہ جناب فاطمہ کے حال میں ہوگا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ علاقہ خالصہ رسول نہ تھا اور اس میں تمام مسلمانوں کا حصہ نہ تھا تو کیا وجہ ہے کہ رسول نے اپنی زندگی میں اسے تمام مسلمانوں پر تقسیم نہ کیا اور یہ ایک مدت تک فاطمہ کے قبضہ میں کیوں رہا۔ اس قبضہ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اگر قبضہ میں نہ ہوتا تو ضبط کرنے اور معاملہ فدک کے دربار حکومت میں پیش ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسرے معترضین یہ نہیں بتاتے کہ جب آیہ واٰتِ ذا القربیٰ حقه نازل ہوئی تو رسول نے اس پر عمل کس صورت سے کیا۔

اگر تمام رشتہ دار مراد ہیں تو ان سے نیک سلوک کرنے کا ذکر اور کئی آیتوں میں ہے۔ اور وہ حکم کئی آیتوں میں ہے اور وہ حکم سب مسلمانوں کے لئے ہے کیا وجہ کہ اس کے علاوہ یہ خصوصی حکم رسول کے لئے آیا کیا نہ اس سے پہلے ذوی القربیٰ کے حقوق ادا نہیں کرتے تھے کیا صلۂ رحم کو بھولے ہوئے تھے اگر یہ سب کچھ پہلے سے ہو رہا تھا تو اب اس جدید حکم نے کیا نئی بات بتائی

قرآن نے مال غنیمت کو مال فئی سے جدا کر دیا ہے مال غنیمت میں تمام مسلمانوں کو اس لئے شریک کیا گیا ہے کہ جنگ کے مصائب برداشت کرتے تھے لیکن جو علاقہ بغیر جنگ ہاتھ آتا تھا وہ مال فئی کہلاتا تھا اس میں مسلمانوں کا کوئی حق نہ تھا کیونکہ کوئی تکلیف اس میں ان کو نہیں کرنا پڑی تھی۔ یہ چیز خاص رسول کے لئے تھی رسول کو اختیار تھا جس طرح چاہیں اس کو صرف کریں۔ حیات رسول میں یہ علاقہ حضرت فاطمہ کے قبضہ میں رہا۔ سوال یہ ہے کیوں رہا۔ کیا یہ قبضہ بے اذن رسول اور بغیر حکم شرعی کے تھا۔ اگر ایسا تھا تو رسول نے اپنی بیٹی کو کیوں نہ روکا اگر کہا جائے کہ قبضہ نہیں تھا تو ابوبکر نے فاطمہ کے عامل کو نکال کر اپنا عامل کیوں بھیجا اور فاطمہ نے دعویٰ کیوں دائر کیا۔ یہ تو بہت معمولی اور سیدھی باتیں ہیں جو ہر شخص کی سمجھ میں آسانی سے آسکتی ہیں۔ خلافت کی پردہ پوشی میں حقائق سے غفلت برتی جائے تو اس کا علاج کس کے پاس

رجعت شمس

بحوالہ حبیب السیر۔ روضۃ الصفا اور روضۃ الاحباب خیبر سے واپس ہوتے ہوئے جب وادی القریٰ کی طرف جا رہے تھے تو آپ نے وادی صہبا میں قیام کیا وہاں ایک جگہ وحی کا نزول شروع ہوا حضرت کا سر مبارک علی کی گود میں تھا۔ وحی کا سلسلہ اتنے عرصہ تک جاری رہا کہ آفتاب غروب ہو گیا جب سلسلہ وحی ختم ہوا تو آپ نے حضرت علی سے پوچھا تم نے نماز عصر پڑھ لی۔ عرض کیا نہیں حضرت نے فرمایا میں واپسی آفتاب کے لئے دعا کرتا ہوں تم آمین کہو۔ اسما بنت عمیس کہتی ہیں ابھی حضرت کی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ آفتاب غائب ہونے کے بعد نکل آیا۔ اور پہاڑوں اور جنگلوں پر اس کی کرنیں پڑنے لگیں۔ اور حضرت علی نے نماز ادا کی۔

منکرین فضائل علی علیہ السلام علی کی عداوت میں رسول کے اس معجزہ سے بھی انکار کر بیٹھے۔ اور علم ہیئت اور فلسفہ کے ماہرین اس وجہ سے نہیں مانتے کہ یہ لا آف نیچر کے خلاف ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ معجزہ تو وہی ہوتا ہے جو خارق عادات ہو اور جس کی حقیقت سمجھ میں نہ آئے۔

کائنات و نظام کائنات کا جو بنانے والا ہے وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار نہیں ہو بیٹھا وہ ہر شے پر قادر ہے جیسا چاہے کر سکتا ہے نظام شمسی میں ابھی انسان نے سمجھا ہی کیا ہے ابھی تو اس کی تحقیق کی ابتدا ہے ابھی تو وہ چاند کی زمین پر چند ہی قدم چلا ہے وہاں کے سربستہ رازوں میں ابھی اسے ملا ہی کیا ہے تھوڑی سی مٹی کے سوا اور کیا لایا ہے اور وہ مٹی بھی ابھی نہیں جانچ پایا۔ نظام شمسی کے تغیرات کو اس نے ابھی سمجھا کہاں ہے اس کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ پہلے وہ سورج کو اپنی جگہ پر قائم مانتا تھا اس کے گردش کرنے کا قائل نہ تھا جب معلومات بڑھیں اور آلات سے تاک جھانک کی گئی تو اس کے داغ اور لکے بدلتے نظر آئے تب سمجھا کہ وہ متحرک ہے اور اپنے محور پر گھومتا رہتا ہے

اسی طرح ہزار ہا برس تک یونانیوں کی اس تحقیق پر لوگوں کا ایمان رہا کہ چار عناصر سے تمام کائنات بنی ہے لیکن اب اس نظریہ کو کوئی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتا اور ان تحقیق حکمائے یونان کو جاہل سمجھتے ہیں۔ اب جدید تحقیق یہ ہے کہ ۸ عناصر کائنات کے بکھر بن گئے ہیں

بک آف نالج جس کی دس ضخیم جلدیں ہیں ان میں ارتھ رینڈ میکنلی ... Earth کی تحقیق میں یہ راز معلوم کیا ہے کہ نظام شمسی کا ہر سیارہ ١٥ انچ اندر سے گیس نکالتا ہے جو ان کی درمیانی فضا میں جمع ہوتی رہتی ہے جس طرح پانی کا سمندر زمین پر بہتا ہے اسی طرح نگینوں کا آتشیں سمندر وہاں بہتا ہے جس طرح یہاں سمندر میں سیلاب آتے اور طوفان اٹھتے ہیں وہاں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ان گیسوں کو جو ہر طرف سے آکر سمندر میں ملتی ہیں نیبولا کہتے ہیں ان کے سیلاب کی رفتار بعض اوقات اس قدر تیز ہوتی ہے کہ یہ سیاروں کو دھکا دے کر آگے پیچھے کر دیتی ہیں ان کی کشش ثقل پھر ان کو اپنی جگہ پر لے آتی ہے

اب سے چودہ سو برس پہلے قرآن نے اس راز کی پردہ کشائی ان الفاظ میں کر دی تھی (سورہ تکویر پ ۳۰) لا اقسم بالخنس الجوار الکنس (قسم ہے ان ستاروں کی جو جھٹکا کھا کر واپس آتے ہیں) (ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب قبلہ مرحوم) یعنی جب جوار اور ستارے اپنا مقام چھوڑ دیتے ہیں اور اس عارضی توڑ پھوڑ سے نظام کائنات میں کوئی ابتری واقع نہیں ہوتی بصورت اعجاز اگر یہ صورت کبھی وقت واقع ہو جائے تو کیوں قابل اعتراض ہے۔ اگر کسی اور معجزہ کی لم آپ کی سمجھ میں آگئی ہے تو اسے بھی سمجھنے کی کوشش کیجئے ورنہ یہ کہہ کر اس مسئلہ کو ختم کیجئے ان اللہ علی کل شئی قدیر

جنگ مُوتہ

۸ھ میں یہ جنگ رومیوں سے ہوئی اس میں فوج اسلام کے تین نامی گرامی سردار مارے گئے: زید بن حارثہ، جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ۔ مورخین لکھتے ہیں کہ خالد بن ولید نے اس جنگ کو فتح کیا اور اسی لئے رسول اللہ نے اُنہیں سیف اللہ کا خطاب دیا لیکن عجیب بات ہے کہ جن مورخوں نے اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح دکھائی ہے وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب مسلمان شکست کھا کر واپس ہوئے تو مدینہ کے لوگ شہر سے باہر نکل کر ان کے منہ پر خاک ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ اے بھاگنے والو تم پر کہ تم بھاگ آئے اور اسلامی حمیت کو بدنام کیا (تاریخ اسلام) غور کیجئے ایسی صورت میں اس جنگ کو فتح کیسے کہا جا سکتا ہے اور فتح بھی اس شان کی کہ خالد کو سیف اللہ کا خطاب دیا جائے

ظاہر ہے کہ یہ خطاب دربار رسالت کا دیا ہوا تو نہیں ہو سکتا بلکہ دشمنان علی کے اُس ٹولہ کا دیا ہو ہو سکتا ہے جو اسد اللہ اور ید اللہ کے وزن کو کم کرنا چاہتے تھے۔

کیا رسول اللہ ایسے ستم پرور اور شرع محمدی کے نافرمان سردار انسان کو سیف اللہ کا خطاب دے سکتے تھے جس نے عہد خلیفہ اول میں مالک بن نویرہ اور اس کے تمام قبیلہ کو جو پکے مسلمان تھے محض زکوٰۃ روک لینے پر مولی گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا اور ان کے سروں کے چولھے بنا کر دیگیں چڑھائی تھیں اور اسی سیف اللہ صاحب نے اسی رات کو بغیر عدت کا انتظار کئے مالک کی بی بی سے جو بے حد حسین تھی زنا کیا۔ خالد کا یہ فعل حضرت عمر کی نظر میں بھی قابل قصاص تھا مگر حاکم وقت نے اپنی رائے زنا کی اور مواخذہ سے دور رکھا

اس سریہ میں جیسا اوپر بیان ہوا جناب جعفر حضرت علی کے حقیقی بھائی شہید ہوئے تو حضرت رسولخدا نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جعفر کو زمرد کے دو پر دیئے ہیں جن سے وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔ اسلامی معرکوں میں بہت سے لوگ شہید ہوئے مگر یہ شرف جناب جعفر کے سوا کسی اور کو ملا ہی نہیں اس جنگ میں جناب جعفر کے دونوں بازو قلم ہو گئے تھے سرکار الٰہی سے اس کا یہ صلہ ملا

یہ بات بھی یاد رکھیے کہ اسلام کے تمام جہادوں سوائے دو کے اور کسی کے دونوں بازو قطع نہیں ہوئے ایک ان میں جعفر طیار ہیں اور دوسرے عباس بن علی علمدار فوج حسینی۔ جنگ موتہ اور جنگ کربلا میں جتنا فرق ہے اتنا ہی جناب جعفر اور جناب عباس کی فضیلت میں فرق ہے۔

سریہ ذات السلاسل

قبیلہ بلی۔ قضاعہ اور بنی القین جمع ہو کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ حضور نے انکی سرکوبی کے لیے عمرو عاص کی ماتحتی میں ایک فوج بھیجی۔ مخالف کو زیادہ دیکھ کر عمرو عاص نے کمک طلب کی۔ حضور نے ابوعبیدہ کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ روانہ کیا جن میں حضرت ابوبکر و عمر بھی تھے۔ حضرت عمر کسی بات پر ناراض ہو گئے اور اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا تم میرے ماتحت ہو۔ واپسی پر جب حضرت رسولخدا نے اس جھگڑے کی وجہ پوچھی تو فوج والوں نے بتایا کہ حضرت عمر نے بہ حالت جنابت صبح کی نماز پڑھا دی تھی اس پر عمرو عاص نے بازپرس کی اور اظہار ناراضگی کیا اس پر بات بڑھ گئی۔ حضور نے حضرت عمر سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا یہ کیا بات تھی۔ انھوں نے کہا سردی بہت زیادہ تھی اس لیے میں نے غسل نہ کیا خدا فرماتا ہے لا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ (اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو) حضرت نے فرمایا دیکھو انھوں نے کیسا بہانہ ڈھونڈھ نکالا۔

اس واقعہ میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) آیہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں مفسرین عامہ نے جو تاویلیں کی ہیں ان میں زیادہ زور اس پر دیا گیا ہے کہ اولی الامر سے مراد امرائے سرایا ہیں یعنی انکی اطاعت رسول کی اطاعت کی طرح واجب ہے تو پھر حضرت عمر نے عمرو عاص سے نزاع کیوں کیا۔

(۲) جب تیمم کا حکم قرآن میں موجود تھا تو تیمم سے نماز کیوں نہ پڑھی۔

(۳) اگر نجاست کی حالت تھی تو دوسروں کو بجماعت نماز پڑھانے پر کیا مجبوری تھی۔

(۴) حضرت عمر میں ایسی کیا کمی تھی کہ حضرت رسولخدا نے نہ کبھی کسی لشکر کا امیر بنا کر بھیجا نہ علمدار بنا کر

فتح مکہ

سنہ ۸ھ

وقت کو رنگ بدلتے اور زمانہ کو پلٹا کھاتے کیا دیر لگتی ہے۔ آٹھ سال پہلے جس مکہ سے سرکار دو عالم انتہائی پریشانی کے عالم میں نکلے تھے اب اسی مکہ میں اس شان سے داخل ہو رہے ہیں کہ دس ہزار مسلمان رکاب باسعادت کے ساتھ ہیں جہاں منزل ہوتی تھی بڑے بڑے میدان فوجوں سے بھرے نظر آتے تھے۔ کفار قریش اب اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ مقابلہ کا خیال بھی دل میں نہ آتا تھا ان کی ساری ہیکڑی خاک میں مل چکی تھی ان کے تمام نامی گرامی جوان مارے جا چکے تھے۔ اسلامی فوجوں کی کثرت اور ان کی شوکت و شان دیکھ کر کلیجے کانپ رہے تھے

چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی موت ان کے سامنے منہ کھولے کھڑی تھی رسول کے ساتھ ان کا ہر عمل ان کے خوف کی قیمت تھا وہ سمجھ چکے تھے کہ حضور مکہ میں داخل ہوتے ہی قتل عام کا حکم دیدیں گے اور بات بعید نہیں کہ ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں گی ہر گھر سے آگ کے شعلے بلند ہونگے۔ لیکن وہ حیرت میں رہ گئے یہ دیکھ کر کہ رحمۃ للعالمین نے نہ تو ایسا کوئی حکم دیا نہ کسی خون کے پیاسے پر غضب آلود نگاہ ڈالی بلکہ سب کو حرم میں جمع کر کے پوچھا تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو ان سب نے یک زبان ہو کر کہا آپ کریم ابن کریم ہیں ہم آپ سے عفو کے امیدوار ہیں۔ اس مجسم رحمت نے آبدیدہ ہو کر فرمایا لا تثریب علیکم الیوم اذهبوا انتم الطلقاء (جاؤ اب تم پر کوئی الزام نہیں تم سب آزاد ہو۔

واقعہ ختم ہو گیا اب اس کے مختلف پہلوؤں پر نظر کرنا باقی ہے

(۱) اسلامی قانون ہے لا اکراہ فی الدین اس کا بہترین مظاہرہ حضور سرکار دو عالم نے یوم فتح مکہ کیا صاف لفظوں میں کہدیا کہ تم آزاد ہو یعنی جبراً کسی سے بیعت نہیں لی جائے گی نہ تو آپ نے کسی کا گھر پھونکنے کا ارادہ کیا نہ کسی کی گردن میں رسی ڈلوا کر اپنی بیعت کے لئے بلوایا نہ کسی کے گھر آمادہ کسی کا دروازہ گرایا اور ایسا کیوں کرتے جبکہ خدا نے جبراً بیعت لینے کا حکم نہ دیا تھا اور صاف لفظوں میں بتا دیا تھا کہ ہم نے تم کو کسی پر داروغہ نہیں بنایا انما علیک البلاغ تمہارا فریضہ میرے احکام پہنچا دینا ہے نہ کہ کسی پر جبر و تشدد کرنا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو اجازت نہیں دی کہ وہ بہ جبر کسی کو مطیع بنائے ابوسفیان اور ہندہ اس کی بی بی کس درجہ آنحضرت کے دشمن تھے مگر آپ نے ان پر بھی کسی تشدد کو روا نہ رکھا بلکہ یہاں تک رعایت کی کہ ابوسفیان کے گھر کو جائے امن قرار دیا۔ حضور نے تو یہود و نصاریٰ پر بھی تشدد نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کا یہ فرض قرار دیا کہ وہ عمل رسول کی پیروی کرے پس جب عام مسلمانوں کا یہ فرض قرار دیا تو ان لوگوں کا کیونکر نہ ہوگا جو اپنے کو رسول کا جانشین کہتے تھے بعد وفات رسول علی و فاطمہ پر بہ سلسلہ بیعت جو مظالم ہوئے کیا وہ اسوہ رسول کے تحت تھے جب رسول کی رسالت کے منکروں پر یہ ستم روا نہ رکھے گئے تو اولاد رسول پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا کیا جواز تھا

(۲) ترک بیعت خلیفہ اول کرنے والے مہاجرین بھی تھے اور انصار بھی لیکن نہ تو اس قسم کا سلوک ان سے کیا گیا اور نہ طرح طرح کی دھمکیاں دی گئیں سمجھ میں نہیں آتا علی و فاطمہ نے امت رسول کا ایسا کیا بگاڑا تھا کہ ان سے احکام اسلامی کے خلاف جاہلیت کے زمانہ کا سا برتاؤ کیا گیا

(۳) فتح مکہ کے بعد سے مسلمانوں کی تعداد میں بہت زیادتی ہوئی اب تو فوجوں کی فوجیں دین اسلام میں داخل ہونے لگیں اور یہ سب اثر تھا اس حسن سلوک کا جو آنحضرت نے اہل مکہ کے ساتھ کیا تھا اسی کو مد نظر رکھ کر شاعر نے کہا ہے

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

کعبہ میں بت شکنی

جرائم بخشی کے بعد سرکار دو عالم حضرت علی کو اپنے ساتھ لے کر حرم خدا میں آئے پہلے طواف کیا پھر کعبہ کے اندر داخل ہوئے دیکھا تو وہاں سامان ہی کچھ اور تھا دیواروں پر ملائکہ کی تصویریں خوبصورت عورتوں کی شکل میں جا بجا بنی ہوئی تھیں اور طاقوں میں بکثرت چھوٹے چھوٹے بت رکھے ہوئے تھے اور بڑے بڑے زمین پر نصب تھے سب سے بڑا بت ہبل خانہ کعبہ کی چھت پر تھا۔ دھات کا بنا ہوا آہنی میخوں

سے جڑا ہوا فرمایا یا علی دیکھ رہے ہو یہ کیا تماشہ ہے ان تصویروں کو مٹاؤ اور ان بتوں کو گرا دو خانہ خدا کو اس نجاست سے پاک کرو۔ دونو نے آیہ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا پڑھتے ہوئے ان سب کو طاقوں سے گرا دیا۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا اب اس اوپر والے کی بھی خبر لو۔ حضرت علیؑ نے کہا حضور میرے شانوں پر سوار ہو کر اوپر تشریف لے جائیں فرمایا نہیں تم بار نبوت نہیں اٹھا سکتے تم میرے شانوں پر آجاؤ اور چھت پر جا کر اس کا قلع قمع کر دو چنانچہ امتثالاً للامر آپ حضور کے شانوں پر بلند ہوئے اس وقت حضرت رسولخدا نے فرمایا اے علیؑ اس وقت تم اپنے کو کہاں پاتے ہو فرمایا میں اس وقت اتنی بلندی پر ہوں کہ اگر چاہوں تو آسمان کو چھولوں بروایت روضۃ الاحباب حضور نے فرمایا "یا علی حبذا شان تو کہ کار حق میکنی و حبذا شانِ من کہ بار حق مے کشم" (اے علی کیا اچھی ہے تمہاری شان کہ حق کا کام کر رہے ہو اور کیا اچھی ہے میری شان کہ حق کا بوجھ اٹھا رہا ہوں) اس کے بعد حضرت علیؑ اوپر آئے اور ہبل کی گردن پکڑ کر ایک ہی جھٹکے میں اسے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ وہ بہت بھاری وزنی تھا اس کے بعد آپ وہاں سے کود کر زمین پر آ گئے اور کہیں چوٹ نہ آئی۔ حضرتؐ نے فرمایا اے علی اس پر تعجب نہ کرو اللہ نے تمہیں چڑھایا تھا اور جبریل نے تمہیں اتارا۔

واقعہ ختم ہو گیا اب اس کے رموز و نکات پر غور کیجئے

(۱) کیا وجہ تھی کہ بت شکنی کے لئے حضرت رسولخدا نے صرف حضرت علیؑ کو اپنے ساتھ لیا اور اپنے اصحاب میں سے کسی اور کو اپنے ساتھ نہ لیا بظاہر اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ جن قبائل عرب کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے ان میں سے ہر قبیلہ کا بت وہاں رکھا ہوا تھا اور اس قبیلہ میں نئے مسلمان ہونے والے برسوں انکی پوجا پاٹ کر چکے تھے۔ ان کے سامنے سجدے کر چکے تھے ان کو اپنا معبود مان چکے تھے اب وہ کس دل سے انکی توڑ پھوڑ کرتے۔ پرانی عادت دل میں ضرور تڑپ مارتی ہچکچاتے، دل تنگ ہوتے۔ بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے۔ ان پر دست درازی سے رکتے اور یہ امر آنحضرت کو ناگوار ہوتا۔

(۲) حضرت علیؑ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے تھے وہ اس گھر کے وارث تھے لہذا یوں بھی ان کو خانہ خدا سے بتوں کو نکالنے اور اس نجاست سے اس کو پاک کرنے کا حق تھا

(۳) علی علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میں بار نبوت نہیں اٹھا سکتا یہ بتاتا ہے کہ نبوت کا وزن جانچنے کا معیار ان کے پاس تھا ورنہ یوں تو حضرت کا بوجھ حضرت کی سواری کے چوپائے اٹھا لیتے تھے۔ نبوت ان پر اپنا بار ڈالتی ہی نہ تھی۔ تھرما میٹر بتاتا ہے کہ بخار کتنا ہے لکڑی کا ڈنڈا یا پتھر کا ٹکڑا کیا بتائے گا۔

(۴) تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ کے قدم ایک پتھر پر رکھے گئے تو اس کا اعزاز اتنا بڑھا کہ اس کو حرم خدا میں جگہ مل گئی اور حاجیوں کو حکم دیا گیا کہ مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھو ورنہ حج قبول نہ ہوگا بس کتنا صاحب عظمت ہوگا وہ جس کے قدم ختم نبوت پر رکھے گئے۔ یہ اسی کا اثر تھا کہ یہ مقام اتنا بلند ہو گیا کہ علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے کو اتنی بلندی پر پا رہا ہوں کہ اگر چاہوں تو آسمان کو چھولوں۔

زہے نقش پائے کہ بر دوش احمد ز مہر نبوت مقدم نشیند

(۵) نبوت اصل ہے اور امامت اس کی فرع ہے یہ شجرہ طیبہ اصل و فرع دونوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں اپنی بہار دکھا رہا تھا یہی تو قرآن کہہ رہا ہے کہ کلمہ طیبہ کی مثال شجرہ طیبہ کی سی ہے جس کی اصل ثابت زمین میں ہے اور اس کی شاخ آسمان پر ہے اور اس کے پھل ہر زمانہ میں

موجود رہیں گے یعنی ہر زمانہ میں ایک حجت خدا موجود رہے گا اور اس سے لوگ فیض پائیں گے

(۶) رسول کا یہ فرمانا کہ میں بار حق اٹھا رہا ہوں گلستان فضائل علی کا گل سر سبد اور حسن خدمات کا شاہکار ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ علی مجسم حق ہیں دوسری جگہ اس کی توضیح یوں فرمائی علی مع الحق والحق مع علی (علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہے)

(۷) ہبیل کا وزن نو من تھا اور کیلوں سے جڑا ہوا تھا علی کے ایک جھٹکے سے اکھڑ آیا اگر علی کی جگہ دوسرا ہوتا تو کیا وہ یہ کام اتنی آسانی سے کر سکتا تھا جس نے خیبر کا در اکھاڑ ڈالا اس کے لئے نو من کا وزنی بت اکھاڑ پھینکنا کون بڑی بات تھا۔ بت پرستوں کو یہ سبق مل گیا کہ ایمان کے بازوں میں کتنا زور ہوتا ہے

(۸) جب خانۂ خدا کو بتوں سے پاک کر دیا گیا تو حضرت رسولخدا نے حکم دیا کہ اب اذان کہو۔ پہلی اذان کہنے والے حضرت ابراہیم تھے جنہوں نے یہ گھر بنایا تھا اور دوسری اذان کہنے والے علی ہوئے۔ جو اس گھر میں پیدا ہوئے۔ کیا یہ کار رسالت میں شرکت نہ تھی۔

خالد اور بنی جذیمہ

محبت اگر عقل کے سایہ میں پرورش نہ پائے تو بصیرت اور بصارت دونو کھو بیٹھتی ہے۔ اگر روایت پر درایت کا سایہ نہ ہو تو جھوٹا موتی ہے آگ کہنے سے زبان ہند جلتی نہیں کی ایک بھٹیاری نے اپنی مرغی کا نام زیب النسا رکھ لیا تھا اور بریلی والے ایک غنڈے پٹھان کو خاں بہادر کہا کرتے تھے۔ جب کسی لفظ کو اپنے اصلی معنی سے ہٹا نا ہی ٹھہرا تو پھر اسکی نوک پلک دیکھنی کیسی

خالد بن ولید کو لوگ سیف اللہ کہتے ہیں ہمیں اس سے کوئی دکھ نہیں پہنچا۔ عقیدت بگڑ جاتے تو بتوں کو خدائی ملجاتی ہے۔

فتح مکہ کے بعد حضور نے تھوڑے تھوڑے آدمی اطراف مکہ میں بھیجے کہ دعوت اسلام دیں انہی میں خالد بن ولید بھی تھے جن کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا گیا تھا ایام جاہلیت میں بنی جذیمہ نے عبد الرحمن بن عوف کے باپ اور خالد کے چچا کو قتل کر دیا تھا۔ اس لئے بنی جذیمہ سے انتقام لینے کا جذبہ خالد کے دل میں تڑپ مار رہا تھا۔ خالد تین سو مہاجر و انصار کی جمیعت کے ساتھ بنی جذیمہ کے ایک چشمہ کے پاس جا کر ٹھہرے جس کا نام یلملم تھا اور مقام عبصا اسی کے قریب تھا یہاں کے لوگ حضرت رسولخدا کے پاس آکر مسلمان ہو چکے تھے اس وقت صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ اپنے عہد پر قائم ہیں یا نہیں۔ بنی جذیمہ مسلح ہو کر مدافعت کے لئے خالد کے مقابلہ کو آئے اور جب خالد کو دیکھا تو اپنے اسلام کا اظہار کیا خالد نے تحکمانہ لہجہ میں پوچھا تم مسلمان ہو یا کافر انھوں نے کہا ہم مسلمان ہیں ہم نے مسجدیں بنوائی ہیں ان میں نمازیں پڑھتے ہیں (روضۃ الاحباب) خالد نے کہا پھر ہتیار باندھکر کیوں آئے انھوں نے کہا بعض قبیلوں سے ہماری دشمنی ہے ہمیں ان سے حملہ کا اندیشہ تھا۔ غبار دیکھ کر ہم نے انہی کو سمجھا خالد نے انکی بات نہ مانی اور حکم دیا گھوڑوں سے اتر جاؤ اور ہتیار رکھدو وہ ہتیار رکھکر علحدہ کھڑے ہو گئے خالد نے بہت سوں کو گرفتار کر لیا اور جو بھاگے اُن کا تعاقب کر کے قتل کر دیا (روضۃ الاحباب۔ معارج النبوۃ۔ حبیب السیر۔ ابن اثیر)

ان میں سے ایک قیدی جو نکل بھاگا تھا مدینہ آیا اور آنحضرت کو اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ کو بڑا غصہ آیا اور دونو ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا خداوندا خالد کے اس فعل سے میں بری الذمہ ہوں کیونکہ اس نے تیرے رسول کی مخالفت کا ذرا لحاظ پاس نہ کیا

تین بار یہی فرمایا اور حضرت علی سے کہا تم مال لے جا کر ان سب کا خون بہا دے آؤ یہ ہے وہ عمل خالد کا جس کو قطعاً نظر انداز کر کے مسلمان ان کو سیف اللہ کہتے ہیں کیا اوس کی تلوار بے گناہ مسلمانوں کی گردن پر چلا کرتی ہے

غزوہ تبوک

سنہ ۹ھ میں آنحضرت نے رومی بادشاہ ہرقل سے لڑنے کا پروگرام بنایا چونکہ یہ سفر دور دراز تھا اور ایک قوی دشمن سے مقابلہ تھا گرمی بھی تھی اور قحط بھی تھا اس لئے مسلمانوں کو یہ مہم بہت سخت معلوم ہوئی وہ جانا چاہتے ہی نہ تھے بالخصوص اس وجہ سے کہ کھجور کی فصل تیار تھی لیکن جب تہدیدی حکم آیا تو دس ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے چلنے پر تیار ہوئے

بروایت حبیب السیر آنحضرت علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور اپنی ازواج سے کہدیا کہ علی کے حکم سے ہرگز باہر نہ ہوں جب آنحضرت روانہ ہو گئے تو جو منافقین بہانے کر کے مدینہ میں رہ گئے تھے انہیں ایک شگوفہ ہاتھ آیا حضرت علی سے کہنے لگے (از راہ طنز) کہ رسول اللہ آپ کو بوجہ ملال خاطر کے لئے چھوڑ گئے ہیں یعنی اب وہ آپ کو ساتھ لیجانا پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ کو منافقین کے طعنے ناگوار ہوئے اور ہتھیار لگا کر مقام جرف میں حضرت سے جا ملے۔ ایرونگ لکھتا ہے کہ علی رسول کے فرمانبردار تھے ان کو اس کا افسوس تھا کہ وہ اس لڑائی میں رسول کے ساتھ کیوں نہ شریک ہوے۔ جب حضرت علی نے رسول اللہ کو منافقوں کی طعنہ زنی سنائی تو آپ کو غصہ آیا فرمایا وہ جھوٹے ہیں میں تم کو اپنا خلیفہ بنا کر آیا ہوں تم جاؤ اور میری قائم مقامی کرو۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا ایرونگ لکھتا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہی ہے اور اکثر مورخین نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ آپ علی کو اپنا جانشین بنانے کی ٹھانے ہوئے تھے صاحب حبیب السیر نے یہ اشعار لکھے ہیں۔

علی را چنیں گفت خیر الانام — کہ اے کردہ در کار دیں اہتمام
ترا از من آں منزلت شد پدید — کہ نسبت بہارون ز موسیٰ رسید
مگر آں کہ بنود پس از من نبی — نبوت ز مردم شود اجنبی

اصحاح طبرسی علیہ الرحمہ میں ہے کہ جب حضرت علی آنحضرت کے پاس جا رہے تھے تو منافقوں نے ان کی راہ میں ایک کنوئیں کو خس پوش کر دیا تھا تاکہ جب اس میں گر جائیں تو اوپر سے پتھر مار کر ان کا کام تمام کر دیں لیکن ان کا یہ ناپاک مقصد حاصل نہ ہوا جب حضرت کا گھوڑا اس مقام کے قریب پہنچا تو رک گیا۔ آپ سمجھ گئے کہ کوئی مکر ہے آپ نے حکم دیا کہ اوپر سے گزر جا چنانچہ آپ بخیریت وہاں سے گزر گئے اور ان منافقوں کو پہچان لیا جو کمین گاہوں سے نکل آئے تھے

حضور ختمی مرتبت نے اپنی جانشینی کی یہ دوسری عملی صورت دکھائی ہے پہلی بار شب ہجرت اپنے فرش پر سلا کر اور دوسری بار اس جنگ کے موقع پر۔ حضرت رسول نے کا یہ فرمانا کہ اے علی تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو موسیٰ کے نزدیک ہارون کی منزلت تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ بنایا تھا۔

ہمارے مسلمان بھائیوں کا یہ کہنا کہ یہ جانشینی صرف حیات رسول تک تھی۔ وفات رسول کے بعد سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ صحیح یہ نہیں

ان کو سمجھا جاتا ہے جو شخص حیات رسول میں جانشینی کی اہلیت رکھتا ہے وفات رسول کے بعد یہ اہلیت اس سے کیوں سلب ہو گئی۔ علی علیہ السلام
نے حیات رسول میں جو اسلامی خدمات انجام دی تھیں وفات رسول کے بعد جو حق ان کا تھا اس سے کیوں محروم کیا گیا
اسی پر غور کرنا ہے کہ ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک دائرہ نبوت میں کیا تھی۔ اس کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ کار رسالت میں شرکت
تھی پس جو کار رسالت میں شریک رہا ہو وہی مستحق خلافت ہونا چاہیئے کیونکہ وہ ہدایت کی منزلوں سے گزر چکا ہوگا۔ نیز کہ اس حدیث
میں لا نبی بعدی یہ بتا رہا ہے کہ خلافت بعد وفات مراد ہے ورنہ اس فقرہ کا اضافہ بے معنی سی بات ہوئی۔ اگر حضرت ہارون ہوتے تو خیر اور اگر وہ
فرض کیجئے اگر حضرت موسیٰ کے بعد حضرت ہارون زندہ رہتے تو ان کا جانشین کون ہوتا
نہ ہوتے تو کیوں جب خدا نے زندگی میں ان کو شریک امر رسالت بنایا تھا تو وہ مستحق خلافت کیوں نہ ہوتے اور ان کے غیر کو یہ حق کیسے
پہنچتا اور اگر کہا جائے کہ امر رسالت موسیٰ میں ان کی شرکت نہ تھی کہ یوشع بن نون ہوتے جیسا کہ وہ حضرت ہارون کے مرنے کے بعد ہوئے
تو جواب یہ ہے کہ پہلا حق ہارون کا تھا لیکن جب وہ نہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون کو بنا دیا کیونکہ وہ جگہ تو پر کرنی تھی ہی۔ پس اسی طرح
اگر رسول کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو علی سے زیادہ حقدار کوئی نہ ہوتا کیونکہ وہ شریک کار رسالت رہ چکے تھے

اگر جہاں میں نبی بعد مصطفےٰ ہوتے
قسم خدا کی پیمبر کی مرتضیٰ ہوتے

غزوۂ حُنین

یہ واقعہ سنہ ۸ھ کا ہے جب بنی ہوازن بنی ثقیف اور بنی سعد وغیرہ صحرائی قبائل نے جن کی تعداد چار ہزار تھی مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ
کیا تو حضرت انکی سرکوبی کے لئے ۱۲ ہزار فوج لے کر حنین کی طرف روانہ ہوئے وہ لوگ حضرت سے پہلے حنین میں جو مقام جنگ تھا
پہنچ چکے تھے اور جا بجا پہاڑوں کے دروں میں چھپ گئے تھے مسلمانوں کو اس کا پتہ نہ تھا صبح کو راستہ کی تنگی کی وجہ سے سارا لشکر ایک
ساتھ وادی میں داخل نہ ہو سکا بلکہ متفرق طور سے آگے بڑھنے لگے۔ اس جنگ میں فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کے دلوں میں اپنی کثرت دیکھ کر
بہت کچھ نخوت آگئی تھی (روضۃ الصفا) اس نخوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کو تنہا سمجھ کر اس کی طرف سے بے خبر ہو گئے۔

روضۃ الاحباب اور حبیب السیر میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے مسلمان لشکر کی کثرت اور شان دیکھ کر کہا کس کی مجال ہے کہ ہم کو شکست دے
یہ تو اپنی اکڑفوں میں تھے ہی کہ کفار کمین گاہوں سے نکل پڑے اور تیروں اور پتھروں کی وہ بارش کی کہ مسلمان گھبرانے لگے۔ روضۃ الاحباب
اور حبیب السیر میں ہے کہ سب سے پہلے خالد بن ولید نے جو سیف اللہ کہلاتے ہیں راہ فرار اختیار کی ان کے بھاگتے ہی بھگدڑ مچ گئی۔ صحیح بخاری میں ہے
ابوقتادہ نے کہا سب مسلمان بھاگے تو ہم بھی بھاگے۔ انہی میں حضرت ابوبکر و عمر بھی تھے۔ اس بھگدڑ میں بہت سے مسلمان مارے گئے بہت زخمی
ہوئے۔ آنحضرت نے بہت پکارا اے اصحاب بیعت رضوان تم اپنے رسول کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو مگر کسی نے نہ سنی۔ اس بنا پر مسلمانوں کو
شکست ہو گئی اس موقع پر منافقوں کے بغض اور کینے خوب خوب ظاہر ہوئے ابوسفیان جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا تھا کہہ رہا تھا ابھی کیا ہے
مسلمان تو سمندر تک بھاگیں گے صفوان بن امیہ کے بھائی کلدہ نے کہا اب محمد کا جادو جاتا رہا

اگر کچھ جانباز حضرت کے ساتھ نہ ہوتے تو ایک دشمن نے حضرت کو شہید کر ہی دیا تھا۔ آنحضرت نے بھاگنے والوں کو پکارا اے گروہ

اے اصحاب الشجرہ اے اصحاب سورۂ بقر! یہ سنتے ہی کئی مسلمان جمع ہو گئے جو تقریباً سو تھے۔ دشمن بلندی سے اتر آئے اور دست بدست جنگ ہونے لگی۔ کافروں کا علمدار ابو جرول رجز پڑھتا ہوا آیا حضرت علیؑ اس کے مقابلے کے لئے نکلے اور بہت جلد اس کا کام کر دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی مسلمانوں کی ہمت بندھ گئی اور کفار کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس جنگ میں ستر کافر مارے گئے اور صرف چار مسلمان شہید ہوئے۔ ان ستر کافروں میں چالیس تنہا حضرت علی کی ذوالفقار آبدار کا لقمہ بنے تھے۔ تاریخ الخمیس اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ اکیلے رہ گئے تھے کیونکہ حضرت علی مصروف جہاد تھے اور رسول کے پاس سے دشمنوں کو ہٹا رہے تھے۔ علی وہ ہیں جنہوں نے کسی جہاد میں فرار نہیں کیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا عمل اس درجہ واضح ہے کہ کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں

واقعۂ عقبہ

روضۃ الاحباب تاریخ الخمیس اور معارج النبوۃ میں ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت ایک پہاڑی سے گزرنا تھا۔ حضور سرکار ختم الانبیاء نے منادی کرا دی کہ رات کو کوئی عقبہ پہ نہ جائے جب تک حضور کی سواری وہاں سے نہ گزر جائے۔ جب حضور تشریف لے چلے تو حذیفہ یمانیؓ مہار شتر پکڑے ہوئے تھے اور حضرت عمار یاسرؓ پیچھے سے ہنکا رہے تھے۔ حذیفہ کہتے ہیں یکایک بجلی چمکی تو میں نے دیکھا ۱۲-۱۳ سوار حضرت کی طرف آئے کہ آپ کے اونٹ کو بھڑکا کر آپ کو گرا دیں میں نے حضرت کو آگاہ کیا آپ نے ان کو ڈانٹا تو بھاگ گئے۔ عمار نے بڑھ کر ان کے اونٹوں کے منہ پر کوڑے مارے۔ حضرت نے مجھ (حذیفہ) سے فرمایا تم نے پہچانا یہ کون لوگ تھے۔ میں نے کہا نہیں ان کے چہروں نقاب پڑی ہوئی تھی اور رات اندھیری تھی فرمایا یہ لوگ قیامت تک منافق رہیں گے ان کا ارادہ تھا میرے اونٹ کو بھڑکا کر مجھے گرا دیں اور ہلاک کر دیں۔ میں نے کہا آپ حکم دیں تو ہم ان کے سر کاٹ ڈالیں فرمایا میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں جن کی مدد سے دشمنوں کو زیر کیا تھا غالب ہونے کے بعد انہیں کو قتل کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں کے نام مع ولدیت کے مجھے بتلائے اور فرمایا کسی کو بتا کر انہیں ذلیل نہ کرنا

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں میں نفاق اس حد تک اثر کر گیا تھا کہ رسول اللہ کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ حضرت نے ان کا نام ظاہر کرنے سے غالباً اس لئے منع فرمایا کہ ان میں سے بعض اکابر صحابہ تھے حضرت کھلم کھلا ان کو اپنا مخالف بنانا نہیں چاہتے تھے ان میں سے ایک صاحب بار بار حضرت حذیفہ سے پوچھتے تھے کہ حضرت نے میرا نام تو نہیں لیا۔ اور جب ضمیر کی خلش زیادہ ہوتی تو گھبرا کر یہ بھی کہہ دیتے واللہ میں منافقوں میں سے ہوں۔

حضور سرکار دو عالم کی ذات ابر رحمت کی مانند تھی کہ جب وہ برستا ہے تو زمین کا ہر خطہ اپنی قابلیت کے لحاظ سے اس سے فیض حاصل کرتا ہے کہیں پھول مہکتے ہیں کہیں کانٹے اگتے ہیں۔ زرخیز زمینوں میں غلہ اگتا ہے کہیں شورہ زاروں میں کانس ہوتی ہے۔ حضرت کے تمام صحابہ یکساں نہ تھے بعض مومن تھے بعض منافق۔ بعض ضعیف الایمان تھے بعض قوی الایمان بعض کل ایمان۔ حضور ان سب کو ملائے ہوئے تھے تاکہ کار تبلیغ میں رکاوٹ نہ ہو۔ ایسی صورت میں سب کو عادل کہنا عقل میں آنے والی بات نہیں

مسجد ضرار

روضۃ الاحباب میں ہے کہ ہجرت سے پہلے ابو عامر راہب اشراف قبیلہ خزرج سے تھا اور دین نصاری اختیار کرچکا تھا توریت و انجیل کا عالم تھا اور حکومت کا حریص۔ آنحضرت کے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد اس کی قدر نہ رہی۔ حسد نے اس کے دل میں راہ پائی اور لوگوں کو آنحضرت کی اطاعت سے روکنے لگا۔ جب مسلمانوں نے جنگ بدر میں فتح پائی تو مکہ کی طرف بھاگ گیا اور قریش کو حضرت سے جنگ کرنے پر ابھارا جب مکہ والوں کو شکست ہوئی تو روم کی طرف بھاگ گیا۔ ہرقل بادشاہ روم کا ملازم ہو گیا وہاں سے اپنی قوم کے منافقوں کو لکھا کہ تم مسجد قبا کے مقابلہ میں اپنے محلہ میں میرے لئے ایک مسجد بناؤ تاکہ مدینہ آکر افادہ علوم میں مشغول ہوں اور قومی معاملات پر غور و فکر کیا جائے۔ چنانچہ مسجد تیار ہو گئی۔

جب حضرت تبوک جانے لگے تو ان لوگوں نے کہا ہم نے مریضوں اور ضعیفوں کو سردی اور گرمی سے بچانے کے لئے یہ مسجد بنائی ہے ہماری خواہش ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھ کے برکت بخشیں۔ مقصد یہ تھا کہ حضرت کے نماز پڑھنے کے بعد اس کو مقبولیت حاصل ہو جائے گی۔ حضرت نے فرمایا اب تو میں جنگ پر جا رہا ہوں واپسی پر دیکھا جائے گا جب واپس ہوئے تو ان لوگوں نے وعدہ کا ایفا چاہا اس وقت جبریل نازل ہوئے اور یہ آیت لائے والذین اتخذوا مسجدا ضرارا الخ اور حکم دیا گیا پس میں گھر بھی نہ ہوتا کیونکہ یہ نقصان پہنچانے کے لئے بنائی گئی ہے۔

مسلمانوں کو عبادت سے زیادہ مسجدیں بنانے کا شوق ہے بعض جگہ ہر دو گھر کے بعد ایک مسجد نظر آئے گی ان میں سے بعض ایسی بھی ہیں کہ لوگوں سے سخت جھگڑے کے بعد بنی ہیں بعض ہمسایوں کی ضد میں بنی ہیں بعض نام و نمود کے شوق میں بنی ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے ‏ ‏ پر دل جو پرانا پاپی تھا برسوں میں مسلماں بن نہ سکا

آنحضرتؐ کا ایک ماہ اپنی ازواج سے علیحدہ رہنا

جس شخص کے کئی بیبیاں ہوتی ہیں ان میں سوتیا ڈاہ ضرور پائی جاتی ہے۔ سرکار دو عالم کا گھر بھی اس جھگڑے سے خالی نہ رہا باوجودیکہ حضرت سب کے ساتھ عدل کا برتاؤ کرتے تھے لیکن عورت کی فطرت کہاں بدلتی ہے

صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ جناب عائشہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ کی بیبیوں کے دو گروہ تھے ایک میرا تھا جس میں سودہ حفصہ اور صفیہ اور زینب تھیں دوسرا گروہ ام سلمہ کا تھا جس میں باقی ازواج شامل تھیں۔ جب ایک پارٹی میں کوئی مشورہ ہوتا تو سب متفق الرائے ہو جاتیں ایک بار ایسا ہوا کہ زینب بنت جحش کے پاس کچھ شہد تحفہ میں آیا۔ حضرت کو شہد بہت پسند تھا زینب نے حضرت کے لئے وہ شہد رکھ چھوڑا جب آپ زینب کے پاس جاتے تو وہ شہد کا شربت بنا کر پلاتیں۔ جناب عائشہ اور حفصہ کو یہ بات شاق گزری دونوں میں صلاح ہوئی کہ اب جو حضور وہاں سے شہد کھا کر آئیں تو کہا جائے کہ حضور کے منہ سے مغافیر (ایک بدبودار گوند)

کی بو آتی ہے چنانچہ جب حضور بی بی حفصہ کے یہاں تشریف لائے تو انھوں نے ناک سکیڑ کر دی تھی کہا حضور نے فرمایا میں نے تو مغافیر نہیں کھایا
انھوں نے کہا تو پھر جو شہد آپ نے کھایا ہے اس کی مکھیوں نے مغافیر کے پھولوں کا رس چوسا ہوگا فرمایا یہ بات ہے تو اب میں یہ شہد نہ کھاؤں گا
لیکن یہ بات کسی سے کہنا نہیں مگر ان کے پیٹ میں بات نہ پچی اور حضرت عائشہ سے جاکر کہہ ہی دیا ساتھ ہی دنوں میں ایک واقعہ اور
ہو گیا۔ حضرت حفصہ کے گھر حضور کی شب باشی کی باری تھی وہ اجازت لے کر کسی ضرورت سے میکے چلی گئیں حضرت نے خالی گھر میں ہونا
مناسب نہ جانا ماریہ قبطیہ کو بلا لیا۔ کچھ رات گئے بی بی حفصہ آگئیں۔ سوتن کو اپنے گھر میں دیکھتے ہی غصہ میں بھر گئیں اور تیوری چڑھا کر
کہنے لگیں یا رسول اللہ آپ نے میرے ہی گھر میں اور میرے ہی بستر پہ ایک کنیز سے صحبت کی حالانکہ یہ میری باری کی رات تھی۔ فرمایا
میں سمجھا تمام رات تو نہ آؤ گی۔ میں نے تمہارا سونا پسند نہ کیا مگر ان کا غصہ دھیما نہ ہوا۔ حضرت نے اس خیال سے کہ بات نہ بڑھے فرمایا کیا
تم اس بات پر راضی ہو جاؤ گی کہ میں ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لوں۔ اس پر وہ راضی ہو گئیں۔ حضرت نے فرمایا دیکھو یہ بات اپنے ہی
تک رکھنا کسی اور سے نہ کہنا انھوں نے اقرار کر لیا مگر صبح ہوتے ہی یہ بات حضرت عائشہ کو جا سنائی (تفسیر درمنثور ص۲۳۹ مطبوعہ و تفسیر کشاف
جلد ۳ ص۱۹۷ و ص۱۹۵۔

جب آپ حضرت عائشہ کے یہاں گئے تو انھوں نے کہا آپ میری باری میں ماریہ سے صحبت کر لیا کیجئے۔ راز منکشف ہو جانے سے حضرت کا
چہرہ متغیر ہو گیا۔ سورۂ تحریم کی ابتدائی آیات انہی واقعات کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں
ذیل میں ان کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

اے رسول جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے تم اس سے اپنی بی بیوں کی خوشنودی کے لئے کیوں کنارہ کشی ہوتے ہو
اور خدا تو بڑا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے اور خدا نے تم لوگوں کے لئے قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے خدا ہی تمہارا کارساز ہے
اور وہی واقف کار اور حکمت والا ہے۔ جب نبی نے اپنی بی بی سے چپکے سے ایک بات کہی تو اس نے باوجود
ممانعت کے خبر دے دی اور خدا نے اس بات کو رسول پر ظاہر کر دیا۔ تو رسول نے یہ بات (ماریہ والی عائشہ کو) جتا دی
اور ایک بات (شہد والی) ٹال دی۔ غرض رسول نے جب واقعہ کی (حفصہ کو) خبر دی تو اس نے حیرت سے کہا آپ کو اس
راز کی خبر کس نے دی فرمایا مجھے واقف کار خبردار خدا نے دی ہے
تو اے نبی کی دونوں بیبیو اگر تم اس حرکت سے توبہ کرو تو خیر کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہیں اور اگر تم دونوں رسول کی
مخالفت میں شور و پشتی کرتی رہو گی تو کچھ پرواہ نہیں خدا۔ جبریل اور ایمانداروں میں سے سب سے زیادہ نیک انسان اور
اس کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ میرے کل فرشتے بھی اگر رسول تم کو طلاق دیدیں تو ان کا پروردگار عنقریب
تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بی بیاں عطا فرمائے گا جو فرمانبردار ایماندار اطاعت شعار گناہوں سے توبہ کرنے
والیاں عبادت گزار روزہ رکھنے والیاں بیاہی اور بن بیاہی کنواریاں عطا کرے گا

بروایت تاریخ خمیس و استیعاب حضرت نے حفصہ کو طلاق دیدی تھی کچھ مدت سے دور گزر رہے تھے آخر تنگ کر قسم کھائی کہ ایک ماہ تک ان
سے تعلق نہ رکھوں گا اس کے بعد آپ نے ایک حجرہ میں عزلت اختیار کر لی۔ استیعاب میں ہے کہ جب حضرت عمر کو حفصہ کی طلاق کا علم ہوا تو سر پر خاک
ڈالی اور کہا دیکھئے اس کے بعد خدا میری بیٹی کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ حضور کی خدمت میں آکر وہ بے اندازہ رنج و ملال کا اظہار کیا

یہ واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ ہے کہ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے۔

اس واقعہ میں بہت سی باتیں قابل ذکر ہیں۔

(۱) امہات المومنین عام عورتوں جیسی نہیں جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے یا نساء النبی لستن کاحد من النساء اے نبی کی بی بیو تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو یعنی ایک ممتاز حیثیت اور غیر معمولی وقار کی مالک ہو یہی وجہ ہے کہ عمل بد پر ان کی سزا بھی دگنی کر دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لہا العذاب ضعفین۔ اگر تم میں سے کسی نے کھلا گناہ کیا تو اس کے لئے دونا عذاب ہے، پس جب یہ صورت ہے تو ان کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

(۲) شہد کھانے کا معاملہ کوئی ایسا بڑا معاملہ نہ تھا جس سے حضور کو باز رکھنے کی کوشش کی جاتی۔ زینب داخل ازواج تھیں ان کو یہ حق تھا کہ جو چیز ان کے گھر میں ہو وہ حضرت کو کھلا کر اپنا دل خوش کریں۔ دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ بی بیاں اپنے شوہروں کی خاطر مدارات کیا کرتی ہیں۔ وہ کسی دوسری بی بی کے حق پر ڈاکہ نہیں ڈال رہی تھیں جو کرتی تھیں اپنے وقت کے اندر کرتی تھیں پھر اس کی گھٹن اور جلن کیوں تھی دوسری بی بیوں کا فرض تھا کہ وہ بھی کوئی چیز حضرت کو کھلانے کے لئے مہیا کرتیں نہ کہ زینب کی عداوت میں حضرت کو ایک جائز اور پسندیدہ چیز سے محروم کر دیتیں۔

(۳) جب حضور نے یہ فرما دیا تھا کہ اس بات کو کسی سے کہنا نہیں کیونکہ اس کی خبر اگر زینب کو پہنچی تو ان کو صدمہ ہو گا اور آپس میں جھگڑا بڑھنے کا اندیشہ ہے تو جناب حفصہ کو چاہیے تھا کہ اطاعت رسول کے تحت اس واقعہ کو بھول کر بھی زبان پر نہ لاتیں۔ ان کا مقصد تو حاصل ہو ہی گیا تھا کون ایسا بڑا معاملہ تھا کہ ضبط نہ ہو سکا یہ جانتے ہوئے کہ رسول کی نافرمانی اللہ کو پسند نہ آئے گی اس کا ظاہر کر دینا مناسب نہ تھا۔

(۴) بالفرض اگر جناب حفصہ سے نسوانی کمزوری کے تحت غلطی ہو گئی تھی تو جناب عائشہ جو ان سے زیادہ عاقلہ فہیمہ اور دور اندیش تھیں صبر و ضبط سے کام لیتیں اور بات کو بڑھنے نہ دیتیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس ذرا سے معاملہ کو اتنا اچھالنے میں کیا مصلحت تھی۔ ایسی صاحب عظمت خواتین کے معاملہ میں امتیوں کو کچھ کہنا داخل گستاخی ہو گا۔

(۵) ماریہ قبطیہ کا واقعہ بھی کوئی اشتعال انگیز واقعہ نہ تھا اگر اپنی تنہائی دور کرنے کے خیال سے حضور نے بلا لیا تھا تو اس پر غصہ کیوں آیا؟ کیا ماریہ کو حضور کی زوجیت کا شرف حاصل نہ تھا کیا ان سے صحبت کرنا حلال نہ تھا جیسے حفصہ بی بی تھیں ویسے ہی وہ بھی تھیں۔ جب ان کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل تھا تو پھر کنیز و آزاد کا سوال کیا زوجیت کے اعتبار سے تو سب برابر تھیں۔ غصہ ایسی صورت میں ضرور حق بجانب ہوتا اگر حضور حفصہ کی موجودگی میں ان سے ہم بستر ہوتے

(۶) رہا بستر کا معاملہ تو یہ بھی غصہ دلانے والی چیز نہ تھی۔ جب حضور کو اس بستر کی مالک حفصہ پر حق تصرف حاصل تھا تو ان کی ہر چیز پر بھی تھا یہ بستر وہ اپنے میکے سے تو لائی نہ ہوں گی بنوایا تو رسول ہی نے ہو گا پھر اس کی شکایت کیا۔ ایسی لایعنی باتیں عام بیویاں تو اپنی افتاد طبیعت سے مجبور ہو کر کہا کرتی ہیں لیکن ازواج رسول کو ان سے کیا نسبت ان کی نظر تو ایسی باتوں پر جانی نہ چاہیے

(۷) حضور نے اس بات کو چھپانے کے لئے اس لئے کہا تھا کہ ماریہ قبطیہ کو رنج ہو گا لہذا حکم کو مان لینا چاہیے تھا اور اس راز کو پردہ ہی میں رکھنا چاہیے تھا مگر اس موقع پر بھی دونوں مقدس خواتین سے صبر نہ ہو سکا جس کا نتیجہ حضور کا رنجیدہ ہونا تھا اور ناخوش ہونا تھا اور قلب اقدس کے لئے باعث تکلیف اور حضور کی ایذا رسانی گناہ کبیرہ

(۸) یہ سمجھتے ہوئے کہ ان میں سے کوئی بات بھی رسول سے پوشیدہ نہ رہے گی وحی ان کو ضرور آگاہ کر دے گی ان کو ایسا کرنے کی جرأت کیوں ہوئی۔

(۹) سورہ تحریم کی آیات کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں عقل حیران ہے کہ ان دو مادران مومنین کی اس کوتاہی کا وزن کتنا زیادہ ہے کہ قدرت کی تیوری پر بل پڑے ہوئے ہیں اور وحی کے الفاظ بری طرح زجر و توبیخ کر رہے ہیں۔

(۱۰) یہ جرم اتنا سنگین ہو گیا کہ خدا نے توبہ کرنے کا حکم دیا۔ اگر معمولی بات ہوتی تو صرف آگاہ کر دیا جاتا۔

(۱۱) قدرت کا یہ کہنا کہ تمہارے دل کج ہو گئے ہیں عقیدہ میں کس قدر لرزہ پیدا کرنے والا ہے۔ کجی قلوب کے گناہ کا وزن اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہمارا تو اس کے تصور سے کلیجہ لرز رہا ہے۔

(۱۲) توبہ کا حکم تو ثابت ہے مگر قرآن یہ نہیں بتاتا کہ توبہ ہوئی یا نہیں اور نہ یہ بتاتا ہے کہ قبول کر کے اللہ راضی ہوا یا نہیں۔ ام المومنین بغیر امت کی ہدایت کے لئے توبہ کی تو ضرور ہوگی باقی اللہ جانے

(۱۳) اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دو ازواج کی یہ ناراضگی کیوں اتنی وزنی قرار دی گئی کہ عتاب الٰہی نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ اگر یہ سازش اور منصوبہ بندی پھر ہوئی تو رسول کا مددگار اللہ ہے جبریل ہے۔ صالح المومنین ہے اور پھر سارے ملائکہ مددگار ہیں یعنی حکومت الٰہیہ کی تمام قوتیں مقابلہ کے لئے آ جائیں گی

(۱۴) عتاب کا دوسرا رخ یہ ہے کہ آئندہ ایسا کیا تو پھر تم کو زوجیت رسول سے خارج کر دیا جائے گا اور تمہاری بجائے ایسی بیبیاں عطا کرے گا جو فرمانبردار، ایماندار۔ خدا اور رسول کی مطیع گناہوں سے توبہ کرنے والیاں۔ عبادت گزار روزہ رکھنے والیاں بیاہی اور بن بیاہی کنواریاں ہوں۔ یعنی تم سے ہر صفت میں بہتر ہوں گی۔ عتاب کی اس شدت کو سمجھنا ہماری عقول سے باہر ہے۔ جس کے گھر کے واقعات ہیں وہی سمجھے۔

تبلیغ سورہ برائت

تفسیر معالم التنزیل اور تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ ماہ ذی قعدہ ۹ھ میں حضرت رسولخدا نے حضرت ابوبکر کو سورہ برائت کی ابتدائی چند آیات دیں کہ مکہ جا کر موسم حج میں کفار و مشرکین کو جا کر سنا دیں اور تین سو آدمی ان کے ساتھ کر دئے جب وہ روانہ ہو گئے تو جبرئیل یہ حکم لے کر نازل ہوئے لایودیھا الا انت او رجل منک (اس کی تبلیغ کوئی دوسرا نہ کرے گا یا تو آپ خود کیجئے یا وہ کرے جو آپ کا جزو ہو) (احمد حنبل۔ نسائی) یہ حکم سن کر آپ نے علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تم فوراً روانہ ہو اور راستہ میں ابوبکر کو جا لو اور ان سے آیات لے کر خود مکہ جاؤ اور اسکی تبلیغ کرو۔ چنانچہ حضرت علی گئے اور قربانی کے دن کفار و مشرکین پر بے جھجک احکام خدا کی تبلیغ کر دی (۱) آئندہ کوئی برہنہ ہو کر طواف نہ کرے گا (۲) رسول اللہ نے جو معاہدہ کسی قوم و قبیلہ سے کیا ہے وہ اس کی میعاد مقررہ تک باقی رہے گا اس کے بعد ختم۔ (۳) جس سے عہد و پیمان نہیں ہوا اس کے لئے صرف چار ماہ کی مدت مقرر کر دی گئی ہے (۴) کوئی مشرک آج کے بعد حج کو نہ آئے۔

مذکورہ واقعہ کو پڑھ کر حسب ذیل سوالات کرنے کا ہر شخص کو حق ہے۔

(۱) سورۂ برأت کی ابتدائی چند آیات کی تبلیغ میں ایسی کیا اہمیت تھی کہ سوائے رسول یا اس کے جوان کا جزو ہو یعنی شریک کار رسالت ہو دوسرا انجام نہ دے سکے۔ مقصود تو صرف آیات کو پڑھ کر سنانا ہی تھا تو یہ کام ہر مسلمان کر سکتا تھا۔ اس کی صحیح مصلحت تو خدا و رسول ہی کو معلوم ہے ہم تو صرف اتنا سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے غیر معصوم سے اس نے تبلیغ کرانا پسند نہیں کیا جو نبی یا رسول ہیں کہ آیا وہ معصوم ہی آیا۔ اس احتیاط کا منشا یہی ہو سکتا ہے کہ غیر معصوم سے تبلیغ میں کوتاہی کا امکان ہے وہ بھول بھی سکتا ہے وہ کسی مصلحت کے تحت اس میں تبدیلی بھی کر سکتا ہے جیسا کہ علمائے یہود و نصاریٰ نے کیا۔ کسی طاقت سے مرعوب ہو کر اس میں جھجک پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ خوف زدہ ہو کر تبلیغ سے رک سکتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے جس سے ہر وہ گناہ ممکن ہو اور لوگوں کی نظر میں اس کی معصیت آچکی ہو تو اس کا روحانی وقار بے وزن ہو کر رہ جاتا ہے

(۲) حضرت ابوبکر میں ایک کمی یہ بھی کہ وہ بحالت کفر و شرک جن لوگوں کے ساتھ بت پرستی کر چکے تھے اور مشرکانہ رسم و رواج میں شریک ہو چکے تھے جب وہ انہیں لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر احکام الٰہی کی تبلیغ کرتے تو لوگوں کو ان سے تمسخر کرنے کا موقع ملتا یا ان سے سابقہ تعلقات پر نظر کر کے تبلیغ میں کوئی کوتاہی واقع ہو جاتی لہٰذا ایسے شخص کو بھیجنے کی ضرورت پیش آئی جس نے ان واحد کے لئے بھی کسی بت کے سامنے سجدہ نہ کیا ہو اور مشرکوں کے کسی عمل میں کبھی شرکت نہ کی۔

(۳) فاضل کی جگہ مفضول کو کبھی کوئی عہدہ نہیں دیا جاتا کیونکہ اس سے فاضل کی توہین ہوتی ہے اور عدل و انصاف کے خلاف بھی سمجھا جاتا ہے۔

(۴) اس موقع پر ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی کہ اگر کفار و مشرکین غصہ میں حملہ آور ہو جاتے تو وہ پوری قوت سے ان کا مقابلہ کرے اور خوف و ہراس اس کے دل میں جگہ نہ پائے۔

(۵) کہا جا سکتا ہے کہ جب خدا یہ چاہتا تھا کہ اس کی تبلیغ یا تو رسول کریں یا وہ کرے جو رسول کا جزو ہو تو پہلی ہی بار علی کو کیوں نہ بھیجا تاکہ ایک مسلمان ذلت سے بچ جاتا۔ جواب یہ ہے کہ ایسا کرنے میں ایک بڑی مصلحت فوت ہو جاتی۔ لوگوں کو اول تو اس تبلیغ کی اہمیت کا پتہ نہ چلتا وہ یہ سمجھے رہتے کہ ہر مسلمان اس خدمت کے انجام دینے کی اہلیت رکھتا ہے دوسرے حضرت علی کی یہ خصوصیت پس پردہ رہتی کہ علی علیہ السلام بہ حیثیت جزو رسول ہونے کے شریک کار رسالت ہیں۔

سریہ وادی الرمل

حضور کو خبر ملی کہ وادی الرمل میں ایک قوم مدینہ پر شبخون مارنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ روضۃ الصفا۔ مدارج النبوۃ اور حبیب السیر میں ہے کہ حضور نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے فرمایا کون ہے جو اس شر کو دفع کرے اصحاب صفہ میں سے ایک گروہ اس پر آمادہ ہوا تو حضرت ابوبکر کی ماتحتی میں یہ سریہ دشمن کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں نے شکست کھائی اور واپس آگئے۔

دوسری بار ایک گروہ کے ساتھ حضرت عمر کو بھیجا اس کا نتیجہ بھی وہی ہوا۔ اس کے بعد عمرو عاص اس دعوے سے چلا کہ میں کسی حیلہ سے کام لیکر شکست دیدونگا مگر وہاں گئے تو نہ تدبیر چلی نہ شمشیر چوتھی بار حضور نے حضرت علی کو علمدار لشکر بناکر بھیجا اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاکر یہ دعا کی خداوندا علی کو فتح دینا اور سمجھا اصحاب تک آپ ان کو پہنچانے کے لئے گئے۔ پہلے تین سرداروں کو بھی اس لشکر میں شمولیت کا حکم دیا اور یہ کہدیا کہ کسی امر میں علی کی مخالفت نہ کریں۔ چونکہ عمرو عاص کو یقین تھا کہ علی کو ضرور فتح حاصل ہوگی لہذا اس کام کو بگاڑنا چاہا لوگوں سے کہا اس راہ میں درندوں اور وحشیوں کا خطرہ ہے لہذا وادی کی بلندی سے شبخون مارا جائے۔ شیخین نے اس امر میں حضرت علی سے گفتگو کی حضرت نے یہ رائے منظور نہ کی۔ عمرو عاص نے باآواز بلند کہا اے مسلمانو! ہم اپنی جانیں ضائع کرنا نہیں چاہتے آؤ تاکہ وادی کی بلندیوں پر سے چلیں۔ جو لوگ باایمان تھے انھوں نے کہا رسول اللہ نے علی کی مخالفت سے منع کیا ہے۔
حضرت علی نے عمرو عاص کی رائے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جو راہ اختیار کی تھی اسی پر چلتے رہے صبح ہوتے ہی دشمنوں کے سروں پر جا پہنچے اور ان کو بری طرح شکست دی۔ اس واقعہ کے متعلق سورہ والعادیات ضبحاً نازل ہوئی ہے
جب حضرت علی فتح پاکر مدینہ واپس آئے تو رسول اللہ نے چھاتی سے لگاکر فرمایا اے علی خدا تم سے راضی ہے اے علی اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت تمہارے حق میں وہ کہنے لگے گی جو نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کے متعلق کہتے ہیں تو میں وہ بات کہتا کہ تم جدھر سے گزرتے لوگ تمہارے قدموں کے نیچے کی خاک اٹھالیتے۔ کسی کے نفسانی وجدانیات اور روحانی کمالات سے خدا و رسول ہی واقف ہو سکتے ہیں عام لوگ جو ظاہری حالات پر نظر رکھنے والے ہوتے ہیں ان باتوں کو کیا سمجھیں آخر رسول نے علی میں کوئی کمال تو دیکھا تھا جو ایسا فرمایا

اوصاف علی بگفتگو ممکن نیست گنجائش بحر در سبو ممکن نیست
من ذات علی بواجبی کے دانم الا دانم کہ مثل او ممکن نیست

سریۂ یمن

عمرو بن معدیکرب مرتد ہوکر یمن چلا گیا اور وہاں بنی حدث کے ایک گروہ کو اپنے سے ملالیا حضرت کو اس کی بغاوت کی خبر ملی تو حضرت علی کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا اور خالد بن ولید کو ایک گروہ کے ساتھ قبائل جعفی کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا جہاں دو لشکر مل جائیں تو ان کے سردار علی ہونگے۔ چند منزل جانے کے بعد خالد کی فوج کے دو گروہ بن گئے ایک یمن کی طرف گیا دوسرا بنی زبید سے جا ملا۔ یہ سنکر حضرت علی نے خالد کو پیغام بھیجا کہ جہاں تک پہنچے ہو وہیں ٹھہرے رہو جب تک کہ میں نہ آؤں خالد نے یہ حکم نہ مانا۔
حضرت نے خالد بن سعید کو حکم دیا کہ جلد خالد سے جا ملے اور جہاں ہو وہیں ٹھہرا لے چنانچہ خالد بن سعید نے ایسا ہی کیا جب حضرت علی وہاں پہنچے تو آپ نے خالد کو عدول حکمی پر ملامت کی اور عمرو بن معدیکرب پر چڑھائی کی۔ عمرو مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ نکلا مسلمانوں نے اس کے بھائی اور بھتیجے کو قتل کیا اور اسکی بی بی کو مع دیگر عورتوں کے قید کیا
روایت ہے کہ اس جنگ کو فتح کرنے کے بعد خمس کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی حضرت علی نے لے لی۔ خالد نے اس کی اطلاع حضرت رسولخدا کو بھیجی حضور نے اس کے خط میں حضرت علی کی شکایت دیکھی تو چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا اور فرمایا اس سے کہدینا کہ علی کے بارہ میں گمان بد نہ کرو وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں وہ تمہارا ولی و حاکم ہے۔ آگاہ ہو جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا اور ولی ہے (روضۃ الاحباب در روضۃ الصفا)

واقعات بتا رہے ہیں کہ حضرت علی کا وقار مسلمانوں کی نظر میں گھٹانے کی طرح طرح کوشش کی جا رہی تھی لیکن کچھ کرتے نہ بنتی تھی۔ جب وقت نے رخ بدلا تو چلولوں کے پھپھولے خوب خوب پھوٹے گئے۔

مباہلہ

مباہلہ کے سنہ میں اختلاف ہے کسی نے ۹ھ میں لکھا ہے کسی نے ۱۰ھ میں۔ صورت یہ ہوئی کہ نجران کے نصاریٰ حضرت عیسیٰ کے بارہ میں مناظرہ کرنے مدینہ آئے۔ ان کا کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰ ابن اللہ ہیں اس لئے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں حضرت نے فرمایا آدم تو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے لہذا تمہارے استدلال کے مطابق ان کو بطریق اولیٰ تم کو ابن اللہ ماننا چاہیے۔ جس طرح خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے اسی طرح عیسیٰ کو بھی پیدا کیا ہے۔ الغرض ہر طرح سے حضرت نے انہیں سمجھایا مگر وہ اپنی بات پر جمے رہے حکم خدا ہوا جب یہ کسی طرح جھگڑے سے باز نہیں آتے تو اے رسول تم ان سے کہو ہم اپنے لڑکوں کو بلائیں تم اپنے لڑکوں کو بلاؤ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ پھر مباہلہ کر لیں اور جھوٹوں پر لعنت کریں۔ نصاریٰ مباہلہ پر راضی ہو گئے اور وقت مقرر ہو گیا۔

جب وقت معین آیا تو نصاریٰ کا گروہ جس میں سید و عاقب دو بڑے جلیل القدر عالم بھی شامل تھے ایک بلند مقام پر آکر بیٹھا تاکہ یہ دیکھے کہ حضرت کس شان سے اپنے گھر سے نکل کر آتے ہیں ان کے پادری عاقب نے اپنی قوم سے کہا اگر محمد اپنے خاص رشتہ داروں کو لے کر آئیں تو اس صورت میں جبکہ ان کو اپنی صداقت اور دشمن کی ہلاکت پر پورا یقین ہوگا ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ ضرور ہلاک ہو جاؤ گے۔ حضرت رسولخدا بیت الشرف سے اس طرح برآمد ہوئے امام حسن کی انگلی پکڑے ہوئے امام حسین کو گود میں لئے ہوئے آپ کے پیچھے حضرت فاطمہ تھیں اور ان کے پیچھے حضرت علی۔ جب نجرانیوں کے اسقف یعنی پادری نے اس طرح آتے دیکھا کہنے لگا اے قوم ان سے مباہلہ نہ کرو میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ کو جگہ سے ہٹا دے تو وہ ضرور ہٹا دے گا۔ اگر انھوں نے تمہارے لئے بد دعا کی تو تم سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ یہ سنکر وہ مباہلہ سے باز رہے اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔

اس واقعہ کی تہ میں بہت سے راز ہیں۔

(۱) جب مباہلہ طے پایا تو حضور سرور کائنات خانہ ام سلمہ میں تشریف لائے۔ جناب سیدہ بھی وہاں تھیں آپ اپنی چادر اوڑھ کر لیٹ گئے تھوڑی دیر بعد امام حسن وہاں آئے اور کہنے لگے اماں جان میں ایسی عمدہ خوشبو سونگھ رہا ہوں گویا میرے نانا حضرت رسولخدا کی خوشبو ہے انھوں نے کہا ماں صدقے پارہ جگر تمہارے نانا اس چادر کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔ امام حسن نے قریب جا کر کہا نانا جان اجازت ہے کہ میں اس چادر کے نیچے آجاؤں۔ حضرت نے اجازت دی اور وہ داخل ہو گئے اس کے بعد امام حسین آئے اور اسی طرح استفسار کیا اور طالب اذن ہو کر داخل ہو گئے اس کے بعد علی علیہ السلام آئے اور اسی طرح بیان کرنے کے بعد داخل ہو گئے پھر جناب فاطمہ بھی داخل ہو گئیں جناب ام سلمہ نے بھی داخلہ کی خواہش کی تو حضرت نے یہ کہکر روک دیا انت علی الخیر یعنی تم نیکی پر تو ہو مگر اس کے اندر داخل نہیں ہو سکتیں پھر حضرت نے فرمایا اللھم ھولاء اھلبیتی یا اللہ میرے اہلبیت یہ ہیں۔ اس لئے ان پر اپنی رحمت نازل کر اور اب ان کے ساتھ مباہلہ کرنے

حضور سرور انبیا کے لئے دو جنبے تھے ایک بشری دوسرے نبوتی بشری لحاظ سے آپ کے رشتہ دار اور تھے اور نبوتی لحاظ سے اور پس مباہلہ میں آپ جن رشتہ داروں کو لے گئے وہ بشری اہلبیت نہ تھے جن میں ازواج داخل ہیں بلکہ نبوتی رشتہ دار تھے جن کے لئے عصمت شرط ہے۔

(۳) اس مجمع میں ہدایت انسانی کا پورا ساماں تھا۔ عورتوں کے لئے سیدہ عالم تھیں۔ بچوں کے لئے حسن و حسین۔ جوانوں کے لئے حضرت علی اور سب کے لئے من حیث المجموع

(۴) مباہلہ میں ایسے لوگوں کو ساتھ لے جانا تھا جو حضور کے نور کے جزو ہوں جو حضور کی نبوت کے عینی گواہ ہوں اور وہ صرف یہی چار تھے انھوں نے ہی بہ حیثیت شریک نور نبوت ہونے کے آنحضرت کو نبی بنتے دیکھا تھا ورنہ سب نبوت کے سماعی گواہ تھے یعنی حضور نے فرمایا میں نبی ہوں لوگوں نے تصدیق کر دی۔

(۵) صرف یہی ایک آیت فضایل اہلبیت میں ایسی ہے جس میں مفسرین عامہ کو کوئی تاویل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ کیونکہ آیہ مباہلہ کی عملی تصویر حضور نے پیش کر دی تھی ابناءنا کے مصداق حسنین تھے نساءنا کی مصداق حضرت فاطمہ اور انفسنا کے مصداق حضرت علی تھے ان کے سوا چونکہ کوئی اور حضور کے ساتھ نہیں گیا تھا لہذا کسی اور کا نام لیا ہی نہیں جا سکتا۔

(۶) اسی آیت سے ثابت ہوا کہ حسن و حسین فرزندان رسول ہیں

(۷) یہ کہ ازواج کو حضور نے ساتھ نہیں لیا تھا لہذا آیت تطہیر بھی انکی شان میں نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ مباہلہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی جیسا کہ اوپر گزرا اگر حضرت پر انکی طہارت کاملہ ثابت ہو جاتی تو ضرور ان کو بھی ساتھ لے لیتے۔

(۸) یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضور تنہا مباہلہ میں تشریف لے گئے تھے ورنہ اس صورت میں آیہ مباہلہ کی تعمیل غلط ثابت ہوگی۔

(۹) جب انفسنا کا مصداق حضور نے حضرت علی کو قرار دیا تو کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ علی نفس رسول نہیں۔ اگر اس سے مراد خود حضور کی ذات ہوتی تو پھر علی کو ساتھ لے جانا آیت کی خلاف ورزی ہوگی یعنی ایک ایسے شخص کو ساتھ لینا جس کے لیجانے کی اجازت آیت نے نہیں دی۔ دوسرے کوئی شخص اپنے نفس کو نہیں بلایا کرتا۔ البتہ جو بمنزلہ نفس ہوا سے ہی بلایا جاتا ہے

(۱۰) حضور نے روانگی سے قبل فرمایا تھا کہ جب دعا کروں تو تم سب آمین کہنا حضرت کو یقین تھا جس طرح میری دعا رد نہ ہوگی اسی طرح ان کی آمین رد نہ ہوگی۔

(۱۱) مباہلہ میں جھوٹے گروہ پر عذاب نازل ہونا ضروری تھا اس لئے کہ آیت کا آخری حصہ یہ ہے فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین پس عذاب سے محفوظ وہی گروہ ہو سکتا تھا جس نے آن واحد کے لئے بھی کبھی جھوٹ نہ بولا ہو۔ جو لوگ رسول کے ساتھ گئے تھے ان کا صادق ہونا یقینی نہ تھا انہی لوگوں کے ساتھ رہنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین اے ایمان والو متقی بنو اور سچوں کے ساتھ ہو جاو۔

(۱۲) ان کے چہروں سے صداقت کا دریا اس طرح پھوٹا پڑتا تھا کہ نصارائے نجران کے سب سے بڑے پادری نے یہ کہا کہ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ جگہ سے ہٹا دے تو وہ ہٹا دے گا۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ کافروں نے تو ان کے چہرے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ مقربان بارگاہ ایزدی ہیں۔ مقدس ترین ہستیاں ہیں۔ مستجاب الدعوات ہیں لیکن نہ پہچانا تو مسلمانوں

اور ایسا نہ پہچانا کہ انھوں نے بار بار اپنے کو پہچنوایا لوگوں نے پھر بھی نہ پہچانا۔

(۱۳) آیہ مباہلہ میں لفظ نسائنا سے لوگوں نے سمجھا کہ اس سے مراد آنحضرت کی بی بیاں ہیں کیونکہ لفظ نساء عورتوں پر بولا جاتا ہے نہ کہ لڑکیوں پر لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ قرآن میں لڑکیوں پر بھی بولا گیا ہے یذبحون ابناءکم ویستحیون نساءکم (وہ تمہارے لڑکوں کو ذبح کر دیتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے) ظاہر ہے کہ فرعون بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اسے تو ذبح کرا دیتا تھا اور لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا۔ یہاں لفظ نسائنا سے مراد عورتیں نہیں بلکہ لڑکیاں ہیں۔ پس جب حضرت ازواج کو ساتھ لے ہی نہ گئے تھے تو پھر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۱۴) آنحضرت اپنی صداقت کی تصدیق میں جن لوگوں کو لے کر چلے تھے ان میں دو گواہ جو بچے تھے وہ آگئے آگے تھے۔ اگر بچوں کی گواہی معتبر ہوتی تو حضور ان کو اپنے ساتھ کیوں لئے جاتے تعجب ہے کہ اس کھلے ہوئے ثبوت کے بعد بھی مسلمانوں کو حضرت علی کے سابق الاسلام ہونے میں ہچر مچر ہے حالانکہ اس وقت آپ کا سن دس بارہ سال کا تھا۔

(۱۵) یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت رسولخدا نے جناب فاطمہ کو اپنی رسالت کا گواہ بنایا اگر ان میں صداقت نہ ہوتی تو ہرگز اپنے ساتھ نہ لے جاتے لیکن ایسی صدیقہ کی گواہی فدک میں معتبر نہ ہوئی اور ان کو اسلامی حکومت نے جھٹلا دیا۔

(۱۶) رسول کے ساتھ بالغ گواہ دو تھے ایک علی دوسرے فاطمہ اگر ایک مرد کے مقابل دو عورتوں کی گواہی کی ضرورت ہوتی تو حضور اپنے ساتھ دو عورتوں کو لے جاتے نہ کہ ایک کو۔ معلوم ہوا ایک مرد کے مقابل دو عورتوں کا حکم عام عورتوں کے لئے ہے جناب فاطمہ اس امر سے اس لئے مستثنیٰ ہیں کہ وہ صدیقہ طاہرہ تھیں ان کی گواہی کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا

(۱۷) اگر بعہد طفلی جناب عیسیٰ کی گواہی اپنی ماں کے متعلق معتبر ہو سکتی ہے تو کیا وجہ کہ حسنین کی گواہی ان کی ماں کے دعویٰ کے متعلق معتبر نہ ہو جبکہ وہ مباہلہ میں رسول کی صداقت اور رسالت کے گواہ بن چکے تھے۔

روانگی علی سوئے یمن

حضور نے خالد بن ولید کو چار سو اصحاب کے ساتھ اہل یمن یعنی نجران اور اس کے اطراف میں دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا بلکہ ان کی شکایتیں پے در پے دربار رسالت میں آنے لگیں۔ حضور نے خالد کو معزول کر کے تین سو سواروں کے ساتھ حضرت علی کو روانہ کیا اور چلتے وقت حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ آپ مجھے اہل کتاب کے ملک میں بھیجتے ہیں۔ میں قضایا فیصل کرنے کی پوری مہارت نہیں رکھتا۔ آنحضرت نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دعا کی بار الہا علی کی زبان کو ثبات دے اور اس کے دل کی رہنمائی کر حضرت علی نے یمن پہنچکر وہاں کے لوگوں کو جمع کیا اور حضرت کا فرمان سنایا اور ایک موثر تقریر کی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمدان کا تمام قبیلہ ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا۔ جب حضرتؐ کو اس کی خبر ملی تو سجدہ شکر ادا کیا اور تین بار فرمایا السلام علیٰ ہمدان اس کے بعد حضرت علی قبیلۂ نجران سے جزیہ وغیرہ وصول کر کے واپس ہوئے اور حجۃ الوداع میں آنحضرت سے آملے (ابن خلدون۔ ابوالفدا۔ ابن اثیر روضۃ الصفا۔ حبیب السیر

اس واقعہ میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) خالد سیف اللہ مشہور ہیں لیکن یمن میں انکی سیف اللٰہی کچھ بھی نہ چلی۔ تلوار گردن پر رکھکر مسلمان بنانا نفس انسانی کا کمال نہیں یہ فضیلت صرف علی علیہ السلام ہی کو حاصل ہے کہ ایک ہی دن میں سارے قبیلہ کو جس کی تعداد ہزاروں تھی مسلمان بنا دیا۔ اصحاب رسول کا تو ذکر ہی کیا یہ بات تو انبیاء و مرسلین کو بھی حاصل نہیں ہوئی برسوں کی تبلیغ کے بعد بھی اتنے مسلمان نہ بنا سکے جتنے علی نے ایک دن میں بنا دیئے علی کی تلوار بھی چل رہی تھی اور زبان بھی۔ تلوار کفار و مشرکین کے خرمن حیات پر بجلیاں گرا رہی تھی اور زبان لوگوں کی روحوں پر تسخیر کا جال پھینک رہی تھی۔ اسی لئے تو آنحضرت نے محبت علی کو ایمان کی شناخت اور بغض کو نفاق کی علامت بیان فرمایا ہے

(۲) حضرت علی کے سینہ پر ہاتھ رکھکر دعا کرنا ایسا کارگر ہوا کہ پھر کبھی کسی قضیہ کے فیصل کرنے میں چوکے ہی نہیں۔ کبھی غلط فیصلہ کیا ہی نہیں یہاں تک کہ عرب میں مشہور ہو گیا قضیۃ ولا ابا حسن لہا (یعنی قضیہ تو ہے مگر اس کے فیصل کرنے والے علی نہیں) رسول نے بار بار فرمایا اقضاکم علی یعنی تم میں علی سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں۔ خلفائے ثلثہ کے دور حکومت میں ہر مشکل قضیہ علی سے فیصل کرایا جاتا تھا چونکہ خلافت الٰہیہ کا ایک جزو فصل قضایا بھی ہے لہذا زیادہ حق دار وہی ہو سکتا ہے جو اس معاملہ میں مہارت تامہ رکھتا ہو

حجۃ الوداع

ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ آنحضرتؐ حج آخر کے لئے تشریف لے گئے اس سفر میں امہات المومنین اور جناب فاطمہ بھی ساتھ تھیں۔ اس زمانہ میں حضرت علی یمن سے مکہ پہنچے لشکر سے آگے بڑھکر حضرت کی خدمت میں پہنچے اور جو کچھ یمن میں گزرا تھا بیان کیا اور جو مال لائے تھے اس کا ذکر کیا۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا اے علی تم نے کیا نیت کی ہے۔ عرض کی حضور نے نیت تو لکھی نہ تھی پس میں نے یہ نیت کی یا اللہ جو نیت رسول اللہ کی ہے وہی میری ہے۔ ۳۴ اونٹنیاں قربانی کو لایا ہوں فرمایا ۶۶ میں لایا ہوں فرمایا اے علی تم مناسک حج اور قربانی میں میرے شریک ہو اب تم اپنے لشکر کے پاس جاؤ اور انہیں جلد میرے پاس لاؤ حضرت علی کے لشکر والوں نے جو آگے بڑھ آئے تھے اپنے کپڑے بدل لئے تھے جو ان کے ساتھ توشہ خانہ میں تھے۔ حضرت نے توشہ خانہ کے محافظ سے پوچھا انھوں نے کپڑے کیوں بدلے اس نے کہا اس لئے بدلوا دیئے ہیں کہ مکہ میں عزت کے ساتھ جائیں۔ فرمایا بغیر رسول کے ملاحظہ سے گزرے ایسا کیوں کیا۔ بہتر یہ ہے کہ ان سب سے کپڑے واپس لے کر توشہ خانہ میں رکھ دو۔ جب سب لوگ رسول کی خدمت میں آئے تو حضرت علی کی شکایت کی فرمایا علی کی شکایت نہ کرو وہ خدا کی راہ میں سخت ہے وہ دین خدا میں مداہنت کرنے والا نہیں

عہد رسالت کے واقعات اپنے پہلو بدلتے ہوئے اور اپنے آئینوں میں مسلمانوں کے ایمانی چہرے دکھاتے ہوئے اب آخری حد پر آگئے ہیں ناسمجھ کے لئے تو یہ قصہ کہانیاں ہیں جو سننے والوں کو سلا سکتی ہیں جگا نہیں سکتیں لیکن واقعات کی تہوں میں ڈوب جانے والے دل و دماغ کے لئے اس گہرے سمندر میں بڑے بڑے قیمتی موتی ملتے جاتے ہیں۔۔ ہر واقعہ اپنے اندر بہت سے سربستہ رازوں کا خزانہ لئے ہوئے ہے لیکن اس کے لئے نظر درکار ہے

ہم نے گزشتہ صفحات میں بہت سی گرہیں کھول کر دکھائی ہیں جن سے لوگوں کی آنکھیں تو انہیں دیکھ کر خیرہ ہو جائیں گی مگر دنیا انصاف پسندوں سے خالی نہیں ایسے لوگ بھی نکل آئیں گے جو ان بے حجاب چیزوں کے قدر داں ہوں

یہ امر کہ حضرت اپنے بعد کس کو جانشین بنانا چاہتے تھے حضرت اپنے اقوال و افعال سے برابر اس کا اعلان کرتے چلے آ رہے تھے کسی ارادہ کو دلنشین کرانے کے لئے وقت بھی درکار ہوتا ہے اور اعلان و اظہار کی صورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ دعوت ذو العشیرہ سے حجۃ الوداع تک مختلف مواقع پر اس کا اظہار قولاً و فعلاً ہوتا رہا۔ اس زمانہ کے مسلمان ایسے کودن نہیں تھے کہ حضرت کے منشا کو سمجھے ہی نہوں۔ پوری طرح سمجھتے تھے مہاجرین بھی اور انصار بھی یہ کھٹک ہر دل میں تھی آپس میں مشورے بھی ہوتے تھے اور اس پر معاہدے بھی ہوتے تھے کہ نبوت و خلافت کو ایک گھر میں نہ رکھا جائے۔ واقعات کی نوعیت کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھا جا رہا تھا اور ہم خیال لوگوں کو تلاش کیا جا رہا تھا۔ آنحضرت کی وفات کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ وقتی اور ہنگامی نہ تھے بلکہ ان کی داغ بیل بہت پہلے پڑ چکی تھی۔ منصوبے بن چکے تھے عمل مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا۔

لاکھ پردوں کے اندر کوئی چھپائے مگر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عہد رسالت کے مسلمانوں میں علی کی ٹکر کا کوئی نہ تھا نہ علم میں نہ شجاعت میں نہ زہد و تقویٰ میں نہ عدل و انصاف میں نہ نفسانی فضائل میں نہ روحانی منازل میں نہ تقرب ایزدی میں نہ رسول سے قربت میں لیکن اس طرف سے چشم پوشی اس بنا پر ہوئی کہ نبوت کے سایہ میں سلطنت نشو و نما پانے لگی تھی۔ نبوت کے دائرہ میں ہوس رانی اور خود غرضی کا داخلہ ممنوع تھا البتہ دوسرے حلقہ میں وہ سب کچھ ممکن تھا جو دنیا میں آئے دن ہوتا رہتا ہے

حجۃ الوداع کا واقعہ صاف بتا رہا ہے کہ رسول اور علی کی نیت میں کوئی فرق نہ تھا دوسرے دونوں کی قربانی شخص واحد کی طرح تھی۔ غیریت کا ہلکا سا شائبہ بھی اس میں نہیں پایا جاتا تھا تیسرے حج تمتع جس طرح رسول نے کیا اسی طرح علی نے کیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے مجمع میں صرف ایک ذات ہی ایسی کیوں ہوئی کہ اس کا عمل رسول کا سا عمل ہوا۔

واقعہ غدیر خم

امت محمدی کے لئے جتنے احکام اللہ کی طرف سے آئے تھے وہ سب بے کم و کاست مسلمانوں تک رسول خدا نے پہنچا دئے تھے تبلیغ ہو چکی عمل امت کا کام تھا جس کا سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ کسی مسئلہ کیلئے کہے کہ بغیر تبلیغ کے رہ گیا ہے

جب حضور تمام مسلمانوں کے ساتھ مدینہ کی طرف واپس ہوئے تو جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (اے رسول تمہارے رب کی طرف سے جو نازل کیا جا چکا ہے وہ اپنی امت تک پہنچا دو اور اگر تم نے عمل کر کے نہ دکھایا تو گویا خدا کی رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہ دیا اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے رکھے گا۔ اس آیت کے نزول کے بعد جو عملی صورت پیش آئی وہ یہ ہے۔

(۱) یہ آیت مقام غدیر خم میں نازل ہوئی۔ گرمی کا سخت موسم تھا اور دوپہر کا وقت آسمان آگ برسا رہا تھا اور زمین توا بنی ہوئی تھی۔

(۲) یہ کوئی منزل نہ تھی جہاں قیام کرنا ضروری ہوتا چند چھلسے ہوئے ببول کے درخت تھے جن میں سایہ کا نام نہ تھا اور ان کے لمبے نکیلے کانٹے ہر طرف بکھرے پڑے تھا ایک سنسان و ویران مقام تھا

(۳) یہ مقام ایسا تھا جہاں سے چاروں طرف راستے جاتے تھے یہاں تک پہنچنے کے بعد اسلامی جماعت کا متفرق ہو جانا لازمی تھا۔ لوگ اپنی اپنی راہ لگ جاتے لہذا لازم ہوا کہ جو حکم ملا ہے اس کی تبلیغ یہیں کر دی جائے تاکہ سب مسلمان اس کو سن لیں اور کوئی یہ نہ کہے کہ یہ حکم ہم کو معلوم نہ تھا۔

(۴) حضور نے منادی کرائی کہ سب لوگ اپنی اپنی سواریوں سے اتر کر اس میدان میں جمع ہوں جو آگے بڑھ گئے ہیں وہ پلٹ آئیں جو پیچھے ہوں وہ جلد بڑھ آئیں یہ ندا سنکر مسلمان پریشان ہو گئے اور ہو جانا چاہئے تھا کیونکہ ایسے سخت وقت میں اور ایسی نامناسب جگہ پر اترنا ہر ایک پر شاق تھا اور ہر شخص اس سوچ میں تھا کہ ایسا خاص حکم آیا ہے کہ اسکی تبلیغ ایسے وقت میں ضروری سمجھی جا رہی ہے

(۵) ممکن ہے کچھ دلوں میں کھٹک پیدا ہوئی ہو لیکن عام طور سے لوگ خالی الذہن تھے۔ آیت کے تیور کچھ ایسے تھے کہ ایک باایمان آدمی کو لرزا دینے کے لئے کافی تھے۔ بات بھی اور ایسی اہم کہ اگر اس کی تبلیغ نعلیت کی صورت میں نہ ہوتی تو رسول کی ۲۳ سالہ محنت ہی برباد ہو جاتی۔

(۶) جلد جلد میدان کو کانٹوں سے صاف کیا گیا اور لوگ جلتی بلتی زمین پر اپنے اپنے عمامے اور چادریں پیروں اور چوتڑوں کے نیچے رکھکر بیٹھ گئے۔ چوٹی سے لیکر ایڑی تک پسینہ بہ رہا تھا

(۷) حضور جن کے لئے دالان مشتر کا بنایا گیا تھا تشریف لے گئے اور اپنے پہلو میں علی کو کھڑا کر لیا۔ دور اندیشوں نے بھانپ لیا کہ ضرور دال میں کالا ہے کانٹوں کی کھٹک اب نشتروں کی چبھن بن گئی

(۸) حضرت رسولخدا نے خطبہ کے بعد فرمایا لوگو! کیا میں تمہارے نفسوں سے زیادہ تم پر صاحب تصرف نہیں۔ سب نے کہا کیوں نہیں حضور ہمارے نفسوں کے مالک ہیں فرمایا تو اچھا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے پھر علی کا بازو پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل نمایاں ہو گئی۔ مقصد یہ تھا کہ ہر مسلمان ان کو دیکھ لے پہچان لے تاکہ کل کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم نے سنا تھا دیکھا نہ تھا لہذا نام بھی بتا دیا اشارہ بھی کر دیا اور بازو پکڑ کر دکھا بھی دیا اگر صرف نام لینے پر اکتفا کرتے تو کل کوئی کہہ سکتا تھا ہم نے علی سے علی اعلیٰ یعنی خدا کو سمجھا تھا بے شک وہ ہمارا ولی ہے

(۹) اس کے بعد حضرت نے دعا کی یا اللہ جو اس کو دوست رکھے تو بھی اس کو دوست رکھ اور جو اسکو دشمن رکھے تو بھی اس کو دشمن رکھ جو اس کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو اسے رسوا کرے تو بھی اسے رسوا کر

(۱۰) یہ فرما کر منبر سے اتر آئے اور لوگوں کو بیعت علی کا حکم دیا حضرت علی ایک خیمہ میں جا کر بیٹھے اور جوق جوق لوگ آ کر بیعت کرنے لگے یہاں تک کہ امہات المومنین نے بھی بیعت کی

(۱۱) حضرت عمر نے ان الفاظ میں مبارکباد دی بخٍ بخٍ لک یا ابن ابی طالب قد اصبحت مولای و مولیٰ کل مومن و مومنۃ یعنی مبارک ہو اے علی کہ آپ ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے

(۱۳) حسان بن ثابت نے فی البدیہہ ایک قصیدہ پڑھا اس میں صاف طور سے ظاہر کیا کہ آج آپ امت رسول کے ہادی اور امام بن گئے

(۱۴) حرث بن نعمان فہری بگڑ بیٹھا اور کہنے لگا یا رسول اللہ آپ نے جو علی کو ہم پر حاکم بنایا ہے یہ خدا کی طرف سے آپ نے ایسا کیا ہے یا اپنی طرف سے کہا ہے فرمایا میں نے جو کچھ کہا ہے حکم خدا سے کہا ہے اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا یا اللہ اگر یہ تیرا حکم ہے تو ہم پر عذاب نازل کر۔ چنانچہ آسمان سے ایک پتھر گرا اور اس کا کام تمام کر دیا اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے سأل سائل بعذاب واقع للکافرین لیس له دافع۔ (ایک سائل نے وہ عذاب مانگا جو کافروں کے لئے ہوتا ہے اور کوئی اس کا دفع کرنے والا نہیں ہوتا

واقعہ کے تمام پہلو آپ کے سامنے آگئے اب تبصرہ کرنا باقی رہ گیا۔

(۱) یہ سوال جواب طلب ہے کہ خلافت کے سوا وہ کون ایسا امر اہم ہو سکتا ہے جس کے بغیر تمام کار رسالت کالعدم ہو جاتا اور ۲۳ سال کی وہ خدمت جو حضور سرکار رسالت نے انتہائی تکلیف اٹھا کر انجام دی تھی سب ضائع ہو جاتی آنحضرت سوائے خلیفہ کو معین کرنے کے تمام احکام امت کو پہنچا چکے تھے چنانچہ اس واقعہ کے بعد کوئی اور حکم آیا ہی نہیں۔ نصب امام یا خلیفہ کی اہمیت ظاہر ہے اگر آپ اپنے بعد امت کی ہدایت کا کوئی بند و بست نہ کرتے تو آپ کی امت کا بھی وہی حال ہوتا جو پہلی امتوں کا ہوا تھا یعنی گمراہی ایسی پھیلتی کہ اصلی دین کا پتہ ہی نہ چلتا۔

(۲) سوائے امر خلافت اور حکم اسلام ہم کو کوئی ایسا نظر نہیں آتا کہ اس کی تبلیغ میں حضور کو لوگوں کی مخالفت کا خوف ہوتا ہر حکم آپ اپنی امت کو فوراً پہنچا دیتے تھے لیکن اس حکم کی تعمیل کچھ دنوں سے معرض التوا میں پڑی ہوئی تھی جیسا کہ مضمون آیت سے ظاہر ہوتا ہے ما انزل الیک من ربک یعنی جو تمہارے رب کا حکم آ چکا ہے۔ جب اللہ نے حفاظت کا وعدہ کیا تب آپ نے اس کی تبلیغ کی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ضرور مخالفت کا اندیشہ تھا اور قوی اندیشہ۔

(۳) اگر یہ معمولی بات ہوتی تو حضور ایسے سخت وقت میں اور ایسے تکلیف دہ مقام میں کبھی لوگوں کو جمع ہونے کا حکم نہ دیتے اور نہ اس کے بیان میں یہ اہتمام فرماتے۔

(۴) آیت بتاتی ہے کہ اب صرف تبلیغ کافی نہ تھی کیونکہ زبانی تبلیغ تو اس سے پہلے بہت سی بار ہو چکی تھی اب تو کھلم کھلا ہاتھ پکڑ کر دکھانے کی ضرورت تھی کہ میرا جانشین یہ ہے

(۵) من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ میں جو معنی دوست و ناصر کے بتائے جاتے ہیں واقعہ کی نوعیت اس کی تصدیق نہیں کرتی۔ اس بات کے ثبوت میں کہ مولی بمعنی اولی بالتصرف ہے ہم موقع کے گواہ پیش کرتے ہیں۔

الف۔ حضرت عمر کا مبارکباد دینا اگر ان کے کلام میں مولا کے معنی دوست لئے جائیں تو معنی یہ ہونگے اے علی مبارک ہو کہ آج سے آپ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے دوست ہو گئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ پہلے نہ تو میرے دوست تھے نہ کسی مومن و مومنہ کے اور یہ سراسر غلط ہے کیونکہ یہ آیت اس سے پہلے آ چکی تھی انما المومنون بعضھم اولیاء بعض (ایک مومن دوسرے مومن کا دوست ہے) کیا حضرت عمر اور ہر مومن اور مومنہ کا اس پر عمل نہ تھا۔ ضرور ان لوگوں نے مولا کے معنی اولی بالتصرف سمجھے تھے۔

ب ۔ حسان کا قصیدہ پڑھنا اور اس میں امام و ہادی ہونے کا ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ انھوں نے مولا کے معنی اولیٰ بالتصرف ہی سمجھے تھے اگر بمعنی دوست سمجھے ہوتے تو یہ نہ کہتے کہ آپ امام و ہادی ہو گئے ۔ دوست ہونا کون سی ایسی اہم بات تھی کہ اس کے لئے قصیدے پڑھے جاتے اور مبارکبادیں دی جاتیں ۔ دنیا میں ایک دوسرے کے دوست ہوا ہی کرتے ہیں اظہار دوستی پر ایسے بڑے اہتمام نہیں ہوا کرتے ۔

ج ۔ نعمان بن حرث فہری موقع کا گواہ ہے ۔ بدو عرب ہے عربی الفاظ کے محل استعمال کا جاننے والا ہے اگر وہ مولا کے معنی اولیٰ بالتصرف نہ سمجھا ہوتا تو نہ تو آنحضرت سے جھگڑا کرتا اور نہ خدا سے نزول عذاب کا خواہاں ہوتا

(۵) قرینہ بتاتا ہے کہ عہد رسالت تک تو مولا کے معنی اولیٰ بالتصرف ہی سمجھے جاتے تھے جیسا کہ اوپر بیان ہوا لیکن آنحضرت کی وفات کے بعد جب حکومت کو اصلی مرکز سے ہٹانے کی ٹھہری تو لفظ مولا کے معنی بدلنے کی ضرورت پیش آئی اور دوست و ناصر کے معنی مشہور کئے گئے ۔

(۶) حضور کا یہ فرمانا کہ الست اولیٰ بکم من انفسکم (کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ اولیٰ بالتصرف نہیں ہوں) بطور براعت استہلال ہے پس اگر مولا کے معنی اولیٰ بالتصرف نہ لئے جائیں تو ایک حکیم کا قول بے ربط ہو جائے گا یعنی صورت یہ ہو جائے گی ۔ کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ اولیٰ بالتصرف یعنی حاکم نہیں ہوں پس جس کا میں دوست ہوں اس کے علی بھی دوست ہیں ۔ بتایئے اس کلام میں اول کو آخر سے کیا نسبت ہے ۔

(۶) ہر بات کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے صرف علی کی دوستی کے اظہار کا یہاں کیا موقع تھا اس وقت تو بہت سے لوگ علی کے دوست تھے آنحضرت کے بعد رخ پھر گئے یہ دوسری بات ہے ۔

(۷) کہا جاتا ہے کہ حضرت علی اور خالد کے درمیان خصومت پیدا ہو گئی تھی اور خالد نے علی کی شکایت کی تھی اس کو دور کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا ۔ بالفرض اگر ایسا تھا تو خالد اور علی کے درمیان صلح کرا دی جاتی اور خالد کو ڈانٹ ڈپٹ کر آئندہ ایسا نہ کرنے کی ہدایت کر دی جاتی یہ تو صرف دو آدمیوں کا معاملہ تھا اس کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی اور اللہ نے یہ کیوں فرمایا کہ اگر تم نے کر کے نہ دکھایا تو سمجھو کہ میری رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہ دیا کیا علی و خالد کا نزاعی معاملہ اتنا اہم تھا کہ اگر کا قصہ نہ چکتا تو رسالت کی ۲۳ سالہ سب خدمات پر پانی پھر جاتا علاوہ یہ کیا ایسی خوفناک صورت تھی کہ خدا کو یہ کہنا پڑا اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے رکھے گا ۔

(۸) جب سرکار دو عالم اپنی وصایت و خلافت کا اعلان کر چکے تو آیہ اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (آج میں نے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا) نازل ہوئی ۔ آیہ بلغ ما انزل الیک الخ اور یہ آیات سب سے آخر میں نازل ہوئی ہیں ان کے بعد پھر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ۔ لیکن ان کو ایک غیر مربوط مقام پر رکھ کر جامع قرآن نے ایک بڑی حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے ۔ لفظ الیوم سے معلوم ہوا کہ آج یعنی جس دن یہ آیت نازل ہوئی دین کامل ہوا ۔ سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے دین کیوں ناقص تھا جبکہ جملہ احکام کی تبلیغ ہو چکی تھی ۔ ماننا پڑے گا کہ صرف خلافت کا مسئلہ باقی تھا جس کے بغیر دین کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی

کیونکہ جب دین کی بقا کا کوئی دوامی بندوبست نہ ہو اور ہر زمانہ میں ہدایت اپنے اصلی روپ میں باقی نہ رہے گی تو دین ناقص رہے گا اور خدا کی حجت بندوں پر تمام نہ ہوگی اسی کی توضیح حضور نے حدیث ثقلین میں فرمائی ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ اگر تم قرآن اور اہلبیت سے تمسک رکھو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اگر گمراہی دور کرنے کا کوئی بندوبست ہو جائے تو یہی دین کو نقصان سے بچا سکتا ہے اور یہی اس کی تکمیل کا راز ہے اور تمرّت کی تکمیل بھی اسی صورت میں سمجھی جائے گی جبکہ نقصان کو اس میں راہ نہ ہو۔

تجہیز جیشِ اُسامہ

روضۃ الاحباب اور مدارج النبوۃ میں ہے کہ ماہ صفر ۱۱ھ کو آنحضرت نے لوگوں کو حکم دیا کہ رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے لشکر تیار ہو جائے اور اسامہ بن زید بن حارثہ کو حکم دیا کہ تم اس لشکر کے امیر ہو گے۔ اس زمانہ میں حضور کو مرض الموت لاحق ہو چکا تھا۔ اس مرض کی حالت ہی میں آپ نے یہ انتظام کیا تھا اور اسامہ سے بتاکید کہہ دیا تھا کہ تم فوراً روانہ ہو جاؤ چنانچہ اسامہ نے مع لشکر کوچ کیا اور مقام جرف میں جو مدینہ سے تین میل دور تھا قیام کیا۔ حضرت نے سوائے علی کے باقی تمام صحابہ کو اس لشکر میں شمولیت کا حکم دیا تھا۔ اس حکم کو سنتے ہی لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ حضور نے ایک غلام زادہ کو اکابر مہاجرین و انصار پر امیر بنا دیا ہے یہ ہماری توہین ہے جب حضرت کو ان خیالات کا پتہ چلا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور باوجود تپ اور درد سر کے عصابہ باندھ کر باہر نکلے اور منبر پر جا کر فرمایا۔ میں نے اسامہ کو جو تم پر امیر بنایا ہے تو اس سے انحراف کرتے ہو تم غزوہ موتہ کے وقت اس کے باپ کی سرداری سے بھی انحراف کر چکے ہو۔ یہ کیا بات ہے خدا کی قسم وہ بھی امیری کا اہل ہے اور اس کا باپ بھی امیری کے لائق تھا لہذا تم اس کی سرداری قبول کرو اور پھر بروایت مدارج النبوۃ و ملل و نحل یہ بھی فرمایا لعن اللہ من تخلف جیش اسامہ (لعنت خدا ہو اس پر جو لشکر اسامہ سے علیحدگی اختیار کرے۔

یہ سن کر لوگ لشکر اسامہ کی طرف چلنے لگے اس روز حضرت کی بیماری میں اور دنوں سے زیادہ شدت تھی مگر بار بار فرماتے تھے کہ لشکر اسامہ کو روانہ کرو۔ دوسرے دن اسامہ حضرت سے رخصت ہونے کو آیا مگر شدت مرض کی وجہ سے بات نہ کر سکا۔ واپس گیا دوسرے روز پھر آیا آنحضرت نے اسے رخصت کیا اور اس کے لئے دعا کی

اسامہ نے لشکر گاہ پہنچ کر روانگی کا حکم دیا خود سوار ہونے کو تھا کہ اس کی ماں ام ایمن نے کہلا بھیجا کہ حضرت حالت نزع میں ہیں یہ سن کر اسامہ اور اکابر صحابہ جو باہر گئے تھے واپس آ گئے حضور حالت نزع میں بار بار یہ فرماتے ہیں کہ لشکر اسامہ کو جلد روانہ کرو۔ جب اسامہ حضور سے ملا تھا تو اس نے کہا تھا اگر حضور اجازت دیں تو چند روز ٹھہر جاؤں ابھی حالت میں حضور سے جدا ہونے کو دل نہیں چاہتا۔ فرمایا نہیں تم چلے جاؤ اور اللہ کی برکت کے سایہ میں روانہ ہو

اس واقعہ کے متعلق چند باتیں قابل غور ہیں

(۱) مرض الموت میں حضرت کو یہ کد کیوں تھی کہ جلد از جلد لشکر اسامہ روانہ ہو جائے اگر چند روز کی تاخیر ہو جاتی تو کیا خرابی لازم آتی ضرور اس میں کوئی راز تھا۔

(۲) اسامہ کی یہ درخواست کیوں رد کر دی گئی کہ میں چند روز بعد چلا جاؤنگا

(۳) بلا استثنا تمام اکابر صحابہ کو سوائے حضرت علی کے اس لشکر میں شمولیت کا حکم کیوں دیا گیا اور کسی کو رکنے کی اجازت نہ ملی

(۴) مرض الموت میں جب حضور کی جان پر بنی ہوئی تھی بار بار یہ فرمانا کہ لشکر اسامہ کو روانہ کرو کس مصلحت پر مبنی تھا

(۵) باوجود حضور کے بار بار حکم دینے کے لشکر کا روانہ نہ ہونا اور اکابر صحابہ کا مدینہ سے باہر نہ نکلنا اور حضور کی نافرمانی کا گناہ اپنے اوپر لینا کیوں تھا۔ ضرور اس میں کوئی راز تھا۔

(۶) حضور کا جیش اسامہ سے تخلف کرنے والوں پر لعن کرنا یہ بتاتا ہے کہ حضور صحابہ کا مدینہ سے باہر جانا ضروری جانتے تھے

(۷) ہر شخص مرتے وقت یہ چاہا کرتا ہے کہ اس کے اعزہ و احباب سب اس کے سامنے رہیں لیکن حضور ان سب کو اپنے سے دور رکھنا چاہتے تھے ضرور اس میں کوئی بڑی مصلحت تھی۔

ان باتوں سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ حضور سمجھتے تھے کہ میرے مرنے کے بعد علی کی امامت و خلافت میں رخنہ ڈالا جائے گا لہذا ان لوگوں کا مدینہ سے باہر چلا جانا اس خطرہ کا سد باب کر سکے گا

(۸) صحابہ کرام بھی ایسے بھولے بھالے نہ تھے کہ اس راز کی تہ کو نہ پہنچتے وہ بھی سمجھ گئے تھے کہ ہمیں باہر بھیجنے میں آنحضرت کی کیا مصلحت ہے لہذا باوجود تاکید شدید انہوں نے سرزمین مدینہ کو چھوڑا ہی نہیں۔

(۹) صحابہ کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے جو منصوبہ پہلے سے بنایا گیا تھا اس کی تکمیل ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت کی علالت اور موت

حضور نے اپنی وفات کے متعلق ایک ماہ پیشتر لوگوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ آپ کی علالت کا سلسلہ دس بارہ روز رہا ۲۸ صفر ۱۱ھ میں حضرت نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔

فطرت کا تقاضا تو یہ ہے اور عام قاعدہ بھی کہ جب انسان کو اپنی موت کا یقین ہو جاتا ہے تو کچھ وصیتیں کیا کرتا ہے اور ان کو پورا کرنے کے لئے کسی کو اپنا وصی و جانشین بھی بناتا ہے چنانچہ حضور نے بھی جب مرض الموت میں شدت دیکھی تو ان لوگوں سے جو اس وقت حاضر خدمت تھے فرمایا مجھے کاغذ اور قلم و دوات دو تاکہ تمہارے لئے ایک ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو

ایک ہادی کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی امت کو گمراہی سے بچانے کا سامان کرے۔ سیدھی سادی بات تھی اور امت کے حق میں بے حد مفید لوگوں کو چاہیے تھا کہ بخوشی خاطر حضور کے اس حکم کی تعمیل کر دیتے۔ مگر ایسا نہ ہوا اور لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع

ہو گئی ہے۔ بعض نے کہا جو کچھ حضور لکھوانا چاہتے ہیں لکھوا لو لیکن حضرت عمر راضی نہ ہوئے انھوں نے کہا حضور پر ہذیانی کیفیت طاری ہے ہمیں ہدایت کے لیے کتاب خدا کافی ہے۔ اس امر میں اختلاف پیدا ہوا اور آوازیں بلند ہونے لگیں۔ جب جھگڑے نے زیادہ طول پکڑا حضور نے غصہ میں فرمایا دور ہو جاؤ میرے پاس سے میرے سامنے جھگڑا کرنا زیبا نہیں۔ اس سلسلہ میں چند باتوں پر غور کیجیے۔

(۱) رسول جو لکھنا چاہتے تھے اس کا خلاصہ بتا دیا تھا یعنی اس تحریر سے لوگوں کو گمراہی سے بچانا مقصود تھا۔ اس صورت میں مخالفت کا کیا موقع تھا

(۲) کیا رسول کو کسی وقت بھی ہذیان لاحق ہو سکتا ہے؟ اس کے تصور سے بھی بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جو ما ینطق عن الہویٰ الا وحی یوحیٰ کا مصداق ہو۔ اس سے ہذیان کا کیا تعلق۔ دوسرے اس کلام میں ایسی کیا بات تھی جس سے پتہ چلا کہ ہذیان ہے

(۳) رسول کا یہ احترام قدرت نے مدنظر رکھا ہے کہ ان کی آواز سے کسی کو اونچی آواز کرنے کی اجازت نہیں دی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اور خلاف ورزی کرنے والے کی سزا یہ رکھی ہے کہ اس کے تمام اعمال حبط ہو جائیں گے یعنی بے اثر قرار دے جائیں گے جب صرف آواز بلند کرنے کی یہ سخت سزا ہے تو شور و غل کرنے والوں کی سزا تو اس سے کہیں زیادہ ہوگی کیا اس وقت کے حاضرین کے دل سے اس سزا کا خوف نکل گیا تھا؟

(۴) کیا حضرت عمر کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہمیں کتاب خدا کافی ہے اور اس کے ساتھ کسی ہادی اور عالم کتاب کی ضرورت نہیں ہے کیسی عجیب بات ہے کہ خدا و رسول تو صرف کتاب کو نا کافی سمجھیں اور حضرت عمر کافی سمجھیں فاعتبروا یا اولی الابصار

خدا فرماتا ہے قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین (تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور روشن کتاب۔ نور سے مراد ہیں حضرت رسول خدا اور ان کے نور کے شریک ائمہ معصومین۔ اگر ہدایت کے لئے صرف کتاب مبین کافی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ نور کا ذکر کیوں کرتا۔ اگر رسول کے نزدیک صرف کتاب کافی ہوتی تو آپ حدیث ثقلین میں کتاب کے ساتھ اپنے اہلبیت کا ذکر کیوں کرتے۔ اگر صرف کتاب کافی تھی تو امت میں تہتر فرقے کیسے بن گئے اور آیات کی تاویلیں اور عمل کی صورتیں مختلف کیوں ہو گئیں۔ اپنے حق پر ہونے کا ثبوت ہر فرقہ قرآن ہی سے دے رہا ہے حالانکہ ناجی ان میں سے ایک ہی ہوگا تفسیر و تاویل تو ایک ہی کی صحیح مانی جائے گی۔

مسلمانوں کا کیا ذکر مخالفین اسلام بھی قرآن سے استدلال کرتے ہیں قرآن نہ انہیں ٹوکتا ہے نہ انکی غلط بیانی کی اصلاح کرتا ہے۔ تو کیا اس اختلاف کا سبب معاذ اللہ قرآن کو سمجھا جائے قرآن تو اختلاف مٹانے کے لئے آیا ہے نہ کہ اختلاف پیدا کرنے کے لئے۔ اگر قرآن کافی تھا تو سقیفہ میں خلافت کا مسئلہ قرآن سے کیوں نہ فیصل کرایا گیا۔ فدک کے معاملہ میں جناب فاطمہ کے خلاف بجائے ایک یتیم الاسناد حدیث پیش کرنے کے قرآن کی آیت کیوں نہ پیش کی۔

(۵) حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر اور انکی پارٹی کو یہ یقین تھا کہ آنحضرت خلافت علی کے متعلق لکھنے والے ہیں اس لیے اس تحریر کو ہذیان سے نسبت دے کر رکاوٹ پیدا کی گئی۔ ممانعت کا وقت تو ہو گئی لیکن نافرمانی حکم رسول کا عظیم الشان گناہ صحیفہ

اعمال میں درج ہوگیا اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ امت اپنے معاملات کو خدا و رسول سے بہتر سمجھتی ہے

(۶) کہا جاتا ہے کہ اگر حضرت عمر نے اس وقت روک دیا تھا تو حضور بعد میں لکھوا سکتے تھے۔ ہاں لکھوا سکتے تھے لیکن جب کہنے والے نے یہ کہہ دیا کہ ہذیان ہے تو پھر اس تحریر کی کیا وقعت ہوتی اور یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ یہ تحریر جبراً یا تمام کنبہ کا زور ڈال کر لکھوائی گئی ہے لہذا ساقط الاعتبار ہے

(۷) حضور تو یہ چاہتے تھے کہ اس تحریر پر اکابر صحابہ کی گواہی بھی ہو جائے یا کم از کم انکی موجودگی ہی میں لکھی جائے تاکہ پھر انکار کی کوئی صورت باقی نہ رہے لیکن جب وہ لوگ ہی اٹھ گئے جو امیدوارانِ خلافت تھے تو پھر اس تحریر کی کیا وقعت ہوتی ایک طرفہ کارروائی ہو کر رہ جاتی جو وثیقہ فدک حضور نے اپنی بیٹی کو لکھ کر دیا تھا جب حضرت عمر نے اسی کو پھاڑ ڈالا تو بھلا یہ تحریر اس دست برد سے کب محفوظ رہ سکتی تھی۔

(۸) حضور کو تحریر سے بروقت روک دینا یہ بتاتا ہے کہ علیؑ کو خلیفہ نہ بننے دینے کا منصوبہ بہت پہلے سے تیار ہو چکا تھا اسکیم پوری بن چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تحریر کا لفظ حضور کی زبان پر آتے ہی مخالفت شروع ہو گئی

(۹) کیا کوئی اس کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ تحریر کو روک دینے اور ہذیان کا لفظ اپنے کانوں سے سننے کے بعد حضور کے قلب اقدس کو کتنا صدمہ ہوا ہوگا۔ جس امت کے اخلاق و عادات درست کرنے میں حضور نے کتنا وقت صرف کیا اور کیا کیا تکلیف اٹھائیں اپنے آخری وقت میں اس کی تہذیب اور نبوت شناسی کا یہ عالم دیکھا۔

حضور کی وفات کے بعد

حضور سرکار دو عالم کی وفات حسرت آیات دنیائے اسلام کے لئے اتنا عظیم الشان المیہ تھا جس کا مقابلہ کوئی دوسرا حادثہ نہیں کر سکتا ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حضور کی رحلت کی خبر سنتے ہی مدینہ میں قیامت برپا ہو جاتی۔ زن و مرد بوڑھے بچے سر و پا برہنہ۔ روتے پیٹتے دوڑ پڑتے اور اس غم میں جو حال بنانے کم تھا مگر افسوس صد افسوس ایسا ہوا نہیں۔ یہ مصیبت گھر والوں ہی تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اس کا مفصل بیان ہماری کتاب "سیرت الرسولؐ" میں دیکھئے

سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ تاریخ وفات تک میں اختلاف ہو گیا۔ مذہب شیعہ میں حضور کی تاریخ وفات ۲۸ صفر ہے لیکن مورخین اہلسنت نے اختلاف کی حد کر دی ہے یعنی ۲ ربیع الاول سے لے کر ۱۲ ربیع الاول تک بلا تعین کوئی تاریخ رکھی ہے اسی لئے بارہ وفات مشہور ہے معمولی لوگوں کی تاریخ وفات لوگ یاد رکھتے ہیں لیکن نہ یاد رہی تو امت محمدیہ کو اپنے رسول کی تاریخ کاش گھر والوں ہی سے پوچھ کر اس کا تعین کر لیتے۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ربیع الاول کے ان بارہ دن میں میلاد النبی کے تو جشن ہوتے ہیں محافل میلاد منعقد ہوتی ہیں جلوس نکلتے ہیں لیکن حضور کی وفات کے سلسلہ میں مجلس غم کہیں نہیں ہوتی گویا آنحضور کا یوم وفات مسلمانوں کے لئے غم کا دن نہیں۔ بات یہ ہے کہ خلافت کی خوشی نے اس غم کو کھا لیا۔

ہم اسلامی تاریخوں سے اس واقعہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں

(۱) تاریخ طبری میں ہے کہ آنحضرت کے انتقال کے وقت حضرت ابوبکر موجود نہ تھے وہ محلہ سنح میں اپنے گھر میں اپنی بی بی کے پاس تھے تین دن بعد آئے اور حضور تین دن بعد دفن ہوئے۔

(۲) تاریخ طبری میں ہے کہ صحابہ کے درمیان اس بارہ میں اختلاف ہوا کہ کہاں دفن کیا جائے حضرت ابوبکر نے کہا میں نے سنا ہے کہ نبی وہاں دفن کیا جاتا ہے جہاں اسکی روح قبض ہو چنانچہ وہیں دفن ہوئے۔

(۳) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۴۰ پر مرقوم ہے کہ ابن ابی شیبہ سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر دفن رسول میں شریک نہیں ہوئے وہ انصار کے پاس گئے ہوئے تھے

(۴) ارجح المطالب ص ۱۷۸ پر ہے کہ جب ابوبکر سقیفہ سے لوٹے تو حضرت دفن ہو چکے تھے اس لئے شرکت جنازہ سے محروم رہے جس کا قلق ان کو عمر بھر رہا۔

(۵) مولانا عبیدالمدام تسری نے المرتضیٰ میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات کے کچھ دیر بعد حضرت ابوبکر و عمر انصار کی شورش کا حال سنکر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے تھے وہاں خلافت رسول کی تجویز زیر بحث تھی وہاں انصار سے تنازع میں ایسے مصروف ہوئے کہ ادھر کا خیال ہی نہ رہا۔ اس نازک حالت میں تجہیز و تکفین کا کام بھی علی مرتضیٰ نے بنی ہاشم کی مدد سے انجام دیا

(۶) تاریخ صغیر بخاری ص ۱۲ پر ہے اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں بھی ہے کہ حضرت ابوبکر کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہ سے پوچھا حضور کو کے پارچوں میں کفن دیا گیا تھا، انہوں نے کہا تین میں پھر پوچھا کس دن وفات پائی کہا روز دوشنبہ۔ فتح الباری میں ہے کفن کے پارچوں کی تعداد شاید اس لئے یاد نہ رہی ہو کہ ابوبکر تجہیز و تکفین رسول کے وقت موجود نہ تھے وہ سقیفہ میں اخذ بیعت میں مشغول تھے۔

(۷) ابو الفدا نے قاضی شہاب الدین کی تاریخ سے لکھا ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد ایک گروہ کا خیال تھا کہ حضور مرے نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ کی طرح آسمان پر اٹھائے گئے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا (حضرت عمر تھے) حضور کو دفن نہ کرنا اس لئے کہ آپ فوت نہیں ہوئے چنانچہ آپ کا جنازہ رکھا رہا یہاں تک کہ آپ کا شکم پھول گیا (معاذ اللہ) چنانچہ دوسرے روز آپ دفن ہوئے

(۸) روضۃ الصفا میں ہے کہ لوگوں کو سکتہ کا شبہ ہوا

(۹) سیرۃ الحلبیہ میں ہے کہ جب حضرت کا انتقال ہوا تو ابوبکر و عمر موجود نہ تھے جناب عائشہ و حفصہ سے دونوں کو انتقال کی خبر ملی

(۱۰) ابن خلدون نے لکھا ہے۔ جب حضرت کا انتقال ہوا تو حضرت ابوبکر اپنے گھر تھے جو مدینہ سے ایک میل دور محلہ سنح میں تھا حضرت عمر اپنے ہوش و حواس میں نہ تھے۔ بروایت حلبی ان کے منہ میں کف بھرے ہوئے تھے اور برہنہ تلوار ہاتھ میں لئے گھوم گھوم کر کہہ رہے تھے منافق لوگ گمان کرتے ہیں حضور مر گئے وہ نہیں مرے، اپنے رب کے پاس گئے ہیں وہ ضرور واپس آئیں گے جو کہے گا مر گئے ہیں اس کا سر اڑا دونگا اتنے میں ابوبکر آگئے اور عمر سے کہا چپ رہو اور یہ آیت پڑھی انک میت و انہم میتون

عمر نے کہا یہ آیت سنتے ہی میرے ہاتھ پاؤں کانپ گئے اور میں گر پڑا تب میں سمجھا کہ حضور مر گئے۔

(۱۱) علامہ عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ ابو ذویب کہتے ہیں جب ہم مدینے آئے تو حضرت کے مرنے کی خبر ملی میں مسجد میں گیا تو اسے خالی پایا حجرہ رسول کی طرف گیا تو وہاں سے رونے کی آوازیں آئیں صرف آپ کے اہلبیت وہاں تھے میں نے پوچھا اور لوگ کہاں ہیں؟ کسی نے کہا سقیفہ میں ہیں۔ میں وہاں گیا تو سب کو موجود پایا

ان واقعات پر ایک تنقیدی نظر ڈالئے۔

(۱) مورخین کے بیانات سے بعد وفات رسول مسلمانوں نے جو کچھ عملدرآمد کیا وہ واضح ہو گیا۔ اب یہ بات صاف ہو گئی کہ سقیفہ کی کارروائی کو تجہیز و تکفین و تدفین رسول پر مقدم رکھا گیا اس لئے کہ مسئلہ خلافت کا طے کرنا دفن رسول سے زیادہ اہم سمجھا گیا

(۲) رسول سے زیادہ امت کو اپنی فلاح و بہبود کی فکر تھی جو کام معاذ اللہ رسول کی غفلت سے رہ گیا تھا وہ صحابہ کرام نے بہت جلد پورا کر لیا۔

(۳) اتنی جلدی کیوں کی گئی؟ کیا کوئی دشمن سر پر سوار تھا کہ ایک دن کی تاخیر میں وہ مدینہ میں آ گھستا۔ اگر بالفرض مہاجرین نے اس لئے جلدی کی کہ سقیفہ میں انصار مسئلہ خلافت طے کرنے کے لئے پہلے سے چلے گئے تھے تو کچھ سربرآوردہ مہاجر ان کو شرم دلاتے کہ یہ وقت اس مسئلہ کو چکانے کا نہیں دفن رسول کے بعد دیکھا جائے گا جو اب کرنا چاہتے ہو اس وقت کر لینا یہ اہم مسئلہ ہے روا روی اور عجلت میں طے کرنے کا نہیں۔ تم کو شرم نہیں آتی کہ رسول کی تجہیز و تکفین کو نظر انداز کر کے یہاں آ گئے۔ دنیا تم کو کیا کہے گی دنیا ضرور طعنہ دے گی ؎ چوں صحابہ حب دنیا داشتند۔ مصطفےٰ را بے کفن انداختند

امید تھی کہ انصار مہاجرین کی اس سرزنش پر شرمندہ ہوتے اور اس فوری کارروائی سے رک جاتے۔ مگر ایسا نہ ہوا کیونکہ حضرت ابوبکر و عمر خود چاہتے تھے کہ خلافت کا فیصلہ جلد از جلد انکے حق میں ہو جائے اور اس جلدبازی کی تہ میں راز یہ تھا کہ علی چونکہ اس وقت تجہیز و تکفین رسول میں لگے ہوئے ہیں لہذا انصار پر قابو پانے کا اچھا موقع ہے ورنہ علی کی موجودگی میں انصار ضرور ان کے حق میں ووٹ دیں گے اور ہمارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔

اب رہا یہ امر کہ انصار سب سے پہلے کیوں سقیفہ میں پہنچے تاریخی واقعات پر نظر رکھتے ہوئے اس کا سبب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ مہاجرین کی اسکیم سے پوری طرح باخبر تھے تاخیر کی صورت میں انہیں یہ اندیشہ تھا کہ مہاجرین ہمارے حق کو نظر انداز کر کے خلافت کو اپنے لئے مخصوص کر لیں گے۔

(۴) سقیفہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان جو دھول چلتی ہوئی اس کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس جھگڑے کو فیصل کرنے کا آسان طریقہ یہ تھا کہ کتاب خدا کو درمیان لا کر فیصلہ کیا جاتا۔ جب حضرت عمر یہ فرما چکے تھے حسبنا کتاب اللہ تو اس پر عمل کر کے دکھاتے۔ کتاب تو آئی ہی اختلاف دور کرنے کے لئے تھی پھر اس کو حَکَم کیوں نہ بنایا گیا ورنہ کیسے سمجھا جائے کہ کتاب خدا کافی ہے۔ قرآن میں بہت سی آیات ہیں جو ان صفات کو بتاتی ہیں جو خلیفہ رسول میں ہونی چاہئیں۔ ان کو نظر انداز کرنا کسی خاص مصلحت کے تحت ہی کہا جا سکتا ہے۔ اس وقت کتاب خدا کو پس پشت ڈال دینے سے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ سلطنتی امور میں اس وقت سے آج تک پھر کبھی قرآن کو معیار نہیں اور حسبنا کتاب اللہ کا عقیدہ بے معنی ہو کر رہ گیا۔

(۵) بنی ہاشم کو جو رسول سے قرابت قریبہ رکھتے تھے اور ان کو امت مسلمہ میں ایک ممتاز حیثیت بھی حاصل تھی اور وہ دعویدار خلافت بھی تھے اور تمام مدعیان خلافت پر ان کو فضیلت بھی حاصل تھی اور اسلام پر ان کے احسانات بھی سب سے زیادہ تھے جب سقیفہ میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا تو ان کے استحقاق پر گفت و شنید کیوں نہ ہوئی کیا ان کی عدم موجودگی سے ان کا حق بھی زائل ہو گیا۔ کیا اسلامی قانون یہ ہے کہ اگر صاحب حق موجود نہ ہو تو اس کا حق غصب کر لیا جائے۔ اگر وہ تجہیز و تکفین میں مصروف تھے اور نہایت اہم فریضہ انجام دے رہے تھے تو کیا ان کے ساتھ یہی سلوک کیا جانا چاہئے تھا جو کیا گیا۔ اگر چند گھنٹوں تک اس معاملہ کو ملتوی کر دیا جاتا اور حضرت علی کے گروہ کو بھی شامل کر لیا جاتا تو کیا بگڑ جاتا۔ کیا کوئی دشمن تلوار لئے کھڑا تھا۔

(۶) کس قدر توہین رسول ہے کہ ان کے جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ میں چلا جانا اور پھر تین روز کے بعد خبر لینا غیروں کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا جیسا کہ خدا کے رسول کے ساتھ کیا گیا

(۷) سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان مورخوں کو یہ لکھتے ہوئے کس طرح جرأت ہوئی کہ حضرت کی میت تین دن تک دفن نہ ہوئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ شکم مبارک معاذ اللہ پھول گیا۔ عام آدمی کی میت بھی اگر اس صورت میں پائی جاتی ہے تو احترام میت کی وجہ سے لوگ اس کا تذکرہ نہیں کرتے اور رسول تو رسول ہی تھے

(۸) ایمان تھا تو بنی ہاشم کا اور رسول سے بے پناہ محبت تھی تو علی کو کہ رسول کی تجہیز و تکفین میں مشغول رہے اور خلافت پر لات ماردی۔ سقیفہ میں جو کچھ ہو رہا تھا اس کی اطلاع حضرت علی علیہ السلام کو برابر مل رہی تھی اور یہ بھی سمجھ رہے کہ اس وقت ان کا وہاں موجود نہ ہونا خلافت کو ان کے صحیح مرکز سے ہٹا دے گا اور ان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا مگر یہ سب گوارا کر لیا اور جسد اقدس سے روگردانی کرنا آن واحد کے لئے گوارا نہ کیا ایمان اس کو کہتے ہیں۔ جب ہی تو حضرت رسول نے بار بار یہ فرمایا علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں

(۹) اگر محبت رسول پر محبت خلافت کا ہلکا سا غلبہ بھی ہو گیا ہوتا۔ اگر خلوص میں بال برابر بھی فرق آگیا ہوتا تو علی اتنا تو ضرور کر سکتے تھے کہ اگر خود نہ جا سکتے تھے تو اپنا دعویٰ پیش کرنے کے لئے اپنے خاندان میں سے کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیتے مثلاً عباس ہی چلے جاتے آپ اس خاندان کے بزرگ ہیں اور مہاجرین و انصار بحیثیت عم رسول کہلانے کے آپ کی عزت بھی کرتے ہیں آپ وہاں جاتے اور لوگوں کو سمجھاتے کہ یہ وقت تجہیز و تکفین و تدفین رسول میں شرکت و سوگ و ماتم کرنے کا ہے نہ کہ ان جھگڑوں کے چکانے کا اگر وہ نہ مانیں اور یہی وقت طے کرنے پر تلے بیٹھے ہوں تو آپ سب کے سامنے میرا استحقاق بھی پیش کریں مہاجروں سے تو امید نہیں مگر انصار سے تائید کا یقین ہے۔ مگر علی علیہ السلام کے ایمان اور خلوص نے اتنا بھی گوارا نہ کیا اور یہ بھی پسند نہ کیا بنی ہاشم کا ایک فرد بھی رسول کو چھوڑ کر وہاں جائے اور لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ ہم ہی نے جنازہ رسول کو نہیں چھوڑا بلکہ تم رسول نے بھی چھوڑا۔

(۱۰) اگر بنی ہاشم بھی مہاجرین و انصار کی طرح سقیفہ میں آگھسے ہوتے اور جھگڑا طول پکڑ جاتا اور تلوار چلنے لگتی تو اسلام کا بیڑا غرق ہو جاتا یا نہیں۔ رسول کی میت یوں ہی رکھی رہتی اور گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہنے لگتیں۔ تمام فتنوں کی [illegible] طوائف الملوکی کا بازار گرم ہو جاتا۔ علی نے اسلام کو قبل از وقت درست بچا لیا وہ دین کو بیچ کر دنیا خریدنی نہیں چاہتے تھے۔ [illegible] جائے تو یہ بڑا سخت موقع تھا۔

(۱۱) مورخین کا یہ لکھنا کہ حضرت عمر کو حضور کے مرنے کا اتنا غم ہوا کہ دماغی توازن کھو بیٹھے اور برہنہ تلوار لے کر گھومنے لگے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ جو کہے گا رسول مر گئے میں اس کا سر اڑا دوں گا ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے اور مندرجہ ذیل سوالات دماغ میں ابھرتے ہیں

(۱) جناب سیدہ رسول اللہ کی بیٹی تھیں، اور علی نفس رسول تھے رسول کے مرنے کا زیادہ غم جناب فاطمہ کو تھا زیادہ کس کو رہ گیا تھا۔ انتہا یہ ہے معصومہ اسی غم میں گھل گھل کر مر گئیں لیکن اس شدید غم میں نہ تو وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھیں، اور نہ حضرت علی یہ سارے جہان کا درد حضرت عمر ہی کے دل میں کیوں بھر گیا۔ کیا اس میں کوئی راز ہے

(۲) حضرت عمر کوئی کمزور دل آدمی نہ تھے ان کی سخت دلی تو مشہور ہے انھوں نے تو عورتوں کو رونے تک سے منع کر دیا تھا پھر ان کے مضبوط دل پر اس غم کا اتنا اثر کیوں ہوا؟

(۳) اگر بالفرض ہوا تھا تو اسے کم از کم دو چار دن تو رہنا چاہیے تھا لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ جب حضرت ابوبکر آ گئے اور انھوں نے کہا چپ رہو اور یہ آیت پڑھ کر سنائی انک میت وانہم میتون تو فوراً دماغی توازن درست ہو گیا۔ تلوار نیام میں چلی گئی اور حضرت کے مرنے کا یقین آ گیا

(۴) کیا اس سے پہلے یہ آیت حضرت عمر نے نہ پڑھی تھی نہ سنی تھی۔ اس کا یقین نہیں آتا۔

(۵) جب رسول کا جسد بے روح موجود تھا تو حضرت عمر نے اندر جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ کیوں نہ لیا؟

(۶) یہ خیال ہی کیوں پیدا ہوا کہ حضور حضرت عیسیٰ کی طرح آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں۔ کیا حضور نے کبھی ایسا فرمایا تھا۔ کیا قرآن کی کسی آیت میں صراحۃً یا کنایۃً اس کا ذکر ہے

(۷) جب حضرت ابوبکر نے یہ آیت پڑھی انک میت وانہم میتون تو اس وقت کیسے یقین آ گیا کہ حضرت عیسیٰ کی طرح حضرت کا رفع نہیں ہوا۔

(۸) کیا یہ کہنا جرم تھا کہ حضرت مر گئے ہیں جس کی سزا حضرت عمر نے اپنی تلوار سے سر اڑا دینا تجویز کی تھی۔

(۹) حضرت عمر اور حضرت ابوبکر دونوں کا رشتہ اور مرتبہ مساوی تھا۔ وہ بھی صحابی تھے یہ بھی۔ وہ بھی مہاجر تھے یہ بھی وہ بھی رسول کے خسر تھے یہ بھی بلکہ دو فضیلتیں حضرت ابوبکر میں زیادہ تھیں وہ سابق الاسلام بھی تھے اور یار غار بھی پھر حضرت ابوبکر کا دماغی توازن کیوں نہ بگڑا۔ بگڑنا چاہیے تھا کیونکہ وہ نرم دل اور رقیق القلب تھے۔

(۱۰) دنیا کا قاعدہ اور فطرت کا تقاضا بھی ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو اعزہ و اقربا فوراً پہنچتے ہیں اور میت کے پس ماندگاں سے رسم تعزیت ادا کرتے ہیں ان کو تسلی اور دلاسا دیتے ہیں۔ میت کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔ حضرت علی سے تو تعزیت کا سوال چھوڑ دو ان بیچاروں کو کون پوچھتا تھا لیکن حضرت ابوبکر اور عمر کی تو دو بیٹیاں بیوہ ہوئی تھیں ان کا سہاگ لٹا تھا ان سے تو تعزیت کرنی دونوں باپوں کا فرض تھا مگر خلافت کے جھگڑے میں ان کو بھی بھول گئے۔

(۱۱) جیش اسامہ میں یہ حضرات اس لیے شریک نہ ہوئے کہ ان کو حضرت رسول خدا سے بے پناہ محبت تھی نہیں چاہتے تھے کہ مرض الموت میں ذرا دیر کے لیے بھی حضرت سے جدا ہوں لیکن یہ کیسی عجیب بات تھی کہ حضرت کا دم نکلتے ہی محبت کے سارے سر رشتے قطع ہو گئے اور حضرت ابوبکر کی بے پناہ محبت کا تو یہ عالم ہوا کہ مرنے کا یقین ہوتے ہی ایک میل دور اپنے گھر چلے گئے

(۳۴۳) حضرت ابوبکر نے مسئلہ خلافت میں انصار کے مقابل اس دلیل سے بازی جیت لی کہ رسول اللہ کے ہم قبیلہ اور دور کے قرابتدار تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت علی کے معاملہ میں یہی دلیل عدد درجہ کمزور بن گئی اور ان کی قرابت و قربت دونوں کو نظر انداز کر دیا گیا اور اللہ کے ان تمام احسانات پر بھی خاک ڈال دی گئی جو انھوں نے بار بار اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر کئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ بڑے لوگوں کی باتوں میں بڑے گہرے راز ہوتے ہیں عام لوگ ان کو نہیں سمجھ سکتے اور جب حکومت کا سایہ سر پر آ جاتا ہے تو پھر سارے اعمال و افعال میں چمک پیدا ہو جاتی ہے کسی کو حرف گیری اور انگشت نمائی کا حق نہیں رہتا

تمام شد

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب مستطاب

حالاتِ انبیاء و ائمہؑ

پر

تنقید و تبصرہ

حصہ سوم

حالات حضرت علی علیہ السلام

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب

حالات حضرت علی علیہ السلام

(بعد وفات رسولؐ)

بعد وفاتِ رسولؐ سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلافت کی چھین جھپٹ کے سلسلہ میں تہذیب اسلامی کے خلاف جو معاندانہ چھینا جھپٹی ہوئی وہ دنیوی نقطۂ نظر سے تو ہونی چاہیے تھی لیکن ایمانی دائرہ میں بے آب کا موتی اور بے خوشبو کا پھول ہے۔ مہاجرین اور انصار میں ٹکر تھی۔ لیکن دونوں حلقوں میں خود غرضی بہ بانگ دہل کہہ رہی تھی کہ دیانت نے دین پر چھاپا مارا ہے یہ ایک وقتی کاروائی تھی جو ندامت کے پسینہ میں نہا کر رہ گئی۔ اس کی ترجمانی حضرت عمر نے یوں کی تھی کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ یعنی بیعت ابوبکر ایک ناگہانی واقعہ تھا جس کے شر سے خدا نے بچا لیا۔ مراد یہ ہے کہ اس بیعت کی بنیاد شر پر تھی اللہ نے شر پھیلنے سے بچا لیا۔ اسی لئے اس طریقہ بیعت کو خود حضرت عمر نے اسلامی حکومت سے جلا وطن کر دیا

تو بات بغیر زبان پہ آئے نہیں رہتی، اور حضرت ابوبکر تو صدیق کہلاتے تھے بھلا جھوٹ کیسے بولتے، انھوں نے بے دھڑک پہلی ہی بار منبر پر جا کر کہہ دیا۔ بھائیو! میں تم پر والی و حاکم تو بنا دیا گیا ہوں لیکن میں تم سے بہتر نہیں لہٰذا جب نیک کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرنا اور نافرمانی کی صورت میں میری اطاعت تم پر واجب نہیں (سیوطی۔ طبری، روضۃ الاحباب اور تاریخ کامل ابن) اور اضافہ ہے کہ انھوں نے یہ بھی فرمایا اِنّ لی شیطانا یعتریني (میرے ساتھ ایک شیطان ہے جو مجھے بہکاتا ہے۔ علامہ سیوطی نے اتنا اور لکھا ہے کہ یہ بھی فرمایا "مجھ سے یہ بار اٹھ نہیں سکتا اگر کوئی دوسرا کاروبار خلافت چلا سکے تو اسے خلیفہ بنا دو۔" دوسرا کوئی کسی کی حالت کو کیا جانے ہر شخص اپنے نفس کو خود ہی خوب پہچانتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا سب سے پہلے بیعت کر لینا گویا ساری قوم کا بیعت کر لینا تھا اس وقت کا گویا جمہوری نظام یہی تھا اس کے بعد بڑا ور بعض بیعتیں جو ہوئیں وہ زور و زبردستی کے ہاتھ پر ہوئیں لا اکراہ فی الدین پر عمل کرنے کا مصلحتاً یہ وقت نہ تھا۔ اس وقت کی اصطلاح میں اس کا نام اجماع امت تھا چونکہ اسلام کی ذمہ دار ہستیوں نے یہ اصطلاح بنائی تھی لہٰذا کسی کو اعتراض کا حق نہ تھا۔ وقت کا تقاضا سب پر بھاری ہوتا ہے جب بیعت سب گردنوں میں بیعت کے قلادے پڑ گئے اور حکومت کے بازوں میں پوری طاقت آگئی تو اب آل رسول کے اس روحانی وقار کو جو عہد رسول میں امت کے سر کا تاج تھا ٹھوکروں میں رکھ لینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

حضرت رسولِ خدا نے تمام غزوات اور اکثر سریات میں سالار لشکر علی کو بنایا تھا اب ان ٹکڑوں کی باری آئی جو اُن کے ماتحت بن کر جاتے تھے جب معرکوں میں علی برہنہ بڑھ بڑھ کر کفار و مشرکین کو قتل کرتے رہے جب تک اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ان لوگوں کی جان بچاتے رہے جن میں جم کر لڑنے کی عادت نہ تھی اس وقت تک علی میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ لیکن جب جانشین رسول کے تقرر کا وقت آیا تو ان میں یہ عیب ان ہذا لشئی عجاب۔ عقل ہنسی اور اتفاق نے سر پیٹ لیا۔

بیعت سقیفہ ہو جانے کے بعد بھی جب اہلبیت رسول دفن رسول سے فارغ ہو کر صف ماتم پر بیٹھے تب بھی سوگواران رسول کے پاس کوئی تعزیت کو

نہ آیا۔ آتا کون؟ جن لوگوں نے یہ محاذ قائم کیا تھا وہ خلافت کی جڑیں جمانے میں لگے ہوئے تھے جو ہار گئے تھے وہ اپنے مستقبل کو یا تو سوچ رہے تھے یا انتقامی جذبہ میں چوٹ کھائے سانپ کی طرح زمین پر سر دے دے مارتے تھے۔ ایک طرف شور تھا غوغا تھا اور بیعت کرنے پکڑ دھکڑ تھی دوسری طرف ناکامی پر سینہ کوبی اور اشک فشانی تھی۔

جب تند دھدے بڑھا تو بنی ہاشم اور ان کے ہمدرد حضرت علی کے پاس آئے بنی ہاشم میں زبیر بھی شامل تھے۔ ان کی ماں حضرت علی کی پھوپی تھیں اور خود حضرت ابوبکر کے داماد تھے اس لئے وہ بنی ہاشم میں شمار ہوتے تھے۔ اسی طرح بنی امیہ حضرت عثمان کے پاس اور بنی زہرہ سعد بن عبادہ کے پاس جمع ہوئے۔ جو لوگ مسجد نبوی میں تھے حضرت عمر نے ان سے کہا یہ کیا بات ہے کہ تم لوگ الگ الگ ٹکڑیوں میں صلاح و مشورے کر رہے ہو کھڑے ہو جاؤ اور ابوبکر کی بیعت کرو ان سب نے بیعت کر لی۔ اس کے بعد حضرت عمر ایک گروہ کو لے کر حضرت علی کے پاس پہنچے اور بیعت پر زور دیا۔ انھوں نے انکار کیا۔ زبیر نے نیام سے تلوار نکال لی حضرت عمر نے ساتھیوں سے کہا انہیں پکڑو چنانچہ سلمہ بن اشیم نے بڑھ کر ان کی تلوار چھین لی اور انہیں پکڑ کر لے آئے۔ زبیر نے بیعت کر لی (ابن قتیبہ)

یہ تھی رسول کے بعد اسلامی بیعت کی شان

جس سخت گھڑی کا اہلبیت رسول کو دھڑکا لگا ہوا تھا رفتہ رفتہ وہ وقت بھی آ گیا۔ کچھ لوگ علی کے دروازہ پر کھڑے سخت و گرفت لہجہ میں کہہ رہے تھے اے علی گھر سے نکلو ورنہ ہم اس گھر کو آگ لگا دیں گے۔ اس گھر کی عظمت و حرمت کو نظر میں رکھتے ہوئے کسی نیک دل نے کہا کیا غضب کرتے ہو اس میں تو نبی زادی فاطمہ زہرا ہیں۔ جواب ملا کوئی بھی ہو ہمیں پرواہ نہیں۔ آخر دروازہ گرایا گیا اور لوگ دندناتے اندر داخل ہو گئے اور علی علیہ السلام کو پکڑ کر ابوبکر کے پاس لے گئے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ علی کو پکڑ کر ابوبکر کے پاس لے گئے درانحالیکہ وہ کہتے جاتے تھے میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسول کا بھائی ہوں "نبی زادی جس کا باپ کے غم میں برا حال تھا ہاتھوں سے سکتہ پہلو پکڑے روتی پیٹتی اور فریاد کرتی رہ گئی اور کسی کو اس پر ترس نہ آیا۔

جب حضرت علی ابوبکر کے سامنے لائے گئے تو ان سے کہا گیا بیعت کرو فرمایا میں تم سے زیادہ بیعت کا مستحق ہوں تم کو میری بیعت کر لی چاہیے تم نے انصار سے امر خلافت کو یہ کہکر لیا ہے کہ تم رسول اللہ کے قرابت دار ہو اور یہ کہ محمد تم میں سے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا بغیر بیعت ہم تم کو چھوڑنے والے نہیں۔ فرمایا میں ہرگز بیعت نہ کروں گا۔ حضرت ابوبکر نے کہا اچھا اگر تم بیعت نہیں کرتے تو میں تم کو مجبور نہیں کرتا اس کے بعد ابو عبیدہ نے کہا اے علی تم ان لوگوں سے کم عمر ہو ابوبکر کو تم سے زیادہ تجربہ ہے۔ فرمایا اے گروہ مہاجرین سلطنت کو رسول کے گھر سے نہ نکالو اور ان کے گھر کی زمین اپنی نہ کرو اور ان کے اہلبیت کو ان کے مقام سے ہٹا کر دوسروں کو ان کی جگہ نہ لاؤ ان کی حق تلفی نہ کرو واللہ اے مہاجرو ہم اہلبیت خلافت کے تم سے زیادہ مستحق ہیں ہم میں قاری کتاب اللہ ہیں فقیہ دین اللہ ہیں عالم سنن اللہ ہیں واقف امر اللہ ہیں ہم امور بد کے دفع کرنے والے اور مساوات سے تقسیم کرنے والے ہیں پس ہوا و ہوس کی پیروی نہ کرو ورنہ راہ خدا سے بھٹک جاؤ گے۔

بیعت کا واقعہ ختم ہو گیا اب چند باتوں پر غور کیجے

(۱) سب سے پہلے اس امر پر غور کرنا ہے کہ سقیفہ کی کارروائی کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت تھی یا اچانک اس پر غور کرنا پڑ گیا۔ اگر یہ کارروائی ہنگامی اور وقتی تھی اور اس کا یہ سبب ہوا کہ انصار خلیفہ بنانے کے لئے سقیفہ میں جا پہنچے تھے لہذا مہاجرین کو یہ اندیشہ

ہوا کہ ہماری عدم موجودگی میں وہ کسی غلط آدمی کا انتخاب کر لیں اس لئے فوراً وہاں پہنچ گئے لیکن سوال یہ ہے کہ مہاجرین کی تعداد وہاں بہت ہی کم تھی یعنی صرف تین آدمی تھے ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ اور انصار کی تعداد زیادہ تھی پھر کیا وجہ تھی کہ حضرت عمر نے بیعت کرتے ہی سب ان کے موافق ہو گئے اور پھر ایسا ہنگامہ ہوا کہ انصار کے سردار سعد بن عبادہ کو جو مدعی خلافت تھے لوگوں نے کچل ڈالا اور انصار کو اپنے مخالفوں کا مقابلہ کرتے نہ بنی اور سعد کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے حضرت عمر چاہے کتنے ہی بہادر اور سخت گیر سہی مگر اکیلا اتنی قوت ان میں کہاں سے آگئی کہ ان کے خوف سے مدینہ کے ہزارہا صحابیوں نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا دئے۔ واقعہ کی نوعیت بتاتی ہے کہ انھوں نے بہت پہلے سے اپنا ایک طاقتور گروہ بنا رکھا تھا جس کے زور پر جبراً انھوں نے لوگوں سے بیعت لے لی صرف تین تنہا وہ اتنا بڑا کام نہیں کر سکتے تھے۔ ایک شخص واحد کی قوت سے پوری قوم کا مغلوب ہونا سمجھ میں نہیں آتا لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ منصوبہ وفات رسول سے بہت پہلے بن چکا تھا اور بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنایا جا چکا تھا ورنہ اچانک بےشمار رایوں کو ہموار کر لینا قابل فہم نہیں اس کے لئے بڑا وقت درکار ہوتا ہے۔

(۲) جیش اسامہ سے روگردانی اور واقعہ قرطاس ہی یقین میں قوت پیدا کرتا ہے کہ خاندان رسول سے خلافت نکالنے کا منصوبہ وفات نبی سے بہت پہلے تیار ہو چکا تھا

(۳) اگر انصار ایک غلط کارروائی کے لئے سقیفہ میں جمع ہوئے تھے تو حضرات مہاجرین کا فرض تھا کہ وہ سقیفہ میں جا کر انصار کو سمجھاتے کہ بھائیو یہ وقت رسول کی تجہیز و تکفین و تدفین میں شریک ہونے کا ہے نہ کہ مسئلہ خلافت کے طے کرنے کا۔ تمہاری اسلامی حمیت کیا ہوئی مگر بجائے ایسا کرنے کے انصار کے مقابل اپنا حق پیش کرنے لگے

(۴) انصار کو رسول نے محبت میں رکھا اور ان کے لئے دعائے خیر کی تھی وہ رسول کے فرمانبرداروں میں سے تھے متقی و پرہیزگار لوگ تھے پھر یہ یکایک کیسی کایا پلٹی کہ وہ تجہیز و تکفین رسول سے بے نیاز ہو کر سب سے پہلے خلیفہ بنانے کے لئے سقیفہ جا پہنچے ضرور اس میں کوئی راز ہے۔ اور وہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ان کو مہاجرین کے منصوبہ کی خبر پہلے مل چکی تھی اور ان کو یہ قوی اندیشہ تھا کہ مہاجر ہم سے پہلے ہاتھ مار لیں گے

(۵) جو کارروائی جمہوری نظام کے نام سے سقیفہ میں ہوئی اس کا جواز سمجھ میں نہیں آتا اگر بجائے نص کے یہ اصول طے کر لیا گیا تھا کہ خلیفہ رسول کافہ امت کی یا کم سے کم ارباب حل و عقد کی رائے سے بنایا جائے گا تو اس کے لئے ضرورت تھی کہ کم سے کم مدینہ کے ارباب حل و عقد تو سر جوڑ کے بیٹھتے۔ صرف تین مہاجر اور بیس پچیس انصار کا نام تو امت نہ تھا۔ صرف ان چند آدمیوں کا فیصلہ تمام قوم کے لئے کیونکر قابل ہو سکتا تھا جبکہ ان سے بہتر لوگ اس کانفرنس میں شریک نہ تھے حتیٰ کہ بنی ہاشم کے سربرآوردہ لوگوں میں سے کوئی ایک بھی وہاں موجود نہ تھا سلمان، عمار، ابوذر، مقداد جیسے ایمان کے پیکر بھی اس کارروائی سے الگ رہے اگر خاندان رسول سے خلافت کو نکال لینے کا ارادہ نہ ہوتا تو حضرت علی کو ضرور شرکت کا موقع دیا جاتا کیونکہ انکی اسلامی خدمات بڑی نمایاں تھیں اور سب سے زیادہ قریب ترین ان کو رسول سے حاصل تھی۔ دو چار روز کے لئے معاملہ کو ٹالا جا سکتا تھا۔ حضرت علی کی گرانقدر خدمات نظر انداز کرنے کی قابل نہ تھیں۔

(۶) سب سے بڑی شکایت ارباب اقتدار سے یہ ہے کہ اگر ان کو حکومت دینی تھی نہ دی ہوتی لیکن ان کے روحانی وقار کا احترام تو کیا ہوتا ان کو بیعت پر اس طرح مجبور نہ کرنا تھا۔ بیعت تو بخوشی خاطر ہوتی ہے نہ کہ کسی کی گردن پر چھری رکھ کر

(۷) فاطمہ کا گھر رسول اللہ کا گھر تھا فاطمہ رسول اللہ کی بیٹی تھیں انکی اذیت رسول کی اذیت تھی لہٰذا ان کے احترام کو اس بیدردی سے

نہیں کچلنا چاہئے تھا

(۷) دنیا میں ہر شاہی خاندان کے کچھ حقوق ہوتے ہیں اور ان کو عام لوگوں سے ممتاز سمجھا جاتا ہے لیکن رسول کے خاندان والوں کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا یہ کس قدر جانکاہ رزیہ ہے۔

(۸) یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت علی نے بطیب خاطر بیعت کر لی تھی بعض نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ کی زندگی تک ان کو مہلت دے دی گئی تھی اس کے بعد ان سے بیعت لی گئی لیکن دریافت طلب یہ بات ہے کہ یہ بیعت راضی خوشی سے کی یا بہ جبر۔ اگر بطیب خاطر کی تو پہلے ہی کیوں نہ کر لی تھی تاکہ ناشدنی واقعات پیش نہ آتے۔ دوسرے جب مفضول کی بیعت فاضل نہیں کر سکتا تو علی نے اسے کیسے منظور کر لیا اور اگر جبراً ان سے بیعت لی گئی تھی تو بمصداق لا اکراہ فی الدین یہ بیعت جائز نہ ہوئی۔

اس کا بین ثبوت کہ حضرت علی نے آن واحد کے لئے بھی بیعت نہیں کی یہ ہے کہ جب حضرت عمر نے اپنا جانشین بنانے کے متعلق ایک شوریٰ کمیٹی بنائی جس کے صدر عبد الرحمٰن بن عوف تھے انہوں نے کہا میں اس شرط پر آپ کو خلافت دے سکتا ہوں کہ آپ یہ اقرار کریں کہ میں کتاب خدا اور سنت رسول اور سنت شیخین پر عمل کروں گا فرمایا کتاب اور سنت رسول پر غور و عمل کروں گا مگر سنت شیخین پر نہیں چنانچہ آپ کو حکومت نہ دی گئی۔ اگر بیعت کر لی ہوتی تو پھر آپ کو انکار کرنے کا حق نہ تھا فوراً ابن عوف کہتے جب آپ بیعت کر کے انکی سنت پر راضی ہو چکے تو اب انکار کیسا۔ پس معلوم ہوا کہ آپ نے بیعت کی ہی نہ تھی۔ تیسرے اگر بیعت کر لی ہوتی تو معاملات سلطنت میں دراندازی بھی ہوتے۔ وظیفہ بھی پاتے۔ فدک بھی ان سے نہ جاتا۔ سپہ سالار لشکر بن کر ملکوں کو فتح کرتے تو مال غنیمت سے گھر بھر جاتا کسی صوبہ کی گورنری مل جاتی اور جب یہ سب نہ ہوا تو پھر کیسے مان لیا جائے کہ حکومت سے ان کا تعاون تھا اور عدم تعاون بیعت نہ کرنے کی دلیل ہے۔

(۹) یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حضرت علی نے اپنی خلافت کے متعلق کوئی احتجاج نہیں کیا بلکہ خلافت ابوبکر پر راضی ہو گئے تھے۔ نہج البلاغہ کا صرف خطبہ شقشقیہ پڑھ لینا چاہئے اسی سے پتہ چل جائے گا کہ راضی تھے یا ناراض اور ان کا احتجاج کس زور کا تھا۔ حضرت نے احتجاج کا کوئی گوشہ چھوڑا نہیں۔ خود بھی بار بار اپنا حق ظاہر کیا مسجد میں بھی اور انصار کے گھروں جا جا کر بھی اور جناب فاطمہ کو بھی بار بار انصار کے یہاں لے گئے اور انہوں نے ان کے سامنے فریاد کی۔ احتجاج طبرسی میں یہ طولانی احتجاجات درج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان فریادوں میں کتنی گرمی تھی اور ان کے دل کے داغوں کی کیسی لپٹ تھی نہ صرف علی و فاطمہ نے بلکہ سلمان و ابوذر و مقداد و عمار و حذیفہ و جابر بن عبد اللہ انصاری وغیرہ نے مسجد رسول میں بھرے مجمعوں میں جہاں ارکان حکومت بھی موجود تھے پرزور احتجاج کیا۔ حکومت والوں کو نرم و سخت الفاظ میں سمجھایا لیکن نشہ اقتدار پر کوئی چرکا نہ لگا۔

(۱۰) کہا جاتا ہے کہ علی جب شیر خدا تھے تو تلوار لے کر کیوں نہ لڑ پڑے ہو گئے اور اتنے بزدل کیوں بن گئے کہ گردن میں رسی بندھوا کر کشاں کشاں حکومت کے سامنے چلے آئے۔ یہ سب ناسمجھی اور تعصب کی باتیں ہیں۔ علی اب بھی وہی علی تھے جو بدر و احد و خیبر و خندق میں تھے۔ لیکن ہر وقت انکی نظر دینی مصلحت پر رہتی تھی۔ بہادر وہ کہلاتا ہے جو موقع دیکھ کر اپنی شجاعت کا جوہر دکھلائے ورنہ وہ اجڈ [illegible] کہلاتا ہے شجاع نہیں۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن

یہ تو ظاہر ہے کہ چند آدمیوں کے سوا باقی سب مسلمان چڑھتے سورج کے پجاری بن چکے تھے ایسی صورت میں ہزارہا آدمیوں سے جنگ کرنا

اپنے کو دانستہ ہلاک کرنا تھا۔ یہ تو حضرت رسولخدا کی تاسی تھی کہ جب تک حضور مکہ میں رہے کفار سے جنگ نہ کی کیونکہ ناصروں کی قلت تھی
امیرالمومنین نے ناصروں کی قلت کو جنگ نہ کرنے کا سبب بتایا ہے
دوسرے اس وقت جنگ کرنا مفاد اسلام کے خلاف ہوتا جو لوگ اسلام میں نئے داخل ہوئے تھے وہ سمجھتے کہ اسلام میں روحانیت
اخوت و ہمدردی کا دعویٰ ڈھونگ ہی ڈھونگ ہے۔ دیکھو رسول کے مرتے ہی مال و دولت کی ہوس میں کس طرح ایک دوسرے
سے دست و گریباں ہیں ان میں اور دیگر اقوام عالم میں کیا فرق ہے یہ خود غرضی اور باہمی آویزش میں روحانیت کا کیا ذکر۔
نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ جاتے دوسرا یہ ہوتا کہ طوائف الملوکی کا بازار گرم ہو جاتا۔ مدینہ میں خون کی ندیاں بہتیں
حرمت حرم رسول ضایع ہوتی اور سلطنت اسلامی پارہ پارہ ہوکر رہ جاتی۔ اس سلسلہ میں جو جواب حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ کو
دیا تھا علی کا جواب بھی وہی سمجھنا چاہیے انھوں نے حضرت موسیٰ سے یہی کہا تھا کہ میں نے آپ کے طور پر جانے کے بعد گوسالہ پرستوں سے
دو وجہ سے جنگ نہ کی اول تو قوم نے مجھے بے حد کمزور بنا دیا تھا قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر ڈالتے دوسرے آپ مجھ پر یہ الزام لگاتے
کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا۔ اس کے علاوہ ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت رسولخدا نے اپنے مرض الموت میں فرمایا تھا
اے علی میرے بعد فتنے اٹھیں گے پس جب لوگ دنیا کے راستہ پر جا رہے ہوں تو تم دین کے راستہ پر جانا۔ یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی
چاہیے کہ اگر حضرت علی اس وقت شہید ہو جاتے تو دنیا ان کے فیوض علمیہ سے محروم ہو جاتی اور سلطنت الٰہیہ کو جن قوانین پر چلانا چاہیے تھا
اس کا نمونہ انکی نظر کے سامنے آنے سے رہ جاتا۔ ایک سبب یہ بھی تھا کہ اگر دولت و سلطنت پر لڑتے تو پھر ان کا شمار بھی ان ہی دنیا
پرستوں میں ہو جاتا جو آئے دن حصول جاہ و منصب کے لئے لڑا کرتے ہیں اس صورت میں آپ کا روحانی وقار کمزور پڑ جاتا۔
علی کو مال و دولت کی ہوس نہ تھی جس نے عمر بھر سوکھی روٹی کھائی ہو پیوند دار لباس پہنا ہو جس کے گھر میں دنیا کا کوئی سامان نہ ہو اس کو
سلطنت سے کیا فائدہ پہنچتا اگر تحقیق تھی تو صرف اتنی کہ اسلامی سلطنت میں قوانین حکومت الٰہیہ کا نفاذ ہوتا رہے اور بس۔ جن لوگوں
نے اس پر قبضہ کیا اب اس کی ذمہ داری ان کے سر رہی۔ اب رہی امامت تو اس کو کون چھین سکتا تھا وہ چھنی جانے کی چیز ہی نہ تھی
جیسے فرعون ... کو اور مسیلمہ نبوت کو نہ چھین سکا

(۱۱) کیا وجہ تھی حضرت علی سے لوگوں کے خلاف ہونے کی درانحالیکہ آپ نے سب سے زیادہ اور سب سے بہتر اسلامی خدمات انجام دیں
پھر لوگوں نے انکی مدد کیوں نہ کی۔ جواب یہ ہے کہ آپ کی اسلامی خدمات ہی لوگوں کے دلوں میں عداوت کا بیج بو گئیں اس کی وجوہ
یہ ہیں (۱) کفار و مشرکین کا زیادہ قتل حضرت علی کے ہاتھ سے ہوا عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ رہا جس کے نامور سردار علی کے ہاتھ سے
نہ مارے گئے ہوں بقول ابن عباس دس ہزار آدمی علی کے ہاتھ سے قتل ہوئے پس ان قبایل کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کے
دلوں میں انتقامی خون جوش مار رہا تھا عہد رسالت میں تو وہ دبے رہے لیکن حضرت کا انتقال ہوتے ہی وہ خلافت والوں کے گروہ
میں شامل ہو کر اپنی دیرینہ عداوت کا اظہار کرنے لگے۔ (۲) رسول اللہ نے ہمیشہ غزوات و سریات میں علی کو سردار لشکر بنایا تھا اور
بڑے بڑے نامور صحابہ کو ان کا محکوم قرار دیا تھا جس سے حسد کی آگ ان کے دلوں میں بھڑک رہی تھی اور علی کو اپنا محکوم بنانے
کی آرزو ان کے دلوں میں چٹکیاں لے رہی تھی (۳) علی کا روحانی وقار لوگوں کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا لہذا اس
کو سبک بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ ان کی طرف لوگوں کی رجوع رفتہ رفتہ کم ہوتی جائے اور ارکان خلافت کی طرف زیادہ ہو

(۱۱) علیؑ کے زہد و قناعت اور دنیا سے بیزاری کو دیکھ کر لوگوں نے یہ نتیجہ نکال لیا تھا کہ ان کی حکومت میں سوکھے ٹکڑے کھانے کے سوا کچھ نہ ملے گا اور عیش پرستی اور ہوس رانی کے گلے میں پھندا پڑ جائے گا۔

(۱۲) سقیفہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان جو جھگڑا ہوا تعجب ہے کہ اس کا فیصلہ قرآن سے کیوں نہ کیا گیا حالانکہ قرآن تو آیا ہی تھا اختلاف مٹانے کے لئے دوسرے جب رسولؐ نے اپنے مرض الموت میں امت کو گمراہی سے بچانے کے لئے کچھ لکھنا چاہا تھا تو حضرت عمر نے یہ کہہ کر روک دیا تھا کہ ہمیں ہدایت کے لئے کتاب خدا کافی ہے تو نزاع سقیفہ کے وقت کتاب خدا بیچ میں کیوں نہ آئی تاکہ حق بجانب فیصلہ ہو جاتا اور کسی کو شکایت کا موقع نہ ملتا۔

(۱۳) مہاجرین نے انصار کے مقابل اس دلیل سے خلافت حاصل کی کہ وہ رسولؐ کے قبیلہ میں ہونے کے سبب حضورؐ سے زیادہ قربت رکھتے تھے لیکن یہی دلیل جب حضرت علیؑ نے پیش کی اور اپنے حریفوں سے زیادہ اپنی قربت کو بیان کیا تو اس وقت یہ دلیل کیوں رد کر دی گئی اور یہ ایک بام اور دو ہوا کا مضمون کیوں ہوا۔

(۱۴) جب حضرت علیؑ نے خلافت کے حقدار ہونے پر احتجاج کیا تو حضرت ابو عبیدہ نے جو سقیفائی خلافت کے خاص کارکن تھے فرمایا تھا آپ چونکہ حدیث السن ہیں اور ابوبکر آپ سے زیادہ عمر والے ہیں لہٰذا آپ پر ان کو ترجیح دی گئی۔ یہ عجیب و غریب منطق ہے جو نہ صرف ہماری سمجھ میں نہیں آتی بلکہ حضرت ابوبکر کے والد جناب ابوقحافہ کی سمجھ میں بھی نہ آئی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے جب اپنے خلیفہ ہونے کی اطلاع ان کو دی تو انھوں نے قاصد سے پوچھا علیؑ کو کیوں نہ بنایا۔ اس نے کہا وہ سن میں ان سے کم تھے یہ سنکر وہ مسکرائے اور کہنے لگے کہ اگر یہ معاملہ عمر پر تھا تو ابوبکر کی جگہ مجھے بنانا چاہئے تھا۔ مشہور تو یہ ہے بزرگی بعقل است نہ بسال۔ حضرت علی علیہ السلام علم و فضل میں حضرت ابوبکر سے ہزار درجہ بہتر تھے۔ حکومت کا تجربہ ابوبکر سے زیادہ علیؑ کو تھا کیونکہ علیؑ کو رسول اللہ نے کئی بار فوج کا سردار بنا کر بھیجا تھا بر خلاف حضرت ابوبکر کے کہ عہد رسالت میں انکو کوئی موقع ایسا نہ ملا تھا ایک بار سورہ برائت کی تبلیغ کے سلسلہ میں ایک گروہ کے سردار بنائے گئے تھے مگر بعد میں واپس بلا لئے گئے تھے۔ بحالت کفر بھی کوئی نمایاں حیثیت ان کو حاصل نہ تھی۔

(۱۵) کسی نبی کی امت کو یہ اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ وہ بطور خود کسی نبی کا جانشین انتخاب کرے بلکہ امت کا کیا ذکر یہ اختیار تو انبیاء کو بھی نہ تھا ورنہ حضرت موسیٰ اپنا وزارت کے لئے خدا سے درخواست نہ کرتے امت کا اختیار سے اپنے نبی کا جانشین بنانا سوائے نبی آخر الزماں کی امت کے اور کسی نبی کی امت میں نہیں پایا جاتا اور نہ قرآن میں کہیں امت کو یہ حق دیا گیا ہے اور نہ امت میں یہ طریقہ کار آگے کو چلا چنانچہ دوسری ہی منزل پر بجائے اجماع امت کے حضرت عمر حسب وصیت حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے ان کے بعد حضرت عثمان کے خلیفہ بنانے کے لئے ایک اور طریقہ کار ایجاد ہوا یعنی چھ آدمیوں کی ایک مجلس شوریٰ قرار دی گئی نہ اجماع رہا نہ وصیت۔ اس کے بعد حضرت علیؑ پھر اجماع سے ہوئے ان کے بعد تو پھر جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا معاملہ ہو گیا۔ نام تو خلیفۃ المسلمین رہا مگر خلافت وراثت بن گئی ترکی میں جا کر یہ سورج ہی غروب ہو گیا اور خلیفہ کا لفظ ہی دفتر حکومت سے خارج کر دیا گیا

بر خلاف اس کے نصی خلافت کے اصول میں کبھی کوئی تبدیلی نہ ہوئی جو اپنے بارہ جانشین رسول اللہ بنا گئے تھے حضرت علیؑ سے لیکر امام مہدی علیہم السلام تک یکے بعد دیگرے وہی ہوتے رہے

خلافت اُولیٰ اور حضرت علی

رسول کی وفات کے بعد حضرت علی مصائب و آلام کے دائرہ میں محصور تھے ان شدائد پر صبر کرنے کے لئے بڑا کلیجہ درکار ہے ایک ایک لمحہ کیسے گزر رہا تھا حضرت علی کے الفاظ میں سُنئے۔ فی العین قذیٰ و فی الحلق شجیٰ یعنی آنکھ میں کھٹک تھی اور حلق میں اچھو لگا ہوا تھا۔ یہ صورت کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ لیکن جو کچھ سامنے آتا رہا صبر و ضبط سے دیکھتے رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کے بعد آپ کے نزدیک سب سے اہم کام کتاب خدا کے متفرق اجزا کو موافق تنزیل جمع کرنا تھا۔ آپ نے قسم کھائی تھی کہ جب تک قرآن کو موافق تنزیل جمع نہ کر لونگا نماز کے سوا اور کسی وقت کندھوں پر ردا نہ ڈالوں گا۔ دو سال تک رات دن اس کام میں لگے رہے۔ اس محنت کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ۲۳ سال تک جو آیات یا سورے نازل ہوتے تھے وہ اونٹ کی ہڈیوں، درختوں کی چھالوں یا کھجور کے پتوں وغیرہ پر لکھے جاتے رہے تھے وہ سب مل جل گئے تھے جس کی وجہ سے یہ پتہ چلانا دشوار تھا کہ کون سی آیت کہاں کی ہے کس سورہ اور کس واقعہ سے اس کا تعلق ہے اور کس آیت کے بعد اس کو رکھا جانا چاہیئے۔ یہ کام حضرت علی کے سوا دوسرا نہیں کر سکتا تھا اس کی کئی وجہیں ہیں اول تو شروع سے آخر تک حضرت علی ہر وقت آنحضرت کے ساتھ رہے سفر ہو یا حضر دن ہو یا رات جو آیت نازل ہوتی تھی سب سے پہلے آنحضرت صلعم حضرت علی کو سنایا کرتے تھے اور اس کی تفسیر و تاویل اور شان نزول بتا دیا کرتے تھے۔ پھر حضرت علی نے ہر آیت کو حفظ کر لیا تھا باوجود ان سب باتوں کے آپ کو جمع کرنے میں دو سال لگ گئے۔

جب اس اہم کام سے فرصت ہوئی یعنی قرآن موافق تنزیل جمع ہو گیا تو آپ اس کو حضرت ابوبکر کے پاس لے کر آئے اس وقت ان کے پاس حضرت عمر کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ موجود تھے آپ نے فرمایا میں نے دو سال کی محنت شاقہ کے بعد یہ قرآن موافق تنزیل جمع کیا ہے۔ اگر کوئی دوسرا یہ کام کرتا تو اس کی بڑی قدر کی جاتی اور بڑے شوق سے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا اور آنکھوں سے لگایا جاتا مگر چونکہ اس کے جامع نہیں لہٰذا نہایت ڈھیلے ہاتھوں اور مردہ جذبات کے ساتھ اس کو لیا گیا۔ حضرت عمر نے بھی ورق گردانی کی حضرت ابوبکر نے بھی اور ایک اچٹتی نگاہ ڈالنے کے بعد ان الفاظ کے ساتھ واپس کر دیا۔ ہمیں اس قرآن کی ضرورت نہیں ہمارے پاس جس حال میں ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ یہ سنکر حضرت علی کو غصہ آیا اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے واپس چلے آئے۔ اب تم کبھی اس قرآن کو نہ دیکھو گے۔ واقعہ ختم ہو گیا اب یہ دیکھئے اس کی گہرائیوں میں کیا نظر آتا ہے۔

(۱) سب سے پہلے یہ سوال ہمارے سامنے آتا ہے کہ یہ قرآن کیوں نہ لیا گیا۔ تھا تو وہ اللہ کا کلام ہی اس میں نہ کمی تھی نہ زیادتی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ موافق تنزیل بھی جمع ہوا تھا اور جمع کرنے والا بھی وہ تھا جس کے سینہ میں علم قرآن تھا پھر کیوں رد ہوا بات یہ تھی کہ آیات متشابہات کی جو تاویل رسول اللہ نے بتائی تھی وہ حاشیہ پر یا بطور فٹ نوٹ لکھ دی گئی تاکہ غلط تاویل کرنے کا سد باب ہو جائے اور غلط بیانی اور گمراہ کرنے والی تاویلات کے راستے بند ہو جائیں اور امت کے عقاید میں اختلاف ہو اور بے شمار مفاسد سے قوم محفوظ رہے یہ کیا بری بات تھی۔ ارباب حکومت کو اس لئے پسند نہ آئی کہ اس سے قیاس آرائی اور اپنی مطلب برآری کے تمام راستے مسدود ہو جاتے نیز دیا جاتے اور اس کے خلاف کرنے والوں کو لوگوں کے بدگمان ہونے کا اندیشہ تھا۔

(۲) حضرت رسول خدا نے حدیث ثقلین میں قرآن کو اہلبیت کے ساتھ کیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ علی مع القرآن والقرآن مع علی۔ پس اگر علی کا جمع کردہ قرآن لے لیا جاتا تو علی کا روحانی وقار ہمیشہ کے لئے قرآن سے وابستہ ہو جاتا اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی عظمت کا نقش ابھارتا، ان کی مرجعیت کا سبب بن جاتا اور اس سے حکومت کے وقار کو جو دھچکا لگتا وہ ناقابل برداشت ہوتا۔

(۳) اس قرآن میں ایک بات اور بھی ایسی تھی جو رد کرنے کا باعث ہوئی اور وہ یہ تھی کہ جس قبیلہ، گروہ یا شخص کی مذمت میں جہاں جہاں جو آیات نازل ہوئی تھیں بریکٹ یا فٹ نوٹ میں ان کا نام بھی لکھ دیا گیا تھا ایسی صورت میں کوئی اپنی بلا دوسرے پر نہیں ٹال سکتا تھا

(۴) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی نے اپنے عہد حکومت میں یہ قرآن کیوں نہ رائج کیا۔ جواب یہ ہے کہ اس کے دو سبب تھے، اول یہ کہ حضرت عثمان کے جمع کردہ قرآن کی نقلیں لاکھوں کی تعداد میں قلمرو اسلامی کے اندر پھیل چکی تھیں اور گھر گھر وہی قرآن پڑھا جا رہا تھا اس سب کو واپس منگانا اور اپنے جمع کردہ قرآن کو ہر گھر میں پہنچانا کیسے ممکن تھا جبکہ شام کا پورا صوبہ بھی آپ کی قلمرو سے باہر تھا۔ دوسرے اگر دونوں قرآن ایک ساتھ چلتے تو دونوں کی صداقت مشتبہ ہو جاتی جیسے انجیل ساقط الاعتبار ہو گئی جب کسی قوم کے سامنے کسی آیت سے استدلال کیا جاتا تو فریق مخالف کہہ سکتا تھا کہ پہلے یہ ثابت کرو کہ تمہارے دونوں قرآنوں میں صحیح کونسا ہے۔ حضرت علی یہ کیونکر گوارا کر سکتے تھے لہذا انھوں نے اپنا قرآن روک لیا

(۵) جس قوم نے علی کی اولاد کے ٹکڑے کر ڈالے بھلا وہ علی کا جمع کردہ قرآن کیا چلنے دیتی۔ یا پھاڑ کر پھینک دیتی یا جلا دیتی اس سے کلام خدا کی توہین ہوتی۔

(۶) ابن عباس کہا کرتے تھے کہ حضرت علی کا مرتبہ قرآن اگر دنیائے اسلام کے پاس ہوتا تو اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے قرآن سمجھنے میں اس سے بڑی آسانی ہو جاتی

(۷) اسلام کے تہتر فرقوں میں تقسیم ہونے کا باعث آیات متشابہات کی غلط تاویلوں اور تفسیر بالرائے کرنے سے ہوا۔ جس نے جو چاہا اپنے دل سے مطلب گھڑ لیا۔ اور اپنی رائے اور قیاس کو دخل دے کر لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیا

(۸) حسن بصری کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں سے بڑی چوک یہ ہوئی کہ انھوں نے حضرت علی کے قرآن کو رائج نہ کیا اگر وہ ہوتا تو ضلالت کا بڑھتا ہوا سیلاب رک جاتا (التفصیل والتوضیح للعلامۃ الازہری)

مقدمۂ فدک

فدک مدینہ سے دو منزل دور خیبر کے قریب ایک گاؤں ہے ۷ھ میں جب خیبر فتح ہوا تو علاقہ فدک کے یہودیوں نے خوف زدہ ہو کر حضرت علی سے صلح کر لی اور جو علاقہ باغات کا تھا آپ کے حوالے کر دیا۔ چونکہ یہ علاقہ بغیر جنگ ہاتھ آیا تھا لہذا جاگیر رسول قرار پایا اور جب آیہ وآت ذا القربیٰ حقہ نازل ہوئی تو آپ نے حضرت فاطمہ کے حوالے کر دیا (در منثور) اور ایک وثیقہ اس کے بارہ میں لکھ دیا جو حضرت فاطمہ کے پاس رہا اور وہ فدک پر قابض ہو گئیں اور اپنا ایک عامل وہاں مقرر کر دیا

جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے یہ علاقہ ضبط کر لیا یہ کہہ کر کہ یہ مسلمانوں کا حق ہے۔ حضرت فاطمہ کے کارندے کو وہاں سے نکال دیا

گیا اور حکومت نے اس پر قبضہ کر لیا۔ حضرت فاطمہؑ اس کے لئے دادخواہی کی اور وہ دستاویز دکھائی جو رسول نے لکھ کر دی تھی۔ حضرت عمر نے اس کو پھاڑ ڈالا (انسان العیون)

اس واقعہ میں حسب ذیل امور غور طلب ہیں۔

(۱) حضرت فاطمہ نبی زادی تھیں بموجب آیت تطہیر صدیقہ طاہرہ تھیں پھر دعویٰ زبانی نہ تھا دستاویزی تھا اس کو کیوں نہ مانا گیا اور حضرت عمر کو کیا حق تھا اسے کے پھاڑ ڈالنے کا۔ کیا کسی عدالت کو یہ مجاز ہے کہ وہ اہل معاملہ کے کسی ثبوتی کاغذ کو ضایع کر دے؟ دوسرے حضرت عمر اس کچہری کے مجسٹریٹ نہ تھے انہیں چاک کرنے کا کیا حق تھا تیسرے یہ دستاویز معمولی دستاویز نہ تھی بلکہ رسول کی طرف سے تھی اس کو چاک کرنا کیا رسول کی توہین نہ تھی۔ چوتھے اگر یہ دستاویز جھوٹی تھی تو اس کو دلیل کے ساتھ رد کر دینا چاہیے تھا نہ کہ چاک کرنا۔

(۲) جناب فاطمہ آنحضرت کی زندگی میں فدک پر قابض ہو چکی تھیں اور قبضہ دلیل ملکیت ہے اگر یہ قبضہ ناجایز تھا تو رسول نے کیوں نہ رد کیا اگر ان کا قبضہ نہ تھا تو ضبط کیا چیز ہوئی اور کارندہ کس کا نکالا گیا۔

(۳) تیسرے مسلمانوں نے اپنے حق کا کب دعویٰ کیا تھا اور وہ کب مدعی بنکر عدالت میں آئے تھے جس کی رو سے ضبطی عمل میں آئی

(۴) شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ گواہ مدعی سے طلب کئے جائیں اور انکار کرنے والا قسم کھائے پھر جناب فاطمہ سے گواہ کیوں طلب کئے گئے گواہ تو ان مسلمانوں سے طلب کئے جاتے جو فدک کو اپنا حق سمجھے تھے

(۵) اس دستاویز پر حضرت رسولخدا کی مہر ثبت تھی پھر انکار کی کیا وجہ تھی۔ کیا اس مہر کو ارباب حکومت پہچانتے نہ تھے۔

(۶) ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ جو کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے والا ہو وہی مدعی بھی ہو۔ اس مقدمہ میں ابوبکر مدعی بھی تھے اور فیصلہ کرنے والے بھی۔ اگر مسلمان مدعی ہوتے تو مسلمانوں کے نمایندوں کو حاضر عدالت ہو کر اپنا بیان دینا چاہیے تھا اور گواہ بھی پیش کرتے۔

(۷) درصورت کسی مسلمان کے دعویدار نہ ہونے کے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ مقدمہ کی ساری کارروائی عدالت کی طرف سے تھی

(۸) اگر عدالت حقوق مسلمین کے تحفظ کے لئے خود مدعی بنی تھی تو اس کو مقدمہ کی سماعت اور فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا

(۹) جناب فاطمہ نے جو گواہ پیش کئے وہ حضرت علی، حسنین اور ام ایمن تھے یہ گواہی اس لئے معتبر نہ سمجھی گئی کہ ایک فاطمہ کے شوہر تھے دو ان کے لڑکے تھے اور ایک کنیز تھی جس کی گواہی آدھی ہوتی ہے نصاب شہادت پورا نہیں ہوتا تھا کس قدر عجیب بات ہے کہ ایسے لوگوں کی گواہی کو رد کیا گیا جن کے بارہ میں آیت تطہیر نازل ہوئی تھی اور جو نوع انسان اعلیٰ اشخاص کے مصداق تھے۔ ان میں ایک صدیقہ کبریٰ حضرت فاطمہ تھیں دوسرے صدیق اکبر حضرت علی تھے تیسرے حسنین سیدا شباب اہل الجنۃ تھے۔ ام ایمن اگرچہ کنیز تھیں مگر ایسی مقدسہ تھیں کہ حضرت رسولخدا نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔

سوا ام ایمن کے باقی گواہ وہی تھے جن کو رسول اپنی صداقت کی گواہی دلوانے روز مباہلہ لے کر گئے تھے یہ کہنا بھی صحیح نہ تھا کہ حسنین کے بچہ ہونے کی وجہ سے اور اس لئے کہ اولاد کی گواہی ماں باپ کے حق میں ناقابل قبول ہوتی ہے انکی گواہی رد کر دی گئی۔ لیکن یہ تو قرآن کے خلاف ہے۔ حضرت عیسیٰ نے بچپن ہی میں اپنی ماں کی عصمت کی گواہی دی تھی

جب جناب فاطمہ یہ مقدمہ ہار گئیں تو آپ نے دوسرا مقدمہ دایر کیا یعنی ورثہ کا لیکن جب حکومت کی نیت ہی یہ تھی کہ ان کو کچھ نہ دیا جائے تو اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی اس دعویٰ کی تردید میں رسول کی ایک یتیم الاسناد حدیث پیش کر دی گئی نحن معاشر الانبیاء

لانورث ولا نورث (ہم گروہ انبیا نہ کسی کا ورثہ پاتے ہیں نہ کوئی ہمارا ورثہ پاتا ہے) یہ ایک ایسی حدیث تھی جس کو ابوبکر کے سوا کسی اور نے سنا ہی نہ تھا۔ اگر صحیح ہوتی تو حضور سب سے پہلے اپنی بیٹی سے بیان کرتے کیونکہ اس کا تعلق صرف انہی سے تھا۔ اور اگر جناب سیدہ نے یہ حدیث سن لی ہوتی تو ناجائز مال لینے کی کبھی کوشش نہ کرتیں۔ جب یہ حدیث بیان کی گئی تو انھوں نے کہا میں نے یہ حدیث اپنے باپ سے کبھی نہیں سنی۔ لیکن حکومت پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جناب سیدہ نے فرمایا کیسی عجیب بات ہے کہ تمہاری اولاد تو تمہارا ترکہ پائے اور میں اپنے باپ کے ترکہ سے محروم رہوں یہ کہاں کا انصاف ہے یہ تو قرآن کے سراسر خلاف ہے قرآن میں کیا یہ آیت نہیں ورث سلیمان داود (سلیمان داود کے وارث ہوئے)۔ اور جناب زکریا کی یہ دعا نقل ہے ہب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث ال یعقوب (مجھے ایسا بیٹا دے جو میرا بھی وارث ہو اور اولاد یعقوب کا بھی) قرآن میں تو کہیں اولاد انبیا کا استثنا نہیں اور جو حدیث مخالف قرآن ہو وہ جھوٹی ہے

(۱۰) اگر انبیا میراث نہیں پاتے تو ام ایمن کنیز جناب عبداللہ حضرت رسول خدا کو میراث میں کیسے ملیں۔ اگر انبیا میں میراث نہیں چلتی تو ازواج رسول اپنے اپنے مکانات پر کیسے قابض ہوئیں اور وہ انکی ملکیت کیسے قرار پائے اور جناب فاطمہ اور امام حسن کو پہلوئے رسول میں دفن کرنے کے لئے حضرت عائشہ سے اجازت کی ضرورت کیوں پیش آئی

(۱۱) جب حضرت عمر یہ کہہ چکے تھے حسبنا کتاب اللہ تو پھر قرآن کو چھوڑ کر حدیث کو کیوں پیش کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا فیصلہ حکومت کے خلاف تھا۔

(۱۲) ڈاکٹر مولوی نذیر احمد مرحوم امہات الامہ میں لکھتے ہیں۔

یہ مسلمانوں سے ایسی نازیبا حرکت ہوئی ہے کہ شرم سے گردن جھک گئی ہے کون بڑی چیز تھی اگر مانگ رہی تھیں تو رسول کی رعایت سے دیدیا ہوتا اگر نبی زادی ہو کر صدقہ کھاتیں تو اسی کا باران پر تھا۔

(۱۳) صحیح بخاری میں ہے کہ جناب فاطمہ زہرا نے ان دونوں (ابوبکر و عمر) سے کلام نہیں کیا اور یہ کہا کہ میں تمہاری شکایت حضرت رسول خدا سے کرونگی

(۱۴) عقل حیران ہے کہ جو لوگ اکثر اوقات صحبت رسول میں رہتے تھے مزاج شناس نبوت تھے جنہوں نے بارہا حضرت کی زبان سے جناب سیدہ کے فضائل سنے تھے اور بار بار یہ آواز ان کے کانوں میں گونجی تھی جس نے فاطمہ کو ستایا اس نے مجھے ستایا۔ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ پھر ان سے ایسا فعل کیوں سرزد ہوا جس سے بنت رسول کو وہ سخت صدمہ ہوا کہ گھل گھل کر مرگئیں اور ان سے مرتے دم تک کلام نہ کیا۔ اس قسم کے واقعات سے نہ صرف ان کے روحانی اقتدار کو کمزور بنایا گیا بلکہ انکی اقتصادی حالت پر بھی کاری ضرب لگی اور آل رسول کی مرجعیت بھی بے دم ہو کر رہ گئی۔

(۱۵) ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے میں نے علی بن فارقی شافعی سے جو بغداد کے مدرسہ غربیہ کے صدر مدرس تھے یہ سوال کیا کہ فاطمہ راست گو تھیں یا نہیں انھوں نے کہا بالیقین وہ صادقہ تھیں میں نے کہا پھر ابوبکر نے فدک کیوں نہ دیا جبکہ وہ جانتے تھے کہ جھوٹی نہیں یہ سنکر وہ مرد فاضل مسکرایا اور ایک کلام لطیف اس کے جواب میں کہا حالانکہ تمسخر ان کے مزاج میں کم تھا وہ کلام لطیف یہ ہے اگر ابوبکر آج ان کے دعوے کی تصدیق کر دیتے تو کل وہ اگر اپنے شوہر کی خلافت کا دعویٰ

تو پھر کس عذر اور کس دلیل سے اللہ کے دعوے کی تردید کرتے جبکہ آپ اسے دعوے میں انکی صداقت تسلیم کر چکے تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ (ترجمہ)

مشکل ترین قضایا قضیہ فاطمہ زہرا ہے اگر ہم کہیں کہ وہ حدیث نحن معاشر الانبیاء سے جاہل تھیں تو ان سے یہ بعید ہے اور اگر یہ تسلیم کرلیں کہ جناب فاطمہ کو آنحضرت سے یہ حدیث سننے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو یہ اور بھی زیادہ مشکل ہے کہ ابوبکر اور دیگر صحابہ سے سننے کے بعد انھوں نے قبول کیوں نہ کیا اور غضبناک کیوں ہوئیں۔ اگر ان کا غضبناک ہونا اس حدیث سننے سے پہلے تھا تو بعد میں یہ غصہ کیوں نہ جاتا رہا اور اس غصہ نے اتنا طول کیوں کھینچا کہ جب تک زندہ رہیں ابوبکر سے مہاجرت کی حالانکہ بخاری میں ہے کہ مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ برادر مسلم سے مہاجرت کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعہ فدک تاریخ اسلام کا نہایت درد خیز اور المناک واقعہ ہے۔ اولاد نبی کے ساتھ ایسے سخت برتاؤ کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ جب خلافت لے لی تھی تو پھر نبی زادی کو ان کا حق دینے میں کیوں تامل ہوا اگر یہ ذرا سا علاقہ نبی زادی کی بسر اوقات کے لئے چھوڑ دیا جاتا تو اسلام کی سلطنت کو کیا نقصان پہنچ جاتا۔ ازواج رسول کے لئے تو وظائف بیت المال سے معین ہوئے ان میں تمام ازواج سے زیادہ وظیفہ جناب عائشہ کے لئے بر عایت خاص بارہ ہزار درہم مقرر ہوا کیونکہ وہ رسول کی چہیتی بی بی تھیں کیسی عجیب بات ہے کہ بی بی تو رعایت خاص کی مستحق ہوئی مگر رسول کی بیٹی کے لئے کوئی رعایت ملحوظ نہ رکھی گئی حالانکہ تمام حکومتیں خاندان شاہی کے ساتھ بہت کچھ رعایتیں کیا کرتی ہیں۔ بیت المال پر حکومت کو اسلامی قواعد کی رو سے بغیر مسلمانوں کی اجازت کے تصرف کرنا جائز نہیں پھر بلحاظ زوجیت سب بی بیاں برابر تھیں۔ جب رسول ان کے درمیان ناانصافی نہیں کرتے تھے تو ان کی جانشینی کے دعویداروں نے یہ ناانصافی کیوں کی۔ حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم نے عید کے موقع پر عاریتاً چند گھنٹے کے لئے بیت المال سے ایک ہار منگا کر پہن لیا تھا تو یہ حضرت علی کو سخت ناگوار ہوا اور بیٹی کے گلے سے اتروا کر بیت المال میں فوراً داخل کر دیا۔ حکومت الٰہیہ کے قوانین یہ ہیں۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی نے اپنے عہد حکومت میں اسے کیوں نہ واپس لے لیا؟ اس کا جواب یہ ہے

(۱) جس چیز کو نبی زادی ترستی چلی گئی اس پر تصرف کرنا علی نے مکروہ سمجھا

(۲) یہ تاسی تھی فعل رسول کی آنحضرت نے جو مکان مکہ میں چھوڑا تھا عقیل نے اسے فروخت کر ڈالا تھا فتح مکہ کے بعد حضور نے اسے واپس نہیں لیا یہاں تک کہ قیمتاً بھی اسے لینا گوارا نہ کیا کہ اس سے مالک مکان کا دل ٹوٹتا۔

(۳) خلیفہ حضرت عثمان نے فدک کا علاقہ مروان بن الحکم کو بخش دیا تھا اگر حضرت علی جبراً اسے واپس لیتے تو ایک نیا فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا اور بنی امیہ کو یہ پروپیگنڈہ کرنے کا موقع ملتا کہ علی دوسروں کی مقبوضہ جائداد پر جبراً قبضہ کر لیتے ہیں مال و دولت کی حرص ان پر غالب آگئی ہے

(۴) علی کی عالی ظرفی نے یہ گوارا نہ کیا کہ واپس لے کر ان لوگوں کی دل شکنی کریں جو اس پر قابض تھے اور اس کی آمدنی ان کی بسر اوقات کا ذریعہ تھی

(۵) واپس لینے کے بعد بنی امیہ آپ کے بعد پھر اس پر قابض ہو جاتے اور دوبارہ اس کا قبضہ سے نکلنا اہلبیت کے لئے نیا صبر آزما ہوتا۔

عہد خلیفہ اوّل میں حضرت علی کی اوقات گزاری

حضرت ابوبکر کی خلافت دو سال چند ماہ رہی۔ یہ زمانہ حضرت علی اور ان کے متعلقین نے نہایت قلق اور اندوہ میں گزارا جس کے اسباب یہ تھے

(۱) سب سے بڑا غم تو یہ تھا کہ ان کے روحانی اقتدار پر کاری ضرب لگی تھی۔ جو لوگ ان کے دروازہ پر شب و روز جبہ ریزی کرتے تھے ان کے اعزاز و احترام کو ہر موقع پر مد نظر رکھتے تھے اب اپنے گروہوں میں تنہا و تنہا تھا۔ ان کی تیوریوں پر بل تھا ان کا طرز عمل گستاخانہ تھا

ایسا صدمہ کہ خلافت جو ان کا جائز حق تھا اس سے محروم ہو جانا۔ جناب فاطمہ کا ترکہ پدری سے محروم ہونا۔ پھر ان کی دائمی جدائی یہ ایسے روح فرسا مصائب ہیں کہ اگر پتھروں پر پڑتے تو ان کی رگوں سے خون جاری ہو جاتا

(۳) زیر حق گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر محنت شاقہ کے بعد قرآن کا موافق تنزیل جمع کرنا اور پھر اس کا رد کیا جانا دل پر نہ گہرا زخم ڈال گیا جس کا اندمال عمر بھر نہ ہوا۔

(۴) سب سے بڑا صدمہ یہ تھا کہ جس دین اسلام کی نشو و نما میں حضرت رسولخدا نے ۲۳ سال محنت شاقہ کی تھی اور حضرت علی نے اس کی حفاظت میں بار بار اپنی جان جوکھوں میں ڈالی تھی اس کا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا اور حکومت الہیہ کے قوانین نہایت سرعت کے ساتھ بدلتے چلے جا رہے تھے۔

(۵) امور سلطنت میں ان کا کوئی دخل نہ تھا ہاں جب کوئی مشکل قضیہ دربار خلافت میں آتا اور اس کا فیصلہ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تو علی یاد آتے آپ اس کا فیصلہ کر دیتے ایک ہادی دین کا یہ فریضہ ہوتا ہے۔

(۶) لوگ کہتے ہیں بیعت کر لی تھی لیکن اگر ایسا ہوتا تو اس زمانہ کے محاربات میں کسی طرف آپ کو بھی سپہ سالار بنا کر بھیجا جاتا۔ نہ حکومت کی طرف سے کوئی تحریک ہوئی اور نہ آپ کی طرف سے اس کی خواہش یہ ثبوت ہے اس کا کہ آپ نے بیعت نہیں کی تھی ورنہ ان معرکہ آرائیوں میں حصہ لینا ضروری ہو جاتا۔ دوسری وجہ عدم شرکت کی یہ بھی تھی کہ آپ ان محاربات کو جائز نہیں جانتے تھے۔

(۷) آپ نے اس زمانہ میں یہ دلخراش واقعہ بھی سنا کہ مالک بن نویرہ ایک قبیلہ کا سردار مرد عبادت گزار دوستدار اہلبیت اس جرم میں مرتد قرار دیکر قتل کر دیا گیا کہ اس نے حضرت ابوبکر کے پاس زکوٰۃ اس لئے نہ بھیجی تھی کہ وہ ان کو خلیفہ برحق نہیں سمجھتا تھا۔ خالد فوج لے کر اس کی سرکوبی کو بھیجے گئے مالک نے یقین دلایا کہ مرتد نہیں مسلمان ہوں نماز پڑھتا ہوں مگر خالد نے ایک نہ سنی اور اس بے گناہ کو قتل کر دیا۔ اگر صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہوتا تو رفع دفع ہو جاتا مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا حضرت خالد جن کو سیف اللہ کہا جاتا ہے مالک کی بی بی پر جو بے حد حسین تھی مائل ہو گئے تھے اور مالک کا کانٹا بیچ میں سے ہٹانا چاہتے تھے چنانچہ اسی رات کو بغیر عدہ کا انتظار کئے مجامعت کر بیٹھے۔ حضرت عمر خالد کی اس حرکت پر بہت غضبناک ہوئے اور اس کو سزا دینی چاہی مگر حضرت ابوبکر راضی نہ ہوئے۔ حضرت رسولخدا کے مرتے ہی احکام الہی کی یہ حرمتی حضرت علی کو سخت ناگوار ہوئی۔

(۸) حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں سے ملنا ترک کر دیا تھا۔ کیا ملتے ایسے لوگوں سے جو دین کو چھوڑ کر دنیا کی طرف مائل ہو گئے تھے اور حق و ناحق کی شناخت کھو بیٹھے تھے ہاں اگر کوئی مسئلہ معلوم کرنے آتا تو اس کو جواب دیدیتے

خلافت حضرت ابوبکر کے متعلق حضرت ابو قحافہ کی رائے

جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو ان کے باپ ابو قحافہ طائف میں تھے۔ حضرت ابوبکر نے ان کے نام حسب ذیل خط لکھا جسے ہم احتجاج طبرسی علیہ الرحمہ سے نقل کرتے ہیں۔

من ابی بکر خلیفۃ رسول اللہ الی ابی قحافۃ۔ اما بعد فان الناس قد تراضوا بی فانی الیوم خلیفۃ اللہ فلو قدمت علینا کان احسن بک۔ (یہ خط ابوبکر خلیفہ رسول کی طرف سے ابو قحافہ کے نام ہے۔ اما بعد لوگ میری خلافت پر راضی ہو گئے ہیں پس اب میں اللہ کا خلیفہ ہوں۔ اگر آپ میرے پاس آ جائیں تو آپ کے لئے بہتر ہوگا)

جب یہ خط ابو قحافہ نے پڑھا تو قاصد سے پوچھا، مامنعکم من علی (تم نے علیؑ کو کیوں نہ خلیفہ بنایا)، اس نے کہا کان ہو حدث السن وقد اکثر القتل من قریش (وہ کم سن تھے دوسرے انہوں نے قریش کے بہت سے آدمی قتل کئے تھے)، "وابوبکر اسن منہ" (اور ابوبکر سن میں ان سے زیادہ تھے)، قال ابو قحافہ ان کان الامر فی ذلک بالسن فانا احق من ابی بکر لقد ظلموا علیاً حقہ وقد بایع لہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وامرنا ببیعتہ (ابو قحافہ نے فرمایا اگر استحقاق خلافت بلحاظ سن ہے تو میں ابوبکر سے زیادہ مستحق ہوں لوگوں نے علیؑ کا حق نہ دے کر ان پر ظلم کیا رسول اللہ نے ان کے لئے بیعت لی تھی اور ہمیں ان کی بیعت کا حکم دیا تھا۔

پھر خط کا جواب یوں لکھا۔ اما بعد فقد اتانی کتابک فوجدتہ کتاب احمق ینقض بعضہ بعضاً مرۃ تقول خلیفۃ اللہ ومرۃ تقول خلیفۃ رسول اللہ ومرۃ تقول تراضی بی الناس وہو امر ملتبس فلا تدخلن فی امر یصعب علیک الخروج منہ غداً ویکون عقباک منہ الی الندامۃ وملامۃ النفس اللوامۃ لدی الحساب یوم القیامۃ فان للامور مداخل ومخارج وانت تعرف من ہو اولی منک بہا فراقب اللہ کما تراہ ولا تدعن صاحبہا فان ترکہا الیوم اخف علیک (تمہارا خط ملا جس میں لغو باتیں ہیں بعض کے خلاف ہیں ایک جگہ اپنے کو خلیفہ خدا لکھتے ہو دوسری جگہ خلیفہ رسول پھر لکھتے ہو لوگ میری خلافت پر راضی ہو گئے یہ امر شبہ ہو گیا تم اپنے کو ایسی جگہ نہ ڈالو جہاں سے کل کو نکلنا مشکل ہو یا آخرت میں ندامت اور یوم حساب تمہارا نفس تم کو ملامت کرے تم جانتے ہو کہ تم سے بہتر کون ہے اللہ پر اس طرح نظر رکھو گویا تم اس کو دیکھتے ہو مستحق خلافت کو مت چھوڑو ورنہ کل تمہارے لئے باعث خفت ہوگا،

جب حضرت ابوبکر خلیفہ بنائے گئے تھے ان کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس سن میں آدمی کے قوائے بدنی مضمحل ہو جاتے ہیں اور ذہنی صلاحیتوں میں کمزوری آ جاتی ہے اور غور و فکر کے زیادہ بار اٹھانے کی طاقت نہیں رہتی۔ یہ فطرت کا قانون ہے جو نہ کبھی بدلا اور نہ بدلے گا غالباً اسی وجہ سے وہ یہ عظیم الشان بار اٹھانے کے لئے تیار نہ تھے وہ مرد صاف گو تھے چنانچہ بیعت کے بعد ہی پہلے خطبہ میں انہوں نے اس کا اظہار بھی فرما دیا تھا مگر حضرت عمر نے ان کو ابھارا غالباً اس خیال سے کہ لوگ انکی بزرگی کا خیال کر کے زیادہ مخالفت نہ کریں گے یا اس لئے کہ ایک دو سال بعد جب مر جائیں گے تو میری خلافت کے لئے میدان صاف ہو جائے گا

حضرت ابوبکر نرم طبیعت بھی تھے اور رحمدل بھی چنانچہ جب جناب فاطمہ نے اپنا وثیقہ دکھایا تھا تو انہوں نے مان لیا تھا اور واگزاشت کی ایک تحریر لکھ دی تھی مگر حضرت عمر کے آگے انکی چلتی نہ تھی چنانچہ حضرت عمر نے جب وہ وثیقہ اور تحریر پھاڑ دی تو وہ کچھ کر نہ سکے
جب حضرت فاطمہ نے ان سے احتجاج کیا تھا اور سب مصائب بیان کئے تھے تو وہ رو دئے تھے اور معذرت بھی کی تھی مگر حضرت عمر پر انکو قابو نہ تھا

احتجاج امیر المومنین علیہ السلام

کہا جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام خلافت نہ ملنے پر قوم کے سامنے کوئی احتجاج نہیں کیا لہذا ہم احتجاج طبرسی سے اُن احتجاجات کا خلاصہ درج کرتے ہیں جو حضرت علی و فاطمہ نے مختلف اوقات میں مہاجرین و انصار دونوں کے سامنے کئے ہیں

مہاجرین اور انصار دونوں کے سامنے جب وہ مسجد رسول میں تھے

اے مہاجرین و انصار! خدا کے لیے میرے معاملہ میں اپنے نبی کے معاہدہ کو نہ بھولو اور حکومت کو محمد کے گھر سے نکال کر اپنے گھر نہ لیجاؤ اور اس کے اہل کو ان کے حق سے محروم نہ کرو۔ اے لوگو بے شک اللہ کا حکم ہو چکا اور اللہ اس کے متعلق اپنا فیصلہ دے چکا اور رسول تم سے زیادہ جاننے والے تھے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اہلبیت تم سے زیادہ حقدار ہیں کیا وہ قاری کتاب اللہ اور فقیہ فی دین اللہ اور امر رعیت میں تم سے زیادہ نہیں۔ خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ تمہیں حق سے بُعد ہو جائے گا

یہ سنکر انصار کی ایک جماعت کہنے لگی۔ اگر آپ پہلے ہم سے یہ باتیں کرتے تو ہم میں سے کوئی آپ کے خلاف نہ کہتا مگر اب تو ابوبکر کی بیعت ہو چکی لہذا مجبوری ہے۔ حضرت نے فرمایا کیا رسول کو بے غسل کفن چھوڑ کر تمہارے پاس آجاتا اور حکومت کے لئے جھگڑا کرنے لگتا واللہ مجھے اس کا ڈر نہ تھا کہ میرے ہوتے کوئی دوسرا اس کے لئے نامزد ہوگا اور ہم اہلبیت سے جھگڑا کرے گا۔ کیا میں نہیں جانتا تھا کہ رسول نے یوم غدیر کوئی حجت باقی نہ رکھی تھی۔ میں تم سے بقسم پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے یوم غدیر رسول کو یہ کہتے نہیں سنا تھا "من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ اللہم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ

زید بن ارقم نے کہا کہ بارہ بدری صحابیوں (سلمان۔ ابوذر۔ مقداد۔ عمار۔ بریدہ اسلمی۔ ابوالہیثم بن تیہان۔ سہل و عثمان فرزندان حنیف۔ خزیمہ بن ثابت۔ ذوالشہادتین۔ اُبی ابن کعب۔ ابوایوب) نے گواہی دی کہ ہم نے حضرت سے سنا تھا۔ حضرت علی کی یہ تقریر سنکر مجمع میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور آوازیں بلند ہوئیں۔ حضرت عمر نے حسن تدبیر سے مجمع کو منتشر کر دیا

اس کے بعد انصار میں سے کچھ لوگ حضرت علی کے پاس آئے اور کہنے لگے ہمیں اس کا ملال ہے کہ آپ نے اپنا حق چھوڑ دیا حالانکہ آپ سب سے زیادہ حقدار ہیں اور ان سب سے افضل ہیں ہم نے رسول اللہ سے سنا ہے علی مع الحق والحق مع علی ہم نے آپ کی نصرت کا ارادہ کیا ہے ان انصار کے ساتھ پانچ مہاجر بھی تھے ان سب نے کہا ہم آپ سے مشورہ کرنے آئے ہیں اگر آپ حکم دیں تو ہم ابوبکر کو منبر سے اتار دیں۔ فرمایا اگر تم نے ایسا کیا تو جنگ چھڑ جائے گی اور تم ایسے ہو جیسے آٹے میں نمک یا آنکھ میں سرمہ۔ اگر جنگ ہونے لگی تو وہ برہنہ تلواریں لے کر میرے پاس آئیں گے۔ اور کہیں گے یا تو بیعت کرو ورنہ ہم قتل کر دیں گے اس وقت مجھے ان سے لامحالہ مدافعانہ جنگ کرنا پڑ جائے گی اور یہ منشائے رسول کے خلاف ہوگا آنحضرت نے مرض الموت میں مجھ سے فرمایا تھا کہ میرے بعد میری امت تم سے غدر کرے گی، میرے عہد کو توڑ دے گی اور تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی۔ میں نے پوچھا تھا یا رسول اللہ مجھے کیا کرنا چاہئے فرمایا اگر مددگار پاؤ تو جنگ کرنا ورنہ ہاتھ روک لینا اور اپنے خون کو محفوظ رکھنا یہاں تک کہ تم مظلوم میرے پاس آؤ پس رسول کے مرنے کے بعد میں ان کے غسل و کفن میں مشغول ہو گیا۔ بعد فراغ میں نے قسم کھائی کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گا سوائے نماز کے ردا کندھے پر نہ ڈالوں گا۔ پس میں نے ایسا کیا پھر میں نے فاطمہ

اور اپنے دونوں بیٹوں حسن و حسین کا ہاتھ پکڑا اور اہل بدر اور سابقین اسلام کے پاس آیا اور میں نے اپنے حق کی قسم دے کر ان کو حضرت کے لئے بلایا مگر سوائے چار کے جو سلمان و ابوذر و عمار و مقداد تھے اور کوئی نہ آیا۔ پس اے لوگو تم اللہ سے ڈرو اور سکوت اختیار کرو اور تم قوم کے بعض افراد کے پاس جاؤ اور جو کچھ مجھ سے سنا ہے اُن سے بیان کرو یعنی اپنے نبی کا قول تاکہ ہماری حجت اور زیادہ موکد ہو جائے اور لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ ان حضرات کو رسول اللہ سے کتنا بُعد ہے

پس یہ سب مسجد میں آئے اور منبر رسول کے گرد جمع ہوئے جمعہ کا دن تھا ابوبکر نے منبر پر جا کر کہا اے گروہ مہاجرین و انصار اگر تمہیں کچھ کہنا ہے تو آگے آ کر کہو۔ انصار نے مہاجرین سے کہا پہلے تم بولو اس کے بعد پہلے مہاجرین نے پھر انصار نے حضرت علی کے حقوق اور ان کے متعلق رسول کے ارشادات بیان کئے اور اس بات پر زور دیا کہ خلافت علی کا حق ہے مگر جو بات پہلے سے طے ہو گئی تھی اُس کو نہ ہلا

احتجاج حضرت فاطمہ زہراؑ

غصب فدک کے بعد جناب فاطمہ اپنے ساتھ زنان بنی ہاشم کو لے کر مسجد رسول میں آئیں وہاں ابوبکر اور تمام مہاجر و انصار جمع تھے آپ کو دیکھ کر سب لوگ رونے لگے جب آواز گریہ کم ہوئی تو آپ حمد و ثنا کے بعد پہلے تو حضرت رسول خدا کے احسانات بیان کئے پھر اہل مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا اے خدا کے بندو تم امر و نہی دین کے قائم کرنے والے ہو اور تم اللہ کے امینوں میں سے ہو اپنے نفسوں اور دیگر امتوں پر تبلیغ کرنے والے ہو کتاب خدا پر ایمان لانے والے ہو جو ناطق اور قرآن صادق ہے اور نور ساطع اور ضیاء لامع ہے اس کی بصیرتیں کھلی ہوئی اور اس کے بھید روشن ہیں اور وہ اپنے پیروؤں کو رضائے الٰہی کی طرف لیجانے والا ہے اور اس کا سننا نجات کی طرف پہنچانے والا ہے ... یا ایہا الناس ہماری اطاعت ملت کی بہتری کے لئے ہے اور ہماری امامت فرقہ بندی سے امان ہے اور صلہ رحم باعث درازی عمر ہے اور قصاص سے خونریزی کی روک تھام ہے اور وفائے نذر باعث مغفرت ہے (اس کے بعد بہت سی نصیحتیں کیں پھر فرمایا)

لوگو! جان لو کہ میں فاطمہ ہوں میرے باپ محمد مصطفےٰ ہیں میں جو کچھ کہتی ہوں سچ کہتی ہوں میں غلط گو نہیں۔ میں کوئی کام غلط نہیں کرتی پھر یہ آیت پڑھی لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم بالمؤمنین رؤف رحیم۔ پس اگر تم ان کی عزت کرتے ہو اور ان کو پہچانتے ہو تو تم ان کی عورتوں کو تمام عورتوں سے اور ان کے ابن عم کو تمام مردوں سے ضرور ممتاز سمجھتے ہوگے۔ کیونکہ انہوں نے مشرکوں کی سرکوبی کی ہے اور بڑے بڑے شجاعوں کو نیچا دکھایا ہے اور لشکروں کو شکست دی ہے اور راہ خدا کی طرف لوگوں کو دعوت دی ہے اور بتوں کو توڑا پھوڑا ہے یہاں تک کہ بت پرست بھاگ کھڑے ہوئے اور حق ظاہر ہو گیا اور شیاطین کی زبانیں بند ہو گئیں کفر کی گرہیں کھل گئیں اور تم نے کلمہ اخلاص کو سمجھا ورنہ تم ہلاکت کی آگ کے کنارے کھڑے تھے حد درجہ ذلیل تھے اور اس سے ڈرتے تھے کہ لوگ تم پر حملہ کر کے تمہیں تباہ و برباد کر دیں اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفےٰ کی وجہ سے تمہیں بچا لیا اور کفار نے جو جنگ کی آگ بھڑکائی تھی اسے بجھا دیا اور شیطان کا زور گھٹ گیا رسول اللہ نے کس طرح طرح سے نصیحتیں کیں اور تم عسرت سے نکل کر عیش میں آئے اور ہنسی خوشی اُن کی زندگی بسر کرنے لگے۔ جب اللہ نے اپنے نبی کو اٹھا لیا تو تم میں نفاق کے کینہ نے جگہ پائی دین کے

پردے چاک ہو گئے اور گمراہ لوگوں کی زبان کھل گئی اور گمنام لوگ نکل کھڑے ہوئے اور باطل پرستوں کی بن آئی جس سے وہ تمہارے میدانوں میں چلنے پھرنے لگے اور شیطان نے اپنا سر نکال کر بہکانا شروع کیا تم نے اس کی دعوت کو قبول کیا پھر اس نے تمہیں ابھارا اور تمہیں خفیف العقل پاکر بلا کسب ہی لاڈلا اور اس گھاٹ پر پانی پلانے لے گیا جو تمہارا نہ تھا۔ ابھی رسول کو مرے زیادہ زمانہ نہیں گزرا میرا زخم گہرا ہو چکا ہے اور اندمال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ تم لوگ فتنوں میں جا پڑے ہو۔ افسوس ہے تمہاری حالت پر یہ تمہیں کیا ہو گیا کہاں بہکے جا رہے ہو حالانکہ کتاب خدا تمہارے سامنے ہے اس کے احکام موجود ہیں اور اس کے جھنڈے بلند ہیں اور اس کی زجر و توبیخ ظاہر ہے اور اس کا حکم واضح ہے۔ تم نے ان سب باتوں کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے خلاف حکم دینے لگے۔ یاد رکھو ظالموں کے لئے برا بدلہ ہے۔ جو کوئی اسلام کے سوا دوسرا دین اختیار کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارہ میں رہے گا۔ تم نے عداوت کی آگ بھڑکائی اور نفاق کی چنگاریوں کو ہوا دی اور تم نے شیطان کی آواز پر لبیک کہا دین کے روشن چراغوں کو بجھایا اور نبی کی سنتوں کو بھول گئے۔ تمہارا گمان یہ ہے کہ میراث نبی میں ہمارا حصہ نہیں۔ تم جاہلیت کے حکم پر عامل ہو بھلا خدا سے بہتر حکم دینے والا کون ہے کیا تم نہیں جانتے حالانکہ یہ آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے

اے مسلمانو! میں تمہارے رسول کی بیٹی ہوں رسول کی میراث پر ابن ابو قحافہ نے قبضہ کر لیا ہے کیا کتاب خدا میں یہ ہے کہ وہ تو اپنے باپ کی میراث پائے اور میں نہ پاؤں یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تم نے دیدہ و دانستہ کتاب خدا کو چھوڑ دیا خدا فرماتا ہے ورث سلیمان داؤد۔ یحیی کے متعلق ہے کہ زکریا نے دعا کی فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب اور یہ بھی فرمایا ہے اولی الارحام بعضھم اولی ببعض اور فرماتا ہے یوصیکم فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین اور فرماتا ہے ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین۔ تمہارا گمان ہے کہ میرے باپ کے لئے میراث نہیں اور ہمارے درمیان صلہ رحم نہیں۔ کیا تمہارے پاس کوئی آیت ہے کہ خدا نے میرے باپ کو اس حکم سے خارج کر دیا ہے یا تم یہ کہتے ہو کہ دو مختلف مذہب والے میراث نہیں پاتے تو میں اور میرے باپ تو ایک ہی مذہب والے ہیں۔ کیا تم عموم و خصوص قرآن کے جاننے والے ہو میرے باپ اور ان کے ابن عم سے زیادہ۔ سمجھ لو یوم حشر تم سے مواخذہ ہوگا۔ اللہ کا حکم سب سے بالاتر ہے وہاں کے سردار محمد ہوں گے اور وعدہ گاہ قیامت کا دن ہے جہاں باطل پرست خسارہ میں ہوں گے اور وہاں تم کو کوئی چیز نفع نہ دے گی اور تم نادم ہو گے۔ عنقریب تم جان لو گے کہ کیسے ذلیل کرنے والے عذاب کا سامنا ہے

پھر انصار کی طرف رخ کر کے فرمایا اے ملت کے مددگارو اے اسلام کے نقیبو یہ میرے حق میں کیا اندھیر ہے۔ کیا رسول اللہ میرے باپ نہ تھے ہر شخص اپنی اولاد کے لئے ترکہ چھوڑتا ہے پھر اپنے باپ کے ترکہ کی اکیلی میں کیوں نہیں، میرے باپ کا مرنا ایک عظیم مصیبت ہے ان کے مرنے سے زمین تاریک ہو گئی اور ستارے بے نور ہو گئے اور پہاڑ لرز گئے اور ان کی موت سے حرمت جاتی رہی۔ واللہ یہ مصیبت بڑی اور آفت عظمی ہے اس کی مثل کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی اور نہ آنے والی ہے۔ کیونکہ خدا نے تمہارے بارہ میں اطلاع دی ہے وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین۔ اے لوگو میری میراث ضائع ہو رہی ہے اور تمہاری موجودگی میں تم سن رہے ہو حالانکہ تم تعداد میں کافی ہو تمہارے پاس سامان حرب اور قوت بھی ہے۔ کیا غضب ہے تم میری بات کا جواب نہیں دیتے میں فریاد کر رہی ہوں اور تم نہیں سنتے

حالانکہ تم جنگ کرنے میں مشہور ہو اور خیر و صلاح سے وابستہ ہو اہل بیت رسولؐ نے عرب سے جنگ کی اور بہت سی مصیبتیں اٹھائیں
لیکن جب اسلام کی چکی ہماری طرف کو چلی اور شرک کا قلعہ فتح ہو گیا اور باطل کے سیلاب کا زور گھٹ گیا اور کفر کی آگ بجھ گئی
اور نظامِ دین قائم ہو گیا تو اس کے بعد تم کہاں چھپ گئے اور قدم بڑھا کر پیچھے ہٹ گئے اور ایمان کے بعد شرک اختیار کر لیا افسوس ہے
اس قوم پر جو ایمان لانے کے بعد اپنے عہد کو توڑ دے۔ افسوس تم حق سے دور ہو گئے اور مکر و فریب کی طرف مڑ گئے اور زندگی
کو چھوڑ کر تنگی میں جا پہنچے۔ یاد رکھو اگر تم اور تمام روئے زمین والے کفر اختیار کر لیں تو خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم کو میری معرفت
کسی تم ہے اور کتنے جلد تمہارے دل میری طرف سے پھر گئے۔ میں رسول زادی ہوں اور تم کو عذاب خدا سے ڈراتی ہوں۔ اس کے عذاب
کا انتظار کرو میں بھی انتظار کرتی ہوں۔

حضرت ابوبکر نے کہا اے بنت رسولؐ آپ کے باپ مومنین پر بڑے مہربان و شفیق تھے اور کافروں کے لئے باعث عذاب الیم تھے۔ تم سے نہیں
محبت کرے گا مگر سعید اور تم سے بغض نہ رکھے گا مگر شقی۔ تم عترت رسول ہو۔ پاک و پاکیزہ ہو۔ خدا کے منتخب بندوں میں ہو۔ تمہارا راستہ
جنت کی طرف ہے۔ تم زنانِ عالم میں سب سے بہتر ہو خیر الانبیا کی بیٹی ہو اپنے قول میں سچی ہو۔ و نور عقل میں تمام ہو۔ واللہ میں نے رسول کے
خلاف نہیں کیا انہوں نے فرمایا ہے نحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ ہمارا ورثہ سونا چاندی، گھر بار نہیں
بلکہ کتاب و حکمت اور علم و نبوت ہے اور ہمارے ذریعہ طعام کا مالک وہ حاکم ہے جو ہمارے بعد ہو گا تاکہ وہ اس میں حکمت سے حکم دے
جو کچھ میں نے تمہارا لیا ہے اس سے ہتھیار خریدے جائیں گے تاکہ مسلمان ان سے جہاد کریں اور یہ امر باجماع مسلمین کیا گیا ہے میں اس میں
اکیلا نہیں ہوں اور میں نے اپنی رائے میں کوئی ظلم نہیں کیا ہاں میرا مال آپ لے سکتی ہیں میں اس کو آپ سے بچانا نہیں چاہتا۔ میری ملکیت
میں ہر طرح کا تمہیں اختیار ہے میں آپ کے باپ کے خلاف نہیں کر سکتا۔

جناب فاطمہ نے کہا سبحان اللہ کیا رسول احکام کتاب خدا کے خلاف کوئی بات کہہ سکتے تھے وہ تو اس پر عمل کرنے والے تھے تم غلط کہہ کر اس
پر دلیل بھی لاتے ہو اور وہ بھی آنحضرت کی وفات کے بعد ایسا کہتے ہو کتاب خدا صاف صاف میراث انبیا کو بیان کر رہی ہے میرے باپ
کی حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی یہ تمہیں تمہارے نفس نے دھوکہ دیا ہے ہمیں تمہارے مال کی خواستگار نہیں بہرحال اب اس معاملہ
میں سوائے صبر چارہ کار نہیں۔ میں اس معاملہ کو اللہ کی سپرد کرتی ہوں

جناب سیدہ کی یہ تقریر سن کر بعض مہاجر و انصار رو پڑے اور انہوں نے حق سیدہ عالم کی تائید میں بڑی پر زور تقریریں کیں مگر سب
بے اثر رہیں

خلافت ثانیہ اور حضرت علی

حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ فتوحات ملکیہ تھا یہی اس حکومت کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسلامی فوجیں دریائے مواج کی طرح ہر طرف مار دھاڑ کر رہی تھیں اور اسلامی پرچم لہراتی چلی جاتی تھیں ملک پر ملک دھڑا دھڑ فتح ہو رہے تھے اور ملکوں ملکوں سے بکثرت مال غنیمت کھچا چلا آ رہا تھا۔ مسلمانوں کی شجاعت کی دلوں پر دھاک بیٹھ گئی۔ لڑے اور خوب لڑے بستیوں کی بستیاں تباہ کر دیں خون کے دریا بہا دیے لاشوں سے میدان پاٹ دیے۔ دلوں کی بجائے جسموں پر حکومت بڑھتی چلی گئی۔ اسلامی سلطنت کے حدود کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ حضرت خود کہیں نہیں لڑے بلکہ لشکر بھیجتے رہے۔ لیکن اس ترقی کے ساتھ روح اسلام مضمحل ہوتی چلی گئی پایا کم اور کھویا زیادہ دین سے دنیا آگے بڑھ گئی اور مادیت نے اپنے پھندوں میں روحانیت کی گردن پھانس لی۔ دولت تو ضرور بڑھ گئی مگر ایمان گھٹ گیا۔ حکومت الٰہیہ کے قوانین کی تبدیلی اور کسرائی آئین حکومت نے لی فقر و استغنا کی بزم قدس میں عیش و نشاط کی پریاں چھم چھم ناچنے لگیں۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے یہ تیرہ برس کا زمانہ نہایت خاموشی اور صبر و ضبط سے گزارا آپ کو امور سلطنت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہاں اگر کسی امر خیر میں مشورہ لیا جاتا تو بحیثیت ہادی برحق ہونے کے اس میں رائے ضرور دیتے یا جو مشکل قضایا دربار خلافت میں آتے اور حضرت عمر ان کو حل نہ کر سکتے تو انہیں فیصلہ کے لیے علی کے پاس بھیج دیتے۔ آپ قرآن و حدیث کی رو سے ان کا فیصلہ کر دیتے۔ ایک دو بار نہیں ستر یا بہتر بار ایسا ہوا اور حضرت عمر نے بطور شکریہ فرمایا لولا علی لہلک عمر (اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا)

حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر وصیت کی رو سے خلیفہ ہوئے یعنی جب حضرت ابوبکر کے مرنے کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ میرے بعد عمر خلیفہ ہوں گے۔ معلوم نہیں وہ پہلا قاعدہ اجماع امت کا دو ہی سال بعد کیوں منسوخ ہو گیا جمہوری نظام سلطنت میں تو خلیفہ کا انتخاب رائے عامہ سے ہونا چاہیے تھا۔ جب حضرت رسولخدا نے مرض الموت میں وصیت کرنا چاہی تھی تو یہ کہہ کر روک دیا گیا تھا کہ کتاب خدا ہمیں کافی ہے کسی وصیت وغیرہ کی ضرورت نہیں امت خود اپنا حاکم بنا لے گی لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ نہ تو حضرت ابوبکر کی خلافت کے وقت قرآن کھول کر دیکھا گیا اور نہ حضرت عمر کی خلافت کے وقت قرآن سے فیصلہ چاہا گیا۔ خیر حضرت ابوبکر کی خلافت کے وقت تو ٹوٹا پھوٹا برائے نام اجماع کیا تھا لیکن حضرت عمر کی خلافت کے وقت تو اس کا نام ہی نہ آیا۔ اگر اسلام میں جمہوریت ہے تو اس کا وصیت سے کیا تعلق وصیت تو شخصی حکومتوں میں چلتی ہے نہ کہ جمہوریت میں۔

حضرت عمر کے زمانہ میں فتوحات تو بے شمار ہوئیں اور مسلمانوں کو مال بھی اتنا ملا کہ جو کمبل پوش تھے وہ حریر و دیبا کے لباس میں آ گئے۔ چمڑے کے خیموں میں رہنے والے زرنگار محلوں میں مخمل و کمخواب کی مسندوں پر لوٹنے لگے جن کے قبضہ میں چپہ بھر زمین نہ تھی وہ جاگیرداری کی گدیوں پر بیٹھ گئے ان کے مویشیوں سے چراگاہیں اور غلاموں اور کنیزوں سے مکانوں کے احاطے چھلک اٹھے۔ یہ سب کچھ تو ہوتا رہا دیکھنا یہ ہے کہ انکی دینی تعلیم کا کیا بندوبست ہوا۔ ان کے شبستانوں میں چراغاں تو ہوا لیکن دماغوں میں تاریکی چھائی رہی۔ وہ اقوام عالم

پر اپنی فتوحات کی دھمک تو بٹھاتے رہے لیکن فلسفہ اسلام کا نقش اُن کے دل پر نہ جاسکے کیونکہ خود اس سے نا واقف تھے۔ یہ دیکھا کہ دوسروں کے عقاید پر چھاپہ مارتے الٹے اور دوسروں کے رنگ میں رنگ گئے یونانی رومی ایرانی فلاسفہ نے جب اپنے اپنے عقاید پر زور دلایل پیش کئے تو یہ انکی تردید سے عاجز رہے اور بجائے ان کو اپنا بنانے کے ان کے عقاید فاسدہ کو اپنانے لگے جب خاتمہ انداز سے اپنے وطن لوٹے قرآن کا اسلام وہ اسلام نہ تھا جس کی تعلیم رسول نے دی تھی۔ اب وہ رویت باری تعالی کے قایل تھے اب وہ ہمہ اوست کا دم بھرتے تھے اب وہ مسئلہ تناسخ پر ایمان لائے ہوئے تھے اب وہ خیر و شر من اللہ کے قایل تھے اب وہ بندہ کو مجبور محض سمجھنے لگے۔ نتیجہ ہوا کہ ایک دین بہت سے فرقوں میں تقسیم ہو گیا اور روح اسلام اپنی نورانیت کھو بیٹھی

ہم نے تمام تاریخوں کو کھنگال ڈالا کہیں یہ پتہ نہ چلا کہ مسلمان غازیوں اور جاہل بحت مجاہدوں کی تعلیم کا کیا بندوبست تھا صرف نماز پڑھ لینے سے تو فلسفہ الٰہیات کے پیچیدہ مسائل خود بخود تو دل میں نہیں اتر جاتے اور جب تک ان کا صحیح علم نہ ہو منازل معرفت کیونکر طے ہو سکتے ہیں اور جب تک رسول سے وابستگی نہ ہو اور احکام الٰہی کا علم نہ ہو دوسروں کو سچا مسلمان کیسے بنایا جا سکتا ہے آنحضرت کی تبلیغ کا مقصد دین کو ہر طرف پھیلانا تھا نہ کہ آبادی کا بڑھانا اور ممالک کے حدود میں وسعت پیدا کرنا۔

اس زمانہ میں نہ مکاتب تھے نہ مدارس نہ اسکول تھے نہ کالج عقاید اسلامی کی تمام تر تعلیم کا بار سربراہ مملکت کے ان خطبوں پر ہوتا تھا جو وقتاً فوقتاً وہ منبر پر بیان کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر کے خطبے الٰہیات اور مابعد الطبیعات کے متعلق ہماری نظر سے نہیں گزرے

حضرت عمر کی فتوحات کے سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ سامنے آتا ہے کہ انھوں نے حضرت علی کو کسی فوج کا سردار بنا کر کہیں کیوں نہ بھیجا۔ غور کرنے پر اس کے چند سبب معلوم ہوتے ہیں

(۱) اگر حضرت علی نے ان سے بیعت کر لی ہوتی تو وہ ضرور بھیجے اور حضرت کو ان کے حکم کو ماننا پڑتا۔ یہ بیعت نہ کرنے کا پکا ثبوت ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ایک بہادر کو جس نے کسی معرکہ میں شکست کھائی ہی نہ ہو جو بدر و احد و خندق و خیبر جیسے معرکوں کا فاتح ہو اس سے کسی مہم پر خروج کشی کے لئے نہ کہا جاتا۔

(۲) دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ اپنی فتوحات میں کسی صورت سے بھی حضرت علی کی شرکت نہیں چاہتے تھے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کی وفات کے بعد حضرت علی کے روحانی وقار کو جو زبردست دھچکا لگا تھا حضرت عمر نہیں چاہتے تھے کہ اسلامی دائرہ میں وہ نمایاں حیثیت سے ابھر کر آئے اور مسلمانوں پر ان کو حکومت کرنے کا موقع ملے۔ اس میں بڑا خطرہ یہ تھا کہ لوگوں کو حضرت علی کی حکومت کا دوسری حکومتوں سے مقابلہ کرنے کا موقع ملجاتا۔

(۴) ایک یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت عمر کے قواعد جنگ اور تھے اور حضرت علی کے اور دونوں میں موافقت ناممکن تھی

(۵) سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت علی ان فتوحات کو اسلامی نقطۂ نظر سے جایز قرار نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ مدافعانہ نہ تھیں بلکہ جارحانہ تھیں جس کی اجازت اسلام نے نہیں دی حضرت رسولخدا نے کسی جنگ میں نہ تو پہل کی اور نہ دائرہ مملکت بڑھانے کی نیت سے کی آپ صرف ذیل صورتوں میں جنگ کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

(۱) جب دشمن مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے چڑھائی کرے تو اس سے مدافعانہ جنگ کرنا واجب ہوتا ہے

(۲) جب یہ پتہ چلے کہ کوئی قوم مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہی ہے لہذا اس کی روک تھام ضروری ہوتی ہے

(۲) جنگ سے پہلے دعوت اسلام دی جائے در صورت انکار صلح کے طریقہ پر ان کو حلیف بنایا جائے اور ان سے معاہدہ کیا جائے
یا وہ ذمی بنکر حدود اسلامی میں رہیں۔ جب کسی بات کو نہ مانتے تھے تو ان کے شر کا دفعیہ واجب ہو جاتا تھا
(۳) کسی ہمسایہ ملک کو محض زمین یا زبان کی دولت اور املاک کی نظر سے چڑھائی کرنا اسلامی جنگ نہیں بلکہ یہ وہی جارحانہ جنگ
ہوگی جو دنیا کے سلاطین آئے دن لڑتے رہتے ہیں۔
اسلامی جنگ کے قواعد بھی خاص ہیں۔ جب فوجیں روانہ ہوں تو راہ میں پبلک کے کھیتوں اور باغوں کو تباہ نہ کریں بستیوں میں آگ لگائیں
دشمن پر پانی بند نہ کریں۔ جو پناہ میں آنا چاہیں انہیں پناہ دیں۔ جو سپاہی جنگ سے زخمی ہو کر بھاگے اس کا پیچھا نہ کریں اور عورتوں بچوں
کو قتل نہ کریں۔ مقتولین کے ناک کان نہ کاٹیں۔ غلاموں اور کنیزوں کو اذیت نہ دیں۔ بہ جبر کسی کو مسلمان نہ کریں
چونکہ اس عہد کے محاربات میں ان امور کا لحاظ نہ تھا لہذا حضرت علی کیسے شرکت کر سکتے تھے

عقد ام کلثوم

لوگ کہتے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا حضرت عمر کی زوجیت میں تھیں لیکن ہماری سمجھ میں تو یہ بے تکی بات آتی نہیں
(۱) ام کلثوم بنت فاطمہ بلحاظ رشتہ حضرت عمر کی سوتیلی نواسی کی لڑکی تھیں یعنی حضرت عمر ام کلثوم کے پر نانا لگتے تھے کیا حضرت عمر کی حمیت
و غیرت و بزرگی نے یہ تقاضہ کیا ہوگا کہ وہ نواسی کے گھر دولہا بن کر جائیں اور نواسی کو چاہے وہ سوتیلی ہی سہی اپنی ساس بنانا پسند
کریں تو حضرت عمر سے یہ امید نہیں ہو سکتی معمولی لوگ بھی ایسے رشتے پسند نہیں کرتے چہ جائیکہ حضرت عمر جو امیر المومنین کہلاتے تھے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیرووں نے یہ ان کے فضائل میں ایک مضحکہ خیز اضافہ کیا ہے
(۲) ازدواجی تعلقات میں عورت اور مرد کے سن کا بڑا لحاظ ہوتا ہے۔ حضرت عمر ساٹھ سال کے پیٹے میں تھے اور ام کلثوم بنت فاطمہ
کی عمر پانچ چھ سال کی ہوگی۔ حد بلوغ کو پہنچنے سے پہلے ہی ایسی بے تک شادی کیسے سمجھ میں آئے۔ جسمانی قوتیں تو حضرت عمر کی ختم ہو چکی
ہونگی پھر اس شادی سے فائدہ اور وہ بھی ایک نابالغ لڑکی سے
(۴) ماشاء اللہ حضرت عمر صاحب اولاد تھے بہوؤں والے تھے لہذا اولاد کی ہوس بھی اس کی محرک نہیں ہو سکتی
(۵) حضرت علی سے ان کے تعلقات بھی اچھے نہ تھے خلافت ابو بکر کے بعد جو کچھ سلوک وہ اہلبیت رسول کے ساتھ کر چکے تھے اور حضرت
فاطمہ پر ان کی سخت گیری سے جو کچھ گزر چکی تھی وہ بھی ان کی نظر میں تھی ایسی حالت میں انہیں کیونکر یہ امید ہو سکتی تھی کہ جناب فاطمہ ان کو اپنا داماد
بنانے پر راضی ہو جائیں گی
(۶) اگر یہ رشتہ حضرت علی نے سطوت عمر سے مرعوب ہو کر کیا تو حضرت علی اتنے کمزور دل کے آدمی نہ تھے وہ جان دیدیتے اور اس امر
کو گوارا نہ کرتے اور اگر بفرض محال حضرت عمر کی ایذا رسانی کے خوف سے مجبور ہو کر ایسا کرتے تو جو عقد جبر او قہراً ہو اوہ صحیح کیسے ہوگا۔
تاوقتیکہ طرفین راضی نہوں عقد صحیح ہوتا ہی نہیں۔ چونکہ ام کلثوم کم سن تھیں لہذا عقد ہوتا تو ولایت علی سے ہوتا اور علی مجبور کئے جاتے
تو جبر کی صورت صحت عقد کے لئے مانع تھی

(۷) اگر یہ رشتہ ہوگیا ہوتا تو حضرت علی اور حضرت عمر کے باہمی تعلقات میں ہمواری و استواری پیدا ہو جانی چاہیئے تھی اور حضرت فاطمہ کو انکی طرف سے اتنی بیزاری نہ ہوتی چاہیئے تھی کہ مرتے دم تک ان سے کلام نہ کریں اور اپنے جنازہ پر آنے کی ممانعت کردیں۔

(۸) مورخین کو یا تو اس بارہ میں دھوکہ ہوا ہے یا پھر از راہ تعصب ایسا لکھنے پر مجبور ہوئے۔ واقعہ کی صحیح صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ دختر ام کلثوم بنت ابوبکر ہونگی جو بطن اسما بنت عمیس سے تھیں۔ جب حضرت ابوبکر کے انتقال کے بعد حضرت علی نے اسماء سے عقد کیا تو یہ صاحبزادی اور محمد بن ابی بکر ان کے ساتھ آئے۔ یہ دونوں حضرت علی کی پرورش میں رہے چونکہ حضرت عائشہ کی سوتیلی بہن تھیں اس لئے انھوں نے بخوشی یہ عقد کر دیا ہوگا چونکہ عرب میں لے پالک کو اولاد ہی شمار کیا جاتا تھا لہذا مورخین نے دھوکہ کھا کر بنت فاطمہ لکھ مارا۔ تاریخ تو دو سو برس بعد لکھی گئی اتنے عرصہ کے بعد خاندان رسول کے صحیح حالات بتانے والا کون تھا۔

(۹) بنی امیہ کے عہد حکومت میں ایک کیا معلوم کتنے قصے توہین اہلبیت کے متعلق تصنیف کئے گئے۔ انہی میں سے ایک یہ بھی۔ یہ قصہ محض اسلئے گڑھا گیا کہ حضرت عمر اور حضرت علی کے درمیاں محبت کے تعلقات دکھائے جائیں۔

(۱۰) کہا جاتا ہے کہ اس خاندان سے حصول برکت کے لئے یہ رشتہ چاہتے تھے۔ لیکن رشتہ داری تو حضرت حفصہ کے زوجیت رسول میں آنے کے بعد حاصل ہو چکی تھی۔ اگر اس خاندان کو ایسا ہی بابرکت سمجھتے تھے کہ ان سے منسلک ہو جانا آخرت میں کچھ کام آنے والا تھا تو پھر بعد وفات رسول وہ واقعات کیوں پیش آئے جنہوں نے تاریخ کے اوراق کو سیاہ بنا دیا اور آل رسول کے کلیجے زخمی کر دئے

چونکہ عقد ام کلثوم کے سلسلہ میں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور بکثرت تردیدی مضامین شایع ہو چکے ہیں اور ہم بھی ایک کتابچہ اس سلسلہ میں لکھ چکے ہیں لہذا اتنے ہی لکھنے پر بس کرتے ہیں

حضرت علی اور عہد خلیفہ ثالث

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اپنے مرنے سے پہلے اپنے جانشین کے متعلق بہت سوچا کرتے تھے اور لوگ بھی تقاضا کرتے تھے کہ آپ بغیر جانشین معین کئے دنیا سے نہ جائیں۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ اپنے مرنے سے پہلے حضرت عمر کو بھی اپنے جانشین بنانے کی فکر تھی اور قوم کو بھی فکر تھی لیکن نہ تھی تو حضرت رسولخدا کو کہ انھوں نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہ کیا اور بغیر وصیت کئے ہی دنیا سے اٹھ گئے۔

جانشین انبیا ہمیشہ قدرت کی طرف سے ہوتا تھا خدا بذریعہ وحی انبیا کو بتاتا تھا اور وہ اس کا اعلان کرتے تھے اس کو خلافت بالنص کہتے تھے ہمارے رسول کے بعد انکی امت نے یہ اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا اور یہ عقیدہ بنا لیا اسلام ایک جمہوری نظام ہے اس کا سربراہ اجماع امت سے معین کیا جائے اگرچہ دس پانچ آدمیوں کا اجتماع اجماع تو نہیں کہلاتا تاہم کام نے پہلی بار یہی کچھ تو تھا اس کے بعد حضرت عمر کی خلافت کے وقت وہ بھی نہ رہا اور وہ صرف حضرت ابوبکر کی وصیت کی رو سے خلیفہ ہوگئے۔ حضرت عثمان کی خلافت کا وقت آیا تو اجماع رہا نہ وصیت بلکہ ایک تیسرا طریقہ ایجاد ہوگیا یعنی شوریٰ اس کی صورت یہ تھی کہ حکم دیا گیا کہ حضرت عمر کی وفات کے بعد انکے منتخب کردہ چھ ممبروں کو ایک مکان میں جمع کیا جائے اور ان سے رائے لی جائے اس کمیٹی کے صدر عبدالرحمن بن عوف

قرار داد یہ تھی کہ کمیٹی کے چھ ممبروں کے علاوہ جو ممبر ہیں اگر وہ سب کسی ایک پر متفق ہو جائیں تو فبہا اور اگر دونوں طرف برابر رائے ہو تو جدھر عبدالرحمن ہوں اس کو خلیفہ بنا دیا جائے ۔ اور اگر چار ایک پر متفق ہوں تو جو ایک مخالف ہو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر دو مخالف ہوں تو دونوں کو قتل کر دیا جائے ۔ ممبروں نے تو اپنے حق سے دست کشی اختیار کی معاملہ کا تعلق اب صرف دو سے رہ گیا ایک حضرت علی دوسرے حضرت عثمان ۔ چنانچہ عبدالرحمن بن عوف نے پہلے حضرت علی کو بلا کر کہا میں اس شرط پر آپ کو خلیفہ بنا دوں گا کہ آپ کتاب و سنت رسول اور سنت شیخین پر عمل کریں ۔ آپ نے فرمایا کتاب و سنت رسول کا ضرور اتباع کروں گا سنت شیخین کا نہیں جب یہی سوال حضرت عثمان سے کیا گیا تو انھوں نے صاف ہامی بھر لی اور خلافت ان کو مل گئی

اس واقعہ میں چند باتیں قابل غور ہیں ۔

(۱) اجماع و وصیت کو چھوڑ کر یہ تیسرا طریقہ خلیفہ سازی کا کیوں ایجاد کیا گیا ۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر اپنے بعد حضرت عثمان کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے لیکن یہ سمجھتے تھے کہ ان پر اجماع نہ ہو گا کیونکہ خاندان بنی امیہ سے لوگ بیزار تھے اور حضرت عثمان بنی امیہ سے تھے ۔ اب رہی ان کے حق میں وصیت تو وہ اس لئے نہ کی کہ آگے چل کر عوام کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ جمہوریت کا ڈھونگ ہی ڈھونگ تھا وصیت بعد وصیت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نظام شخصی حکومت کا سا نظر آتا ہے کہ جس کو چاہا اپنی مرضی سے بنا دیا عوامی نمائندوں سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا لہذا بہت سوچ سمجھ کر شوریٰ بنائی اور اس میں کچھ ایسے ایچ پیچ رکھے گئے اور ایسی شرائط لگائی گئیں کہ خلافت حضرت علی کی طرف جانے ہی نہ پائے اور اس کا رخ اس قبیلہ کی طرف مڑ جائے جو بنی ہاشم کا جانی دشمن تھا نیز یہ کہ اگر علی مخالفت کریں تو قتل ہو جائیں

(۲) حضرت عمر نے قتل کا یہ نیا جرم ایجاد کیا شریعت اسلام میں تو قاتل کی سزا قتل ہے نہ کہ اختلاف رائے کی کیا یہ قتل عمد نہیں کہلائے گا

(۳) شوریٰ کمیٹی میں چن چن کر ایسے لوگ رکھے گئے جو شدت کے ساتھ حضرت علی کے مخالف تھے ۔

(۴) حضرت رسول خدا نے بنی امیہ کے دنیوی اقتدار کی گل کل توڑ دی تھی وہ ایک سوکھے درخت کی مانند ہو گئے تھے جس کی جڑ کھوکھلی ہو چکی ہو آپ نے ان لوگوں کو کوئی عہدہ نہ دیا اور مولفۃ القلوب میں شمار کیا آپ جانتے تھے ان کا ایمان نمائشی ہے ۔ سب سے پہلے حضرت عمر نے اس کمزور درخت کو پانی دینا شروع کیا یعنی یزید ابن ابی سفیان کو ملک شام کا گورنر بنا دیا جب سے بنی امیہ کو حکومت میں شرکت کا موقع مل گیا اس کے مرنے کے بعد اس کے بھائی معاویہ کو وہیں کا گورنر بنایا گیا ۔ اس کے بعد جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو بنی امیہ کے گھروں میں گھی کے چراغ جل گئے اور مردہ ارادوں میں از سر نو جان پڑ گئی ۔ اسلام کی پوری حکومت ان کے قبضہ میں تھی جس سے وہ گیند کی طرح کھیلتے تھے

(۵) تمام مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمان کمزور پالیسی کے حکمراں تھے سیاسی سوجھ بوجھ ان میں کم تھی ۔ حد درجہ سے زیادہ کنبہ پرور انسان تھے اسی لئے بنی امیہ نے ان کی داد و دہش سے نہ صرف زیادہ فائدہ حاصل کیا بلکہ احکام شریعہ کی مخالفت اور توہین کرنے میں بے باک ہو گئے

(۶) فدک کا علاقہ جو بحق مسلمین ضبط کیا گیا تھا اسے حضرت عثمان نے اپنے عزیز خاص مروان بن الحکم کو بغیر کسی استحقاق کے عنایت فرما دیا اور وہ شخصی جاگیر ہو گیا ۔ ابتدا کیا تھی انتہا کیا ہوئی ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ۔

(۷) رفتہ رفتہ حضرت عثمان کے متعلق اصحاب رسول کو شکایات پیدا ہونے لگیں ایک ادیب کی رائے ہے صحابی رسول حضرت عمار

کو ان کے پاس نصیحت کرنے اور اپنی روش بدلنے کی غرض سے بھیجا۔ حضرت عمار نے ابھی دو چار فقرے کہے تھے کہ حضرت عثمان برافروختہ ہو گئے اور ان کو لاتوں اور گھونسوں سے بے تحاشا مارنا شروع کیا کئی لاتیں ان کے فوطوں پر ماریں جس سے ان کو عارضہ فتق لاحق ہو گیا اور وہ درد سے کراہتے ہوئے بمشکل تمام وہاں سے نکلے۔

جناب ابوذر رسول کے جلیل القدر صحابی تھے وہ شام گئے دمشق میں قیام کیا یہ دیکھا کہ بیت المال کا خزانہ بے دریغ عالی شان محلوں کی تعمیر۔ اور سامان آرائش کے خریدنے میں صرف ہو رہا ہے اور غریب رعایا بھوکوں مر رہی ہے انھوں نے سرزنش شروع کی امیر معاویہ نے ان کی شکایت دربار خلافت میں لکھ بھیجی یہاں سے حکمنامہ پہنچا کہ ابوذر کو برہنہ پشت اونٹ پر سوار کر کے بھیجدو اور راہ میں کہیں آرام نہ کرنے دینا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ اس حال میں مدینہ پہنچے کہ ان کی رانوں سے خون بہہ رہا تھا اور پنڈلیوں اور پیروں پر ورم تھا یہاں پہنچ کر ان کو جلا وطنی کا حکم سنایا گیا اور ربذہ جیسے اجڑ مقام پر ان کو بھیجا گیا جہاں انتہائی مصائب و آلام برداشت کرنے کے بعد رحلت فرمائی۔

جب اہل مصر نے حضرت عثمان کے رویہ سے تنگ آ کر ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور در پے قتل ہوئے تو محاصرہ کے آخر ایام میں ان کے مخالفین نے ان پر پانی بند کر دیا جب حضرت علی کو پتہ چلا تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں امام حسن اور امام حسین کو حکم دیا کہ وہ مشکیں پانی کی بھر کر لیجائیں اور جس طرح بنے حضرت عثمان تک یہ پانی پہنچا دیں۔ حضرت علی نے مخالفین حضرت عثمان کو ہر طرح سے سمجھایا بھی مگر وہ اس قدر مشتعل تھے کہ بغیر قتل کئے نہ رہے۔

حضرت علی کا عہد خلافت

تاریخ معودی۔ تاریخ الخمیس اور حبیب السیر میں ہے کہ حضرت کی بیعت قتل عثمان کے روز ہوئی اور بیعت عامہ چار روز بعد اس بیعت کا حال امیر المومنین کی زبانی سنئے (ترجمہ منقول از نہج البلاغہ)

اس وقت مجھے نہیں ڈرایا مگر اس حال نے کہ لوگ ٹڈی دل کی طرح جیسے بکثرت بجو کی گردن پر بال ہوتے ہیں مجھ پر ٹوٹے پڑتے تھے یہاں تک کہ حسنین کچلے گئے اور میرے پہلو چھل گئے یہ لوگ بھیڑوں کے گلے کی طرح میرے گرد جمع تھے جب میں بیعت لینے کیلئے اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت کرنے کے بعد توڑ دی دوسرا حق کے دائرہ سے باہر ہو گیا تیسرے نے ظلم و ستم آغاز کیا (یہ تین گروہ مارقین۔ ناکثین اور قاسطین کہلاتے ہیں) گویا انھوں نے خدا کا یہ کلام سنا ہی نہ تھا "یہ دار آخرت ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے روئے زمین پر اپنی برتری نہیں دکھائی اور فساد برپا نہیں کیا اور اچھا انجام متقی لوگوں کے لئے ہے"، ہاں ضرور ان لوگوں نے خدا کا یہ کلام سنا اور اچھی طرح سنا لیکن دنیا کی زیب و زینت ان کی نظروں میں سما گئی اور اس کی سجاوٹ انہیں اچھی معلوم ہوئی قسم خدا کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور ہواؤں کو چلایا اگر لوگوں کی موجودگی اور مددگاروں کی حاضری سے حجت تمام نہ ہوتی اور علما پر

خدا نے فرض نہ کیا ہوتا کہ چپ چاپ دین کی تباہی کو نہ دیکھیں اور ظالموں کی شکم سیری اور مظلوموں کی گرسنگی دیکھ کر خاموش نہ رہیں تو میں اب بھی ناقہ خلافت کو مطلق العنان چھوڑ دیتا اور آخر میں خلافت کو وہی پیالہ پلاتا جو پہلے پلا چکا تھا آگاہ ہو کہ یہ تمہاری دنیا میری نظر میں بکری کی چھینک سے بھی کم ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت اسلامیہ کا نظام اس حد تک ابتر ہو چکا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کسی طرح اس کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینا نہیں چاہتے تھے۔ جب لوگوں کا ہجوم آپ پر زیادہ ہوا اور آپ کو بُری طرح مجبور کیا گیا یہاں تک کہ قتل کی دھمکی بھی دی گئی تو آپ نے خلیفہ ہونا منظور کیا۔ وفات رسول کے بعد صرف تئیس برس کے اندر مسلمانوں کے عقاید و اعمال میں اس قدر تغیر و تبدل ہو گیا تھا کہ رسول کے زمانہ کا اسلام ہی نہ معلوم ہوتا تھا اور وہ امور لوگوں کے قلوب میں اس حد تک راسخ ہو گئے تھے کہ ان کا اپنی جگہ سے ہٹنا دشوار نظر آ رہا تھا۔ ہم مشتے نمونہ از خروارے و برگے از درختے لکھے دے رہے ہیں۔

(۱) عقاید میں۔

(۱) خلافت بجائے نصی کے اجماعی قرار دی گئی۔ پھر اس میں وصیت شوری اور قہر و غلبہ سب کچھ داخل ہو گیا

(۲) خیر و شر سب خدا ہی کی طرف سے ہے

(۳) بندہ اپنے افعال میں مجبور ہے بے حکم خدا وہ کچھ نہیں کر سکتا۔

(۴) وہ قادر مطلق ہے ایک نبی کے قاتل کو بھی بخش سکتا ہے

(۵) انبیا سے صدور گناہ ممکن ہے عمداً بھی اور سہواً بھی

(۶) انبیا قبل بعثت معصوم نہیں ہوتے۔

(۷) ایک امتی فعل انبیا پر اعتراض کر سکتا ہے

(۸) نبوت و حکومت دونوں علیحدہ علیحدہ منصب ہیں حکومت تحت نبوت نہیں

(۹) احکام شریعت میں ترمیم و تنسیخ ہو سکتی ہے

(۱۰) ایمان کے بعد نجات کے لئے عمل صالح کی ضرورت نہیں

(۱۱) اللہ قابل رویت ہے۔ قیامت میں وہ ایک تخت پر بیٹھا نظر آئے گا

(۱۲) خلیفہ وقت اپنی مرضی سے سب کچھ کر سکتا ہے

(۱۳) ہدایت کے لئے صرف کتاب خدا کافی ہے اس کے ساتھ کسی اور ہادی کی ضرورت نہیں۔

(۱۴) رسول کو ہذیان ہو سکتا ہے

(۱۵) رسول کے احکام کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے

(۱۶) رسول احکام وراثت سے مستثنیٰ ہے نہ وہ کسی کا وارث ہوتا ہے نہ کوئی اس کا

(۱۷) ہمارے رسول قبل بعثت اُمّی یعنی جاہل تھے

(۱۸) رسول جذبات محبت سے مغلوب ہو جاتے تھے

(۱۹) خلیفہ رسول کے لئے معصوم ہونا ضروری نہیں

(۲۰) منکر بیعت کو قتل کر دینا چاہئے۔

(۲) احکام شریعت میں تبدیلی

(۱) جس مسئلہ کا حل قرآن و شریعت میں نہ ہو حاکم وقت اس میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لے سکتا ہے

(۲) آیات متشابہات کی تاویل رائے اور قیاس سے کی جا سکتی ہے

(۳) قرآن کی اکثر آیات حضرت عمر کی رائے کے مطابق نازل ہوئی ہیں

(۴) اذان کا طریقہ حضرت عمر کا بنایا ہوا ہے

(۵) صبح کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ حضرت عمر نے کیا

(۶) متعۃ النساء اور حج تمتع دونوں کا رواج عہد رسول میں تھا حضرت عمر نے دونوں کو حرام قرار دیا

(۷) قرآن کی رو سے دو بار طلاق رجعی ہوتی ہے تیسری بار طلاق بائن حضرت عمر نے دوسری بار ہی طلاق بائن کا حکم دیدیا

(۸) شراب خوار کی سزا عہد رسول میں چالیس کوڑے تھی حضرت عمر نے اسی کوڑے کر دی

(۹) عہد رسالت میں کوئی بیت المال نہ تھا جو خراج آتا مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جاتا حضرت عمر نے بیت المال کی بنیاد ڈالی اور تقسیم کو ختم کیا

(۱۰) عہد رسالت میں ہر مسلمان سپاہی تھا اس کی کوئی تنخواہ نہ ہوتی تھی حضرت عمر نے ان کو تنخواہ دار بنایا اور چھاونیاں قائم کیں

(۱۱) نماز جنازہ میں پانچ کی جگہ چار تکبیریں کر دیں۔

(۱۲) نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم دیا

(۱۳) اولاد والی کنیزوں کی بیع و شریٰ حرام کر دی۔

(۱۴) قبل دعوت اسلام دئے ملکوں پر حملہ کا حکم دیا۔

مختصر یہ تھیں وہ باتیں جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو قبول خلافت سے بدرجہ کنارہ بنا دیا تھا لیکن جب لوگوں نے بے حد مجبور کیا تو آپ کو منظور کرنا پڑا لیکن پہلے ہی روز صاف صاف الفاظ میں کہدیا کہ اگر میری بیعت کرتے ہو تو چند باتوں کو مدنظر رکھو۔

(۱) میں کسی حالت میں حد شرع سے تجاوز نہ کرونگا۔

(۲) مقدمات کا فیصلہ کتاب خدا اور سنت رسول سے کرونگا سنت خلفاء سے نہیں

(۳) میں بیت المال سے اپنے لئے ایک درہم نہ لونگا

(۴) کسی کی طرفداری اور رو رعایت کی مجھ سے امید نہ رکھنا

(۵) تم میں سے کسی کو ظلم کرنے کی اجازت نہ دونگا چاہے وہ کسی پوزیشن کا کیوں نہ ہو

(۶) ہر شخص پر قانون شریعت کی پابندی لازم ہوگی خلاف ورزی پر میں اس سے مواخذہ ضرور کرونگا۔

جن لوگوں کو یہ امید تھی کہ اب بھی حضرت علی کی بیعت نہ ہوگی بیعت کی خبر سنتے ہی ان میں ہل چل مچ گئی اور یہ فکر ہوئی کہ آپ پر کوئی الزام لگا کر لوگوں کو آپ سے بدظن کر دیا جائے۔ پہلا کام یہ ہوا کہ ابوسفیان کی صاحبزادی ام حبیبہ زوجہ رسول نے بروایت مسعودی وحبیب السیر

نائلہ زوجہ عثمان کی کٹی ہوئی انگلیاں اور حضرت عثمان کا خون آلود پیراہن نعمان بن بشیر کے ہاتھ معاویہ کے پاس بھجوا دیا۔ جب سے بنی امیہ ان کے ساتھ دمشق گئے۔

حضرت علی پر قتل عثمان کا الزام

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضرت عثمان کی حکومت سے لوگ خوش نہیں تھے آئے دن ان کے عمال کی ظالمانہ کارروائیوں کی شکایتیں دربار خلافت میں آتی۔ یہی نہیں بلکہ ان پر کوئی توجہ نہ ہوتی تھی نتیجہ یہ کہ بے جا رعایتیں کر کے انھوں نے بنی امیہ کو سرکش بنا دیا تھا اور وہ قانون اسلام کی گرفت سے باہر ہوتے چلے جا رہے تھے۔ حکومت کے تمام کلیدی عہدے بنی امیہ کے پاس تھے جناب عائشہ بھی ان سے سخت ناراض تھیں ان کے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ کر مکہ چلی گئی تھیں طلحہ اور زبیر بھی ان سے بیزار تھے اور ان کے مخالفوں کی جماعت سے ملے ہوئے تھے۔ محاصرہ کے زمانہ میں انھوں نے بار بار معاویہ سے مدد مانگی لیکن دمشق سے ایک سپاہی بھی ان کی مدد کے لئے نہ آیا اس سلسلہ میں چند باتیں قابل غور ہیں

(۱) محاصرہ کے وقت کئی ہزار اصحاب رسول مدینہ میں موجود تھے کیا وجہ کہ وہ انکی مدد کے لئے گھر سے نہ نکلے

(۲) کیا وجہ کہ ان کے قتل کے بعد ان کے قاتلوں کو فوراً گرفتار نہ کیا گیا جو کچھ ہوا مدینہ والے اصحاب کی آنکھوں کے سامنے ہوا قاتل ڈھکے چھپے نہ تھے مدینہ کے گلی کوچوں میں کئی روز تک چلتے پھرتے رہے اہل مدینہ باسانی ان کو گرفتار کر سکتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے قتل پر راضی تھے

(۳) اگر گرفتار بالفرض نہیں کر سکتے تھے تو حضرت علی کی خلافت قائم ہونے پر ان کے نام تو بتا سکتے تھے اور ان کے پکڑ لانے پر زور تو دے سکتے تھے حکومت مرتضوی سے اس بارہ میں تعاون تو کر سکتے تھے۔

(۴) حضرت عثمان کی لاش تین روز بے غسل و کفن پڑی رہی مسلمانوں کی حمیت اسلامی جوش میں کیوں نہ آئی اور اپنے خلیفہ کی یہ توہین کیوں گوارا کی گئی۔ باغیوں سے لڑ بھڑ کر لاش لے کر دفن کر دینی چاہیے تھی۔ مسلمانان مدینہ ایسے کمزور تو نہ تھے۔ آخر یہ بے حسی ان میں کیوں پیدا ہوئی۔

(۵) غضب کی بات ہے کہ ایک خلیفہ رسول قبرستان یہود میں دفن کیا جائے اور مسلمان کچھ نہ کہیں خاموشی سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں

(۶) جناب عائشہ ایسے نازک وقت میں مدینہ چھوڑ کر مکہ کیوں گئیں وہ صاحب اثر تھیں اگر مخالفین حضرت عثمان کو ڈانٹتیں تو وہ ضرور قتل سے باز آ جاتے اور کچھ نہ ہوتا تو کم سے کم ان کے قاتلوں کو تو ضرور گرفتار کرا دیتیں۔ ان کی دو بھری آواز سنکر ضرور لوگ اپنے گھروں سے نکل پڑتے۔ قتل کے بعد جب مکہ سے واپس آئیں تب بھی خموشی سے کام لیا اس سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وہ ان کے قتل پر راضی تھیں۔

(۷) امیر معاویہ کے قبضہ میں ملک شام کا پورا پورا عسکری تھا تم ان کے سامنے بلوائیوں کی کیا چلتی لیکن باوجود بار بار امداد طلب کرنے کے وہ نہ آئے اور نہ اپنی فوج بھیجی ضرور اس میں ان کی کوئی گہری مصلحت ہو گی۔ بعد کے واقعات سے اس کی نقاب کشائی آخر ہو گئی۔

(۸) امیر المومنین علیہ السلام پر بہت کچھ سوچ بچار کے بعد یہ الزام لگایا گیا کہ قتل عثمان علی کے ایما سے ہوا ورنہ وہ قاتلوں کو گرفتار کر کے

ان کو سزا دیتے لیکن یہ الزام غلط ہے۔ اگر آپ کے سامنے ملزم گرفتار کر کے لائے جاتے اور عینی شہادتیں فراہم کی جاتیں تو ضرور آپ ان پر حد جاری کرتے آپ نے یہی بار بار فرمایا کہ ان کو گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ میں ضرور حد جاری کر دونگا۔ لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ ان کو گرفتار کر کے لاتا ایسی صورت میں جبکہ کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ ان کو لاتا پھر مقدمہ چلایا جاتا تو کس پر اور سزا دی جاتی تو کس کو

امیر معاویہ نے چونکہ حضرت علیؑ سے بہت بغض تھا اور وہ اپنے کو مطلق العنان بادشاہ بنانا چاہتے تھے لہٰذا شب و روز اس جوڑ توڑ میں لگے ہوئے تھے کہ حضرت علیؑ سے مسلمانوں کو بدظن بنانے کا کوئی موقع ملجائے۔ لہٰذا وہ اس منصوبہ میں کامیاب ہوئے کہ حضرت علیؑ پر قتل عثمان کا الزام لگا کر ان سے قصاص طلبی کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ حضرت عثمان کا خون آلود کرتا اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں مسجد دمشق کے منبر پر رکھوادی گئیں اور اہل دمشق کو جمع کر کے مظلومیت اور قتل کا پرزور افسانہ بیان کر کے اہل دمشق کو خوب خوب رلایا اور حضرت کی عداوت کی آگ ان جاہلوں کے دلوں میں اس حد تک بھڑکا دی کہ وہ حضرت علیؑ کے خون کے پیاسے بن گئے۔

حضرت کی حکومت اسلامی حکومت تھی

سواد اعظم کا یہ ایک پرانا اعتراض ہے کہ حضرت علیؑ سیاست میں کمزور تھے۔ ان کے زمانہ میں فتوحات سلسلہ بند ہو گیا تھا اور سب سے بڑی کمزوری انھوں نے یہ دکھائی کہ معاویہ جیسے سیاست دان کو انھوں نے اپنا مخالف بنا لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی سلطنت کا سارا زمانہ لڑائی جھگڑوں میں گزر گیا۔ آیئے اس اعتراض پر ایک تنقیدی نظر ڈالیں۔

حضرت نے خلافت پر بیعت ہو جانے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت عثمان کے زمانہ کے جو گورنر تھے ان کو یکقلم برخاست کر دیا۔ عبداللہ ابن عباس نے کہا معاویہ کا برخاست کرنا اس وقت خلاف مصلحت ہے وہ جاہ طلب اور حکومت کا دلدادہ ہے معزولی کا حکم پاتے ہی آپ کا دشمن ہو جائے گا اور آپ پر قتل عثمان کی تہمت لگا کر اہل شام کو بھڑکائے گا وہ نہایت چالاک و فتنہ پرداز ہے اسے قابو میں رکھنا ضروری ہے جب سلطنت جم جائے گی تو اس طرح نکال باہر کریں گے جیسے خمیر سے بال نکالتے ہیں حضرت نے فرمایا اے ابن عباس تمہاری نظر دنیوی مصلحت پر ہے اور میری نظر دینی مصلحت پر ہے رعایت دنیا اگر بغیر رعایت دین ہو تو نہ دین رہتا ہے نہ دنیا۔ ان گورنروں کی بے اعتدالیاں حد کو پہنچ گئی ہیں جن کے مظالم نے وہ تہلکہ مچایا جو قتل عثمان کا باعث ہوا میں امت رسول کو ان بدکردار حکمرانوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔ بندگان خدا کو ان کے مظالم سے نجات دلانا میرا پہلا فریضہ ہے (روضۃ الاحباب و حبیب السیر)

دنیوی سیاست کے دلدادہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی یہی تو سیاسی کمزوری تھی کہ وقت کی مصلحت کو نہیں جانتے تھے اسی نے ان کو آخر وقت تک پریشان رکھا اور ملکی فتوحات کا موقع نہ آنے دیا۔

ہم کہتے ہیں یہی تو ان کی وہ الٰہی سیاست تھی جس کا فقدان رسول کے بعد ہو گیا تھا اور جس کے واپس آنے کے لئے اہل ایمان ترس رہے تھے اور روروکر دعا مانگتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؑ کو خلافت کے قبول کرنے میں تامل ہو رہا تھا جس حکومت میں حقوق کا

کا تحفظ نہ ہو۔ یہاں حکمران اپنی رعایا کا خون نچوڑ رہی ہو جہاں حدود شریعت کی نگہبانی غیر ضروری سمجھی جاتی ہو علی کی نظر میں وہ اسلامی حکومت نہ تھی بلکہ عام دنیوی حکومت تھی

حضرت کو اپنے ایام حکومت میں اس لئے اطمینان نصیب نہ ہوا کہ مسلمانوں کا کردار نہایت پستی میں جا پڑا تھا اور دیانتداری اور حرام و حلال میں تمیز باقی نہ رہی تھی اور وہ مال غیر میں ناجائز تصرفات کے خوگر ہو چکے تھے۔ ایک خطبہ میں آپ نے فرمایا ہے کہ بنی امیہ مال خدا کو اس طرح لپ لپ کھاتے تھے جس طرح فصل ربیع میں اونٹ نباتات کو کھاتا ہے۔ وہ لوگ اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ علی کی حکومت میں ہوس رانی اور تن آسانی کو سر پھیلانے کا موقع نہیں مل سکتا اور نہ من مانی حکومت کرنے کی اجازت ہوگی وہ نہ لقمہ حرام خود کھا سکیں گے نہ دوسروں کو کھانے دیں گے۔ یہی خلافت علی سے ناراضی کی وجہ لیکن آپ نے قطعاً اس کی پرواہ نہ کی اور سیاست الہیہ کے جو اصول تھے اس پر سختی سے قائم رہے

دنیا کی حکومتیں جن اصول پر چل رہی ہیں اگر اسلامی حکومت بھی اسی راہ پر گامزن ہو تو اس میں اور غیر اسلامی حکومت میں فرق کیا ہو سکتا۔ حضرت علی ایسی حکومت کے سخت خلاف تھے اگرچہ ریاست نبویہ اور سیاست الہیہ کے جاری کرنے میں حضرت کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور بہت سے مسلمان آپ کے مخالف ہو گئے مگر آپ نے قطعاً اس کی پرواہ نہ کی اور دنیا والوں کو خوش کرنے کے لئے خدا کی ناخوشی مول نہ لی جو نظام سلطنت رسول اللہ نے قائم کیا تھا کہ اگر اسلامی حکومتیں اس پر قائم رہتیں تو فلاح دین و دنیا دونو حاصل ہو جاتیں مگر افسوس ایسا نہ ہوا اور بہت جلد قیصر و کسریٰ کے اصول سلطنت نے جگہ پائی

سیاست الہیہ کے قوانین

ہر زمانہ میں یہی ہوا ہے اور یہی ہوتا رہے گا کہ سلاطین روزگار جو قانون بناتے ہیں اس میں رعایا کے حقوق کا لحاظ کم ہوتا ہے اور اپنا زیادہ یہی وجہ ہے کہ رعایا کو اپنے ملکی قانون سے ہمیشہ شکایت رہتی ہے آئے دن انقلابات ہوتی ہیں کشت و خون ہوتا ہے اول دنیوی قوانین مبنی بر انصاف اس لئے نہیں ہوتے کہ ان میں خود غرضی اور نفع اندوزی کا عنصر غالب ہوتا ہے دوسرے قانون چاہے کتنا ہی مبنی بر انصاف ہو اگر اس کے نافذ کرنے والے خود غرض اور انصاف کش ہوں تو وہ رعایا کے حق میں مفید ہو سکتا ہے اور نہ اس ملک کے باشندے امن و سکون کی زندگی بسر کر سکتے ہیں

اسلامی قانون قرآن ہے جو بندوں کا نہیں بلکہ اس ذات پاک کا بنایا ہوا ہے جو رحمٰن و رحیم اور منصف و عادل ہے اس قانون میں حقوق عباد کی پوری پوری نگہداشت ہے کہیں ظلم کا شائبہ نہیں جس طرح یہ قانون اس نے خود بنایا ہے اسی طرح اس قانون کے نافذ کرنے والے بھی اس نے اپنے منتخب نمائندے رکھے ہیں جو من المہد الی اللحد معصوم ہوتے ہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کے بعد مسلمان اس قانون کو اپنی رائے اور قیاس کے سانچوں میں نہ ڈھالتے اور اپنی خود غرضیوں کو کام میں نہ لا کر اس کے احکام میں رد و بدل نہ کرتے تو اس تباہی کا منظر دیکھنا ہوا اس کے لئے ہر طرح کی ذلت و رسوائی کا باعث ہوئی۔

اب ہم بالاختصار ان اسلامی قوانین کا ذکر کرتے ہیں جو حکومت الٰہیہ کے اجزاء ہیں اور جن کو اپنی نظر میں حضرت علی علیہ السلام حکومت کرنا چاہتے تھے مگر ان کے دشمنوں نے رخنہ ڈال کہ ان کا مقصد پورا نہ ہونے دیا۔

(۱) بادشاہ کو قانون اسلامی پر پورا عبور حاصل ہو۔ وہ دوسروں کی تعلیم کا نفاذ قانون کے وقت محتاج نہ ہو

(۲) بادشاہ سختی کے ساتھ اس قانون پر خود عامل ہو

(۳) وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسی لومۃ لائم کا خیال نہ کرے اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے

(۴) ہر معاملہ میں عدل سے کام لے کسی کی رو رعایت نہ کرے۔

(۵) حقوق الناس اور حقوق اللہ کی نگہداشت میں ذرہ برابر بھی فروگزاشت نہ کرے

(۶) مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچائے

(۷) شرعی حدود جاری کرنے میں ذرا پس و پیش نہ کرے

(۸) ظالم سے حق مظلوم کو دلانے میں سستی نہ کرے

(۹) غیر مستحق کے ساتھ رعایت کرنا جائز نہ جانے

(۱۰) امیر و غریب اس کی نظر میں یکساں ہوں

(۱۱) فریادیوں کی فریاد کان لگا کر سنے اور ان کی مصیبت دور کرنے میں کوتاہی نہ کرے

(۱۲) رعایا سے آزادانہ طور پر ملے جلے

(۱۳) اپنی سطوت و جبروت سے کسی کو ناجائز طور پر مرعوب نہ کرے

(۱۴) ایسی سیدھی سادی زندگی بسر کرے کہ غریب سے غریب آدمی کو اس پر رشک نہ آئے

(۱۵) بیت المال سے اپنے جائز حق کے سوا کچھ نہ لے۔

(۱۶) بیت المال میں تمام مسلمانوں کا حق سمجھے

(۱۷) خود فاقہ کرے مگر حتی الامکان رعایا کو فاقہ سے بچائے۔

(۱۸) رعایا کے عقائد کو درست رکھنے میں کوشاں ہو ان کی تعلیم کا صحیح معنی میں بندوبست کرے

(۱۹) یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کے آزوقہ کا بندوبست کرے

(۲۰) سرکش قوتوں سے لڑ کر حدود مملکت کی حفاظت کرے

(۲۱) اپنے کو خود ایک سپاہی کی حیثیت سے میدان حرب میں لائے اور فوج کے ساتھ خود بھی لڑے تاکہ فوج کا دل بڑھے

(۲۲) ہمیشہ مدافعانہ جنگ کرے جارحانہ نہیں

(۲۳) جب کسی قوم پر یلغار کرے تو راستہ میں بستیوں کو لوٹنے نہیں۔ گھروں کو جلائے نہیں زراعت کو پامال نہ کرے باغوں کو اجاڑے نہیں

(۲۴) ہمسایہ ملکوں کو کمزور دیکھ کر حملہ نہ کرے ہاں اگر ان سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو صلح کا پیغام دے اگر کسی طریقہ سے نہ مانیں تو پھر ان سے جنگ کرے بشرطیکہ وہ پہل کریں۔

(۲۵) میدان جنگ میں جو طالب امان ہو اسے امان دے
(۲۶) بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرے
(۲۷) عورتوں اور کم سن بچوں کو قتل نہ کرے
(۲۸) لوٹ کے مال میں سے ہر سپاہی کو بقدر اس کی کوشش کے حصہ دے۔
(۲۹)۔ بادشاہ نرم دل متواضع اور بردبار ہوتا ہے نہ کہ سنگدل درحالیکہ انقلاب
(۳۰) بادشاہ سب سے زیادہ عبادت گزار ہوتا ہے

یہ ہیں سیاست الہیہ کے قوانین اسلامی حکومتوں میں ان میں اکثر قوانین کا فقدان تھا۔ تمام قران پڑھ جائیے بادشاہ اسلام کے فرائض میں ملکوں کا فتح کرنا ڈھونڈا نہ ملے گا نہ یہ شرط نبوت ہے نہ خلافت و امامت لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت علی نے چونکہ ملک فتح نہیں کئے لہذا وہ سیاست میں کمزور تھے

حضرت علی اور جنگ جمل

جنگ جمل سے پہلے مسلمانوں کے درمیان کوئی باہمی جنگ نہیں ہوئی پہلا موقع تھا کہ یہ ناشدنی واقعہ پیش آیا اس جنگ کا پس منظر دکھانا بھی ضروری ہے۔

طلحہ اور زبیر مدینہ کے ذی اثر اور رو دار لوگوں میں سے تھے اور حکومت کے بری طرح خواہش مند تھے امیر المومنین کی خلافت قایم ہوتے ہی ان حضرات نے بیعت کرلی اور پھر طلحہ نے کوفہ کی گورنری کی اور زبیر نے بصرہ کی گورنری کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت علی چونکہ ان کی افتاد طبیعت سے واقف تھے لہذا انکار کر دیا۔ جب امید منقطع ہوئی تو امیر المومنین سے عمرہ کا بہانہ کرکے مکہ جانے کی اجازت چاہی حضرت نے بہت روکا مگر یہ نہ رکے اور روانہ ہو گئے اور دل میں ٹھان لی کہ ہم علی کو چین سے حکومت نہ کرنے دیں گے

مکہ میں جاکر کہا ہم نے مالک اشتر کی تلوار کے خوف سے بیعت کرلی تھی چونکہ علی نے قاتلان عثمان کا پتہ لگانے میں تاخیر دار کی ہے لہذا ہم ان کی بیعت سے آزاد ہوکر آگئے ہیں۔ بااثر لوگ ہونے کی وجہ سے ان کے پروپیگنڈے سے جاہل لوگ بھڑک اٹھے۔

جناب عائشہ اس زمانہ میں مکہ میں تھیں حضرت علی کی طرف سے ان کا دل پہلے ہی صاف نہ تھا اب ان کا خلیفہ ہونا نمک بر جراحت بن گیا۔ طلحہ و زبیر کے وہاں پہنچ جانے نے بھڑکتی آگ پر اور تیل ڈال دیا۔ غرض خون عثمان کا بدلہ لینے کی اسکیم مکمل ہوگئی اور لوگ ان کے پاس جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اعثم کوفی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جناب عائشہ نے حضرت علی سے لڑنے کے لئے طلب خون عثمان کو ایک بہانہ بنایا تھا۔ ڈیون پورٹ مورخ لکھتا ہے کہ عائشہ علی سے عداوت رکھتی تھیں۔ انھوں نے کھلے الفاظ میں کہا عثمان بے گناہ شہید ہوئے ہیں میں ان کے خون کا بدلہ ضرور لونگی۔

سوال یہ ہے کہ ام المومنین کس جہت سے خون عثمان کی دعویدار تھیں؟ نہ تو وہ ان کے قوم و قبیلہ سے تھیں نہ حاکم شرع تھیں

اور نہ ان کو شرعاً جہاد کرنے کی اجازت تھی اور نہ بحکم قرآن قرن فی بیوتکن ان کو گھر سے نکلنے کی اجازت تھی نہ وہ حضرت عثمان سے راضی تھیں۔ انھوں نے کئی بار یہ فقرہ کہا تھا اُقتلوا ھذا النعثل

بہر حال جب ان لوگوں نے یہ طے کر لیا کہ حضرت علی سے لڑنا چاہئے تو اب یہ سوچا تھا کہ جنگ ہو کہاں بہت سے غور و تامل کے بعد یہ طے پایا کہ بصرہ کو چلنا چاہئے۔ جناب عائشہ کی یہ بڑی خواہش تھی کہ ازواج بھی اس جنگ میں شریک ہوں تا کہ گھر سے نکلنے اور جنگ کرنے کا الزام سب پر تقسیم ہو جائے۔ سب سے پہلے جناب ام سلمہ کو دعوت نامہ بھیجا انھوں نے سختی سے مخالفت کی اور کہا آپ ناموس رسول ہیں آپ کو گھر میں بیٹھنا چاہئے نہ کہ در بدر پھرنا۔ آپ کا جنگ سے کیا تعلق کیونکہ جہاد عورتوں سے ساقط ہے آپ اُن سے خونِ عثمان کا بدلہ لینا چاہتی ہیں جو نفس رسول ہیں اور ان عثمان کے خون کا بدلہ لینے چلی ہیں جن کے متعلق کہا کرتی تھیں قاتل اللہ نعثلا۔ کیا تم نے علی کے متعلق رسول سے یہ نہیں سنا ہے کہ علی کی نافرمانی میری نافرمانی ہے

حضرت عائشہ نے ازواج سے بھی یہ درخواست کی مگر کوئی راضی نہ ہوئی۔ مگر چونکہ وہ جنگ کرنا طے کر چکی تھیں اس لئے مکہ سے بصرہ کو روانہ ہو گئیں روانگی کے وقت سعید بن العاص نے کہا آپ کہاں جا رہی ہیں انھوں نے کہا خون عثمان کا بدلہ لینے کے لئے۔ سعید نے کہا کہ قاتلانِ عثمان تو اسی لشکر کے سردار ہیں جو آپ کے ساتھ ہیں یعنی طلحہ اور زبیر جو خلافت کے خواہاں تھے۔ جب مقصد حاصل نہ ہوا تو کہتے ہیں ہم خون عثمان کا بدلہ لینے جا رہے ہیں۔ یہی مغیرہ بن شعبہ نے کہا اور یہ کہہ کر دونوں الگ ہو گئے (روضۃ الاحباب، تاریخ کامل۔ الامامہ والسیاسہ)

عبد اللہ بن زبیر کو سب سے زیادہ اس جنگ پر اصرار تھا وہی تھے جو ام المومنین کو بصرہ چلنے پر مجبور کر رہے تھے۔ بالآخر تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ یہ لوگ بصرہ روانہ ہو گئے۔ جب حضرت علی کو خبر ملی تو آپ مدینہ سے بروایت ابو الفدا چار ہزار کی جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حالانکہ حضرت کو بڑا قلق تھا کیونکہ اس جنگ میں ناموس رسول جناب عائشہ کا شمول تھا۔ آپ نے امام حسن، جناب عمار اور چند لوگوں کو کوفہ بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو آمادۂ جنگ کریں چنانچہ آٹھ ہزار کوفی وہاں سے آکر شامل جنگ ہو گئے۔ اویس قرنی علیہ الرحمہ جیسا مقدس انسان بھی راہ میں حضرت علی سے آملا۔ حضرت نے اپنی فوج کا ایک علمدار ان کو بھی بنایا۔

جب ام المومنین کو راہ میں حضرت علی کی روانگی کا حال معلوم ہوا تو عام راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ پر چلیں چلتے چلتے جب اس چشمہ پر پہنچیں جو ماء حواب کے نام سے مشہور تھا اور کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی تو ساربان سے پوچھا اس چشمہ کا کیا نام ہے اس نے کہا حواب یہ سنتے ہی انھوں نے با آواز بلند شور مچانا شروع کیا مجھے واپس لے چلو مجھے واپس لے چلو میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا میری بیبیوں میں سے ایک بیوی پر حواب کے کتے بھونکیں گے اے عائشہ خدا سے ڈرتی رہو کہیں وہ تم نہ ہو۔ لہٰذا مجھے واپس لے چلو مجھے واپس لے چلو۔ چونکہ ابن زبیر کو تو انہیں بصرہ لیجانا ہی تھا لہٰذا جھوٹی گواہیاں دلوا کر یہ ثابت کر دیا کہ یہ چشمہ حواب نہیں ہے۔

جب دونوں لشکر بصرہ پہنچ گئے اور جناب عائشہ اور طلحہ و زبیر تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ میدان میں نکل آئے اور حضرت عائشہ محمل کے اندر ایک اونٹ پر بیٹھی ہوئی لشکر کی کمان کرنے لگیں

حضرت علی نے سمجھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر کو پے در پے خطوط لکھے اور طلحہ و زبیر کو زبانی بھی سمجھایا خود وہاں جا کر سمجھایا

کون سنتا تھا آخر مجبوراً حضرت کو مقابلہ کرنا پڑا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے تو حضرت نے اتمام حجت کے لئے زبیر کو بلایا اور پند و نصیحت کا حق ادا کیا مگر چڑھی ندی کون اتارتا۔ جنگ چھڑ گئی اور سوکھی زمین پر مسلمانوں کے خون کا چھڑکاؤ ہونے لگا نتیجہ میں اصحاب جمل کو بری طرح شکست ہوئی۔ جب حضرت عائشہ لوگوں کو جنگ پر بھڑکانے سے کسی طرح نہ رکیں تو ان کے اونٹ کو پے کر دیا گیا جس کے بعد وہ مع ہودج زمین پر گر پڑیں۔ حضرت علی نے حکم دیا کہ پورے احترام کے ساتھ ان کو ایک خیمہ میں پہنچا دیا جائے طلحہ اور زبیر دونوں اس جنگ میں مارے گئے۔ البتہ ابن زبیر بچ گئے۔

امیر المومنین نے ابن عباس اور محمد بن ابی بکر کو حضرت عائشہ کے پاس بھیجا کہ جو کچھ آپ کو کرنا تھا کر چکیں اب آپ فوراً مدینہ جانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اگرچہ آپ نے میری مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی مگر آپ چونکہ زوجہ رسول ہیں لہذا میں آپ کا احترام مدنظر رکھتا ہوں جب وہ راضی نہ ہوئیں تو حضرت خود تشریف لے گئے اور سمجھانے کا حق تھا سمجھایا۔ لیکن وہ راضی نہ ہوئیں اور آپ ناکام واپس آئے دوسرے روز آپ نے امام حسن کی معرفت یہ پیغام بھیجا کہ آپ آج ہی مدینہ روانہ ہو جائیں ورنہ پھر میں وہ بات کہلا بھیجوں گا جس کو آپ بخوبی جانتی ہیں۔ جب امام حسن پہنچے تو وہ اس وقت کنگھی کر رہی تھیں۔ امام حسن سے یہ بات سنتے ہی کھڑی ہو گئیں اور سفر کی تیاری کرنے لگیں نہایت اضطراب ان کے چہرہ سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ایک عورت نے کہا ابن عباس اور علی کے کہنے پر تو آپ تیار نہ ہوئیں۔ اس جوان نے ایسا کیا کہہ دیا کہ آپ بے پس و پیش فوراً تیار ہو گئیں

انھوں نے کہا۔ رسول اللہ کے پاس ایک دن علی کچھ مال غنیمت لائے تھے۔ حضور اس کو قرابت داروں پر تقسیم کر رہے تھے ہم باہم نے جھگڑا کرنا شروع کر دیا۔ علی ہم کو جھڑکنے لگے کہ کیوں جھگڑا کر کے حضرت کو ایذا پہنچاتی ہو اس پر ہم نے بھی خوب برا بھلا کہا اس پر حضور کو بہت غصہ آیا اور علی سے فرمایا میں نے ان کو طلاق دینے کا حق اپنی طرف سے تم کو دیا۔ اس معاملہ میں نے تم کو اپنا وکیل بنایا جس کو تم طلاق دو گے وہ میری زوجیت سے خارج ہو جائے گی۔ میری وفات کے بعد بھی جسے چاہو طلاق دے سکتے ہو۔

اب اس جوان کے ذریعہ سے وہی بات کہلا کر بھیجی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں علی کی زبان سے وہی لفظ نہ نکل جائے جس کی تلافی ناممکن ہو (روضۃ الاحباب، حبیب السیر۔ اعثم کوفی۔ مناقب مرتضوی)

اس کے بعد حضرت علی نے پچاس عورتوں کو مردانہ لباس میں مسلح کر کے حکم دیا کہ پوری حفاظت کے ساتھ حضرت عائشہ کو مدینہ پہنچا دیں۔ اصحاب جمل پر فتح پانے کے بعد حضرت نے حکم دیا کہ نہ تو عورتوں کو کنیز بنایا جائے اور نہ ان کا مال لوٹا جائے اس پر لشکر والے بگڑ گئے کہ ہمیں مال غنیمت سے کیوں محروم کیا جا رہا ہے فرمایا اگر عورتوں کو گرفتار کر کے لوگوں پر تقسیم کروں تو زوجہ رسول کو بھی بطور کنیزی کسی کو دینا ہوگا بتاؤ تم میں کون ایسا ہے جو ناموس رسول کو اپنی کنیز بنانا گوارا کرے گا اور ان کا مال اپنا مال قرار دے گا

اور اگر ان کو مستثنیٰ کروں گا تو اور عورتوں کو یہ شکایت ہوگی کہ یہ خلاف انصاف ہے۔ جب وہ حکم خدا و رسول کے خلاف دار الحرب میں آ گئیں تو اب ہم میں اور ان میں کیا فرق رہا۔ کیا آپ لوگوں کو زوجہ رسول کی یہ توہین گوارا ہے میں نے یہ حکم زوجہ رسول کا احترام مدنظر رکھتے ہوئے دیا ہے

یہ ہے سیاست علویہ کی شان۔ جب اس سیاست کا مرکز بدلا تو دنیا نے دیکھ لیا جو سرزمین کربلا پر ہوا۔

تنقید و تبصرہ

ہم نے جنگ جمل کا واقعہ نہایت اختصار کے ساتھ درج کر دیا ہے تفصیلی حالات تاریخ اسلام میں دیکھئے۔ مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ اس جنگ میں ۲۰ ہزار مسلمان لشکر حضرت عائشہ سے اور ۵ ہزار لشکر علی سے مقتول ہوئے طلحہ اور زبیر بھی مارے گئے۔ اس ناگفتنی اور ناشدنی واقعہ کے متعلق ایک غور کرنے والا ذہن سوالات کا جواب تلاش کرتا ہے۔

(۱) حضرت طلحہ اور زبیر نے حضرت علی سے بیعت کر کے توڑ دی اور خلیفہ وقت کے خلاف سازش میں مصروف ہوئے اور ان کی وجہ سے ۲۰ ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ ان دونوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں یعنی ان دس لوگوں میں سے ہیں جن کے جنتی ہونے کی رسول اللہ نے بشارت دی ہے۔ ایسے ہولناک اقدام کے بعد ان کی پوزیشن کیا ہوگی؟

(۲) قرآن کہتا ہے بے جرم و قصور کسی مومن کو قتل کرنے والا جہنمی ہے تو ان ۲۰ ہزار کے قتل کا ذمہ دار کون ہوگا؟ عقلی فیصلہ یہی ہوگا جس نے جنگ کی ابتدا کی ہوگی نہ کہ دفاعی جنگ کرنے والا

(۳) حضرت طلحہ اور زبیر ہی وہ ہیں جنہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ کو جنگ پر آمادہ کیا اور ان کو وقرن فی بیوتکن کے خلاف نہ صرف عمل کرنے کی ترغیب دی بلکہ ان کو مکہ سے بصرہ پہنچایا اور ایک لشکر کا سپہ سالار بنایا اور قدرت کے اس قانون کو توڑا کہ جہاد عورتوں سے ساقط ہے۔ اس سلسلہ میں علمائے اسلام کے فتوے خاموش ہیں۔ شاید اس لئے کہ وہ صحابہ کرام میں ہیں صرف خطائے اجتہادی کا مسئلہ ان کی پوزیشن صاف کر دیتا ہے

(۴) یہ حدیث مدح صحابہ میں بیان کی جاتی ہے الصحابۃ کلھم عدول اصحابہ سب عادل ہیں جس کی چاہو پیروی کرو نجات پا جاؤ گے جنگ جمل میں دونوں طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کونسی پارٹی والوں کی اقتدا کی جائے

(۵) طلحہ و زبیر دونوں رسول اللہ کے صحابی تھے۔ ان کا کردار بہت بلند ہونا چاہئے تھا انھوں نے بیعت حضرت علی اس لئے توڑ دی کہ حضرت نے ان کو کوفہ و بصرہ کی حکومت نہیں دی تھی۔ کیا نکث بیعت کی یہ وجہ درست تھی؟

(۶) مورخین اسلام لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کے قتل میں طلحہ و زبیر کا ہاتھ تھا۔ کیا ایک مبشر بالجنۃ کے لئے یہ عمل درست تھا؟ کیا خلیفہ کے ساتھ یہ عمل اور دوسرے خلیفہ یعنی حضرت علی پر قتل حضرت عثمان کا اتہام لگانا ایک صحابی کی فضیلت میں کوئی نقص تو پیدا نہیں کرتا اگر کرتا ہے تو رسول نے ایسے شخص کو جنت کی بشارت کیوں دی۔

(۷) ام المومنین جناب عائشہ معاذ اللہ کوئی جاہل عورت نہ تھیں ان کے متعلق علمائے اہلسنت کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ علم فقہ و حدیث کی بڑی عالمہ تھیں ہر مسئلہ میں ان کا فتویٰ حرف آخر ہوتا تھا۔ تعجب ہے کہ ایسی ذی علم بی بی یہ آیت کیسے بھول گئیں وقرن فی بیوتکن (اے نبی کی بی بیو اپنے گھر میں نچلی بیٹھی رہو) بالفرض بھول بھی گئی تھیں تو جب ام المومنین حضرت ام سلمہ نے یاد دلایا تھا تو یاد آجانا چاہیے تھا۔

بہ حیثیت حرم محترم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کی ذات گرامی تو دوسروں کے لئے باعث ہدایت تھی اور کہا جاتا ہے کہ تمام ازواج میں ان کا مرتبہ سب سے بلند تھا۔ پھر انھوں نے جان بوجھ کر ایسا عمل کیوں اختیار کیا جسے کسی بی بی نے پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا اور سب نے ان کی دعوت کو رد کر دیا حتی کہ جناب حفصہ نے بھی جن سے ان کے بڑے گہرے تعلقات تھے عقل اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں قاصر ہے

کہا جاتا ہے کہ یہ خطائے اجتہادی تھی لیکن ایسی تھی کہ ہزار ہا مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہ گیا

(۸) ابن زبیر نے صحابہ زادہ اور جناب عائشہ کا بھانجا ہوتے ہوئے کیسا سفید جھوٹ بولا کہ چشمۂ حواب کے متعلق لوگوں سے جھوٹی گواہیاں دلوا کر یہ ثابت کیا کہ یہ چشمہ حواب نہیں ہے۔ اُن کی اس غلط بیانی نے ام المومنین کو کیسا پریشانی میں ڈالا اگر یہیں سے واپس ہو جاتیں تو جو الزامات ان پر عاید ہوئے ان سے بچ جاتیں۔

جنگ صفین اور حضرت علیؑ

امیر معاویہ کو حضرت علیؑ سے پرانی عداوت تھی ان کے خلیفہ ہوتے ہی وہ آگ بھڑک اٹھی وہ بہت پہلے سے مطلق العنان حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے اب جو قوم کو بغاوت پر آمادہ پایا تو ارادہ میں ایک نئی جان پڑ گئی۔ ایک بہانہ کی ضرورت تھی۔ حضرت عثمان کا خون آلود کرتا اور ان کی بی بی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں دمشق پہنچتے ہی حضرت علی سے لڑنے کا موقع ہاتھ آ گیا قتل کا ذمہ دار حضرت علی کو بنا کر قصاص طلبی پر لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا جاہل عوام کیا سمجھتے کہ اس میں کیا راز ہے اور واقعہ کی اصلیت کیا ہے دیوانہ ہوئے بس اس بات۔ پروپیگنڈے کی صورت یہ ہوئی کہ خون آلود کرتا اور کٹی ہوئی انگلیاں جامع مسجد کے منبر پر رکھوائی گئیں اور حکم ہوا کہ لوگ منبر کے گرد جمع ہو کر نوحہ خوانی کریں خطیبوں کو حکم ہوا کہ منبر پر جا کر بیان کریں کہ علی نے خلافت لینے کے لئے حضرت عثمان کو قتل کرایا ہے۔ شامی حضرت علی کے روحانی کمالات، اسلامی خدمات اور رسول کی محبت و قرابت سے قطعاً ناواقف تھے امیر صاحب نے کبھی علی کا نام تک لوگوں کی زبان پر نہ آنے دیا تھا۔ یہاں تو جو کچھ تھے بنی امیہ تھے اس واقعہ سے لوگ بہت جلد مشتعل ہو گئے اور قسمیں کھا کر کہنے لگے جب تک خون عثمان کا قصاص نہ لیں گے نہ تو نرم بستر پر سوئیں گے اور نہ ٹھنڈا پانی پئیں گے۔

اسی زمانہ میں عمرو عاص فلسطین سے دمشق پہنچ گئے معاویہ نے سبز باغ دکھا کر ان کو بھی اپنے سے ملا لیا۔ جس زمانہ میں حضرت علی جنگ جمل میں مصروف تھے معاویہ نے اپنی قوت بڑھا لی۔ سازشوں کے جال ہر طرف بچھا دئے گئے اور خزانوں کے منہ کھل گئے جب حضرت علی کو اس تیاری کا پتہ چلا تو آپ نے بھی تیاری شروع کی

حضرت کے پہنچنے سے پہلے شامی فوجیں صفین پہنچ گئیں اور جاتے ہی دریا کے گھاٹ پر پہرہ بٹھا دیا گیا اور سختی سے تاکید کر دی گئی کہ علی کی فوج میں پانی کا ایک قطرہ نہ جانے پائے۔ حضرت علی کا لشکر جب وہاں پہنچا اور یہ دیکھا کہ گھاٹ پر پہرہ بیٹھا ہوا ہے تو حضرت علی کے سالار لشکر مالک اشتر نے پہلے ہی حملہ میں شامیوں کو مار بھگایا اور پورے گھاٹ پر قابض ہو گئے اور لشکر معاویہ پر پانی بند کر دیا لیکن جب حضرت علی کو معلوم ہوا تو آپ نے اپنے لشکریوں سے فرمایا ایسا نہ کرو پانی کسی پر بند کرنا چاہیئے لوگوں نے کہا جب دشمن ایسا عمل کر چکا تو ہم کیوں نہ کریں فرمایا اگر میں بھی وہی عمل کروں جو معاویہ نے کیا ہے تو پھر میرے اور معاویہ کے درمیان فرق کیا رہے گا

صفین پہنچ کر معاویہ نے ضحاک بن قیس کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ راہ عراق پر متعین کیا کہ ادھر سے جو رسد آئے

اسے لوٹ لے اور رسد لانے والوں کو گرفتار کرے جب حضرت علی کو پتہ چلا تو فرمایا ابن جگرخوارہ کے بیٹے نے مجھے کس قدر مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ آپ نے پانچ سو سواروں کا دستہ ضحاک کے مقابلہ کو بھیجا۔ سخت جنگ ہوئی۔ آخر ضحاک شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

صفین میں فوجوں کا اجتماع ذی الحجہ ۳۶ھ میں ہوا تھا۔ ایک مہینہ تک تو چھوٹے چھوٹے حملے ہوتے رہے محرم آیا تو حضرت نے اس کے احترام میں لڑائی بند کر دی۔ اس اثنا میں آپ نے چند بار مصالحت کی کوشش کی مگر بے سود رہی آخر میں آپ نے بآواز بلند معاویہ سے کہا۔ بے وجہ کیوں خلق خدا کا خون کراتا ہے میدان میں آتا کہ میں اور تو لڑلیں اور ہاتھ کے ہاتھ فتح و شکست کا فیصلہ ہو جائے عمرو عاص نے کہا علی کہہ تو ٹھیک رہے ہیں جاؤ اور ان سے لڑو۔ معاویہ نے کہا تو مجھے قتل کرا کے خود بادشاہ بننا چاہتا ہے علی کی تلوار سے آج تک کوئی بچا بھی ہے تو خود کیوں نہیں جاتا۔ بہت کچھ ٹھوکے دینے کے بعد عمرو عاص میدان میں آئے حضرت علی بھیس بدل کر اس کے مقابلہ کو نکلے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا مقابلہ علی سے ہے تو ایک دم بھاگ کھڑا ہوا حضرت نے اس کا پیچھا کیا وہ خوف زدہ ہو کر گھوڑے سے گرا اور اپنے ستر کھول کر ٹانگیں اٹھا دیں۔ حضرت لاحول پڑھ کر واپس آئے۔ جب معاویہ کو معلوم ہوا تو بڑا مذاق اڑایا اور کہا تو اپنی شرمگاہ کا آزاد کردہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایسا حضرت علی نے طنزاً کہا تھا۔

اس جنگ میں کئی بار سخت رن پڑے خون کی ندیاں بہ گئیں۔ حضرت عمارؓ بھی شہید ہو گئے ان کی شہادت اس کا ثبوت ہے کہ معاویہ کا گروہ باغی تھا کیونکہ حضرت رسول خدا نے یہ فرمایا تھا کہ اے عمار تم کو گروہ باغی قتل کرے گا جب لوگوں نے معاویہ سے اس پیشگوئی کا ذکر کیا تو اس نے کہا عمار کا قاتل وہ ہے جو انہیں میدان جنگ میں لایا۔ جب حضرت علی نے اس کا یہ جواب سنا تو فرمایا اس لحاظ سے تو امیر حمزہ کے قاتل حضرت رسول خدا ہوئے۔

ایک روز مالک اشتر نے ایسا سخت حملہ کیا کہ شامیوں کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا مالک مارتے کاٹتے معاویہ کے خیمہ تک پہنچ گئے اس وقت معاویہ پر سخت ہیجانی اور اضطرابی کیفیت طاری تھی۔ عمرو عاص سے کہا جلد کوئی تدبیر کرو ورنہ میں اور تو دونوں قتل کر دیے جائیں گے۔ عمرو عاص نے فوراً یہ چال چلی کہ نیزوں پر قرآن بلند کیے جس کا منشا یہ تھا کہ ہم حکومت کا فیصلہ قرآن سے چاہتے ہیں یہ دیکھتے ہی حضرت علی کی فوج کے ہاتھ رک گئے۔ آپ نے فرمایا لڑے جاؤ یہ سب فریب ہے۔ میں ان چالوں کو خوب جانتا ہوں حضرت کی فوج میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو معاویہ سے ساز باز کر چکا تھا وہ سختی سے جنگ کا مخالف بن گیا اور کہنے لگا مالک کو جلد اپنے پاس بلائیے اور جنگ کو بند کیجیے ورنہ ہم آپ سے جنگ کریں گے حضرت نے مالک کو پیغام بھیجا۔ انھوں نے جواب دیا حضرت سے کہو یہ کون موقع بلانے کا ہے چند منٹ ٹھہرئیے معاویہ کا سر لا کر قدموں پر ڈالے دیتا ہوں۔ مگر وہ مخالف نے کہا جلد بلوائیے ورنہ ہم آپ کو یا تو قتل کر دیں گے یا پکڑ کر معاویہ کے حوالے کر دیں گے حضرت نے پھر کسی کو مالک کے پاس بھیجا کہ اگر آنے میں تاخیر کرو گے تو مجھے زندہ نہ پاؤ گے مالک مجبوراً جنگ بند کر کے حاضر خدمت ہو گئے۔ یہ انحراف کرنے والا گروہ خارجی کہلاتا ہے۔ الغرض یوں جیتی ہوئی لڑائی فریب کی نذر ہو گئی۔

اس کے بعد دونوں فوجوں کے درمیان یہ طے ہوا کہ دو حکم مقرر کیے جائیں جو ازروئے قرآن یہ فیصلہ کریں کہ مستحق خلافت علی ہیں یا معاویہ۔ ایک حکم علی کی طرف سے ہو دوسرا معاویہ کی طرف سے۔ حضرت علی اس واقعہ سے بہت شکستہ خاطر ہوئے مگر مجبوراً ایسا کرنا پڑا

آپ نے اپنی طرف سے عبداللہ بن عباس کو حکم مقرر کیا مگر باغی گروہ اس پر راضی نہ ہوا وہ تو معاویہ کے جال میں پھنس چکا تھا کہنے لگے وہ تو آپ کے رشتہ دار ہیں فرمایا اچھا میں مالک کو بناتا ہوں وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے اور کہنے لگے یہ تو آپ کی فوج کے جرنیل ہیں آپ کی ہی کہیں گے ہماری رائے یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری کو بنایا جائے۔ فرمایا وہ زیادہ سمجھ بوجھ کا آدمی نہیں اور کمزور طبیعت بھی ہے۔ دوسری طرف عمرو عاص جیسا چالاک آدمی ہے وہ اپنے فریب میں اسے لپیٹ لے گا مگر وہ نجابت پسند نہ مانے اور ابوموسیٰ ہی آپ کی طرف سے حکم بنائے گئے اور طے پایا کہ ماہ رمضان میں فیصلہ سننے کے لئے سب لوگ مقام دومۃ الجندل میں جمع ہوں اب دونوں فریق اپنے اپنے مقام پر واپس جائیں۔

یہ اقرار نامہ ماہ صفر ۳۷ھ میں لکھا گیا۔ حبیب السیر میں ہے کہ صفین میں نوے بار جنگ ہوئی اور ۱۱۰ دن فریقین کا وہاں قیام رہا۔ فوج شام کے ۴۵ ہزار اور فوج عراق کے ۲۵ ہزار کل ۷۰ ہزار مسلمانوں کا خون بہا۔ معاویہ کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوجی جوان تھے اور حضرت علی کے لشکر میں ۷۰ ہزار آدمی تھے۔

ابوموسیٰ کو باوجودیکہ طرح طرح سے سمجھا دیا تھا مگر وہ عمرو عاص کے فریب میں آ گئے صورت یہ ہوئی جب دومۃ الجندل میں دونوں فریق جمع ہوئے تو ابوموسیٰ اور عمرو عاص ایک علیحدہ مقام پر مشورہ کے لئے بیٹھے۔ عمرو عاص نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ علی اور معاویہ دونوں کو معزول کر کے ایک تیسرے شخص کو خلیفہ بنایا جائے تاکہ یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے ابوموسیٰ اس جھکمہ میں آ گئے۔ عمرو عاص نے کہا چونکہ آپ مجھ سے بزرگ ہیں لہذا مجمع کے سامنے پہلے آپ تقریر کریں اور کہیں ہم دونوں نے یہ طے کیا ہے کہ دونوں کو معزول کیا جائے اور ایک تیسرے کو خلیفہ بنایا جائے لہذا میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے علی کو معزول کیا۔ چنانچہ جب وہ یہ کہہ چکے تو عمرو عاص نے کھڑے ہو کر کہا چونکہ ابوموسیٰ علی کو معزول کر چکے لہذا میں تجویز کرتا ہوں کہ معاویہ کو خلیفہ مان لیا جائے۔ قصہ واقعہ ختم ہو گیا اور دمشق کا کالا جادو کام کر گیا۔ مجمع نے اس فیصلہ کو فریب پر محمول کیا۔ حضرت علی نے فرمایا دیکھو میں نے جو کہا تھا وہی ہوا ابوموسیٰ میں حکم بننے کی اہلیت نہ تھی ہمیں دھوکہ دیا گیا اور کھلا دھوکہ

واقعہ کے مختصر سے حصے ہماری نظر کے سامنے آ گئے اب ان پر ایک تنقیدی نظر ڈالئے

(۱) حضرت معاویہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کیا اور بجائے عمل رسول کی تاسی کرنے کے قیصر و کسریٰ کی شہنشاہیت کے اصول کو اپنایا اور رانہی کے طرز جہانبانی کو اختیار کر کے حریت اسلامی کا گلا گھونٹ دیا علامہ اقبال فرماتے ہیں

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

(۲) جب اسلام کے مقدس احاطہ میں بداعمالیوں کے بھوت دھما دھم کودنے لگے تو رحمت و برکت کے فرشتے پھر اڑ گئے زرنگار محلوں میں حریر و دیبا کے پردوں میں زرتار مسندوں میں چوکی پہروں میں شراب کی بدمستیوں میں خلیفہ رسول رہنے لگے تو اسلامی زہد و تقوے ٹوٹے ہوئے بوریوں کو اس کے محلات میں کہاں جگہ ملے گی

امیر معاویہ کی سازشوں کی وجہ سے حضرت علی کو ایک دن چین سے حکومت کرنی نصیب نہ ہوئی جو شخص خلیفہ وقت سے بغاوت کرے ستر ہزار مسلمانوں کے قتل کا سبب ہو۔ احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کرے اس خطائے اجتہادی اس کے داغ کہاں تک چھپیں گے بالخصوص جبکہ اجتہاد کے مرتبہ تک کوئی صاحب علم پہنچا بھی نہ ہو۔ چونکہ جنگ صفین کی ابتدا امیر معاویہ نے کی تھی لہذا

تنقید و تبصرہ

تمام نتائج کی ذمہ داری انہی کے سر ہوگی۔ حضرت علی کی جنگ مدافعانہ تھی نہ کہ جارحانہ دوسرے بار بار صلح کی کوشش کر کے فرائض امامت کو انجام دیا۔ سب سے پہلے مسلمانوں پر پانی بند کرنے کی رسم قبیح کا آغاز امیر صاحب ہی نے کیا اس کے بعد اس رسم خیر کی یادگار ان کے بلند اقبال صاحبزادہ نے کربلا میں قائم کی۔ امیر صاحب ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے لشکر امیر المومنین کو پہنچنے والی رسد کو روکنے کا بندوبست کیا کہ مسلمانوں کو بھوکا مارنے کی کوشش فرمائی انہی کی تاسی میں ان کے سب گن پورے فرزند یزید نے کربلا میں خاندان رسول پر آب و دانہ بند کیا امیر صاحب ہی اسلام کی وہ مقدس ہستی ہیں جنہوں نے قرآن کریم کو نیزوں پر بلند کر کے کلام خدا کی عزت افزائی کی جس سے یزید کو یہ جرات ہوئی کہ اس کے حکم سے قرآن ناطق یعنی امام حسین کا سر اقدس نیزہ پر بلند کیا گیا۔ لڑائی اس لئے ملتوی ہوئی تھی کہ کتاب خدا سے خلافت کا فیصلہ ہوگا کہ مستحق کون ہے لیکن دومۃ الجندل میں جو فیصلہ سنایا گیا وہ حکمین کا فیصلہ تھا نہ کہ قرآنی فیصلہ۔ اس نمائشی کارروائی کا بار کس کے سر جائے گا۔ جنگ کی بنیاد حضرت عثمان کے خون کا قصاص تھا سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قصاص کا حق امیر صاحب کو کیسے پہنچا اگر خلیفہ مقتول سے ان کو ہمدردی تھی تو جب محاصرہ کے وقت انہوں نے مدد کے لئے بلایا تھا اس وقت کیوں نہ آئے اگر خود نہ آسکتے تھے تو اپنی فوج تو بھیج سکتے تھے۔ آخر اس خموشی میں کیا راز تھا۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے بعد وہ سلطنت اسلامی کے مطلق العنان حکمران بننا چاہتے تھے۔ حضرت عثمان کی زندگی میں وہ اپنی اس مراد کو نہیں پا سکتے تھے اس لئے حضرت عثمان کو بچانا ان کے لئے مفید نہ تھا لیکن ان کے قتل کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی خلیفہ ہوگئے تو اب اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ جنگ کر کے سلطنت ان سے لے لی جائے لیکن جنگ کے لئے کوئی بہانہ تو ہونا چاہیے لہذا خون عثمان کے قصاص کو بہانہ بنایا گیا کیونکہ قوم کو بھڑکانے کے لئے اس سے زیادہ موثر اور کوئی سبب ہو نہ سکتا تھا۔ آخر بہت جلد ان کو اپنی اس کوشش میں کامیابی ہوئی اور وہ اسلامی مملکت کے مطلق العنان حکمران بن گئے۔ اس کے بعد جو کچھ انہوں نے خاندان رسالت کے ساتھ کیا وہ سیاہ ورق تاریخ اسلام کے سینہ پر چسپاں ہیں۔

جنگ نہروان اور حضرت علی

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ جنگ صفین میں جس گروہ نے حضرت علی کو جنگ کرنے سے روکا اور تحکیم کے فیصلہ پر مجبور کیا وہ خارجیوں کے نام سے مشہور ہوئے۔ تحکیم کے فیصلے کے بعد یہی گروہ اس بات پر حضرت کا مخالف ہو گیا کہ آپ نے الحکم للہ والی آیت کو نظر انداز کر کے پنچوں کا فیصلہ کیوں منظور کیا آپ پہلے اپنے گناہ سے توبہ کریں تب ہم آپ کے ساتھ معاویہ سے جنگ کریں گے ورنہ نہیں۔ حضرت نے فرمایا حکم [illegible] کرنا کوئی گناہ نہیں جو کچھ ہوا تمہاری حماقت سے ہوا پہلے تم نے اس بات پر زور دیا کہ لڑائی بند کرو اور حکمین کے فیصلہ پر راضی ہوا اور اب کہتے ہو ایسا کیوں کیا زرعہ بن مالک نے جو ان کا سردار تھا غضب ناک ہو کر کہا اگر آپ توبہ نہ کریں گے تو ہم آپ کو قتل کر [illegible] آپ نے حکم خدا کے خلاف عمل کیا ہے ہم آپ کے ساتھ کبھی نہیں رہ سکتے۔ حکم صرف اللہ کا ہے اور کسی کا نہیں۔

سب خارجیوں نے اس سے بیعت کر لی اور وہاں سے روانہ ہو کر نہروان میں جو بغداد سے چار فرسخ ہے قیام کیا۔ حضرت علی نے ان سے لڑنے کے لئے کوفیوں سے بیعت لی تھی لیکن جب حکمین کے فیصلہ کا حال معلوم ہوا تو آپ نے شامیوں سے مقابلہ کی رائے ظاہر کی اور ان سے کہا عمرو عاص اور ابو موسیٰ نے کتاب خدا کی مخالفت کی ہے اور اپنی خواہشات کی پیروی کر کے امرِ حق سے ہٹ گئے ہیں پس شام کی روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اسی مضمون کا خط خوارج کو لکھا مگر وہ نہ مانے اور جواب میں لکھا جب تک آپ توبہ نہ کریں گے ہم آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔

طبری میں ہے کہ جو فوج آپ نے شام پر چڑھائی کے لئے تیار کی تھی ۵۵ ہزار تھی جن میں سے صرف ۲۷ ہزار آمادہ بیعت اور بصرہ کی ۶۰ ہزار فوج میں سے صرف ۱۵ سو جنیف بن قیس کی ماتحتی میں روانہ ہو سکے ابن خلدون نے فوج کی تعداد چالیس ہزار لکھی ہے، ابھی ملکِ شام پر چڑھائی کی تیاری ہو رہی تھی کہ خوارج عبداللہ خباب الارت کو جو نہروان کا گورنر تھا حضرت علی کا وفادار ہونے کی وجہ سے قتل کر ڈالا لہٰذا حضرت نے اس گروہ کی سرکوبی ضروری سمجھی۔ حضرت ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔

خوارج کی تعداد چار ہزار تھی ان میں سے صرف ۱۸ سو نے حضرت کا مقابلہ کیا۔ تھوڑی دیر میں فوجِ علی نے ان سب کا صفایا کر دیا صرف ۷ یا ۹ آدمی بچے حضرت کی طرف سے صرف ۷ آدمی مارے گئے۔

اس کے بعد آپ نے شام پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو لوگوں نے تکان اور سامانِ جنگ کی کمی کا عذر کیا اور کوفہ پہنچ کر ڈھیل دینی شروع کر دی۔ حضرت کو مجبوراً کچھ روز کے لئے لڑائی ملتوی کرنا پڑی۔ اس التوا سے معاویہ نے فائدہ اٹھایا اور حضرت کی مملکت میں جا بجا حملے شروع کر دئے اور وہاں کے حکمرانوں کو قتل کیا چنانچہ محمد بن ابی حذیفہ، قیس بن سعد اور محمد بن ابی بکر وغیرہ قتل ہوئے اور بہت سے محبانِ علی مارے گئے۔ طرح طرح کی سازشیں ہوئیں اور مکر و فریب کے جال بچھے۔ حضرت کی حکومت کا کوئی حصہ ایسا نہ رہا جہاں شامیوں نے قتل و غارت نہ کی۔ ادھر تو یہ گڑبڑ مچ رہی تھی ادھر کوفیوں نے ہتھیار ڈال دئے۔

حضرت نے طولانی تقریریں کیں طرح طرح سے سمجھایا مگر وہ کسی طرح نہ ابھرے۔ آخر انہی سازشوں میں ابنِ ملجم کے ہاتھ سے حضرت کو شہید کرا دیا گیا۔

کیا وجہ تھی کہ باوجود حضرت علی کے حق پر ہونے کے لوگوں کا جھکاؤ امیر معاویہ کی طرف زیادہ تھا۔ بات یہ تھی کہ ملکِ شام کا خزانہ بے دریغ صرف کیا جا رہا تھا۔ کیسے کیسے تحفے سازش میں مدد دینے والوں کو پیش کئے جا رہے تھے فوجیوں پر انعام و اکرام کی بارش ہو رہی تھی ہزارہا روپیہ رشوتوں میں جا رہا تھا۔ کوفیوں کو اپنے سے ملانے میں سیم و زر کو پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا جہاں مال و دولت کی گنگا ہر چہار طرف بہ رہی ہو وہاں بڑے بڑے مگرمچھ جال میں کیوں نہ پھنسیں۔ حضرت علی سے یہ ممکن نہ تھا وہ نہ مکر و فریب سے کسی کو پھانس سکتے تھے نہ بیت المال اس طرح ناجائز طریقوں سے لٹا سکتے تھے یہ صرف حضرت علی کا بہترین طرزِ جہانبانی تھا اور آپ کی قوتِ ایمانی کا زور تھا کہ جمل و صفین اور نہروان جیسے معرکے فتح کر لئے علی کی اس بے نظیر سیاست کا مقابلہ نہ آپ سے پہلے کوئی سیاست کر سکی اور نہ بعد میں یہ فخر کسی کو حاصل ہوا۔

ہم اس سلسلہ پر ذرا تفصیلی روشنی ڈالنا چاہتے ہیں

حضرات خلفائے ثلاثہ کے عہد میں واقعی بہت زیادہ فتوحات ہوئیں مسلمان خوب خوب معرکے پے در پے لڑے سالہا سال لڑنے ملکوں

ملکوں میں جاکر لڑے نہ گھبرائے نہ اکتائے اس کی وجہ کیا تھی بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ان غیر ملکی لڑائیوں میں فتح کے بعد اتنا مال غنیمت ہاتھ آتا کہ گھروں میں اس کے سمانے کے لئے جگہ نہ ملتی تھی بہ کثرت مویشی۔ غلام اور کنیزیں بہترین فرش و فروش قیمتی لباس چاندی سونے کے زیور پیتل تانبے کے برتن سونے چاندی کے سکے۔ جو بدو عرب خیموں میں رہتے اور ٹاٹ اور کمبل کا لباس پہنتے تھے وہ مرغ زریں پر جا بیٹھے۔ ان چیزوں کے لالچ میں انکی تلواریں نیام میں کیسے رہ سکتی تھیں اور اپنے گھروں میں بچے کیسے بیٹھ سکتے تھے اول تو سفاکی و خوں ریزی یوں ہی انکی زندگی کا محبوب مشغلہ تھا پھر مال غنیمت کا لالچ کیوں نہ دل کھول کر لڑتے کیوں نہ فوج میں بھرتی ہونے کی خواہش کرتے۔ مر گئے تو اسلام کے شہید کہلائے زندہ رہ گئے تو مال و دولت سے گھر بھر گیا۔

برخلاف اس کے حضرت علی کی تمام معرکہ آرائیاں مسلمانوں سے ہوئیں جن میں حضرت نے لوٹ مار سے روک دیا اور آپ کے طرف دار مال غنیمت سے محروم رہے ملکی خزانہ سے بھی ان کو کوئی فائدہ نہ ہوا اب دوسری طرف دیکھئے کہ معاویہ نے خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اور بڑے بڑے انعام و اکرام دینے کے وعدے کئے تھے۔ لیکن باوجود اس کے حضرت علی نے ہر محاذ پر فتح حاصل کی جمل ہو یا صفین یا نہروان ہر جگہ ان کی فوجیں جم کر لڑیں اور بغیر لالچ کے لڑیں۔ اپنی ایمانی قوت سے لڑیں حق و باطل کو پہچان کر لڑیں بہ کثرت اصحاب رسول آپ کی فوج میں شامل رہے ان میں نظم و ضبط قائم رہا اس صورت میں کون احمق کہے گا کہ علی کی سیاست کمزور تھی۔ اگر ان کا حریف مکر و فریب کو کام میں نہ لاتا۔ سازشوں کا جال نہ بچھاتا بے دریغ خزانے نہ لٹاتا حقوق الناس پر ڈاکہ ڈال کر فوجی قوت کو نہ بڑھاتا تو نہ صفین میں گڑبڑ ہوتی اور نہ جنگ نہروان کے بعد آپ کی افواج میں غداری کے حالات رونما ہوتے دیکھو جنگ جمل میں کیسی نمایاں فتح ہوئی کیونکہ وہاں قوت کا ٹکراؤ قوت سے تھا حریف کی طرف سے مکر و فریب کے جال نہیں بچھائے گئے تھے سازشوں کے دروازے نہیں کھلے تھے کسی لالچ نے لوگوں کو غداری پر آمادہ نہیں کیا تھا برخلاف دمشقی حکومت کے کہ وہاں سماں ہی کچھ اور تھا صفین میں بھی علی علیہ السلام کو نمایاں فتح ہوتی اگر عین وقت پر ایک فریب کے تحت قرآن نیزوں پر بلند نہ ہوتے اور وہ گروہ غداری نہ کرتا جو معاویہ کی سازش کا شکار ہو چکا تھا۔ جن تدابیر سے معاویہ نے کامیابی حاصل کی ان کو حضرت علی کبھی بروئے کار لا سکتے تھے مگر پھر علی و معاویہ میں فرق نہ رہتا۔ پھر وہ حق و باطل کی جنگ نہ ہوتی بلکہ مکر و فریب کا مکر و فریب سے اور خود غرضی کا تصادم خود غرضی سے دنیا پرستی کا مقابلہ دنیا پرستی سے ہوتا

علی علیہ السلام نے اپنی فوجوں کو مال غنیمت کا لالچ دیئے بغیر لڑایا۔ انعام و اکرام کا اعلان کئے بغیر لڑایا حق و باطل کا فرق دکھا کر لڑایا۔ ایمانی فرائض سمجھا کر لڑایا۔ اسلام کا ناصر و مددگار بنا کر لڑایا۔ خدا و رسول کی مرضی کے تحت لڑایا۔ یہ تھی علی کی ایمان سے بھرپور سیاست۔ دنیوی سیاستوں سے اس کا کیا مقابلہ

حضرت علی کے مختصر سے دور حکومت میں کون سا فتنہ تھا جو برپا نہ ہوا ہر طرف مخالفت کی آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ خلافت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی لڑائیوں کا تابڑ توڑ سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھر شامیوں نے حدود مملکت میں ہر طرف سازشوں کے جال بچھا دیئے جا بجا سے چھوٹے بڑے حملوں کی خبریں آنے لگیں۔ دوستان علی کو کہیں زہر کی پڑیوں سے کہیں تلواروں کی دھاروں سے بے جرم و قصور قتل کیا جانے لگا۔ لوگوں کو بڑے بڑے انعامات کا لالچ دیکر بغاوت پر آمادہ کیا جا رہا تھا۔ صوبوں کے گورنروں کو توڑ کر نیچا دکھایا جا رہا تھا انہیں اپنے سے ملانے کی کوششیں کی جا رہی تھیں غرض ایک تپ دق تھی جو دم بھر اطمینان سے سانس نہ لینے دیتی تھی۔

کوفیوں کا زیادہ حصہ جو فوج کی جان تھا معاویہ کا طرف دار بن گیا جو باقی تھے وہ گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے

یہ صرف علی کا حوصلہ تھا کہ ایسے خلفشار میں سیاست الٰہیہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا دوسرا ہوتا تو چار دن میں پیچ اٹھا اور دشمن کی طرح وہ سب کر گزرتا جو دنیا کے حکمران اپنی سلطنتوں کو بچانے کے لئے کیا کرتے ہیں۔ جن لوگوں کی سیاست کی بڑی تعریف کی جاتی ہے اگر ایسے مصائب و آلام اور خلافت تو ایسے واقعات کا سامنا ہوتا۔ پتہ چل جاتا کہ سیاست کتنے گہرے پانی میں ہے۔ اندرونی خلفشار سے محفوظ رہ کر سب کچھ کیا جا سکتا ہے لیکن اگر کسی جسم کے جوڑ جوڑ میں درد ہو تو وہ کیا کسی دوسرے کو مارنے کے لئے آگے بڑھے گا۔

ایسی حالت میں اپنے دشمنوں کے مقابل جو فتوحات حضرت علی نے حاصل کیں وہ علی کی بے مثل شجاعت اور بے نظیر تدبر کا ثبوت ہے۔ کیسے کیسے رن پڑے کیسے کیسے معرکے ہوئے لیکن کیا ممکن کہ کسی جگہ شکست کھائی ہو۔ ہاں مکر و فریب کا مقابلہ مکر و فریب سے کرنا ان کے بس کا نہ تھا۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ فوجوں کو لڑانا اور خود اپنی جگہ آرام سے بیٹھا رہنا اور بات ہے اور شمشیر بکف ہو کر میدان میں دشمن سے لڑنا اور بات ہے علی نے ہر معرکہ میں خود شرکت کی اور ہر جگہ جم کر لڑے

جمل و صفین و نہروان میں جو مسلمان قتل ہوئے ان کے خون کی ذمہ داری علی پر نہیں آتی کیونکہ کسی معرکہ میں انھوں نے پیش قدمی نہیں کی بلکہ جب دشمن طبل جنگ بجاتا سر پر آپہنچا تب اس سے دفاعی جنگ کی پھر بھی مسلمانوں کی ہمدردی میں ہر موقع پر صلح کی کوشش کی لیکن جب کوئی تدبیر نہ چلی تو پھر تلوار تھی اور دشمن کی گردن۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کے عہد میں فتوحات ملکی کا دروازہ بند رہا۔ ہم پوچھتے ہیں کیا فتوحات کرنا خلافت الٰہیہ کے قانون کی کوئی دفعہ ہے کیا بغیر دعوت اسلام دیئے کسی ہمسایہ ملک پر چڑھائی کرنا اور وہاں کے باشندوں کو تہ تیغ کرنا اور ان کی گردن پر تلوار رکھ کر مسلمان بنانا کیا تعلیم اسلام کے مطابق ہے۔

یہ علی علیہ السلام کی ذات تھی کہ باوجود ملکی حالت خراب ہونے کے آپ نے اپنی رعایا کو محرمات شرعیہ سے بچائے رکھا۔ اور جو کچھ پہلے زمانوں میں ہو چکا تھا اس کی روک تھام کی۔ عبداللہ بن عباس باوجودیکہ عزیز تھے اور ان پر آپ کو اعتماد بھی تھا لیکن جوں ہی یہ خبر ملی کہ وہ امرا کے یہاں دعوتیں کھاتے ہیں اور بیت المال میں غبن کیا ہے تو فوراً ان کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر دیا اور قطعاً ان کی مخالفت کا خیال نہ کیا۔

نہج البلاغہ میں آپ کے وہ فرمان پڑھ لیجئے جو آپ نے اپنے عاملوں اور حکمرانوں کے نام جاری کئے ہیں اور سختی سے ان کی فروگذاشتوں کی گرفت کی ہے اور عذاب خدا سے ان کو ڈرایا ہے اور رعایا سے بخشش سلوک پیش آنے کی فہمائش کی ہے۔ جب کبھی آپ کو یہ پتہ چلا کہ فلاں مقام پر ظلم کا دور دورہ ہے فوراً ایسے حکمرانوں کو بلا کر ڈانٹا جاتا تھا

یہ علی ہی تھے جنھوں نے بیت المال سے ایک پائی اپنے خرچ کے لئے نہ لی اور جب تک بیت المال کا سرمایہ مستحقوں تک نہ پہنچا دیا چین سے نہ سوئے تقسیم کے بعد خود اپنے ہاتھ سے بیت المال میں جھاڑو دیتے اور فرماتے جاتے یا صفراء و یا غبراء غرّی غیری اے سونے اور اے چاندی میرے سوا میرے غیر کو دھوکا دینا اور دنیا کو مخاطب کر کے فرماتے یا دنیا الیکِ عنی انی طلقتکِ ثلاثاً اے دنیا مجھ سے دور رہ میں نے تجھے تین طلاقیں دیدیں اب میری طرف تیری رجوع ہو ہی نہیں سکتی۔

ہے دنیا کا کوئی بادشاہ جس نے اس طرح اپنی زندگی گزاری ہو کہ گھر میں ایک بورے اور ایک اونٹ کی کھال کے کوئی سامان نہ ہو

جس کی غذا جو کی سوکھی روٹی نمک کے پانی میں چوری ہوئی ہو۔ زندگی کے اکثر ایام میں یا روزہ یا فاقہ۔ کبھی شکم سیر ہو کر اس خوف سے نہ کھایا کہ کہیں حجاز یا یمامہ میں کوئی بھوکا نہ تڑپ رہا ہو۔ خود فرماتے ہیں کیف اشبع و حولی بطون غرثی (میں سیر ہو کر کیسے کھاؤں جبکہ میرے گرد دکھے ہوئے بھوک کے مارے ہوئے پیٹ ہوں۔ لباس کا یہ حال کہ اتنے پیوند لگے کہ مزید پیوند کی گنجائش نہ رہی۔ سردی کا موسم ایک سوتی قمیص اوڑھے ہوئے سردی سے تھرتھرا رہے ہیں۔ کسی نے کہا امیر المومنین بیت المال کا مالک ہوتے ہوئے آپ کا یہ حال؟ آپ بیت المال سے لے کر سرمائی لباس کیوں نہیں؟ فرمایا بیت المال کا سرمایہ میرا نہیں مسلمانوں کا ہے۔ اس نے کہا آپ کا بھی تو حق ہے فرمایا اس وقت جب میری حکومت میں کوئی محتاج نہ رہے۔ نادار لوگوں سے ہمدردی کا یہ عالم کہ رات کو روٹیوں اور خرموں کے تھیلے کندھوں پر رکھ کر جاتے اور یتیموں اور بیوؤں اور مساکین کو دے آتے ایک لقمہ اپنے منہ میں نہ رکھتے۔

کیا اس دنیا میں کسی زمانہ میں بھی ایسے بادشاہ ہوئے ہیں؟ کبھی نہیں۔ حکومت الٰہیہ کے عہدہ دار ایسے ہوتے ہیں۔ حضرت رسول خدا اسی حکومت دنیا میں رواج دینے کے لئے آئے تھے۔ افسوس ہے کہ دنیا والوں نے خدا و رسول کے منشائے حکومت کو سمجھا ہی نہیں۔ آپ کی وفات کے بعد ہی سے اسلام میں ملوکیت آگئی اور یونانی۔ رومی اور ایرانی نظام سلطنت نے تمام اسلامی مملکت پر اپنا قبضہ کر لیا۔ کہاں گئی اسلامی مساوات، حریت۔ اخوت۔ رحم دلی۔ رعایا پروری۔ انصاف پسندی۔ فروتنی۔ خدا پرستی۔ ایمان نوازی دنیا کی محبت نے سب کو کھا لیا۔ اسلام کے نام پر شہنشاہیت آمریت ملوکیت جارحیت اور استبدادیت سب چھا گیا

یہ خصوصیت بھی حضرت علی کی یاد رکھئے کہ آپ سے پہلے جو حکومتیں ہوئیں ان کے حکمرانوں نے امور سلطنت کی طرف تو سب زور اور توجہ رکھی لیکن رعایا کے عقاید کی درستی اور ان کی ہدایت کا کوئی بندوبست نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گمراہی پھیلنی شروع ہو گئی اور عقاید کے اختلاف سے فرقہ پر فرقہ بنتا چلا گیا۔ جب اس کی روک تھام نہ ہوئی تو پھر مذہبی عقاید لوگوں کی رائے اور قیاس کے سانچوں میں ڈھلنے لگے دوسری مصیبت یہ آئی کہ یہود و نصاریٰ اور مجوسی وغیرہ جب مسلمانوں سے مناظرے کرنے جاتے تو انھوں نے اول تو ان کے چیلنج منظور نہ کیے اور اگر کیے تو ان سے سر نہ ہو سکے نتیجہ یہ ان کے فاسد عقاید کا پورا وزن مسلمانوں کے دل و دماغ پر آ گرا۔ اور اس بنا پر مسلمانوں کے عقاید میں تبدیلیاں ہوتی رہیں

حضرت علی نے اپنے ایام خلافت میں اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا چنانچہ آپ کا یہ معمول رہا کہ بعد نماز جمعہ آپ خطبہ بیان فرماتے اور اس میں الٰہیات و نبوت و قیامت وغیرہ کے پیچیدہ مسائل کو حل فرماتے اور اعمال صالحہ کی طرف لوگوں کو توجہ دلاتے۔ لوگوں کے شبہات اور دیگر مذاہب کے اعتراضات کو دفع فرماتے اور قضایا کے صحیح فیصلہ کرنے پر اپنے وقت کے قاضیوں کو توجہ دلاتے اور انکی معمولی سی غلطی کی بھی گرفت کرتے۔ مثلاً

جنگ صفین میں آپ کی زرہ چوری ہو گئی ایک روز آپ نے اسے ایک نصرانی کے پاس دیکھا آپ نے اسے پکڑ لیا اور کہا یہ زرہ میری ہے۔ وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا جھگڑا کرنے پر آمادہ ہو گیا آپ اسے پکڑے ہوئے قاضی شریح کی عدالت میں لائے وہ حضرت کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور اپنی جگہ بٹھانا چاہا آپ نے فرمایا میں اس وقت ایک مدعی کی صورت میں آیا ہوں مجھے اسی جگہ کھڑا ہونا چاہیے جہاں عام لوگ کھڑے ہوتے ہیں تم اپنی جگہ بیٹھ کر فیصلہ کرو۔ قاضی نے گواہ طلب کئے۔ حضرت نے فرمایا گواہ کوئی نہیں۔ اس نے فیصلہ کیا چونکہ امیر المومنین راست گو ہیں لہذا یہ زرہ انہی کی ہے تو چور ہے تجھ پر چوری کی حد جاری کی جائے گی۔

آپ نے یہ سنکر قاضی کو ڈانٹا کہ تمہارا فیصلہ غلط ہے جب میں اپنے دعوی کے ثبوت میں کوئی گواہ نہیں دے سکا تو تم نے میرا دعوی کیسے ڈگری کیا مقدمہ میں فریقین کی حیثیت پر فیصلہ نہیں کیا جاتا بلکہ ثبوت پر کیا جاتا ہے یہ حال دیکھ کر وہ نصرانی حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا یہ زرہ آپ ہی کی ہے اور میں اسلام کی صداقت پر ایمان لایا آج سے میں مسلمان ہو گیا یہ تھی علی کی سیاست۔

اب اس مقام پر ہم یہ بھی دکھا دیں کہ حضرت سے پہلے حکومتوں میں قضایا کے فیصلوں کی کیا صورت تھی یہ حال ہم امیر المومنین کے ایک خطبہ سے جو نہج البلاغہ میں ہے نقل کر رہے ہیں (ترجمہ)

خطبہ نمبر ۲۳۔ اگر ایک قضیہ کسی حاکم کے سامنے پیش ہوتا ہے تو بجائے قرآن و حدیث سے فیصلہ کرنے کے، وہ اپنی رائے سے فیصلہ کر دیتا ہے۔ جب یہی قضیہ دوسرے حاکم کے پاس جاتا ہے تو وہ اپنی رائے سے کام لے کر اس کے خلاف فیصلہ سناتا ہے۔ پھر یہ سب قاضی جمع ہو کر اپنے اس امام کے پاس جاتے ہیں جس نے ان کو قاضی بنایا ہے وہ ان سب کی رائے پر صاد کر دیتا ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ ان کا اللہ ایک ہے نبی ایک ہے کتاب ایک ہے تو کیا ان کو اللہ نے اس اختلاف کا حکم دیا ہے جس کی انھوں نے اطاعت کی ہے۔ یا اس نے منع کیا ہے اور وہ اس کے خلاف کر کے گنہگار ہوئے ہیں یا اللہ نے اپنا دین ناقص بنایا ہے اور ان کی مدد سے کامل کرنا چاہا ہے یا یہ خدا کے شریک ہیں کہ جو چاہیں کہیں خدا کو اس پر راضی ہو جانا چاہیے۔ یا اللہ نے تو دین کامل بنایا تھا لیکن رسول نے (معاذ اللہ) اس کی تبلیغ میں کوتاہی کی اور صحیح طور سے اسے ادا نہ کیا حالانکہ خدا فرماتا ہے ما فرطنا فی الکتاب من شئ اور یہ بھی فرماتا ہے تبیانا لکل شئی اور اس نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ قرآن کی بعض آیات کی تصدیق بعض سے ہوتی ہے اور اور یہ کہ اس میں اختلاف کو راہ نہیں جیسا کہ فرماتا ہے ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا (اگر یہ غیر خدا کا ہوتا تو اس میں وہ اختلاف کثیر پاتے) اور یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن کا ظاہر خوش نما ہے اور باطن عمیق ہے اس کے عجائبات فنا ہونے والے نہیں اور اس کی گتھیاں اسی سے سلجھتی ہیں۔ اور اس کے خزائن ختم ہونے والے نہیں

آپ نے دیکھ لیا کہ علما اور قضات کے ہاتھوں شریعت محمدیہ کی کیا گت بن رہی تھی جیسا جس کے جی میں آیا حکم لگا دیا اس سے کوئی مطلب نہ تھا کہ یہ قرآن و حدیث کے موافق ہے یا مخالف الغرض اس قسم کی بہت سی خرابیاں تھیں جن کو حضرت علی اپنے عہد حکومت میں دور کرنا چاہتے تھے

حضرت علی کا معرکۃ الآرا خطبہ متعلق توحید

حضرت رسول خدا کے بعد جب فتوحات ملکی کے شوق میں مسلمان تمام عالم سے خلط ملط ہوئے تو اپنی توحید کو کھو بیٹھے فاتحین کو لازم تھا اپنے خطبوں کے ذریعہ اس زہر کو ان کی رگوں سے نکالتے مگر اس کے اہل تو ان کے پاس وقت نہ تھا دوسرے ان کے پاس تریاق ہی نہ تھا جس سے یہ زہر دور ہوتا حضرت علی کو البتہ وقت خلافت ملی جبکہ اسلامی توحید کا لبوں پر دم تھا لہذا آپ نے پے در پے اس کے متعلق خطبے بیان فرمائے۔ بطور نمونہ صرف ایک خطبہ کا ترجمہ ہم یہاں درج کرتے ہیں یہ سب سے پہلا فرض تھا خلافت ربانیہ کا جسے ایک منصوص من اللہ خلیفہ نے پورا کیا۔

(۱) ہر قسم کی حمد اس خدا کے لئے زیبا ہے جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں۔

یعنی اس کی کسی صفت کی حد ہی جب ہماری سمجھ میں نہیں آتی تو ہم اسکی پوری پوری مدح کر کیسے کر سکتے ہیں مثلاً ہم کہتے ہیں کہ وہ قادر ہے یا رازق ہے لیکن اس کی قدرت اور رزق رسانی کہاں تک ہے عقل انسانی کی سمجھ میں اسکی حد نہیں آسکتی۔

(۲) اس کی نعمتوں کو گننے والے نہیں گن سکتے۔

مثلاً حلاوت یا مٹھاس ایک نعمت ہے اسکی اتنی قسمیں ہیں کہ ہم انہیں شمار نہیں کر سکتے ہیں ہم ہر قسم کا جداگانہ نام نہیں رکھ سکتے ہر ایک کی تعریف کے لئے ہمارے پاس صرف ایک لفظ ہے "میٹھا" ہم یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ کیا فرق ہے زبان سمجھ تو لیتی ہے مگر بتاتی نہیں۔

آم میں حلاوت ہے شہد میں حلاوت ہے۔ گنے میں حلاوت ہے۔ شکر میں حلاوت ہے۔ انگور میں حلاوت ہے۔ انجیر میں حلاوت ہے۔ غرض آپ شمار نہیں کر سکتے کہ دنیا میں میٹھی چیزیں ہیں پھر اسکی قدرت کاملہ نے ہر ایک کی حلاوت جداگانہ قرار دی ہے جو اپنے غیر سے ملتی نہیں البتہ ذائقہ محسوس کر لیتا ہے کہ یہ حلاوت آم کی ہے یا یہ انگور کی اور یہ شکر کی ہے اور خربوزہ کی پس ایسی صورت میں جبکہ ایک قسم میں ہزار نعمتیں چھپی ہوں کون شمار کر سکتا ہے

(۳) اور جس کے حق کو کوشش کرنے والے ادا نہیں کر سکتے

انسان صرف اپنے سانس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا جو سانس اندر جا رہا ہے ممد حیات ہے جو باہر آرہا ہے مفرح ذات ہے اگر آنے والا نہ آئے تو موت جانے والا باہر نہ جائے تو موت پس ہر سانس پر شکر لازم ہے ساری عمر تو ایک سانس کے شکریہ ہی میں ختم ہو گی باقی نعمتوں کا شکر کب ادا کریگا

غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

(۴) اس ذات کی حقیقت کو ہمت کی بلند پروازیاں نہیں پا سکتیں

فلاسفر ہوں یا حکما۔ بلند پرواز ہوں یا بلند خیال چاہے وہ تمام دنیا کے علوم کے عالم ہی کیوں نہ ہو جائیں تب بھی وہ یہ پتہ نہیں چلا سکتے کہ وہ کیا ہے۔ کہاں ہے کب سے ہے اور کیسا ہے کوئی علم اس کی ذات پاک کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

(۵) فکر کی گہرائیاں اسکی ساحتِ قدس و جلال تک نہیں پہنچ سکتیں

فکر بھی تو اسی کی مخلوق ہے اور جو مخلوق ہے وہ اپنے خالق کی ذات کا احاطہ کیسے کر سکتی ہے

(۶) اس کی صفات کے لئے کوئی حد معین نہیں

یعنی کوئی نہیں جان سکتا کہ کوئی صفت کس حد تک جا کر ختم ہو جاتی ہے مثلاً وہ رازق ہے کون جان سکتا ہے کہ وہ کہاں کہاں اور کس کس کو اپنے پیدا کئے ہوؤں کو رزق دیتا ہے۔

(۷) اور نہ کوئی نعت موجود ہے (کہ) اسکی صفات کا حال بیان کر سکے

یعنی کسی زبان کے لغت میں اتنی جان نہیں کہ اس کی کسی صفت صحیح طور پر بیان کر سکے

(۸) نہ کوئی ایسا وقت ہے کہ شمار میں آسکے

یعنی اس کی قدیم ہے وقت اور مکان کی قید سے آزاد ہے

(۹) اور نہ اس کے لئے کوئی مدت ہے جو طویل ہو

یعنی اس ذات کے لئے طویل سے طویل تر طویل مدت کا تعین بھی نہیں کر سکتے کیونکہ زمان و مکان اور وقت اور مدت کی قیود سے پاک ہے

مذکورہ بالا جملوں میں امیر المومنین علیہ السلام نے رد فرمایا ہے یونانی مصری اور ایرانی فلاسفروں کے ان خیالات کا ان حکمانے صدیاں اس خبط میں گنوائیں کہ ذات باری کی حقیقت کا پتہ چلائیں لیکن انکی یہ سب کوششیں رائگاں گئیں جب سی ہزاروں ناکامیوں اور طبع آزمائیوں کے بعد پہاڑ کھود کر جو گھاس کا تنکا نکالا اس کا نام حقیقت اول ظاہر کیا۔ یہ حقیقت نام تھا اک وجود کا جو فضا لبید میں جلوہ گر ہوا اور اس نے اندر سے مخلوقات سماوی و ارضی کو نکالنا شروع کیا اور اس سے رفتہ رفتہ یہ سب عوالم ظہور میں آگئے بڑھتے بڑھتے یہ تان یہاں آکر ٹوٹی کہ المپس پہاڑ پر لوگوں نے ایک نورانی پیکر میں چلتے پھرتے اور گانے بجاتے دیکھ لیا اور وہ وہی تھا جو ڈلفی کی کاہنہ کے اندر بولا۔ یہی وہ مشرکانہ عقیدہ تھا جو مسلمانوں نے اپنا کر اپنی توحید کو کھویا۔ اسی کا ظہور اس مصرع میں ہے

ع۔ منصور کے پردہ میں خدا بول رہا ہے"

(۱۰) اس نے مخلوق کو اپنی قدرت سے پیدا کیا

یعنی مخلوق کو پیدا کرنے میں نہ اس کو کسی سے مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے نہ کسی سے مدد لینے کی نہ کوئی آلہ درکار ہوتا ہے نہ کسی عمل کی ضرورت ضرورت آتی ہے سب کچھ اس کی قدرت کاملہ سے ہوتا ہے یہ تردید ہے ان لوگوں کے اس خیال کی کہ تخلیق میں اللہ کے ساتھ عیسیٰ بھی شریک ہیں

(۱۱) اس نے اپنی رحمت سے ہواؤں کو چلایا

مخلوقات الٰہیہ میں ہوا کو ایک امتیازی شان حاصل ہے اسی لئے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا ہے فطرت سے ہوا کا بڑا گہرا تعلق ہے کوئی چیز نہ اس کے بغیر پیدا ہو سکتی ہے اور نہ اس کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے۔

(۱۲) اور زمین کو ہلنے ڈلنے سے بچانے کے لئے پہاڑوں کی میخیں ٹھوک دیں

(۱۳) دین میں سب سے پہلی چیز خدا کی معرفت ہے جو ہر ذی عقل پر واجب ہے۔ منعم حقیقی خدا ہے جس نے بے حد و بے حساب نعمتیں ہم کو دی ہیں اور نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے لیکن بغیر منعم کی معرفت کے اس کے حسب حال شکریہ کیسے ادا ہو سکتا ہے

(۱۴) اور معرفت کا کمال یہ ہے کہ اس کی تصدیق ہو

یعنی معرفت کے بعد سچے دل سے اس کو مان لیا جائے اوہام و شکوک کو دل میں راہ نہ دی جائے۔

(۱۵) اور یہ تصدیق اس وقت پوری ہو گی جب اس کی توحید کا اقرار کیا جائے

یعنی اگر اسکی تصدیق تو کی مگر اسے واحد نہ مانا بلکہ کسی کو اس کا شریک قرار دے لیا تو یہ تصدیق ناقص ہو گی

(۱۶) اور توحید کا اقرار پورا اس صورت میں ہو گا کہ خالص اسی کو معبود مانا جائے اور صرف اسی کی عبادت کی جائے

(۱۷) اور اخلاص کی صورت یہ ہے کہ زاید بر ذات صفات کی اس سے نفی کی جائے

یعنی یہ مانا جائے کہ اس کی صفات عین ذات ہیں اس کی ذات سے الگ نہیں۔ زاید بر ذات صفات مخلوق کی ہوتی ہیں یعنی پہلے معدوم تھیں پھر اس سے ملتی ہیں یہ علامت حدوث ہے اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے حادث نہیں

(۱۸) ہر موصوف اپنی صفت کا غیر ہوتا ہے اور ہر صفت اپنے موصوف کا غیر ہوتی ہے

مثلاً علم کی وجہ سے ایک شخص عالم کہلاتا ہے لیکن یہ صفت علم اسکی ذات میں داخل نہیں اسکی ذات الگ ہے اور علم علیحدہ ہے اس کی ذات سے علم بعد میں لاحق ہوا ہے۔ خدا کی صفات ایسی نہیں۔

(۱۹) پس جس نے خدا کا وصف زاید بر ذات کے ساتھ کیا اس نے اس کا ساتھی بنا دیا
یعنی جس نے یہ مان لیا کہ کوئی صفت بعد میں خدا نے کر لی ہے تو اس نے دو خدا بنا دئے یعنی ایک ذات خدا اور دوسرا ساتھی اور شریک جو اس کے لاحق ہونے والی صفت ہے۔ یہ توحید نہ رہی بلکہ دوئی ہو گئی

(۲۰) اور جس نے اس کا ساتھی مانا اس نے اس کا دوسرا مانا

(۲۱) اور جس دو چیزیں الگ الگ مانیں تو اس نے ایک خدا کے دو جز مان لئے

(۲۲) اور جس نے اسے صاحب اجزا مانا تو وہ اس کی جاہل رہا

(۲۳) اور جو جاہل رہا اس نے اس کی طرف اشارہ کر دیا
یعنی اشارہ کر کے بتایا یہ موصوف ہے یہ صفت

(۲۴) اور جس نے اشارہ کیا اس نے اس کی حد بنا دی
یعنی اشارہ تو اسی چیز کی طرف کیا جائے گا جو کسی حد میں ہو

(۲۵) جس نے حد بنا دی اس نے شمار میں لے لیا
یعنی مکان جہت زمین چھت ان میں سے ایک خدا بھی شمار میں آئے گا اور یہ سب باتیں مخلوق کے لئے ہیں نہ کہ واجب الوجود کے لئے

(۲۶) جس نے کہا خدا فلاں چیز کے اندر ہے اس نے کسی چیز کے ضمن میں اسے لے لیا یعنی محدود کر دیا

(۲۷) جس نے کہا وہ کسی چیز کے اوپر ہے اس نے اور مقامات کو اس سے خالی کر دیا
یعنی خدا اپنی قدرت سے ہر جگہ موجود ہے۔ پھر ایک جگہ سے اسے مخصوص کرنا کیا معنی

(۲۸) وہ موجود ہے لیکن کسی نے اسے پیدا نہیں کیا۔ وہ موجود ہے لیکن عدم سے وجود میں نہیں آیا۔ وہ ہر شے کے ساتھ ہے مگر اسے ملا ہوا نہیں وہ ہر شے کا غیر ہے مگر کسی شے سے الگ بھی نہیں

(۲۵) وہ جو کچھ کرتا ہے نہ اسکو کسی آلہ کی ضرورت ہوتی نہ کسی حرکت (اگر ضرورت ہو تو وہ محتاج قرار پائے گا

(۲۶) وہ دیکھنے والا ہے۔ کوئی مخلوق اسے نہیں دیکھتی۔ (یہ رد ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ خدا قابل رویت ہے)
اس قسم کے بہت سے خطبے میں جن میں حضرت نے الہیات کے نہایت دقیق مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ حضرت نے یہ دیکھتے ہوئے کہ مسلمان فتوحات کے سلسلہ میں غیر مسلم اقوام سے خلط ملط ہونے کے بعد اپنے اسلامی عقاید کو کھو بیٹھے ہیں ان کی ہدایت ضروری سمجھی۔ اور اپنے خطبوں میں صحیح عقاید سے مسلمانوں کو روشناس کرایا اور بھولے ہوئے سبق یاد دلائے۔ اگر ادر خلفاء کی طرح آپ بھی اس طرف توجہ نہ کرتے تو اسلام کی صحیح تعلیم ڈھونڈی نہ ملتی۔ اسلام کا اصلی سیاست یہ تھی کہ گمراہوں کو راہ راست پر لایا جائے نہ یہ کہ فتوحات کی کثرت میں اس اہم خدمت کو بھلا دیا جائے

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غیر مسلم اقوام کے علماء سے مناظرے کر کے کس طرح حقانیت اسلام کو آپ نے واضح کیا۔ ہم حضرت کا ایک مناظرہ بطور نمونہ یہاں احتجاج طبرسی علیہ الرحمہ سے نقل کرتے ہیں (ترجمہ)

حضرت علی کا مناظرہ یہودیوں سے

ایک بار کچھ یہودی عالم آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا آپ لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ کے نبی کا مرتبہ تمام انبیاء سے افضل تھا۔
حضرت نے فرمایا بے شک ایسا ہی ہے

یہودی۔ ہم آپ سے اس بارہ میں مناظرہ کرنا چاہتا ہوں

علی - بہت خوشی سے

یہودی - آپ کے نبی کو آدم پر کیا فضیلت ہے درانحالیکہ ان کو فرشتوں نے سجدہ کیا

علی - وہ سجدہ تعظیمی صرف اظہار عظمت کے لئے تھا۔ وہ ایک وقتی چیز تھی ختم ہو گئی برخلاف اس کے ہمارے نبی کو ایک دوامی عظمت بخشی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا اور وہ ہے ان پر درود جس میں خدا و ملائکہ اور مومنین سب شریک ہیں

یہودی - اللہ نے ادریس کو رفع کیا یعنی اٹھا لیا اوپر کیا آپ کے نبی کے لئے کوئی ایسی فضیلت ہے

علی - یہ فضیلت بھی وقتی تھی ختم ہو گئی لیکن ہمارے نبی کے لئے خدا فرماتا ہے ورفعنا لک ذکرک (اے رسول ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کیا اس سے بڑی کونسی فضیلت ہوگی کہ قیامت تک پانچوں وقت کی نماز میں ان کا نام آئے گا اور اذان میں انکی نبوت کی گواہی دی جائے گی۔

یہودی - نوح نے امت کی ایذا رسانی صبر کیا۔ خدا نے انکی دعا قبول کی اور قوم کو غرق کیا۔

علی - اے یہودی نوح نے ظلم قوم سے اکتا کر شکایت کی تو مگر ہمارے رسول کے لب پر تو حرف شکایت آیا ہی نہیں بلکہ انھوں نے تو یہ کہا اے خدا میری قوم کو ہدایت کر کیونکہ یہ جانتے نہیں۔ نوح کی دعا سے قوم غرق ہو گئی اور ہمارے نبی کی دعا سے قوم نے ہدایت پائی نوح پر چند لوگ ایمان لائے اور حضرت پر جوق در جوق اور فوج در فوج

یہودی - اللہ نے جناب ہود کی مدد کی ہوا کا طوفان بھیجکر

علی - یوم خندق اللہ نے آندھی بھیج کر اپنے نبی کی مدد کی۔

یہودی - اللہ نے صالح نبی کے لئے ناقہ بھیجا

علی - لیکن ناقہ نے ان سے کلام نہیں کیا ہمارے رسول سے کئی بار اونٹوں نے کلام کیا

یہودی - ابراہیم کو بچپنے ہی میں اللہ نے کامل العقل بنا دیا

علی - ہمارے رسول کو بطن مادر سے علم والا بنا کر نکالا

یہودی - ابراہیم نے بے دھڑک بت شکنی کی

علی - ہمارے رسول نے بھی خانہ کعبہ سے بتوں کو توڑ پھوڑ کر نکالا

یہودی - ابراہیم نے اپنے بیٹے کو قربانی کے لئے لٹایا۔ محض خوشنودی خدا کے لئے

علی ۔ ابراہیم نے لٹایا مگر خون بہتا نہیں دیکھا لیکن ہمارے رسول کے سامنے ان کے چچا حضرت حمزہ شہید ہوئے اور حضرت نے صبر سے کام لیا
یہودی ۔ اللہ نے یعقوب کی نسل میں مریم جیسی پارسا بی بی دی
علی ۔ اللہ نے اپنے رسول کو ایسی بیٹی دی جو نساء عالمین کی سردار تھی
یہودی ۔ یوسف نے بڑے مصائب اٹھائے اور صبر سے کام لیا
علی ۔ ہمارے رسول نے ان سے کہیں زیادہ مصائب پر صبر کیا ۔ جلا وطنی ۔ دشمنوں کی طرح طرح سے ایذا رسانی ۔ حرم خدا سے جدائی
یوسف قید میں رہے تو ہمارے رسول شعب ابو طالب میں محصور رہے ۔
یہودی ۔ موسیٰ پر توریت نازل ہوئی
علی ۔ اس سے بہتر کتاب جس میں ہر شے کا بیان ہے ہمارے رسول پر نازل ہوئی
یہودی ۔ خدا کی محبت خدا نے فرعون کے دل میں ڈالی
علی ۔ ہمارے رسول کا رعب خدا نے کفار عرب کے دل پر ڈالا
یہودی ۔ موسیٰ کو فرعون جیسے بادشاہ پر غلبہ دیا
علی ۔ ہمارے رسول کو ابوجہل ۔ ابولہب اور ابوسفیان جیسے دشمنانِ خدا پر غلبہ دیا
یہودی ۔ موسیٰ کے عصا مارنے سے پانی نکلا
علی ۔ رسول کی انگلیوں سے پانی کا سوتا نکلا
یہودی ۔ موسیٰ کے لئے من و سلویٰ آیا
علی ۔ رسول کے لئے جنت کا سیب آیا ان کے اہلبیت کے لئے جنت کا کھانا آیا
یہودی ۔ موسیٰ پر بادل نے سایہ کیا
علی ۔ صرف وادی تیہ میں اور ہمارے رسول پر ہر وقت ابر سایہ فگن رہتا تھا ۔
یہودی ۔ داؤد کے لئے لوہا نرم ہوا
علی ۔ حضرت کے ہاتھ کے نیچے بیت المقدس کا صخرہ پتھر موم کی طرح نرم ہو گیا
یہودی ۔ سلیمان کو ایسا ملک ملا جو کسی کو نہ ملا
علی ۔ آنحضرت کو تمام عالموں کا سردار بنایا
یہودی ۔ عیسیٰ نے بچپن میں کلام کیا
علی ۔ آنحضرت نے بطن مادر سے جدا ہوتے ہی سجدہ کیا اور حمد خدا کی
یہودی ۔ حضرت عیسیٰ نے مردوں کو زندہ کیا
علی ۔ آنحضرت کے ہاتھ پر سنگریزوں نے تسبیح خدا کی ۔ یہ سن کر وہ یہودی مسلمان ہو گیا ۔

ایک زندیق سے مناظرہ

ایک زندیق حضرت علی کے پاس آیا اور کہنے لگا اگر قرآن میں متضاد باتیں نہ ہوتیں تو میں ایمان لے آتا۔ حضرت نے فرمایا تجھے کیا تضاد نظر آتا ہے۔ اس نے کہا

زندیق۔ ایک جگہ ہے نسوا اللہ فنسیھم (انھوں نے اللہ کو بھلایا اللہ نے ان کو بھلایا)، دوسری جگہ ہے الیوم ننساھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا (آج ہم نے ان کو بھلا دیا جس طرح وہ آج کے دن کو بھولے ہوئے تھے) تیسری جگہ فرماتا ہے ماکان ربک نسیا تمہارا رب بھولنے والا نہیں) کیا یہ تضاد نہیں۔

ج۔ اے شخص مطلب یہ ہے کہ انھوں نے دنیا میں اللہ کو بھلا دیا تھا اور اس کی اطاعت نہ کی خدا نے آخرت میں انکو بھلا دیا یعنی کوئی ثواب ان کے لئے نہیں رکھا گیا۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کو کوئی ثواب نہ ملے گا کیونکہ قیامت کے دن کے محاسبہ کو بھول کر خدا کی نافرمانی کرتے رہے۔ تیسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ انھوں نے کیا ہے وہ اللہ کے علم میں ہے۔ اے شخص ہمارا اللہ اس سے مبرا ہے کہ اس کو نسیان لاحق یا غفلت اس پر طاری ہو جائے۔ قرآن مطابق محاورہ عرب کے ہے اور عرب کا محاورہ ہے قد لسینیا فلان یعنی فلاں شخص ہمیں یاد نہیں کرتا۔

س۔ ایک جگہ ہے یقوم الروح والملٰئکۃ صفًّا لا یتکلمون (اس دن روح اور ملائکہ صفیں باندھے کھڑے ہونگے اور وہ بولیں گے نہیں) دوسری جگہ ہے ربنا ما کنا مشرکین (وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم مشرک نہ تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کلام کریں گے۔ تیسری جگہ ہے یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا (قیامت کے دن بعض بعض کو کافر کہیں گے) اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا یہاں بھی بولنا ثابت ہے۔ چوتھی جگہ ہے اِنّ ذٰلک لحق تخاصم اھل النار (یہ حق ہے دوزخی آپس میں جھگڑا کریں گے) پانچویں جگہ ہے لا تختصموا لدیّ (میرے سامنے جھگڑا نہ کرو) چھٹی جگہ ہے الیوم نختم علیٰ افواھھم وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون یعنی اس دن ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور جو کرتوت کر چکے ہیں ان کے پیر اس کی گواہی دیں گے۔ کیا یہ تضاد نہیں؟

ج۔ حضرت نے فرمایا یہ سب آیتیں ایک جگہ کی نہیں جیسا کہ تو نے سمجھا ہے۔ بلکہ مختلف مقامات سے اس کا تعلق ہے۔ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا ایک وقت وہ ہوگا کہ اہل معاصی ایک دوسرے کو کافر کہتے ہوں گے اور ایک دوسرے پر لعن کرتے ہونگے پھر ایک دوسرے وقت روتے ہونگے اور ایسا بلبلا کر روئیں گے کہ اگر اہل دنیا ان کا رونا سن لیں تو اپنا کام کاج چھوڑ دیں پھر ایک دوسرے مقام پر ہونگے اور ان کو بولنے کی اجازت ملے گی وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم مشرک نہ تھے یہ وہ لوگ ہونگے جو دنیا میں توحید کو مانتے تھے لیکن یہ ایمان ان کے لئے مفید نہ ہوگا رسولوں کی مخالفت کرنے اور ان کی تبلیغ میں شک کرنے کی وجہ سے اور ان کے عہد و پیمان کو توڑ دینے کی وجہ سے جو ان کے اوصیاء کے متعلق تھا اور نیکیوں کو بدی سے بدلنے کی بنا پر۔ اللہ ان کی تکذیب کرے گا اور کہے گا دیکھو یہ نفسوں پر کیسا جھوٹ بول رہے ہیں اس وقت ان کے منہ پر مہر ہوگی اور ان کے اعضا ان کے خلاف گواہی دیں گے

پھر یہ ایک اور موقف میں ہونگے اور اس وقت کی ہیبت کو دیکھ کر ایک دوسرے بھاگیں گے۔ جیسا کہ فرماتا ہے یوم یفر المرء من
اخیہ و امہ و ابیہ و صاحبتہ و بنیہ۔ پھر ایک اور موقف میں ہونگے جہاں اولیائے خدا کلام کریں گے لیکن بے اذن خدا کوئی بات
اور جو کہیں گے وہ ٹھیک کہیں گے۔ اسی طرح مختلف مقامات پر مختلف صورتیں پیش آئیں گی۔

س۔ ایک جگہ ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ (اس روز کچھ چہرے تروتازہ ہونگے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہونگے)
دوسری جگہ ہے لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرتیں وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے)
تیسری جگہ ہے لقد راٰہ نزلۃ اخریٰ (انھوں نے دوبارہ اترتے وقت اسے دیکھا)۔ کیا یہ تضاد نہیں۔

ج۔ پہلی آیت میں ناظرۃ سے مراد رب کا دیکھنا نہیں بلکہ الی نعمۃ ربہا ناظرۃ ہے جس کے معنی یہ ہیں وہ اپنے رب کی نعمت یعنی ثواب کے منتظر ہونگے
جیسا کہ قرآن میں قول بلقیس ہے فناظرۃ بما یرجع المرسلون یعنی میں انتظار کرتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے
کہ کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا۔ تیسری آیت کا مطلب جبریل کو اصلی صورت میں دیکھنا ہے نہ کہ خدا کو

س۔ ایک جگہ ہے لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن لہ الرحمن و قال صوابا (شفاعت اسی کی مفید ہوگی جسے اللہ اجازت دے اور وہ
ٹھیک بات کہے گا) یہاں وحی کی قید نہیں۔ دوسری جگہ ہے ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا (سوائے وحی اللہ کسی بشر سے کلام نہیں کرتا)

ج۔ وحی کی تین صورتیں ہیں۔ وحی یعنی کوئی بات دل پر اتارنا یا پس پردہ سے آواز آنا۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ کوئی خدا سے روبرو
بات کرتا ہے۔

س۔ ایک جگہ ہے کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون (اس وقت وہ لوگ اپنے رب سے چھپے ہوئے ہونگے) دوسری جگہ ہے
ھل ینظرون الا ان تاتیھم الملائکۃ او یاتی ربک (ان کو انتظار ہوگا کہ ان کے پاس ملائکہ آئیں یا اے رسول تیرا رب آئے)

ج۔ پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ روز قیامت وہ ثواب رب سے پس حجاب ہونگے۔ دوسری آیت ان مشرکوں اور منافقوں کے
متعلق ہے جنہوں نے اللہ و رسول کی دعوت کو قبول نہیں کیا پس خطاب ہے کیا وہ یہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس ملائکہ آئیں یا تمہارا رب
یا کوئی عذاب اس دنیا میں ان پر اسی طرح آئے جیسا پہلی امتوں پر آیا تھا۔ پس اس صورت میں تضاد کیا ہے

س۔ ایک جگہ فرماتا ہے بل ھم بلقاء ربھم کافرون (وہ اپنے رب کی ملاقات کا انکار کریں گے) دوسری جگہ فرماتا ہے فمن کان یرجوا
لقاء ربہ اس سے معلوم ہوا لقائے رب کی امید کریں گے تو کیا یہ تضاد نہیں

ج۔ قرآن میں جہاں کہیں لقاء رب کا ذکر ہے وہاں مراد بعث یعنی قبروں سے اٹھایا جانا ہے۔

المختصر اس قسم کے بہت سے مناظرے آپ کے اور یہودیوں نصرانیوں، مجوسیوں اور دہریوں کے درمیان ہوئے اور آپ نے ان سب کو
نہ صرف لاجواب کیا بلکہ ان کو مسلمان بنایا۔ خلیفہ رسول کا یہ پہلا فرض ہے کہ امور دین کی تبلیغ کرے اور لوگوں کے دل میں جو
شبہات ہوں ان کو دور کرے اور غیر مسلموں کے اعتراضات کا تسلی بخش دے

جناب عقیل کا شام جانا

حضرت علی کی سیاسی اور اخلاقی کمزوری دکھانے کے لئے یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کے حقیقی بھائی عقیل ان سے ناخوش ہوکر معاویہ کے پاس دمشق چلے گئے تھے اور معاویہ نے انکی مالی مدد کی اور عقیل نے مجمع عام میں اپنے بھائی کی مذمت کی افسوس ہے کہ معترضین نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی کہ آخر وہ ناخوش ہوئے۔ تاریخوں میں بھی یہ واقعہ موجود ہے اور امیرالمومنین کے ایک خطبہ میں بھی اس کا تذکرہ نہج البلاغہ میں پایا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے

عقیل نے ایک روز ایام خلافت امیرالمومنین میں آپ سے عرض کی میرا جو آذوقہ بیت المال سے آپ نے مقرر کیا ہے اس میں گزر بسر نہیں ہوتی کیونکہ میرا کنبہ زیادہ ہے۔ حضرت علی نے فرمایا بھائی عدل و انصاف کی رُو سے تمہارا حق اتنا ہی ہوتا ہے جو تم کو دیا جا رہا ہے میں اس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ یہ سنکر عقیل نے دل گرفتہ ہوکر کہا مجھے افسوس ہے کہ آپ ایک اسلامی سلطنت کے مالک ہوکر ایسا کہہ رہے ہیں

حضرت علی نے اپنے غلام سے کہا ایک لوہے کی سلاخ آگ میں سرخ کرکے لے آ جب غلام لایا تو آپ نے عقیل کا ہاتھ پکڑ کر اس سلاخ کو اس پر رکھنا چاہا عقیل نے کہا یہ آپ کیا کرتے ہیں آپ میرا ہاتھ جلانا چاہتے ہیں۔ فرمایا کیوں بھائی آپ تو دنیا کی اک ذرا سی آگ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں اور مجھے آپ دوزخ کی آگ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے آذوقہ میں سے اپنا اور اپنے متعلقین کا پیٹ کاٹ کر ان کے آذوقہ میں کچھ اضافہ کر دیا

بات اتنی سی ہے جس کو لوگوں نے افسانہ بنا دیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس میں غلطی عقیل کی تھی یا امیرالمومنین کی۔ اسلامی سلطنت ایک امانت الٰہیہ تھی اس کے ایک ایک پیسہ کا حساب روز قیامت صاحب سلطنت سے لیا جائے گا۔ بے احتیاطوں کی تو وہ بلا جتنا چاہیں غیر مستحقوں کو دیدیں چنانچہ ایسا ہوتا رہا کوئی اسّی ہزار کا بیت المال کا مقروض ہوکر مرا کسی نے جاگیریں اپنے کنبہ والوں کو عطا فرما دیں کسی نے بڑے بڑے وظیفے اپنے ہوا خواہوں کے مقرر کر دیا

دنیوی اعتبار سے حضرت علی کی خلافت میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ ناجائز طریقے نہ خود کھا سکتے تھے نہ دوسروں کو کھانے دیتے تھے۔ یہی وجہ حضرت سے مخالفت کی تھی برخلاف اس کے بنی امیہ کی حکومت میں لوگوں کو بہت کچھ ہیر پھیر کے موقعے ملتے تھے علی کا طرز جہانبانی وہی تھا جو خدا و رسول کا معین کردہ تھا اگر وہ بادشاہانِ دنیا کی روش اختیار کر لیتے تو اسلام کا بیڑا غرق ہو جاتا اور لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ ایسی حکومت کرنا عملاً ناممکن ہے

اب رہا عقیل کا معاویہ کے پاس جانا اور وہاں جاکر حضرت علی کی شکایت کرنا تو یہ معاویہ شاہی من گھڑت افسانوں میں سے ایک افسانہ ہے واقعہ یہ ہے کہ جنگ نہروان کے بعد حضرت علی کو یہ پتہ چلانا مقصود تھا کہ معاویہ کا کیا ارادہ ہے اور کیا کیا تیاریاں ہو رہی ہیں چنانچہ آپ نے جناب عقیل کو بطور جاسوس وہاں بھیجا ورنہ اولادِ ابوطالب میں کوئی دولت کا ایسا لالچی نہیں ہو سکتا۔

اور وقت معاویہ کا عقیل کی مالی امداد کرنا تو یہ انکی افتادِ طبیعت کا تقاضا تھا وہ مال و دولت کا لالچ دے کر برگشتہ طبیعتوں کو

رام کرنے میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔

واقعات کی نوعیت بتاتی ہے کہ عقیل نے معاویہ کی چاپلوسی نہیں کی اور نہ انکی خواہش کے مطابق حضرت علی کی مذمت کی۔ تاریخوں میں مطائبات عقیل کو پڑھ لیجئے اور ان سے جو نتیجہ آپ کا دل چاہے نکال لیجئے۔

(۱) ایک دن امیر معاویہ نے کہا عقیل وہ شخص ہے جس کو ابو طالب علی سے بہتر سمجھا کرتے تھے

عقیل نے کہا بالکل غلط آپ کہہ رہے ہیں مور ضعیف کو سلیمان سے اور سہا ستارے کو آفتاب سے کیا نسبت۔ اے معاویہ! جب ہم تم بت پرستی کیا کرتے تھے تو علی اس وقت رسول کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور جہاد کرتے تھے۔

(۲) معاویہ نے کہا عقیل علی سے بیزار ہو کر یہاں آئے ہیں

عقیل۔ میں تمہارے پاس صرف دنیوی فائدہ کے پیش نظر آیا ہوں اگر دین کا خیال کرتا تو ان ہی کے پاس رہتا

معاویہ (ارکان سلطنت سے مخاطب ہو کر) عقیل بڑے باکمال نسابہ ہیں عرب کے ہر قبیلہ کا شجرہ نسب انہیں یاد ہے

عقیل۔ اور نسبی شجروں کے ساتھ عورتوں مردوں کا کردار بھی

معاویہ۔ اے عقیل! تم بنی ہاشم میں شہوت بہت زیادہ ہوتی ہے

عقیل۔ جی ہاں۔ ہمارے مردوں میں زیادہ ہوتی ہے تمہاری عورتوں میں

معاویہ۔ عقیل یہ تو بتاؤ دوزخ میں تمہارے چچا ابو لہب کہاں ہونگے

عقیل۔ جہاں کہیں بھی ہونگے تمہاری پھوپی حمالۃ الحطب سے اوپر تلے ہونگے

معاویہ۔ تم لوگوں کو خلافت کی ہوس بہت ہے

عقیل۔ جی ہاں ہمیں جائز کی تمہیں ناجائز کی

معاویہ۔ بتاؤ میں سخی زیادہ ہوں یا تمہارے بھائی

عقیل۔ ذاتی مال سے سخاوت میں وہ زیادہ ہیں اور پرائے مال سے تم

معاویہ۔ شامی عراقیوں سے زیادہ بہادر ہیں

عقیل۔ جی ہاں ان کے پاس ایک ہتھیار شرمگاہ کا زیادہ ہے (یہ صفین میں عمرو عاص کا علی کے لئے وقت شرمگاہ کھول کر جان بچانے کی طرف اشارہ)

معاویہ۔ بنی ہاشم کی عورتیں مردوں پر زیادہ مہربان ہوتی ہیں (یعنی کمزور دل ہوتی ہیں)

عقیل۔ جی ہاں اور آپ کی عورتیں مردوں کا جگر چباتی ہیں۔

معاویہ۔ علی نے میرے خلاف جنگ کر کے کیا پایا

عقیل۔ خوشنودی خدا و رسول

ظاہر ہے کہ ایسی کھلی باتیں وہ شخص نہیں کر سکتا جو مال و دولت کی خواہش میں گیا ہو۔

امیر المومنینؑ کے مواعظ و حکم

دنیا میں بے شمار حکما، فلاسفر، ریفارمر گزرے ہیں جن کے پند و نصائح کو لوگوں نے بہت پسند کیا ہے لیکن ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ حضرت علیہ السلام کے مواعظ و نصائح میں جو معنویت و روحانیت ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے یہ کلمات اخلاق انسانی کے لئے مکمل درس ہیں اور زندگی کے تمام شعبوں میں بہترین رہنما۔ ان پر عمل کرنے والا فلاح دین و دنیا دونوں حاصل کر سکتا ہے ہم ان میں کچھ نہج البلاغہ سے ترجمہ کرتے ہیں فقرے تو چھوٹے چھوٹے ہیں لیکن ان فقروں میں حکمت کے دریا موجزن ہیں

(۱) بخل عار ہے۔ بزدلی منقصت ہے۔ فقیری عقلمند کو حجت بیان کرنے سے گونگا بنا دیتی ہے۔ کم مال والا اپنے شہر میں بھی مسافر رہتا ہے عاجزی آفت ہے۔ صبر شجاعت ہے۔ زہد ثروت ہے اور پرہیزگاری سپر ہے

(۲) عقلمند کا سینہ اس کے بھید کا صندوق ہوتا ہے۔ بشاشت مودت کا جال ہے۔ حلم عیوب کا قبر ہے یعنی حلیم کے عیوب چھپے رہتے ہیں

(۳) جب اپنے دشمن پر قابو پاؤ تو اسے معاف کر دو اس شکریہ میں کہ اللہ نے تم کو اس پر غلبہ دیا

(۴) عاجز وہ ہے جو اپنے بھائی بنانے سے عاجز ہو اور سب سے زیادہ عاجز وہ ہے جو بنا کر کھو دے

(۵) فرصت کا وقت بادل کی طرح گزر جاتا ہے پس نیکی کی فرصت کو غنیمت جانو۔

(۶) سب سے بہتر زہد وہ ہے جو چھپایا جائے

(۷) سب سے اچھی دولت آرزوں کا ترک کرنا ہے جس نے امیدوں کو بڑھایا اس نے اپنے عمل کو خراب کر لیا

(۸) قناعت ایسی دولت ہے جو ختم نہیں ہوتی۔

(۹) عورت خوش لباس بچھو ہے۔ (۱۰) احباب کا نہ ہونا غربت ہے

(۱۱) کسی حاجت کا پورا نہ ہونا اس سے بہتر ہے کہ کسی نااہل سے کچھ طلب کیا جائے۔

(۱۲) پاکدامنی فقیری کی زینت ہے۔ (۱۳) جب عقل کامل ہوتی ہے تو کلام کم ہو جاتا ہے

(۱۴) حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے پس حکمت کو لے لو اگرچہ وہ منافق ہی سے ملے

(۱۵) خدا کی طرف سے ایک فرشتہ پکار کر کہتا ہے مرنے پر تیار رہو۔ فنا ہونے کے لئے مال جمع کرو اور خراب ہونے کے لئے مکان بنواؤ

(۱۶) صدقہ دیکر اپنے لئے رزق کا نزول چاہو (۱۷) خرچ میں میانہ روی اختیار کرنے والا محتاج نہیں ہوتا

(۱۸) غم آدھا بڑھاپا ہے (۱۹) جس نے اپنا بھید چھپایا اختیار اس کے ہاتھ میں رہے گا (۲۰) فقیری سب سے بڑی موت ہے۔

(۲۱) معصیت خالق میں اطاعت مخلوق نہ ہونی چاہئے۔ (۲۲) اپنے حق کو تاخیر سے ادا کرنے میں عیب نہیں بلکہ عیب اس کو لازم ہے جو دوسرے کا حق لے لے (۲۴) طلب توبہ سے ترک گناہ آسان ہے (۲۵) آدمی جس چیز سے جاہل ہوتا ہے اس کا دشمن ہوتا ہے

حضرت کے یہ کلمات نصائح یعنی چھوٹے چھوٹے نصیحت آمیز کلمے بے شمار ہیں ہم نے ان میں سے چند لکھ دئے ہیں۔

شہادت امیر المومنین ؑ

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کو اپنے عہد خلافت میں ایک دن چین سے حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ جنگ جمل کے بعد سے حجاز والے آپ کے مخالف ہو گئے اور مجبوراً آپ کو اپنا دار الخلافہ بدلنا پڑا اور کوفہ کو دار الخلافہ بنانا پڑا۔ جن لوگوں کو آپ نے بددیانتی کی وجہ سے معزول کر دیا تھا وہ بھی آپ کے دشمن ہوتے جاتے تھے پھر امیر معاویہ جیسے عیار دشمن سے مقابلہ۔ صوبوں میں بغاوت کا زور غرض ایک پریشانی کے عالم میں آپ کی زندگی بسر ہو رہی تھی

مورخین کا بیان ہے کہ فرقہ خوارج کے تین آدمی عبد الرحمن بن ملجم، برک بن عبد اللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی مکہ میں جمع ہوئے اور طے پایا کہ پیشوایان ضلالت (علی و معاویہ اور عمرو عاص) کو قتل کر دیا جائے تو شہروں میں امن قائم ہو جائے گا۔ ابن ملجم نے کہا میں علی کو قتل کروں گا۔ برک نے کہا میں معاویہ کو اور عمرو نے کہا میں عمرو عاص کو ٹھکانے لگا دوں گا اور یہ معاہدہ ہوا کہ کوئی بے قتل کئے واپس نہ آئے۔ اب دوسری روایت مسعودی اور ابن اثیر سے سنئے ابن ملجم کوفہ پہنچا تو قطام ایک عورت سے جو خوارج سے تھی اور بے حد حسین تھی عاشق ہو گیا۔ اس عورت کے رشتہ دار جنگ نہروان میں مارے گئے تھے وہ علی سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ ابن ملجم نے اس سے نکاح کی درخواست کی وہ اس شرط پر راضی ہوئی کہ علی کو قتل کر دے۔ وہ راضی ہو گیا اور اس نے قتل کر دیا۔

ان دونوں روایتوں پر غور کیا جائے تو درجہ صحت سے گری ہوئی نظر آتی ہیں وجوہ حسب ذیل ہیں

(۱) جب مکہ میں تین آدمیوں کے درمیان معاہدہ ہو گیا اور اپنا اپنا ارادہ پورا کرنے کے لئے روانہ ہو گئے اور ابن ملجم کوفہ آیا تو قطام عشق کو سبب قتل قرار دینا چہ معنی دارد۔

(۲) کیا وجہ ہے کہ ملجم تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے اور برک و عمرو ناکام رہے نہ مارا نہ مرے نہ پکڑے گئے

(۳) مورخین لکھتے ہیں کہ ابن ملجم رات کو قطام کے گھر سویا۔ قریب صبح اس نے اس کو جگایا کہ اپنی مہم پر جا علی مسجد میں آ گئے۔ اس روایت کو عقل قبول نہیں کرتی۔ (۱) قطام نے بغیر پہرا کے اپنے پاس کیسے سلا لیا (۲) اتنا عظیم الشان کام کا ارادہ رکھنے والا ایسا بے فکر ہو کر کیسے سویا جس میں اس کو اپنی جان جانے کا بھی خطرہ تھا۔ ایک بادشاہ وقت کا قتل کرنا ایسا معمولی کام نہیں کہ قاتل چین سے سو سکے۔ (۳) قطام کا گھر بازار میں تھا مسجد کوفہ سے دور اسے کیسے پتہ چل گیا کہ علی مسجد میں آ گئے۔ (۴) علی علیہ السلام نماز صبح سے پہلے مسجد میں آتے تھے ابھی اذان ہوئی بھی نہ تھی کہ اس سے قطام کو پتہ چل جاتا (۵) اگر اس کا گھر مسجد کی برابر بھی ہوتا تب بھی اس کو پتہ نہ چلتا حضرت کے مسجد میں آنے کا

(۶) ایک روایت میں ہے کہ ابن ملجم رات کو مسجد ہی میں سویا تھا اس سے قطام والی روایت ساقط الاعتبار ہو جاتی۔ اور یہی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ جس خطرناک کام کو ابن ملجم آیا تھا اسے پورا کرنے کی فکر میں اسے پریشانی لاحق ہونی چاہئے تھی وہاں عشق بازی کا کیا موقع تھا

(۷) مورخین کا کہنا ہے کہ وردان اور شبیب دو شخص اور بھی ابن ملجم کے مددگار تھے لیکن کوئی یہ نہیں بتاتا کہ یہ اچانک کہاں سے آ گئے اور کون تھے اور ان کو علی سے کیا عداوت تھی۔ اور ابن ملجم کی سازباز ان سے کب ہوئی

ان سب باتوں پر غور کرنے والا مجبوراً یہ کہے گا کہ یہ سب معاویہ کے ہی افسانے ہیں جو سیاسی مصالح کی بنا پر تراشے گئے ہیں۔ اگر ابھی

زر کثیر خرچ کیا گیا۔ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار بھی وہیں سے آئی تھی جہاں سے وہ تیر آیا تھا جو ایک جن کی کمان سے نکل کر سعد بن عبادہ صحابی رسول کے سینہ میں پیوست ہو گیا۔ یہ تلوار وہی تھی جو ابن ملجم کو بھیجی تھی جس نے زہر کی پڑیا جعدہ بنت اشعث کے پاس بھیجی کہ فرزند رسول امام حسن علیہ السلام کے کلیجے کے ٹکڑے ٹکڑے کرائے تھے۔

مرتے دم امیر المومنین علیہ السلام جو اسلامی اور ایمانی کردار پیش کیا وہ یہ تھا

(۱) ابن ملجم کو جب گرفتار کر کے لایا گیا تو وہ بہت پیاسا تھا اس نے پانی مانگا آپ نے حکم دیا اسے پانی پلاؤ۔ بعض لوگوں کو یہ رحم دکھ یہ ناگوار ہوا مگر آپ نے جب تاکید فرمایا تو اسکو پلوایا گیا۔ علی کی جگہ دوسرا ہوتا تو یہ رعایت کبھی گوارا نہ کرتا ایسا رحم کردار سوائے اہلبیت رسول دوسرا پیش نہیں کر سکتا

(۲) امیر المومنین نے امام حسن سے فرمایا اگر میں بچ گیا تو سزا میں مناسب سمجھوں گا میں خود دوں گا اور اگر مر گیا تو اس نے میرے سر پر ایک ضرب لگائی ہے لہذا تم بھی ایک ہی ضرب لگانا۔ اگر تجھ سے قتل نہ ہو تو اسے چھوڑ دینا

حضرت علی نے یتیموں، بیوؤں اور مسکینوں کے ساتھ اپنے زمانہ سلطنت میں جو حسن سلوک روا رکھا اس کا ایک ہزارواں حصہ بھی دوسرے رحمدل سلاطین کے یہاں نظر نہیں آتا آپ کا مرتے دم تک یہ معمول رہا کہ ہر شب روٹیاں اور خرمے کندھوں لاد کر گھر سے تمام یتیموں، بیوؤں اور مسکینوں کے دروازوں پر پہنچ دق الباب کرتے اور منہ کو چھپائے ہوئے دیتے تاکہ لینے والوں کو شرم نہ آئے چنانچہ کسی کو پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ کون ہے۔ جب حضرت کے زخمی ہونے کے دوران ان غریبوں کو کھانا نہ پہنچا تو بہت مضطرب ہوئے یتیم بچے اپنی ماؤں سے پوچھتے تھے ہم سے کیا قصور ہو گیا کہ ہمارا وہ مہربان دو راتوں سے ہمارے پاس نہیں آیا ہمیں انکے پاس لے چلو تاکہ ہم اپنی خطا ان سے معاف کرائیں وہ کہتی تھیں ہمیں نہ ان کے نام کا پتہ ہے نہ ان کے گھر کا کہاں لے چلیں اور کس کے پاس لے چلیں اس کا پتہ اس وقت ان کو چلا جب امیر المومنین کا جنازہ گھر سے نکلا۔ بےشمار یتیم اور بیوائیں سر پیٹتی اور سینہ کوٹتی اور واویلا کرتی اور دادرساہ کے نعرے مارتیں جنازہ کو گھیرے ہوئے تھیں اور یتیم بچے واابتاہ کے نعرے مار رہے تھے۔ سلاطین دنیا کے جنازوں کے ساتھ جو دنیا پرستوں کا ہجوم ہوتا ہے اس ہجوم سے اس کو کیا نسبت۔

امیر المومنین نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ تم جنازہ کا پچھلا حصہ اٹھانا اگلا حصہ ملائکہ کے لیے ہو گا جدھر وہ لے جائیں چلے جانا جب جنازہ مقام غری میں پہنچا جس کو اب نجف کہتے ہیں تو خود بخود رک گیا اور قبر کھدی ہوئی ملی اسی میں حضرت کو دفن کیا گیا اور کئی جگہ قبر کے نشانات بنا دیئے گئے اس اندیشہ کے ماتحت کہ بنی امیہ لاش مبارک کے ساتھ بے ادبی نہ کریں۔ ایک مدت تک سوائے ائمہ معصومین کے کسی کو قبر امیر المومنین کا پتہ نہ چلا۔ اب ہارون رشید کا عہد سلطنت آیا تو وہ ایک دن نجف کے علاقہ میں شکار کھیلتا ہوا آیا۔ ایک ہرن کا اس نے پیچھا کیا اس نے اپنے کتے دوڑائے، ہرن ایک مقام پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ ہر چند ہارون نے اپنے کتوں کو للکارا مگر کوئی کتا اس کے پاس نہ گیا۔ کئی تیر سر کیے مگر کوئی تیر اس کو نہ لگا۔ گھوڑا آگے جانے سے رک گیا تب اسے تعجب ہوئی کہ یہ کیا بات ہے ایک بہت بوڑھے آدمی نے جو وہاں موجود تھا بتایا کہ یہ قبر امیر المومنین ہے ہارون گھوڑے سے اترا اور آداب زیارت بجا لایا اور سب سے پہلے قبر مبارک پر اسی نے قبہ بنوایا

حضرت علی اور ملکی فتوحات

اگر اسلام میں کسی خلیفہ کی ذہانتی صلاحیتوں کا جائزہ ملکی فتوحات ہی پر منحصر ہے تو بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ تمام اسلامی غزوات میں جو فتوحات حاصل ہوئیں وہ سب علی کے زور بازو کی رہین منت ہیں۔ بدر۔ اُحد۔ خندق۔ خیبر، حنین کی فتح کا سہرا علی ہی کے سر رہا۔ کیا ان تمام فتوحات کو قضایا کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا فتح بہر صورت فتح ہی ہوتی ہے خواہ اول میں ہو خواہ آخر میں۔ سب سے پہلے ہاتھ مارنے والا زیادہ قابل تعریف ہوتا ہے

اب رہیں غیر ملکی فتوحات تو اگر حضرت علی کو خانہ جنگیوں سے فرصت مل جاتی تو آپ بھی آگے قدم بڑھاتے مگر نہ اتنی بے باکی اور بے احتیاطی سے کہ اسلام بدنام ہو جاتا۔ لڑتے اور ضرور لڑتے مگر جب جہاد کے قواعد اجازت دیتے صرف مال غنیمت کی طمع یا توسیع مملکت کے شوق میں لڑنا علی کے فرائض سے خارج تھا

پھر بھی اس طرف سے غافل نہ رہے خلافت ثالثہ کے دور میں جو علاقے پوری طرح مطیع و منقاد نہ تھے آپ نے فوجیں بھیج کر ان کی سرکوبی کی اور اسلامی حکومت کا فرمانبردار بنایا۔ ہندوستان اور فارس میں جہاں اسلامی علاقے تھے ان کے حدود میں توسیع کی غرض اور اس کے توابع میں جو بغاوت ہوئی اسے فرو کیا۔

کا راجہ ششصب جو عہد عثمان تک کافر تھا امیر المومنین نے اُسے بلا کر ہدایت کی تو وہ مسلمان ہو گیا اور واپس جا کر اپنے اسلامی سلطنت قائم کی۔ فارس کے مشرقی حصہ میں حریث بن جابر حنفی کے تحت ایک لشکر بھیجا انھوں نے سرکشوں کو ڈرایا دھمکایا ورنہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے اور ہر ناحیہ رخنہ الصفا دروزہ مملکت کو وسعت دی۔ اندرونی خلفشار نے اس سے زیادہ کی اجازت ہی نہ دی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب مستطاب

حالات انبیا و ائمہ

پر

تنقید و تبصرہ

حصہ چہارم

حالات امام حسن علیہ السلام

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات امام حسن علیہ السلام

امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے۔ جس معاویہ نے حضرت علی کو ایک دن چین سے حکومت کرنے نہ دی وہ بھلا امام حسن کو کیا کرنے دیتا۔ ان سیاسی نظریات ایک خاص سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی۔ زر زور، حیلہ و تدبیر، تشدد، سخت گیری انکی سلطنت کے ارکان تھے جس سے جیسا موقع ہوتا کام نکال لیتے

امام حسنؑ کے خلیفہ ہوتے ہی دمشقی فوج میں نقل و حرکت شروع ہوگئی۔ نعرے ہونے لگے اور ہر طرف سازشوں کے جال بچھ گئے امام حسنؑ کے پاس کل ۱۲ ہزار فوج تھی جنکے ہاتھوں میں برائے نام ہتھیار تو تھے مگر ان کے چلانے کی قوت دلوں میں نہ تھی۔ امام حسن علیہ السلام نے طرح طرح سے انہیں سمجھایا، غیرت بھی دلائی مگر دنیا کی دولت کا زہر رگ و ریشہ میں پیوست ہوچکا تھا وہ کہاں نکلتا جن قدموں کے نیچے گرانقدر جنتی فرش بچھ چکا ہو وہ نامیدان کی طرف کیا اٹھتے۔ بظاہر امام کے ساتھ تھے لیکن دل نصیب دشمناں ہو چکے تھے۔ عدی بن حاتم جیسے دس بیس وفادار حیران تھے یہ کیا ہو رہا ہے لیکن وہ بیچارے کر ہی کیا سکتے تھے۔ تاہم امام علیہ السلام کے ٹوٹے دل کا سہارا تھے۔

معاویہ کا لشکر شہر انبار تک آگیا تھا امام حسن نے پے در پے اپنی تقریروں سے ٹھنڈے دلوں کو گرما رہے تھے بہزار مشکل چار ہزار دل باختہ سپاہیوں کو مقابلہ کے لئے بھیج سکے۔ وہاں سازشوں کا جال بچھا ہوا تھا جس کے نیچے سونے چاندی کے چمکدار سکے پڑے ہوئے تھے جو حرص و آز کی نگاہوں کو کھینچ رہے تھے مثل مشہور ہے کوئی "لاالوفی" سب کے سب اس جال میں پھنس گئے۔ سردار فوج جو قوم مراد کا ایک شخص تھا پانچ ہزار لے کر شام کی تاریکی میں چھپ گیا۔ جب امام حسن کو یہ حال معلوم ہوا تو بہت دل شکستہ ہوئے اور عراقیوں کی اس انتہائی غداری سے معاویہ کے مقابل کامیابی کی کوئی امید نہ رہی۔ بہرحال مقابلہ تو کرنا ہی تھا۔ عبداللہ بن عباس کی قیادت میں ایک لشکر بھیج دیا گیا لیکن معاویہ کی داد و دہش نے ان کو بھی کھینچ لیا۔ جب چند بار یہی تلخ تجربہ ہوا تو آپ کی جان خطرہ میں نظر آنے لگی۔ وہ وقت آپ کے لئے بہت پریشانی کا تھا بالآخر یہ سوچا فیصلہ کیا کہ آپ مقابلہ کو چلے۔ جب شہر مدائن میں پہنچے اور لشکریوں کی مخالفانہ اور منافقانہ حرکات میں اور زیادہ ترقی دیکھی تو آپ کو یقین ہوگیا کہ یہ لوگ میرے درپئے قتل ہیں ان سے کوئی امید ہمدردی نہیں۔ یہ سب معاویہ سے مل گئے ہیں اور طمع دنیا ان پر غالب آگئی ہے۔

آپ نے ان سب کو جمع کرکے فرمایا

لوگو! میں آگاہ کرتا ہوں کہ میں خلق خدا کا خیر خواہ ہوں۔ میرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہیں اور نہ میرے دل میں کسی سے بدی کا ارادہ ہے۔ جو امر تم اپنے لئے بہتر جانتے ہو میں اس سے زیادہ بہتر جانتا ہوں پس میرے کلام کی مخالفت نہ کرو امید ہے اللہ تعالیٰ تمہارے گروہ گمراہوں کو بخش دے گا۔

یہ تقریر سن کران کے باغیانہ خیالات پر اور زیادہ تازیانہ لگا۔ وہ تو علیحدگی کا بہانہ تلاش کر ہی رہے تھے کہنے لگے آپ کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ معاویہ سے صلح کرنا چاہتے ہیں اور منصب خلافت اس کی سپرد کرکے آپ ہم سب کی گردنیں اس کے ہاتھوں میں دینا چاہتے ہیں آپ معاذ اللہ کافر ہوگئے جیسے اس سے پہلے آپ کے باپ کافر ہوگئے تھے۔

اس کے بعد ایک شورش شدید پیدا ہوئی۔ کچھ لوگ بڑھے اور آپ کے دوش مبارک سے ردا چھین لی۔ وہ مصلیٰ جس پر آپ بیٹھے تھے آپ کے نیچے سے کھینچ لیا۔ یہ حال دیکھ کر آپ مدائن کی طرف چلے۔ ایک خارجی نے جس کا نام جراح بن قبیصہ تھا آپ پر خنجر کا وار کیا جس سے آپ کی ران پر گہرا زخم آیا۔ لوگوں نے اس ملعون کو پکڑ کر قتل کر دیا آپ کے ساتھیوں نے آپ کو گھوڑے سے اتار کر عماری میں بٹھایا اور وہاں سے چل کر سعد بن عبادہ ثقفی کے گھر لائے۔ سعد مختار علیہ الرحمہ کے چچا تھے انھوں نے بڑے خلوص سے آپ کی خدمت کی اور جراح سے علاج کرایا۔ آپ کے اصحاب خاص آپ کے صحت یاب ہونے تک مدائن میں مقیم رہے

عبداللہ بن عامر کو معاویہ نے حضرت کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ آپ میرے اور مقابلہ اور محاربہ سے باز آئیں اور اپنے اور اپنے اصحاب کو ہلاکت سے بچائیں۔ عبداللہ کی اس تقریر سے اہل عراق کے کلیجے دہل گئے اور جو رہے سہے لوگ آپ کے ساتھ تھے وہ بھی لشکر شام سے جا ملے۔

مجبوراً حضرت نے معاویہ کو خط لکھا۔ اے معاویہ میں چاہتا تھا کہ لوگوں کو کتاب خدا اور سنت رسول پر چلاؤں مگر لوگوں نے مجھ سے موافقت نہیں کی لہذا اب میں مجبوراً تجھ سے صلح کا خواستگار ہوں۔ معاویہ کو قبول کرنے میں کیا عذر تھا ایک سادہ کاغذ حضرت کے پاس بھیج دیا کہ جو شرائط چاہئے لکھ لیجئے میں سب کو منظور کرلوں گا۔

شرائط صلح

مضمون صلحنامہ یہ تھا

معاویہ کو حسب ذیل شرائط کی پابندی کرنا ہوگی۔

(۱) لوگوں کے درمیان کتاب خدا اور سنت رسول کے مطابق عمل کرنا ہوگا

(۲) معاویہ کو اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا حق نہ ہوگا

(۳) شام و عراق و یمن و حجاز کے لوگ امن و امان سے رہیں گے

(۴) اصحاب علی اور ان کے تمام شیعہ ہر جگہ جان و مال و آبرو سے محفوظ رہیں گے اور بے خوف و خطر پوری پوری آزادی سے اپنی زندگی بسر کریں گے

(۵) معاویہ کے بعد امام حسن اگر زندہ رہیں تو سلطنت انکی طرف عود کرے گی اور اگر امام حسن مر جائیں تو امام حسین کیلئے ہو گی

(۶) فلاں علاقے کے محاصل سے ہر سال ... امام حسن کو ملا کرے گا

(۷) امام حسن امام حسین اور ان کے خاندان سے معاویہ کوئی مکر و غدر نہ کرے گا

(۸) حضرت علی پر سب و شتم کا سلسلہ قطعاً بند کر دیا جائے گا اور خطبوں اور قنوت نمازمیں آئندہ کوئی حضرت علی اور ان کے شیعوں کو برا نہ کہے گا

یہ سب منظور کر لی گئیں اور امام حسن علیہ السلام سلطنت سے دست کش ہو گئے لیکن یہ سب دھوکا تھا فریب تھا ان میں سے ایک شرط بھی پوری نہ ہوئی سب باتیں پر دستور رہیں۔ امام حسن علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت علی علیہ السلام کو نازیبا الفاظ سے یاد کیا گیا۔

سلطنت سے دست کش ہونے کے بعد امام حسن علیہ السلام کوفہ سے ترک سکونت کر کے مدینہ آ گئے

تبصرہ۔ ان واقعات پر سطحی نظر کرنے والا بھی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ امام حسن علیہ السلام نے یہ صلح انتہائی مجبوری میں کی ایک حکمران ایسی حالت میں اپنے حریف کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے جبکہ اس کی فوج غدار بلکہ دشمن سے جا ملی ہو۔ حکومت شام جن ناپاک ذرائع سے کام لے کر دشمن کو اپنے سے ملا سکتی تھی ان کا عمل میں لانا امام حسن علیہ السلام کی مروت سمجھتے تھے۔ اگر امام اس موقع پر صلح نہ کرتے تو خود بھی قتل ہو جاتے اور آپ کے تمام وفادار ساتھی بھی مارے جاتے۔ لہذا مصلحت وقت یہی تھی کہ صلح کر لیں

(۲) اس صلح پر آپ کو بزدلی کا طعنہ نہ دینا چاہئے "الصلح خیر" پر امام کی نظر تھی۔ صلح تو آنحضرتؐ نے بھی کفار سے کی تھی اور بہ کر کی تھی۔ ہاں صلح کی شرائط پر عمل نہ کرنا اور معاہدہ کے خلاف کارروائی کرنا صرف وہی لوگ گوارا کر سکتے ہیں جن سے کفر کی بو آتی ہو حضرت رسول خدا نے جو معاہدہ کفار و مشرکین سے کیا تھا وہ کبھی نہ توڑا تھا۔ مسلمان حضرت معاویہ کو جو چاہیں سمجھیں وہ جانیں اور ان کا ایمان جانے لیکن واقعات کی زبان ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ کسی معاہدہ کا نقض انتہائی اخلاقی پستی ہی کا ثبوت نہیں بلکہ وہ اعتبار کا رنگ بھی چہرہ سے اتار لیتا ہے

(۳) سب و شتم کے موجد جناب معاویہ ہی ہیں ان سے پہلے یہ عمل خیر کسی صحابی نے نہیں کیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نہ صرف صحابی رسول تھے بلکہ آپ کے چچا زاد بھائی بھی تھے۔ داماد بھی تھے لشکر اسلام کے علم دار بھی تھے۔ ان کے متعلق حضرت رسول خدا نے بار بار فرمایا تھا علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں جس نے اسے گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر معاویہ نے صحابی رسول ہوتے ہوئے اس فعل قبیح کا ارتکاب سالہا سال کیوں کیا۔ صلح سے قبل جتنے نیک کام کر چکے تھے ان کی نیکنامی اور اسلام نوازی کے لئے وہی کافی تھے۔ معاہدہ کے بعد ان سے باز رہنا چاہیئے تھا لیکن اس کے برعکس انھوں نے اپنا ثواب بڑھانے کے لئے اور زیادہ شدت اختیار کی اور سلطنت کے قوانین میں اس رسم بد کو داخل کئے بغیر چین نہ آیا یہ رسم حضرت عمر بن عبدالعزیز (بنی امیہ کا ساتواں بادشاہ) کے عہد سلطنت سے پہلے تک جاری رہی اس نیک دل بادشاہ نے اپنے عہد حکومت میں اس کو بند کیا۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس شرط کی خلاف ورزی اس حد تک کی گئی کہ امام حسن علیہ السلام کی موجودگی میں بھی اس کی روک تھام نہ کی گئی کم سے کم اتنا لحاظ تو کیا جاتا کہ نفسیاتی اعتبار سے یہ عمل کتنا وحشیانہ تھا ایک بیٹا اپنے باپ کی یہ توہین کس دل سے سن سکتا ہے

(۴) اہل بیت رسول کے اقتدار پر چوٹیں تو حضرت رسول خدا کے بعد ہی سے پڑنی شروع ہو گئی تھیں مگر وہ ذرا ڈھکی چھپی تھیں۔ معاویہ شاہی دور میں کھلم کھلا پڑنے لگیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی نظر میں آل رسول معمولی انسان بن کر رہ گئے بلکہ ان سے بھی کم درجہ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کربلا میں اولاد رسول کے گلے انتہائی بے دردی سے نہ کاٹے جاتے۔

(۵) اس معاہدہ کی دوسری خلاف ورزی محبان اہلبیت کا بے جرم و خطا قتل کرنا تھا چنانچہ بڑے بڑے مقدس اصحاب رسول جن کے شب و روز عبادت خدا میں گذرتے تھے نہایت سنگدلی سے ذبح کر دیئے گئے جیسے جناب حجر بن عدی۔ عمرو بن حمق۔ رشید ہجری اور جناب میثم تمار اور محمد بن ابوبکر وغیرہ ان کے علاوہ بے شمار محبان علی کو تہ تیغ کیا گیا بالخصوص زیاد بن ابیہ نے تو چن چن کر عراق کے شیعوں کو مارا

ان کو زندہ جلا یا گیا۔ انکی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلاخیں ڈال کر اندھا کیا گیا۔ انکے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ انہیں سولی پر لٹکایا گیا غرض کہ انداز قتل اٹھا نہیں رکھا گیا۔ کیا اسلامی معاہدے ایسے ہی ہوتے ہیں

(۶) شرائط معاہدہ جو رقم امام حسن کو ملنی چاہیے تھی وہ ایک سال بھی نہ ملی اور اس طرح ان کی اقتصادی حالت کو سخت نقصان پہنچایا گیا۔ خواہش یہ تھی کہ نبی زادہ سائلوں کی طرح دربار شام میں آکر ہاتھ پھیلائے۔ لاحول و لاقوۃ۔ انہیں فاقہ سے مرجانا گوارا تھا اس ذلت سے

اقبال کرم می گزد ارباب ہمم را

ہمت نہ خورد نیشتر لا و نعم را

(۷) کہا جاتا ہے کہ امام حسین اس صلح پر اپنے بھائی کے مخالف ہو گئے تھے اور ان سے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے۔ کیا موقع کی نزاکت امام حسین کی نظر میں نہ تھی۔ کیا وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کوئی جنگ بے فوج کے نہیں لڑی جاسکتی کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ چند آدمیوں کے سوا ساری فوج دشمن کی سازش کا شکار ہو چکی ہے۔ دوسرے امام حسن معصوم تھے خلاف شرع کوئی عمل ان سے سرزد ہو نہیں سکتا تھا۔ معصوم کے عمل پر غیر معصوم تو اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے اعتراض کر سکتا ہے مگر معصوم نہیں کر سکتا رسول خدا نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے متعلق فرمایا تھا ھما اماما ن قاما او قعدا یہ دونوں امام ہیں چاہے بیٹھیں یا کھڑے ہوں۔ اس سے مراد یہ بھی ہے چاہے جنگ کریں یا نہ کریں۔ پس قعدا کا تعلق امام حسن سے ہے اور قاما کا تعلق امام حسین سے ہے۔ جناب رسول خدا سے یہ حدیث سننے کے بعد امام حسین اپنے بھائی کے فعل پر کیسے اعتراض کر سکتے تھے۔ ایک واجب الاطاعت امام سے ناراضگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

(۸) ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر امام حسن سے پہلے معاویہ کا انتقال ہو جائے گا تو سلطنت امام حسن کی طرف عود کرے گی اور اگر امام حسن بھی پہلے مرجائیں تو امام حسین کو ملے گی اس شرط کا پورا ہونا امام حسین کے حال سے ظاہر ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ امیر صاحب اس خوف سے کہ اپنی زندگی میں جلد از جلد یزید کو ولی عہد بنا دینا چاہتے تھے چنانچہ انکی تدبیر کارگر ہوئی اور امام حسن انکی زندگی ہی میں انتقال کر گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیوی سیاست کے ساتھ دینی سیاست چل نہیں سکتی۔ دنیوی سیاست کو اپنی جاگ دوڑ کے لئے بہت بڑا میدان ملتا ہے وہ اپنی کامیابی کے لئے ان تمام وسائل سے کام لے سکتی ہے جو حرام و حلال کی قیود سے آزاد ہوں بر خلاف دینی سیاست کے کہ اس کے عمل کا دائرہ بہت تنگ ہے وہ اس سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی

(۹) اسلامی تاریخوں کی یہ غضب کی بات سن لیجئے کہ امام حسن نے انتزاع خلافت کے بعد معاویہ سے بیعت کر لی تھی جس کی وجہ سے بڑے آرام سے زندگی گزاری۔ بات یہ ہے کہ مارنے کا ہاتھ تو پکڑا جا سکتا ہے مگر کہنے والے کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی۔ مورخین کے سروں پر بنی امیہ کے انعام و اکرام کا سایہ ہے، ورقلم پر انکی سطوت شاہی کا جادو ہے نہ ان کی منشا کے خلاف نہ لکھ سکتے تھے نہ بول سکتے تھے۔ تاریخیں غلط واقعات لکھ کر اپنا اعتماد کھو بیٹھیں ان کی روایتوں میں درایت کی چمک ماری گئی ذرا سا بھی غور کر لیتے تو ایسی بے سر و پا باتیں درج نہ کرتے۔

اگر بیعت کر لی ہوتی تو معاویہ کے ہر عمل کو سراہتے لیکن ایسا نہیں جو خطوط امام حسن نے معاویہ کو لکھے ہیں ان کو پڑھئے کیا بیعت کرنے والا ایسے سخت لہجہ میں لکھ سکتا ہے۔ کیا اس کے نفس پر ایسی بے باکی سے ٹوک سکتا ہے۔ عذاب آخرت سے اس طرح ڈرا سکتا ہے

امام حسن حسب فرمودہ رسول امام منصوص من اللہ ہیں وہ ایک ایسے شخص کی بیعت کیسے کرسکتے ہیں جو شجرہ ملعونہ کی ایک شاخ ہو اور رسول کی زبان پر اس کی مذمت آئی ہو۔ بیعت فاضل کی کی جاتی ہے نہ کہ مفضول کی۔ معاویہ کو کوئی فضیلت امام حسن پر نہ از روئے حسب و نسب حاصل تھی نہ از روئے علم و فضل نہ از روئے ایمان و معرفت، نہ از روئے زہد و تقویٰ نہ از روئے کمال نفس و تقرب ایزدی نہ ان کا شمار خلفائے راشدین میں تھا نہ سلاطین صالحین میں بلکہ رسول نے ان کو ملک عضوض کا خطاب دیا تھا۔

(۵) مصالحت کے وقت بیعت کا سوال اٹھا ہی نہیں اگر اٹھتا تو امام حسن ہرگز راضی نہ ہوتے چاہے قتل ہو جاتے صلح کا تعلق جنگ بند کرنے اور سلطنت معاویہ کو سپرد کرنے سے تھا نہ کہ بیعت سے۔ یہ تو آل رسول کے روحانی اقتدار کو داغدار بنانے کی ناپاک کوششیں تھیں۔

(۶) اگر بیعت ہی کرنا منظور ہوتا تو پھر اس سارے خلفشار کی ضرورت ہی نہ تھی بیعت کر لیتے تو کم سے کم کسی صوبہ کی گورنری ہی مل جاتی امیر معاویہ کے اکرام و انعام کے مستحق ہی ہو جاتے

(۷) اگر امام حسن بیعت کر لیتے تو شیعی حلقوں میں سختی سے مخالفت ہوتی اور ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھار ہوتی لیکن شیعوں کے عقیدہ میں کوئی فرق نہ آنا اس کی دلیل ہے کہ بیعت نہیں ہوئی

(۸) معاویہ کو اپنے لئے بیعت لینے کی ضرورت ہی نہ تھی جو سلطنت جبر و تشدد کے ساتھ پروان چڑھ رہی ہو جہاں زر و سیم سے مخالفوں کے منہ پر مہر لگائی جا رہی ہو جہاں بال میں بندھی تلواریں لوگوں کے سروں پر لٹک رہی ہوں جہاں سازشوں کے جالوں میں گردنیں پھانسی جا رہی ہوں وہاں کسی سے بیعت لینے کی ضرورت ہی کیا تمام قلمرو اسلامی میں اور کس کس سے بیعت لی گئی تھی جو امام حسن سے ہی لی جاتی

(۹) اگر امام حسن علیہ السلام بیعت کر لیتے تو امام حسین پر بھی بیعت کرنا فرض ہو جاتا کیونکہ امام حسن امام مفترض الطاعۃ تھے لیکن ایسا نہیں ہوا

(۱۰) امام حسن کے بیعت کر لینے کے بعد شیعان علی بھی بیعت کر لیتے اور قتل و غارت سے بچ جاتے لیکن ایسا بھی نہ ہوا۔

(۱۱) تاریخوں سے یہ ثابت ہے کہ اہلبیت علیہم السلام میں سے کسی نے بنی امیہ اور بنی عباس کے کسی خلیفہ سے بھی بیعت نہیں کی۔

(۱۲) کسی بادشاہ کے حدود سلطنت میں زندگی بسر کرنا اس کی دلیل نہیں کہ اس کی بیعت بھی کرلی ہے۔ اس کے انتظام سلطنت میں دخل نہ دینا اور اس کی بدروی پر خاموش رہنا اس کی بیعت کر لینے کا ثبوت نہیں۔

(۱۳) بیعت کا تعلق نبوت یا امامت سے ہوتا ہے بادشاہت سے نہیں۔ یہ تو ایک دینی معاملہ ہے یعنی بیعت لینے والا اس عہد کے ساتھ بیعت لیتا ہے کہ میں تم کو امور نیک کی ہدایت کرونگا بری باتوں سے بچاؤں گا۔ خدا سے تمہارا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑ دوں گا۔ تم ہر حالت میں میرے شریک حال رہنا۔ اور بیعت کرنے والا اپنے نفس کو اس کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے اس نیت کے ساتھ کہ میں اس کے ہر حکم پر عمل کروں گا اور اس کے ہر فعل کی تاسی کروں گا۔ یہ اطاعت مطلقہ معصوم کے سوا دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ غیر معصوم کی بیعت ایک معصوم کیسے کر سکتا ہے کیونکہ اس کے ہر عمل پر عصمت کا چوکیدار نہیں بیٹھا ہوتا اسی لئے بادشاہوں کی اطاعت اطاعت مطلقہ نہیں ہوتی اگر وہ مداخلت فی الدین کریں تو رعایا کا فرض ہے کہ ان کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ معاویہ کی بیعت کر کے ایک نبی زادہ جو خود امام تھا ہو کیا فیض حاصل کرتا۔

(۱۴) یہ تو طے شدہ بات ہے کہ معاویہ کا طرز جہانبانی خلفائے راشدین کے خلاف تھا اسی لئے ان کو خلفائے راشدین کی فہرست سے صف ملوک میں رکھا گیا اس صورت میں جب خلافت رسول سے ان کا رشتہ قطع ہو گیا اور قیصر و کسریٰ کے حلقہ میں ان کو جگہ مل گئی

ثواب بیعت کا ان سے تعلق رہ گیا۔

تعدد ازواج اور امام حسن

اہلبیت رسول کے گھر میں دولت نے تو کبھی جنم لیا ہی نہیں البتہ دو چیزیں اہل ایمان کے دل کھینچنے کے لئے مقناطیس بنی ہوئی تھیں ایک بلندی کردار دوسرے روحانی اقتدار اور یہ دونو قطبیں اس قدر بلند مرتبہ تھیں کہ دوسروں کا طایر خیال بھی وہاں تک پر پرواز نہیں مار سکتا تھا۔ امام حسن سے سلطنت لینے کے بعد اب امیر معاویہ کو یہ فکر ہوئی کہ ان کے کردار کو داغدار ثابت کیا جائے تاکہ معاہدہ کے خلاف جو کارروائی کی جائے اس کا جواز پیدا ہو جائے۔ کردار کی پستی ہی ایک ایسی چیز ہے کہ انسان کی وقعت لوگوں کی نظروں سے گرا دیتی ہے اور بدکردار اور عیش پرست انسان سے ہمدردی کے رشتے قطع ہو جاتے ہیں

سوچے سمجھے یہ الزام لگایا گیا کہ امام حسن بہت زیادہ شہوت پرست انسان تھے ہر رات کو ایک نئی عورت سے ہم بستر ہوتے تھے اور صبح کو اسے طلاق دے کر رخصت کر دیتے تھے یہاں تک کہ آپ کو طلاق کے نام سے پکارا جانے لگا۔ حکومت وقت کا اشارہ پاتے ہی ایمان فروش مورخوں کے قلم چل پڑے اور بے سوچے سمجھے آپ کی ازواج کی تعداد کو تین سو تک پہنچا دیا۔ عقل چیختی رہ گئی مگر جب کسی روایت کو گھڑتے وقت عقل کو مفلوج بنا دیا جائے تو پھر انسان جو چاہے لکھ

سوال یہ ہے کہ یہ عیش نوازی کس زمانہ میں ہوئی۔ اگر حضرت علی کے عہد سلطنت میں ہوئی تو کوئی احمق ہی اس کو مان سکتا ہے جس علی نے بیت المال سے کبھی ایک پائی نہ لی اور فقر و فاقہ میں زندگی گزاری جس نے اپنے بھائی عقیل کو معینہ وظیفہ سے چھٹانک بھر زیادہ نہ دیا کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو اتنی دولت دیدیتے کہ وہ اس الّلے تلّلے سے دولت لٹاتے۔ اور اگر اپنے عہد حکومت میں ایسا کیا تو وہ زمانہ ہی چند ماہ سے زیادہ نہ تھا اور وہ بھی امیر معاویہ کی سازشوں کی بدولت اس طرح گزرا کہ نہ رات کو چین تھا نہ دن میں۔ ایسی صورت میں ہوس رانی کیسی

مسلمانوں کو بیک وقت چار نکاحی بیبیوں سے زیادہ کی اجازت نہیں اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی جگہ دوسری کر سکتا ہے اب رہیں کنیزیں تو ان کے ملنے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں

(۱) غنیمت میں ہاتھ آئیں تو یہ صورت امام حسن کے لئے ممکن نہ تھی امیر المومنین نے اپنے عہد حکومت میں مشرکین پر لشکر کشی نہیں کی کہ فتح کے بعد وہاں کنیزیں ملجاتیں اور ان میں سے امام حسن کے حصہ میں بھی کچھ آ جاتیں۔ خود امام حسن کی حکومت میں بھی جو چند ماہ تھی ایسا نہ ہوا۔

(۲) اب دوسری صورت پر غور کیجئے یعنی کنیزوں کو خرید کر کے یہ شوق پورا کرتے تو کنیزیں مرغیاں تو نہ تھیں کہ دو چار روپیہ میں ملجاتیں کسی کو پاس سے کم کنیزیں خریدنے کے لئے تو بڑی رقم درکار تھی اور حسین اور جوان کنیزیں تو کئی کئی ہزار روپیہ میں ملتی تھیں پانسو سو درہم میں تو کوئی سڑی سے سڑی کنیز بھی نہ ملتی تھی۔ آخر اتنی دولت امام حسن کے پاس کہاں سے آئی کہ کنیزوں پر کنیزیں خریدتے رہے اوران کو پے در پے طلاق دیتے رہے

کنیزوں کا خریدنا گھر میں تھا اور ان کو طلاق ہوتی پس پردہ تو معاملہ نہ تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کیا گھر والے اور کنبہ والے یہ
عمل نہ دیکھتے ہونگے اگر دیکھتے ہونگے تو طعنہ زنی بھی ضرور کرتے ہونگے مگر اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔

(۳) اگر منکوحہ بی بیوں کو طلاق دے دے کر بدلتے رہتے ہونگے تو یہ کھیل ایک جاہل سے تو ممکن ہے مگر ایک نبی زادہ جو منصوص من اللہ
امام بھی ہو عقل میں آنے والی بات نہیں۔ کیا رسول کی یہ حدیث امام علیہ السلام کے کانوں تک نہ پہنچی ہوگی ابغض الاشیاء عندی
الطلاق (میرے نزدیک سب سے بری چیز طلاق ہے) طلاق کو اسلام نے جائز ضرور قرار دیا ہے مگر بدرجہ مجبوری۔ پس اس صورت
میں امام اس کو کیسے پسند کر سکتے تھے۔ طلاق کھیل تو نہ تھا کہ انت طالق کہہ کر تنکا سا توڑ دیا۔ مطلقہ کا مہر بھی تو ادا کرنا تھا بصورت اس
کے حاملہ ہونے اس کے نان و نفقہ کی کفالت بھی تو وقت ولادت تک تھی۔ یہ کھیل تو بڑے دولت مند ہی کھیل سکتے ہیں۔

(۴) بالفرض متعہ کرتے تھے تو یہ آزاد عورتیں کہاں سے دستیاب ہو جاتی تھیں اور وہ کیسے گوارا کر لیتی تھیں کہ ایک ایسے شخص سے متعہ
کریں جو ایک رات یا چند راتوں بعد رخصت کر دے اگر بالفرض ایسی ضرورت مند بھی جاتی ہوں تو ممتوعہ کا مہر ادا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے
اور پھر عدہ تک کا خرچ بھی اور در صورت حمل ولادت کا خرچ بھی

(۵) پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کیا وہ سب عورتیں بانجھ تھیں کہ ان میں سے کسی سے اولاد نہ ہوئی اگر تین سو میں سے صرف پچاس
بھی اولاد ہو جاتی تو ایسی صورت میں گھر کے اندر بچوں کی ایک بھیڑ ہو جاتی۔ حالانکہ کسی مورخ نے ۱۵ سے زیادہ آپ کی اولاد نہیں لکھی
یہ تعداد تو دو تین بی بیوں سے بھی پوری ہو سکتی ہے۔

(۶) کون نہیں جانتا کہ عورتوں میں سوتیا ڈاہ بھی ہوتی ہے اوروں کا کیا ذکر رسول کا گھر بھی اس سے نہیں بچا اور اسی لئے حضور کو سب کے
گھر علیحدہ علیحدہ بنوانے پڑے پس اگر امام حسن کی بہ کثرت ازواج ہوتیں تو آپ کو بھی بہت سے گھر بنوانا پڑتے ورنہ ایک گھر میں وہ دھوم
ہوتی کہ دنیا تماشہ دیکھتی۔ جن مورخوں کے قلم سے رسول کی بی بیوں کے سوتیا ڈاہ کے قصے لکھے گئے کیا وہ امام حسن کے گھر کے ایسے
قصے لکھنے سے چھوڑ دیتے لیکن کسی ایک مورخ نے بھی کوئی واقعہ چھوٹا یا بڑا اجمالاً یا مفصلاً نہیں لکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب افسانے
معاویہ شاہی افسانہ گویوں کے تراشے ہوئے ہیں

(۷) انسان کتنا ہی بڑا ہوا پرست اور عیاش طبع کیوں نہ ہو مگر پھر بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ سب عورتوں سے یکساں اس کا سلوک ایسا رہے
کہ لطف اندوزی کے بعد سب ہی کو باری باری رخصت کرتا رہے بہت سی عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ وہ مردوں کا دل اس طرح موہ لیتی ہیں کہ
مرد ان سے جدا ہونا نہیں چاہتا تو کیا امام حسن کی ان تین سو ازواج میں دس بیس بھی ایسی نہ ہوں گی جو مستقلاً قربت خاص حاصل کر لیتیں

(۸) جب کوئی کسی کو بدنام کرنے کی ٹھان لے تو ہزار عیب اس کے بیان کر سکتا ہے بالخصوص جب زمام حکومت کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو غلط
پروپیگنڈہ کرنے والوں کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دے تو اس کو بہ کثرت ایسے ایمان فروش کیوں نہ مل جائیں۔ امیر معاویہ کی دلی
خواہش تھی کہ امام حسن بدنام ہوں لہذا دولت کے پجاریوں نے [illegible] پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ امام حسن دنیا میں
کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں اور معاویہ اگر مر جائے تو امام حسن کے ہاتھ میں دوبارہ زمام سلطنت دینے پر مسلمان راضی نہ ہوں

(۹) عام قاعدہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے نفس پر دوسرے کے نفس کا قیاس کیا کرتا ہے جو لوگ بداخلاقی اور بدکرداری کی نجاست میں
لتھڑے ہوئے ہوں وہ امام حسن علیہ السلام کی پاکیزہ نفسی کو کیا سمجھ سکتے ہیں اہلبیت رسول بلند کرداری کے نمونے تھے وہ دنیا میں

اس لیے بھیجے گئے تھے کہ خدا پرست لوگ ان کے نشانِ قدم پر چلیں۔ ایسے لوگ بھول کر بھی کوئی ایسا عمل یا کردار پیش نہیں کر سکتے جس کو دنیا کے نیکی پسند اور تقویٰ پسند نہیں کیا کرتے یہ شیوہ تو عیش پسند لوگوں کا ہے نہ کہ اس کا جس نے آغوشِ رسول میں پرورش پائی ہو جو امام علی اور ہادیِ امت ہو جس کا محبوب مشغلہ عبادتِ خدا ہو جو قائم اللیل اور صائم النہار ہو اس ہوس رانی اور عیش کوشی سے کیا واسطہ۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ اشعث خاندانِ رسول کا دشمن ہے اس کی بیٹی جعدہ سے امام حسنؑ نے کیوں شادی کی اور اپنے قاتل کو گھر میں لا کر کیوں بٹھایا جواب یہ ہے کہ رشتہ ویسا ہی تھا جیسے حضرت رسول نے دشمنِ اسلام ابوسفیان کی بیٹی کو بمصلحت اپنی زوجیت میں لے لیا تھا۔

شہادتِ امام حسن علیہ السلام

چونکہ امیر معاویہ کو یہ کھٹکا لگا ہوا تھا کہ اگر امام حسنؑ میرے بعد زندہ رہے تو حسبِ شرائطِ صلح نامہ یہ حکومت انہی کی طرف لوٹ جائے گی ان کا ارادہ یہ تھا کہ اس حکومت کو اپنی میراث بنا لیں لہٰذا اب وہ روز اس فکر میں رہنے لگے کہ کسی طرح امام حسن ان کے سامنے مر جائیں۔ وہ ناروا حربے توڑ جوڑ کے تھے۔ نہ معلوم کتنی بے شمار جانیں ان کی سیاست کی چکی میں پس چکی تھیں۔ تلوار کے علاوہ بھی موت کے بہت سے نسخے انہیں یاد تھے۔ سازش میں بھی وہ کمال تھا کہ شیر دل بیٹھے کے بیٹھے رہ جاتے جہاں بات کہتے پھسلا پڑ جاتا تھا مشکل سے مشکل مسائل کو ان کی ذہانت چٹکی بجاتے حل کر لیتی تھی۔ ان کی سیاست کا مفصل بیان ناممکن ہے بلکہ مشہور مورخ علامہ جرجی زیدان نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "تمدنِ اسلام" میں دیا ہے

یہ امیر صاحب کی دماغی اُپچ ہی تو تھی کہ جنگِ صفین کا پانسہ منٹوں میں نقشہ بدل دیا اور یقینی شکست سے صاف بچ گئے۔ یہ انہی کی آڑی ترچھی چال تھی کہ ابوموسیٰ اشعری سے اپنی خلافت کا ووٹ لے لیا۔ یہ انہی کی بے پناہ تدبیر تھی کہ حضرت علیؑ کو ابن ملجم کی زہر آلود تلوار سے شہید کرا کے اپنا دامن صاف بچا لیا۔ اب امام حسنؑ کا نمبر تھا۔

اپنے عہدِ خلافت میں امام حسنؑ نے جعدہ بنت اشعث سے جو حضرت ابوبکر کی بھانجی تھی اس خیال کے تحت شادی کر لی تھی کہ اس سے قبیلہ کی مخالفت کم ہو جائے گی۔ یہ وہی اشعث ہے جس کا بیٹا محمد بن اشعث کربلا میں فوجِ ابن زیاد کے ایک دستہ کا سپہ سالار تھا۔ یہی وہ ہے جس نے روزِ عاشورا ایک ایسا تیر امامِ مظلوم کے سینہ پر مارا کہ آپ پھر پشتِ فرس پر ٹھہر نہ سکے تھے اور زمین پر تشریف لے آئے تھے۔ جعدہ اسی کی بہن تھی۔ مخالف پارٹی کی ایک فرد تھی۔ خاندانیہ بد وہ ایک زن امام حسنؑ کی فرمانبردار بیوی بن کر رہی۔

جب امام حسنؑ مدینہ میں قیام پذیر ہوئے تو اس وقت مدینہ کا حاکم مروان بن الحکم اموی تھا جو پکا دشمنِ اہلبیتِ رسول تھا۔ امیر معاویہ نے اس کے ذریعہ جعدہ سے سازش کی۔ اسے بار بار بلایا اور یہ لالچ دیا کہ اگر وہ زہر دے کر امام حسن علیہ السلام کا کام تمام کر دے تو اسے انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا جائے گا اور سب سے بڑا عطیہ یہ ہوگا کہ یزید سے اس کی شادی ہو جائے گی

عورت تو شیطان کا جال ہے ہی اسد کے فریب میں آگئی اور زہر کی پڑیا جو دمشق سے آئی تھی مٹھی میں دبا کر لے آئی۔ مختلف اوقات میں تین بار کھانے میں ملا کر حضرت کو زہر دیا گیا۔ جان تو نہ گئی مگر ہر بار حضرت بیمار پڑ گئے۔ مروان کی جاسوس لگی ہوئی تھیں۔ تین بار ناکامی کے بعد مروان کو یقین ہو گیا کہ زہر قاتل نہ تھا۔ اس نے امیر صاحب کو اطلاع دی انہوں نے بادشاہ روم کو لکھا کہ سب سے زیادہ قاتل زہر حاصل کرکے بھیجدے چنانچہ وہ مدینہ بھیجدیا گیا۔ مروان نے جعدہ کو دیا اس نے شربت میں ملا کر حضرت کو پلا دیا۔ پیتے ہی زہر کا اثر محسوس ہونے لگا۔ جعدہ اپنا کام پورا کرکے مروان کی پناہ میں چلی گئی۔ زہر اتنا قاتل تھا کہ چند گھنٹے کے اندر ہی خون کی قے آنے لگی۔ آخر کار تیسرے دن آپ نے اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ نبی زادہ کے مرنے پر دمشقی محل میں تکبیریں کہی گئیں اور جشن منائے گئے۔

یہ موت ایسی نہ تھی کہ چھپی رہتی۔ بات کیسے تمام شہر میں شہرت ہو گئی کہ امام حسن کو زہر دیا گیا ہے۔ عیادت کو آنے والوں نے اپنی آنکھوں سے امام علیہ السلام کے کلیجے کے ٹکڑے خون کی قے میں ملے ہوئے دیکھے۔ اموی حکومت کا خوف لوگوں کے دلوں پر اس درجہ غالب تھا کہ صدائے احتجاج بلند کرنا تو ایک طرف کوئی پوچھ بھی نہیں سکتا تھا کہ زہر کہاں سے آیا۔ خوف بھی تھا اور احساس بھی فنا ہو چکا تھا۔ حق گو زبانیں خاموش تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہدام اہلبیت کو بنی امیہ نے چن لیا تھا ان کی اور عراق کے شیعوں کی جانیں لے کر آزمایا جا رہا تھا کہ پبلک کی طرف سے رد عمل کیا ہوتا ہے۔ وہاں کیا تھا حمیت اسلامی کبھی کی مفلوج ہوئی پڑی تھی اور محبت اہلبیت کا خون قطرہ قطرہ ہو کر مسلمانوں کی رگوں سے باہر آچکا تھا۔ اسی تجربہ نے یزید کو یہ ہمت دلائی کہ اس نے علانیہ امام حسین کو قتل کرا دیا اور خاندانِ رسالت کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا وہ جانتا تھا کہ مسلمانوں کے ایمان میں اتنی جان نہیں کہ مجھے ٹیڑھی نظر سے دیکھ سکیں۔

الغرض امام حسنؑ کی شہادت کے بعد میدان صاف تھا۔ اگرچہ صلحنامہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ امام حسنؑ کے بعد سلطنت امام حسینؑ کو ملے گی لیکن جس نے امام حسنؑ کو نہ کرنے دی وہ امام حسینؑ تک کیا پہنچنے دیتا صلح نامہ کے لئے سادہ کاغذ فرزند رسول کو بھیجدیا تھا کہ جو چاہو لکھ دو۔ لوگ کہتے ہیں اس سے زیادہ فراخ دلی اور کیا ہو سکتی ہے لیکن اس پر غور نہیں کرتے کہ چون و چرا تو وہ کرتا ہے جسے کچھ کرنا ہوتا ہے اور جب دل میں یہ ٹھان لی کہ کسی طرح سلطنت پر قبضہ ہو جائے رہیں شرائط تو وہ کاغذ پر لکھی رکھی رہیں گی۔ انہیں پورا کرتا کون ہے پورا نہ کرنے میں خوف کس کا ہے۔ اگر کسی کی تیوری پر بل پڑے گا تو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا

یہ تھا وہ کردار جو ایک خلیفۃ المسلمین نائب رسول رب العالمین مسلمانوں کے سامنے تاسی کے لئے پیش کر رہا تھا۔ بہت سے اصحاب رسول امیر معاویہ کی موت تک زندہ رہے وہ اپنی آنکھوں سب کچھ دیکھ رہے تھے اور سن بھی رہے تھے مگر کسی کو ٹوکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کہنے والے چاہے سلطنت کی دھمک سے کہو یا مال و جاہ کے لالچ میں کہو امیر صاحب کے خوش کرنے کو سب کچھ کہہ رہے تھے امیر المومنین۔ خلیفۃ المسلمین۔ یہ واقعہ بھی اصحاب رسول نے اپنے کانوں سے سن لیا کہ ایک بدو عرب نے امیر صاحب کو اس طرح مودبانہ سلام کیا السلام علیک یا رسول اللہ۔ امیر صاحب اپنے گوش حق نیوش سے یہ سنکر خاموش ہو رہے نہ ٹوکا نہ ڈپٹا نہ آئندہ ایسا کہنے سے منع کیا جس رضامندی ظاہر ہوتی ہے اور سب سے مزہ دار بات یہ ہے کہ اصحاب یہ سنکر خاموش ہو رہے کسی نے کچھ بازپرس نہ کی۔

دفن امام حسن علیہ السلام

امام حسن علیہ السلام نے اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کو یہ وصیت کی تھی کہ مجھے نانا کے پہلو میں دفن کرنا۔ لیکن اگر نانی عائشہ اجازت نہ دیں تو پھر جنت البقیع میں دفن کرنا۔ آپ کے انتقال کے بعد امام حسین علیہ السلام حضرت عائشہ کے پاس گئے اور اجازت خواہاں ہوئے۔ پہلے تو وہ راضی ہو گئیں لیکن بعد میں جب مروان حاکم مدینہ نے یہ خبر سنی تو حضرت عائشہ کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ ہرگز اجازت نہ دیں یہ لوگ بنی امیہ کی حکومت کے بدخواہ ہیں۔ میں حسن کو قبر رسول کے پاس ہرگز دفن نہ ہونے دوں گا بغیر ہماری اجازت کے کسی کو وہاں دفن نہ ہونے دیا جائے گا۔

چنانچہ جب جنازہ گھر سے چلا تو ام المومنین سد راہ ہوئیں۔ بنی ہاشم کو سخت ملال ہوا۔ امام حسینؑ نے ان سے کہا نانی جان اجازت دینے کے بعد یہ روکنا کیسا؟ انھوں نے کہا میں نے تو بادل ناخواستہ اجازت دی تھی۔ اب مجھے منظور نہیں یہ سنکر جوانان بنی ہاشم بگڑ گئے اور کہنے لگے ہم ضرور دفن کریں گے۔ جب یہ خبر مروان کو پہنچی تو وہ فوج کا ایک دستہ لے کر آ موجود ہوا اور جنازہ کو آگے بڑھنے سے روکا نہ صرف اس پر بس کی بلکہ اپنے اسلام کا تماشا دکھلانے کے لئے جنازہ پر تیروں کی بارش کا حکم دیا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر تیر امام مظلوم کے جسد اقدس میں پیوست ہوئے۔ بنی ہاشم نے تلواریں نیام سے نکال لیں قریب تھا کہ خون کی ندیاں بہنے لگیں امام حسین علیہ السلام نے ان کو مقابلے سے روکا اور فرمایا یہ وقت لڑنے کا نہیں دفن کرنا ہمارے لئے مقدم ہے۔ اس کے بعد جنازہ کو جنت البقیع میں لے جا کر دفن کر دیا

کس قدر عبرت ناک واقعہ ہے۔ کیا اسلام کی یہی تعلیم تھی۔ کیا انسانیت کا یہی تقاضا تھا کیا اسلام نے اسی کردار کی تعلیم دی ہے جب نبی زادی کا انتقال ہوا تھا تو بیٹی کو باپ کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیا اس کے بعد یہ دوسرا واقعہ پیش آیا ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آل رسول کی وقعت مسلمانوں کی نظر میں کتنی گر چکی تھی اور اسلامی تعلیم سے کتنا بعد ہو گیا تھا

قابل غور یہ امر ہے کہ قبر رسول کے پہلو دفن نہ ہونے دینے میں کیا سیاسی مصلحت تھی؟ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے اگر بیٹی باپ کے پاس یا نواسہ نانا کے پاس دفن ہو جاتا تو رسول سے انکی قربت ظاہر ہوتی اور یہ گوارا نہ تھا۔ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ رسول حضرت عائشہ کے گھر میں دفن ہوئے تھے۔ کوئی قبرستان نہ تھا کہ سارا خاندان اس میں دفن ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ قبرستان تو وہ پہلے ہی بنا چکا تھا۔ حضرت ابوبکر و عمر اس میں دفن ہو چکے تھے حالانکہ ان کو کوئی نسبی تعلق نہ تھا صرف خسر ہونے کا رشتہ تھا برخلاف اس کے سیدہ عالم بیٹی تھیں۔ افسوس ہے کہ رسول کے پہلو میں ان کو دو گز جگہ نہ ملے جو سینۂ رسول پر سونے والے تھے اور جگہ ملے تو ان کو جو صرف صحابہ تھے اگر کہا جائے کہ وہ گھر حضرت عائشہ کا تھا انہیں حق تھا جسے چاہیں دفن ہونے دیں جسے چاہے نہ ہونے دیں۔ لیکن یہ گھر انھوں نے اپنے پیسہ سے نہیں خرید کیا تھا بلکہ رسول نے جیسے اور بیبیوں کو مکانات بنوائے تھے ان کے لئے بھی بنوایا تھا بطور ترکہ بھی وہ اسکی مالک نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ ان کے والد ماجد یہ حدیث رسول قضیۂ فدک کے بارہ میں بیان کر چکے تھے کہ ہم گروہ انبیا نہ کسی کا ترکہ پاتے ہیں نہ کوئی ہمارے ترکہ کا وارث ہوتا ہے پس بصورت ترکہ بھی ام المومنین اس گھر کی مالک نہ تھیں پھر انہیں روکنے کا کیا حق تھا

دوسرے جب انھوں نے وعدہ کر دیا تھا تو بہ حیثیت زوجۂ رسول ہونے اور وعدہ لکھانے کے ان کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے تھا۔ اگر مروان مخالف تھا تو انہیں اپنے وعدہ کے مقابل اس کی مخالفت کی پروا نہ کرنی چاہیے تھی۔ ان کے بے پناہ اثر کے سامنے مروان کی کیا چلتی وہ ان کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔

امام حسن تھے تو ان کے نواسے ہی چاہے سوتیلے نانا تھے۔ انھوں نے نواسہ کے جنازہ پر تیر باری کیسے گوارا کرلی۔ جلنے دیجیے نواسہ سے انہیں محبت نہ سہی کم از کم ایک مسلمان کی میت کے ساتھ ہی انہیں یہ ظلم جو سراسر تعلیم اسلام کے خلاف تھا ان کے پر زور احتجاج کے لئے کافی تھا کیونکہ اس سے خدا و رسول کے احکام کی توہین ہوتی تھی۔ انھوں نے کس دل سے اسے گوارا کرلیا۔ امام حسن اور امام حسین پر جو شفقتیں رسول اللہ کی تھیں وہ بھی انھوں نے آنکھوں سے دیکھی تھیں۔ اگر دو قبر رسول کے ہوتے ہوئے ایک اور قبر بھی وہاں بن جاتی تو کیا خرابی لازم آتی آل اور اصحاب ایک جگہ ہو جاتے۔

جو لوگ کہتے ہیں امام حسین کو عراق نہیں جانا چاہیے تھا بلکہ مدینہ ہی میں رہنا چاہیے تھا اگر یزید آپ کے قتل یا گرفتاری کا ارادہ کرتا تو اہل مدینہ انکی حمایت کرتے اور یزیدی مظالم سے بچا لیتے وہ امام حسن کے اس واقعہ سے اپنی غلط خیالی کا اعتراف کریں۔ جب وہ ایک نبی زادہ کا جنازہ تیروں سے نہ بچا سکے تو دوسرے نبی زادہ کو قتل سے کیا بچا سکتے تھے۔ ان سے تو اتنا بھی نہ ہوا کہ مسجد رسول میں جمع ہو کر مروان کے اس فعل پر نفرین کرتے یا امام حسین کے پاس آکر اظہار رنج و ملال کرتے۔ یہ تھا اس وقت کا اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انبیاء و ائمہ کے حالات

پر

تنقید و تبصرہ

حصّہ پنجم

حالات امام حسین علیہ السلام

مصنفہ

ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ

حالات امام حسین علیہ السلام

واقعہ کربلا کے اسباب واقعہ کربلا کوئی وقتی اور ہنگامی حادثہ نہ تھا کہ فوراً پھوٹ پڑا ہو بلکہ اس کے بہت سے اسباب تھے جن کی نشو و نما برسوں سے ہوتی چلی آ رہی تھی ہم اختصار سے ان پر روشنی ڈالتے ہیں

(۱) اعلانِ رسالت کے بعد بنی امیہ کے سردار ابوسفیان نے اسلام کی بیخ کنی میں جو غیر معمولی جد و جہد کی اس کا پورا حال اسلامی تاریخوں میں موجود ہے اس شخص نے اور اس کے سسرالی رشتہ داروں نے ایک دن حضرت رسولِ خدا کو مکہ میں چین سے نہ رہنے دیا اس کے بعد جب حضور ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اس نے لڑائیوں کا سلسلہ چھیڑ دیا سب سے پہلے بدر کا واقعہ پیش آیا اس جنگ میں سب سے بڑا کارنامہ حضرت علی کا تھا ستر مشرکین اس جنگ میں مارے گئے ان میں سے ۳۵ صرف حضرت علی نے تہ تیغ کئے تھے ان کشتوں میں ابوسفیان کے سسرالی رشتہ دار زیادہ تھے۔ اسی جنگ کا شاخسانہ اُحد کی جنگ تھی ابوسفیان اور اس کی بی بی ہندہ مادر معاویہ کے دل میں بڑی طرح انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح حمزہ اور علی پر قابو پا کر دونوں کو شہید کر دیں اور اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ لیں اس جنگ میں جب حضرت حمزہ شہید ہو گئے تو ہندہ دیوانہ وار ان کی لاش کے پاس آئی اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبانے لگی۔ اس کی انتقامی آگ اس پر بھی ٹھنڈی نہ ہوئی کیونکہ اس خاندان کو زیادہ تباہ کرنے والے حضرت علی ابھی باقی تھے۔ یہ ۳ھ کا واقعہ ہے

سنہ ۵ھ میں ابوسفیان نے اپنی کھوئی قوت کو فراہم کرنے کے لئے عرب کے بہت سے قبائل کو اپنے سے ملا لیا اور ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے پھر میدان میں آگیا یہ جنگ خندق یا احزاب کے نام سے مشہور ہے حضرت علی کی بے نظیر شجاعت نے یہاں بھی اسے نیچا دکھایا اور اسلام کو کفر کے مقابل بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس جنگ کے بعد بنی امیہ کا زور ٹوٹ گیا اور وہ چوٹ کھائے سانپ کی طرح پھنکاریں مارتے رہ گئے۔

فتح مکہ کے بعد وہ قتل کے خوف سے بظاہر مسلمان تو ہو گئے لیکن کفر و شرک کی محبت ان کے دل سے نہ گئی اب اگرچہ ٹٹی کی آڑ میں انھوں نے بہت کچھ شکار کھیلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ انکی نفاق بھری طبیعت کو خوب پہچانتے تھے اس لئے اس گروہ کو زندگی بھر مولفۃ القلوب کے زمرہ میں رکھا اور کبھی ذمہ داری کا کوئی عہدہ سپرد نہ کیا۔ آنحضرت کی زندگی بھر ذلیل زندگی بسر کرتے رہے اسی لئے حضرت علی سے انتقام لینے کی آرزو پوری نہ ہوئی اور کوئی فساد برپا نہ کر سکے

اس سوکھے درخت کو سب سے پہلے جس نے پانی دے کر ہرا بھرا کرنا چاہا وہ حضرت عمر تھے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ قبیلہ بنی امیہ کو بنی ہاشم سے سخت عداوت ہے اسے اپنے سے ملانا ضروری سمجھا۔ یہ آل رسول کے اقتدار کے سینہ پر ایسی کاری ضرب ہو سکتی تھی کہ انہیں ابھرنے کا موقع ہی نہ ملتا چنانچہ انھوں نے پہلے یزید بن ابوسفیان کو ملک شام کا حاکم بنایا اور دو سال کے بعد جب وہ مر گیا تو اس کے بھائی معاویہ کو اس جگہ مقرر کیا۔ اب معاویہ کے لئے انتقام لینے کا وقت آگیا چنانچہ اس نے جو حضرت علی اور امام حسن کے ساتھ کیا وہ آپ حضرات

حضرت علی اور امام حسن علیہما السلام کے حالات میں پڑھ چکے۔ یہی جذبۂ انتقام یزید کے دل میں بھی موجزن تھا حقیقت میں صرف ایک دم حسین کا باقی تھا یزید کی نظر میں وہ کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا جلد از جلد اس وجود کا بھی خاتمہ کر دے۔

(۱) امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان جو صلح نامہ لکھا گیا اس کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ امام حسن کے بعد خلافت امام حسین کی طرف عود کرے گی اور امیر معاویہ کو اپنی طرف سے نامزد کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ یہ شرط چونکہ امیر صاحب کے دیرینہ منصوبہ کو گڑبڑ کر دینے والی تھی اس لئے اس پر عمل کیسے کر سکتے تھے۔ یہ شرط منظور تو صرف اس لئے کر لی تھی کہ وہ کسی شرط کو پورا کرنے کا ارادہ ہی نہ رکھتے تھے محض دفع الوقتی کے لئے سادہ کاغذ بھیج دیا تھا کہ جو چاہیں لکھ لیں۔ سلطنت پر قبضہ کرنے کے بعد تمام وعدوں سے منحرف ہو جانا کون بڑی بات تھی۔

امام حسن کی شہادت کے بعد جب میدان صاف ہو گیا تو اب یہ فکر ہوئی کہ اسلامی سلطنت ان کے گھر کے باہر نہ جانے پائے گویا وہ ان کے باپ دادا کی میراث تھی اور اس کے حصول میں گویا سب سے زیادہ قربانیاں دینا پڑی تھیں۔ وہ اس خیال میں پختہ تھے کہ انہیں عقلاً و شرعاً اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کا حق ہے۔ لیکن دو باتیں دماغ میں مزید پیدا کر رہی تھیں

(۱) مسلمانوں کے نزدیک اسلامی سلطنت شخصی نہیں بلکہ جمہوری تھی کوئی بادشاہ اپنی اولاد میں سے کسی کو نامزد نہیں کر سکتا تھا بلکہ اس کا تعین امت کے اجماع سے ہونا چاہئے لہذا یزید کو ولی عہد بنانے میں امت کے بھڑک جانے کا خوف تھا۔

(۲) جن صاحبزادہ کو ولی عہد بنانا تھا ماشاء اللہ وہ سب گن پورے تھے۔ شراب خوار بھی تھے عیاش بھی۔ رقص و سرود کے دلدادہ بھی لہو و لعب سے مانوس بھی حلال و حرام سے نا آشنا اور تارکین سے مانوس احکام اسلام سے متنفر اور مزہ یہ کہ یہ سب کمالات طشت از بام ہو چکے تھے اور حجاز کے صحابہ سخت ناراض بھی تھے۔ امیر صاحب نے صاحبزادہ کو سمجھایا تو بہت کچھ مگر پتھر کو جونک کیا لگتی۔ ان عیوب کو چھپانا بھی چاہا مگر آندھی کے جھکڑ دامنوں سے اور سیلاب کا دھارا خس و خاشاک سے کہاں رکتا ہے۔ یہی وہ خدشے تھے جو دل کی تمنا کو زباں پہ آنے سے روکتے تھے۔ مثل مشہور ہے ارادہ کا نام کامیابی ہے یکایک کشود کار کی ایک صورت نظر آ گئی۔ ہوا یہ کہ مغیرہ بن شعبہ کسی قصور پر کوفہ کی گورنری سے ہٹا دئے گئے تھے انہیں یہ فکر تھی کہ کسی تدبیر سے امیر کو خوش کر کے ہونے کی اڑتی ہوئی چڑیا کو پھر مٹھی میں دبا لیں۔ ایک منصوبہ دل میں اچھالتے ہوئے دمشق پہنچے حضور جی کا شرف حاصل ہوا تو اِدھر اُدھر کی گپ شپ کے بعد ہمدردانہ لہجہ میں فرمانے لگے:۔

سرکار عالی نے اپنی ولی عہدی کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے۔

یہ سنتے ہی چہرہ پر انبساط کی سرخی پھوٹ نکلی پوچھا تمہارے نزدیک کون ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا صاحبزادہ والا صفات کے سوا اس عہدہ جلیلہ کے لئے اور کون موزوں ہو سکتا ہے۔ کس قدر پیاری بات تھی اگر سطوت شاہی مانع نہ آتی تو اٹھ کر منہ چوم لیتے۔ فرمایا میرا خیال بھی یہی ہے مگر جاہل مسلمانوں کی مخالفت کا ڈر ہے۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ وہ نامزدگی نہیں چاہتے۔ وہ بولے حضور اس کی فکر نہ کریں۔ اقبال عالی کے سایہ میں سب کچھ ہو سکتا ہے عراق والوں کو میرے اوپر چھوڑ دیجئے دمشق کو آپ سنبھال لیں انشاء اللہ کامیابی ہوگی اور ضرور ہوگی۔

انعام و اکرام کی تھیلیاں اور عراق کی گورنری کا پروانہ بغل میں دبا کر خوشی کی تالیاں بجاتے میاں مغیرہ عراق واپس آ گئے

آدمی تھے بڑی سوجھ بوجھ کے آتے ہی ایک دعوت کا اہتمام کیا اور تمام اعیان کوفہ کو مدعو کر لیا۔ جب آ گئے اور دسترخوان بچھ گیا اور لذت کام و دہن کا آغاز ہوا تو کھڑے ہو کر فرمانے لگے اے کوفہ کے سردارو اے نبی امیہ کے ہوا خواہو آپ لوگ آپ کو اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیئے کہ آپ اس وقت خلیفۃ المسلمین حضرت امیر معاویہ کے دسترخوان پر کھا رہے ہیں۔ انہی کی طرف سے یہ دعوت میں نے ترتیب دی ہے۔ سب نے اظہار تشکر و امتنان کیا۔ مغیرہ نے کہا یوں لاہو کھے سوکھے سنکر سے کیا ہوتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ کا ایک وفد دمشق جائے اور امیر المومنین سے ملے۔ وہ یزید کی ولیعہدی کے لئے لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں آپ سب بھی بیعت کیجئے امیر المومنین کو خوش کیجئے آمد و رفت کا خرچ میرے ذمہ اور سو روپیہ ہر شخص کو دونگا کہ وہ اپنے گھر والوں کو خرچ کے لئے دیدے

یہ تقریر سنکر نہایت ہی بدمزہ ہو گئے ہوئے بیکار مجھے ایسے بھی مجھ جو حق نمک ادا کرنے پر آمادہ ہو گئے مغیرہ نے ان کو اپنے صاحبزادہ کے ساتھ دمشق روانہ کر دیا۔ جب یہ وفد وہاں پہنچا تو امیر صاحب بہت خوش ہوئے اور بہت تپاک سے پیش آئے۔ جب بیعت ہو چکی تو مغیرہ کے صاحبزادہ سے پوچھا کہ تیرے باپ نے ان کا ایمان کتنے میں خریدا اس نے کہا سو سو درہم میں خریدا یا سودا سستا ہے اس سے کہا کام جاری رکھے۔

دمشق والے تو پہلا ہی سے جادو میں جکڑے ہوئے تھے اب جو آتے ہیں عراق والے آئے تو سونے پر سہاگہ ہو گیا اور بیعت کے قلادے گردنوں میں پڑنے شروع ہو گئے۔ جب رفتہ رفتہ شام اور عراق والوں کی گردنیں جال میں پھنس گئیں تو حجاز کی طرف نظر اٹھی۔ یہ بڑی ٹیڑھی کھیر تھی کیونکہ صحابہ اور صحابہ زادوں کا مجمع زیادہ ہیبت تھا۔ اور ان کی گردنوں کا تناؤ بھی زیادہ تھا۔ لہذا وہاں بغیر خود گئے کام چلتا نظر نہ آیا

مدینہ آئے اور بڑی دھوم دھام سے آئے بڑے تزک و احتشام سے آئے۔ کھنکتے خزانے اور چمکتے دمکتے سکوں کے صندوق بھی لائے۔ مدینہ کے باہر ہی کیمپ میں ٹھہرے۔ جوق جوق لوگ ملاقات کے لئے آنے لگے اور سیم و زر کی بکھیر شروع ہو گئی اور ساتھ ہی بیعت کے ٹیکے بھی لگنے شروع ہو گئے لیکن بعض طبیعتوں میں اتنا کچا ہو تھا کہ کسی تیل کی بکرنے ان میں نرمی نہ پیدا کی۔ ان کو ڈرایا دھمکایا بھی گیا۔ تعداد سے دل کے کوپنے کا موقع بھی دیا گیا

ان میں چار شخص ایسے بھی تھے جو ملنے گئے ہی نہیں ایک عبدالرحمٰن بن ابی بکر دوسرے عبداللہ بن عمر تیسرے عبداللہ بن زبیر اور چوتھے امام حسین علیہ السلام۔ چونکہ یہ چاروں بااثر ہستیاں تھیں اس لئے ان کی مخالفت بہت کچھ اثر انداز ہو سکتی تھی۔ یہاں چونکہ امام حسینؑ کے حالات سے بحث ہے لہذا ان تینوں کے حالات ترک کرتے ہیں۔

امیر صاحب نے اپنے چند سرداروں کو امام حسینؑ کے پاس بھیجا کہ وہ یہ پیغام پہنچائیں کہ امیر آپ سے ملنے کے بہت مشتاق ہیں۔ حضرت نے ان سے فرمایا اچھا میں فلاں وقت آکر ملونگا چنانچہ آپ تشریف لے گئے۔ امیر صاحب نے بڑے تپاک سے استقبال کیا بڑی خندہ پیشانی سے ملے۔ پہلے تو مدت کے بھولے بسرے کوسوں دور کے منقطع اور مجروح قرابتی رشتے ناطے بیان ہوئے خاندانی تعلقات کو میٹھے میٹھے بولوں میں اور چکنی چپڑی باتوں میں لپیٹا گیا۔ پھر خوشامد کے پھول بکھیرے گئے۔ خاندان رسول کی فضیلت کے قصیدے پڑھے گئے۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو اب ولیعہدی کا مسئلہ پوری قوت سے بیان ہونے لگا

غرضا بلند اقبال صاحبزادہ کے فضائل و مناقب کا دفتر بھی کھلتا رہا۔ پھر آمدم بر سر مطلب کا ریشمی پھندا بھی سامنے رکھا گیا اور اشارہ ہوا کہ ازراہ دانشمندی جان و مال و آبرو کی حفاظت کا یہ تعویذ بھی گلے میں ڈال لیجئے۔
امام علیہ السلام یہ سب دبی چوٹیں سہتے رہے لیکن جب بیعت کا سوال آیا تو آپ نے ترش رو ہو کر فرمایا اے معاویہ وائے ہو تم پر کیا تم میرے مرتبہ کو نہیں جانتے کیا مجھ جیسا انسان جس کو رسول نے امت کا پیشوا بنایا ہے یزید جیسے فاسق کی بیعت کر سکتا ہے مجھ سے ہرگز اس کی امید نہ رکھو۔ یہ فرما کر آپ اٹھنے لگے۔ معاویہ نے کہا میں سمجھتا ہوں قربانی کے جانور کی طرح آپ کا خون جوش مار رہا ہے۔ اس کا نتیجہ آپ کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ حضرت نے فرمایا اپنی حکومت کے زمانہ میں آپ نے جو کچھ کیا ہے میری نظر کے سامنے ہے مجھے کوئی خوف نہیں جو تمہارا دل چاہے کرو۔ یہ کہکر آپ نکل آئے الغرض اس طرح کچھ بنا کر اور کچھ بگاڑ کر امیر صاحب وہاں سے دمشق تشریف لے گئے۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سے ایک تہدیدی خط امام حسین کو لکھا آپ نے بھی اس کا سخت جواب دیا اور اس میں امیر صاحب کا پورا اعمالنامہ درج کرتے ہوئے جن جن اصحاب رسول کو بے جرم و قصور قتل کیا تھا ان کے نام بتائے۔

اس سلسلہ میں امیر صاحب نے یزید کو بھی حجاز بھیجا اور تاکید کر دی کہ پبلک پر دل کھول کر سیم و زر کی بارش کرنا اور ہر کہ ومہ سے بڑی خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا۔ ہونے والے خلیفۃ المسلمین پیش آئے تو شکیزوں میں بھری ہوئی شراب بھی ساتھ آئی۔ زاد و دہلش کی کھٹائی بادہ دوشینہ کی بو کو کیا دباتی لوگوں نے پہچان لیا کہ عزت و دولت ہی کا نشہ نہیں ہے بلکہ پیر مغاں کی مرحمت کا ہاتھ بھی سر پر ہے۔ اس دورہ میں بیٹے کو باپ سے کم کامیابی حاصل ہوئی نہ اس نے امام حسین کو بلانے کی جرأت کی نہ آپ کو اس سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ وہ غم و غصہ میں بھرا ہوا واپس گیا

مسئلہ بیعت یزید

بیعت کے معنی اپنے نفس کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دینے کے ہیں یعنی جس سے بیعت کی گئی ہے اس کی اطاعت مطلقہ کا اظہار۔ جس سے اس کا ہر قول و فعل واجب العمل قرار پائے اور بصورت انحراف گناہ لازم آئے اور یہ صورت ممکن نہ ہوگی جب تک بیعت لینے والا معصوم نہ ہو ورنہ درصورت معصوم نہ ہونے کے اگر امر بد میں اس کی اطاعت کی جائے گی تو یہ گناہ ہوگا اور نہ کی جائے گی تو لفظ بیعت کا اطلاق صحیح نہ ہوگا اور ایسی جزئی اطاعت اطاعت مطلقہ نہ ہوگی۔ دوسرے بیعت افضل کی ہوتی ہے نہ کہ مفضول کی ورنہ ترجیح بلا مرجح ہوگی اور یہ عند العقل باطل ہے
مذکورہ بالا کلیہ کے تحت ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ یزید کو امام حسین علیہ السلام سے بیعت لینے کا حق تھا یا نہیں

(۱) یزید کو خاندان رسالت سے کوئی تعلق نہ تھا

(۲) تمام کتب تواریخ سے ثابت ہے کہ یزید ایک بدکار اور ظلم پسند انسان تھا ایسے شخص کو کسی مسلمان سے بیعت

لینے کا کوئی حق نہ تھا مسلمان اپنا نفس اس کے ہاتھ میں دینے کے بعد امور دینیہ کے سلسلہ میں کیا پاتے اور اس کے افعال شنیعہ کا اتباع کرنے کے بعد ان کا دین و ایمان تباہ ہوتا یا نہیں۔

(۳) اگر یزید بہ حیثیت خلیفہ رسول بیعت خواہ تھا تو رسول نے نہ تو اپنی جانشینی کے لئے اسے نامزد کیا تھا نہ اس پر اجماع امت ہوا تھا اور نہ اس میں وہ صفات پائے جاتے تھے جو ایک خلیفہ رسول میں ہونے چاہئیں۔ اور اگر بہ حیثیت ایک بادشاہ کے بیعت کا طالب تھا تو دنیوی بادشاہ کے لئے بیعت کی ضرورت کیا وہ بیعت سے نہیں بلکہ اپنی قوت قاہرہ سے مطیع بناتا ہے جیسا کہ سلاطین بنی امیہ اور بنی عباس نے سلطنت اسلامی پر قابض ہونے کے بعد بیعت کا سوال ہی اٹھا دیا تھا

(۴) الٰہی سلطنت کے قانون میں کوئی دفعہ ایسی نہیں کہ منکر بیعت کو قتل کر دیا جائے۔

(۵) قرآن کہتا ہے لا اکراہ فی الدین کسی کو کسی سے بہ جبر بیعت لینے کا حق نہیں پس یزید نے اسلام کی کس دفعہ کی رو سے امام حسین علیہ السلام سے بہ جبر بیعت لینی چاہی۔

(۶) امام حسین علیہ السلام منصوص من اللہ اور منصوص من الرسول امام تھے۔ کتاب اللہ کے عالم تھے پاکیزہ نفس اور صاحب طہارت کا ملہ تھے کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ ایک مرد جاہل اور فاسق کی بیعت کر کے اس کے خلاف شرع اعمال کے پیرو بن جاتے اور شریعت مقدسہ اسلامیہ کو اپنے ہاتھوں ملیامیٹ کر دیتے

(۷) امام حسین علیہ السلام کے بیعت کر لینے کے بعد ہر مسلمان یہ یقین کر لیتا کہ یزید رسول کا سچا جانشین ہے اور اس کے اقوال و افعال شریعت اسلام کے بالکل مطابق ہیں، ورنہ امام حسین اس سے بیعت کیوں کرتے۔

(۸) کہا جاتا ہے جیسے امام حسن نے معاویہ سے صلح کر لی تھی امام حسین بھی کر لیتے۔ یہ ایک احمقانہ تجویز ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے ملکی معاملہ میں صلح کی تھی۔ امام حسین کون سی سلطنت کے مالک تھے کہ یزید سے صلح کرتے۔ یہاں تو زندگی اور موت کا سوال صرف بیعت پر تھا اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا امام علیہ السلام یہ کسی حالت میں منظور نہیں کر سکتے تھے۔

(۹) کہا جاتا ہے جس طرح حضرت علی نے خلفائے ثلثہ کی بیعت بادل ناخواستہ کر لی تھی امام حسین بھی کر لیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت علی پر کھلا افترا اور بہتان ہے اگر انھوں نے شیخین کی بیعت کر لی ہوتی تو خلافت شوریٰ کی کمیٹی کے صدر عبدالرحمٰن بن عوف نے جب اس شرط پر خلافت دینی چاہی تھی کہ آپ سنت شیخین پر عمل کریں تو آپ نے اسے منظور نہیں کیا اور صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں قرآن و سنت رسول پر عمل کروں گا سنت شیخین پر نہیں اگر آپ نے بیعت کر لی ہوتی تو یہ کہنا غلط بیانی ہوتی اور ابن عوف فوراً کہتے کہ بیعت کے بعد اب آپ یہ کس منہ سے کہہ رہے ہیں۔

(۱۰) کہا جاتا ہے کہ تقیہ کر لیتے۔ لیکن اس حالت میں تقیہ کرنا اسلام کے گلے پر چھری پھیر دینا تھا۔ جب شرع محمدیہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہو رہی ہو حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی ہو اسلام کو مسخ کر کے ایک نیا دین وجود میں آ رہا ہو۔ احکام الٰہی کا مذاق اڑایا جا رہا ہو تو ایسی حالت میں تقیہ کیا۔ اس وقت ملت اسلامیہ پر تقیہ کرنے سے بڑا ظلم ہوتا

(۱۱) کہا جاتا ہے جیسے تمام اصحاب خاموش ہو گئے تھے آپ بھی خاموش رہتے لیکن یہ صحیح نہیں آپ میں اور دوسروں میں بڑا فرق تھا دین اسلام آپ کے گھر سے نکلا تھا۔ آپ کے نانا اور باپ نے اس درخت کو سینچا تھا اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر پروان چڑھایا تھا وہ اس کی بربادی کیسے دیکھتے

امیر معاویہ کی وفات

بہت سے لٹ پھیر کے بعد یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ تو امیر صاحب نے طے کر ہی دیا تھا لہذا اب موت کے فرشتہ کو جان دینے میں کیا تامل ہو سکتا تھا زندگی بھر جو زاد آخرت جمع کیا تھا اُسے لے کر روانہ ہو گئے اور بیشمار مسلمانوں کی جانیں ایک ایسے الھڑ جوان کے ہاتھ میں دے گئے جو حدود انسانیت سے کوسوں دور تھا۔ یزید نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی بد کرداریوں کے خوفناک بھوت جو اب تک گوشوں میں چھپے ہوئے تھے یزید کی ذات کے دستر خوان نعمت کی مکھیاں چاروں طرف بھنبھنانے لگیں اور عیش و نشاط کی پریوں نے بھری محفل میں چھم چھم ناچنا شروع کر دیا۔ یہیں بھاگ کھیلنے لگے۔ رامش گروں کے رقص اور ستار و سارنگی کے رسیلے سروں نے اسلامی خلیفہ کے دربار کو قیصر و کسریٰ کا نقش کردہ ہی تھا دم دم آ گوچے اور لنگوٹی اور محمد شاہ رنگیلے کا شبستان نشاط بنا دی۔ اسلام رو رہا تھا اور ایمان سر پیٹ رہا تھا کہ یا رالہا تیرے دین کی یہ کیا گت بن رہی ہے کیا تیرے رسولؐ نے اسلامی سلطنت کی بنیاد اس لئے ڈالی تھی کہ اسلامی حکمرانوں کے درباروں میں یہ رنگ رلیاں ہوں۔

یزید کی چھیڑ چھاڑ

مسند حکومت پر بیٹھتے ہی یزید کے دل و دماغ میں یہ خیالات دوڑ لگانے لگے۔

(۱) حسین نے میری بیعت نہ کر کے مجھے ذلیل کیا۔ (۲) وہ مدینہ میں مجھ سے ملنے تک نہ آئے (۳) وہ میری سلطنت میں بکھیڑا ڈالنا چاہتے ہیں (۴) وہ اس خاندان کی فرد ہیں جس نے ہمارے خاندان کو تباہ و برباد کیا (۵) چونکہ وہ مجھے بنگاہ حقارت دیکھتے ہیں لہذا میں ان کو بغیر قتل کئے نہ چھوڑوں گا۔ ان خیالات کے ہجوم نے اُسے الیسا گرمایا کہ فوراً اس نے حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ مدینہ میں میرے چار دشمن زیادہ با اثر ہیں۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی۔ ان چاروں کو بلا کر میری بیعت لے جو انکار کرے اسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دے سب سے زیادہ حسین پر زور دے بڑی احتیاط کے ساتھ چوہے کے کان کی برابر ایک پرچہ پر یہ بھی لکھ کر رکھ دیا حسین نہ مانیں تو ان کا سر کاٹ کر بھیج دے

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں اول یہ کہ بیعت نہ کرنے کی صورت میں قتل کا حکم کیوں کیا اسلام میں بیعت نہ کرنے کی سزا قتل ہے؟ اگر ایسا ہے تو سعد بن عبادہ نا اور ان کے قبیلہ کے لوگوں نے اور بنی ہاشم نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی کیا یہ سب قتل کر دئے گئے تھے۔ حضرت علی کی بیعت اسامہ بن زید عبداللہ بن عمر عبداللہ بن زبیر اور انس بن مالک نے نہیں کی تھی تو کیا حضرت علی نے ان سب کو قتل کر دیا تھا

(۲) مدینہ میں بہت سے لوگ تھے جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی تو ان کے قتل کا حکم کیوں نہ دیا گیا یہ حکم صرف امام حسین ہی سے کیوں مخصوص ہوا۔ کیا وہ یزید کے خلاف کوئی فوج تیار کر رہے تھے یا جنگ کے لئے ہتھیار جمع کر رہے تھے۔ کیا یزید

کے خلاف کوئی پروپیگنڈا کر رہے تھے؟ کیا وہ کسی سازش میں ملوث تھے۔ کیا یزید کو انھوں نے کوئی دھمکی دی تھی جس کی وجہ سے یزید کو ان کے قتل کا حکم دینا ضروری ہوا۔ اگر ان میں سے کوئی بات نہ تھی تو یہ ماننا پڑے گا کہ یزید کو امام علیہ السلام سے بغض للّٰہی تھا اور وہ ان سے مقتولین بدر کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

یزید کا خط ملتے ہی ولید کا سپاہی وقت شب امام کے پاس پہنچا اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عبداللہ بن زبیر بھی وہاں موجود تھے۔ سپاہی نے کہا آپ دونوں کو بلایا ہے۔ یہ کہکر وہ چلا گیا۔ ابن زبیر نے کہا نا وقت بلانے کا کیا سبب ہے؟ حضرت نے فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ مرگیا ہے اور ہم کو یزید کی بیعت کے لئے بلایا ہے۔ ابن زبیر نے کہا پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا میں ہرگز بیعت نہ کرونگا مگر ولید (حاکم مدینہ) کے پاس جاؤنگا ضرور۔ اس کے بعد ابن زبیر تو وہاں سے کھسک گئے اور ایک غیر معروف راستہ سے اسی رات مکہ کی راہ لی۔

امام علیہ السلام رات کی ملاقات ٹال تو سکتے تھے۔ دوسرے روز ولید کے پاس چلے جاتے مگر آپ دشمن کو ہلکا سا موقع بھی برافروختگی اور اشتعال انگیزی کا نہیں دینا چاہتے تھے چنانچہ اسی رات کو جوانان بنی ہاشم کو ساتھ لے کر ولید کے پاس گئے اپنے ساتھیوں سے فرمایا تم دروازہ پر کھڑے رہو، اگر میری آواز بلند ہو تو اندر چلے آنا۔ ولید بہ تعظیم پیش آیا اور معاویہ کے مرنے کا ذکر کر کے بیعت یزید کی خواہش کی۔ آپ نے فرمایا یہ وقت شب ہے یہ بات کل جلسۂ عام میں پیش کرنا اس وقت دیکھا جائے گا۔ ولید راضی ہو گیا مروان جو ولید کے پہلو میں بیٹھا تھا ولید کے اس عمل سے ناخوش ہوا کہنے لگا اے ولید کیا کرتا ہے اسی وقت ان سے بیعت لے لے ورنہ پھر یہ ہاتھ نہ آئیں گے یہ سنکر امام کو غصہ آگیا اور باواز بلند فرمایا تیری یا ولید کی کیا مجال ہے کہ بہ جبر مجھ سے بیعت لے حضرت کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ مسلح جوانان بنی ہاشم اندر آگئے اور مروان اور ولید دونوں کو قتل کر دینا چاہا۔ مروان وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں کو ولید کے قتل سے روک دیا اور وہاں سے تشریف لے آئے

اب اس واقعہ پر گہری نظر ڈالئے۔

(۱) مروان اور ولید کا اس وقت قتل کر دینا بہت آسان تھا لیکن امام کے دانشمندانہ تدبر نے اس کی اجازت نہ دی۔ اسلئے کہ اگر وہ دونوں قتل ہو جاتے تو آئندہ واقعہ کربلا انتقامی جنگ کی صورت اختیار کر لیتا۔ امام علیہ السلام کوئی جارحانہ اقدام کر کے اپنے اوپر الزام لینا نہیں چاہتے تھے۔ آپ آئندہ دیکھیں گے کہ انھوں نے ہر ہر موقع پر کس صبر و ضبط سے کام لے کر اس الزام سے اپنے کو بچایا کہ جنگ کی ابتدا امام کی طرف سے ہوئی

(۲) عبداللہ بن زبیر کی طرح آپ نے کوئی باغیانہ روش اختیار نہیں کی جس پر حکومت کی طرف سے کوئی جرم عاید کیا جاسکتا نیز شجاعت بنی ہاشم کے دامن پر وہ یہ دھبہ بھی نہیں لگانا چاہتے تھے کہ ڈر کر چپ چاپ نکل گئے

(۳) ولید اگرچہ اموی تھا اور یزید کا قریبی رشتہ دار بھی مگر وہ یزید کے اس ظالمانہ حکم کے خلاف تھا وہ امام علیہ السلام کو بے جرم و قصور سمجھے ہوئے تھا اور آپ کے روحانی اقتدار کو بھی جانتا تھا۔ وہ آپ کے خون ناحق میں اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا تھا اس کی یہ خواہش تھی کہ امام مدینہ سے باہر ہو جائیں تاکہ حضرت کے خلاف اسے کوئی کارروائی نہ کرنا پڑے مروان کی رائے سے اسے اتفاق نہ تھا

امام علیہ السلام کا بے مثل تدبر

ولید کے یہاں سے آنے کے بعد آپ کو یہ سوچنا تھا

(الف) کیا مدینہ میں قیام میرے لئے بہتر ہوگا

(ب) کیا مجھے مدینہ سے جلد از جلد نکل جانا چاہئے

(ج) مدینہ سے نکل کر کہاں جانا چاہئے

(د) اس سفر میں عورتوں اور بچوں کو ساتھ لیجانا چاہئے یا نہیں

(ہ) اگر یزید سے تصادم ناگزیر ہو جائے تو مقابلہ کی کیا صورت ہو۔

امر اول۔ اہل مدینہ میری کیا مدد کر سکتے ہیں۔ نانا کی وفات کے بعد کونسا ظلم تھا جو ہم پر نہ ہوا۔ اہل مدینہ کے احساس پر اس سے کیا چوٹ پڑی، انھوں نے ہمارے حقوق دلانے میں کوئی ہلکی سی بھی کوشش نہیں کی بلکہ ہمارے مخالفوں سے ملے رہے میرے بھائی کے جنازہ پر تیر برسے اہل مدینہ کے جذبات میں کوئی ہیجان پیدا ہوا۔ تلواریں تو کیا نیام سے نکلتیں کسی کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ نکلا یزید کا یہ خط جو حاکم مدینہ کے نام ہے ان سے چھپا تو نہیں رہا پھر کوئی گروہ کوئی قبیلہ ہمدردی کے لئے میرے پاس آیا۔ کیا کسی نے یہ کہا آپ پریشان نہ ہوں ہم اپنا ایک وفد لے کر دمشق جاتے ہیں یزید سے کہیں گے یہ کیا ناپاک ارادہ تو نے کیا ہے اب اس حکم کو واپس لے ورنہ اس کے ہولناک نتائج کی ذمہ داری تیرے اوپر عاید ہوگی۔ کیا ان کے ایمان میں اتنی جان ہے کہ یزید سے مقابلہ کے وقت میرا ساتھ دے سکیں۔

انکار بیعت کے بعد اگر میں مدینہ میں رہا تو دو میں سے ایک صورت ضرور پیش آئے گی۔

یا تو میں اور میرے خاندان والے گرفتار کر کے یزید کے پاس بھیجے جائیں گے اور ہم بذلت تمام مجرمانہ حیثیت سے رسن بستہ اس کے سامنے کھڑے ہونگے اور وہ سلطنت کے غرور میں جو نامناسب الفاظ چاہے گا ہمارے لئے کہے گا ہم اس وقت اُس کے رحم و کرم پر ہونگے چاہے وہ ہم سب کو قتل کرا دے یا کسی تیرہ و تار زندان میں قید کر دے ایسی ذلت بھری زندگی سے موت بھلی۔

اگر بالفرض میں یہاں رہ کر یزید سے لڑوں تو ایک منظم سلطنت کے عسکری نظام سے ٹکر لینے میں مجھے کامیابی کیسے ہوگی نتیجہ میں میں بھی قتل ہونگا اور میرا تمام خاندان بھی اور اس وقت ہمارے ساتھ قتل عام میں اہل مدینہ بھی آجائیں گے اس کے بعد دو الزام میرے اوپر عاید ہونگے ایک یہ کہ لوگ کہیں گے کہ حسین کی وجہ سے حرم رسول کی حرمت برباد ہوئی اگر وہ بیعت یزید کر لیتے یا مدینہ سے باہر چلے جاتے تو حرم رسول میں کشت و خون نہ ہوتا دوسرے مدینہ کی بیوہ عورتیں اور یتیم بچے کہیں گے کہ ہم پر یہ مصیبت حسین کی وجہ سے آئی نہ وہ یہاں ہوتے اور نہ ہمارے وارثوں کا خون بہایا جاتا انھوں نے بیعت نہ کر کے تمام شہر کو مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ جب یزید سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی تو مقابلہ کیا ہی کیوں۔ میں یہ طعن آمیز باتیں کیسے سن سکتا ہوں۔ مجھے مرنا گوارا ہے مگر یہ باتیں سننا گوارا نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کو نقصان پہنچے۔

بالفرض اگر تمام اہل مدینہ میرے ساتھ جنگ میں شریک بھی ہو جائیں تب بھی ان کو کامیابی نہیں ہو سکتی اور سب سے زیادہ خراب نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ یہ جنگ خالص دنیوی جنگ قرار پا جائے گی اور اس کے بعد یزیدیت کی روک تھام ہرگز نہ ہو سکے گی علاوہ بریں مدینہ میں میرے قتل ہوتے سے میرا مقصد شہادت حاصل نہ ہوگا اور اس واقعہ کو تہ بتہ پردوں کے اندر چھپا دیا جائے گا۔ مدینہ حجاز کا ایک الگ تھلگ مقام ہے جہاں دور بسنے والوں کی آمد و رفت کم ہے لہذا مقصد شہادت کا نشر نہ ہو سکے گا

ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد میرا آخری فیصلہ یہ ہے کہ میں جلد از جلد مدینہ سے نکل جاؤں۔

امر دوم — جس رات ولید سے ملاقات ہوئی اس کی صبح ہی کو مروان نے یزید کو یہ لکھ بھیجا کہ ولید امام سے بیزور بیعت لینی نہیں چاہتا لہذا اس کی جگہ کسی اور کو معین کرو۔ اس کا یہ خط ملتے ہی یزید نے مروان کو اس کی جگہ معین کر دیا اگر امام مدینہ سے نکلنے میں تاخیر کرتے اور مروان حاکم مدینہ ہو جاتا تو وہ چونکہ پکا دشمن اہلبیت تھا ضرور امام کو بے قتل کئے نہ چھوڑتا دوسرے تاخیر کی صورت میں ممکن تھا کہ بنی امیہ اور منافقین مروان کے ہمنوا ہو کر ولید کو قتل امام پر مجبور کرتے ان حالات کے پیش نظر جلد از جلد آپ کو مدینہ چھوڑ دینا چاہیے تھا چنانچہ آپ بہت جلد مدینہ سے چل دیئے۔

امر سوم — امام علیہ السلام کو اس پر غور کرنا تھا کہ مدینہ چھوڑ کر کہاں جائیں۔ اپنی شہادت کا ذکر رسول سے سننے کے بعد حضرت کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اگر میں سوراخ مار و مور میں بھی پناہ لونگا تو بھی بنی امیہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے لہذا مجھے ایسی جگہ جانا چاہیے جسے اللہ نے انسانوں کا کیا ذکر جانوروں تک کے لئے جائے پناہ بنایا ہے اور وہ حرم خدا ہے۔ بعض لوگوں کا بالخصوص آپ کے بھائی محمد حنفیہ کا مشورہ یہ تھا کہ آپ جنگل اور پہاڑوں کی طرف نکل جائیں اور جب تک حالات درست نہ ہوں آپ ادھر ادھر پھرتے رہیں۔ اس طرح آپ کی جان بچ جائے گی لیکن کئی جہت سے یہ رائے آپ کو سقیم معلوم ہوئی۔

اول تو یہ خانہ بدوشوں کی سی زندگی ہوتی جو عورتوں اور بچوں کے ساتھ گزارنی ایک ناقابل برداشت مصیبت بن جاتی۔ ایک دو دن کا معاملہ نہ تھا کہ خوش و ناخوش گزار دیا جاتا۔ معلوم کتنی مدت کوہ و دشت کی خاک چھاننا پڑتی۔ چمنستانوں اور گلزاروں کی سیر تو تھی نہیں کہ تفریح میں دن گذر جاتے۔ عرب کے جلتے بلتے ریگستانوں سے گذرنا پڑتا پھر گرمی کا موسم اور نا ہموار راہیں جہاں منزلوں پانی دستیاب نہیں ہوتا رسد کی فراہمی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کیا ایسی صورت میں زندگی کی کوئی امید ہو سکتی تھی فرض کیجیے یوں مارے مارے پھرتے بھی رہتے لیکن بہر حال رہتے تو یزید کے حدود حکومت ہی میں کیا وہاں یزید اپنی فوج بھیج کر قتل نہ کرا سکتا تھا۔ یا گرفتار کرا کے اپنے سامنے بلوا نہ سکتا تھا پس ایسی زندگی سے تو موت بہتر تھی

علاوہ بریں اگر امام اس رائے پر عمل کرتے تو لوگ یہ طعنہ دیتے کہ نبی زادے خانہ خدا کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف چلے گئے حسین کس قدر ضعیف الاعتقاد ہیں ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد امام علیہ السلام نے محمد حنفیہ کی رائے کو رد کر دیا اور مکہ جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

امر چہارم — اب امام علیہ السلام کو اس مسئلہ پر غور کرنا تھا کہ تنہا جائیں یا عورتوں اور بچوں کو ساتھ لیجائیں۔ اکثر لوگوں کی رائے یہ تھی کہ تنہا نہیں لے جانا چاہیے۔ بظاہر یہ رائے صحیح معلوم ہوتی تھی گرمی کا موسم تھا دریپہاڑوں اور ریگستانوں کا سفر ایسے سفر کی صعوبتوں پر نظر رکھتے ہوئے ہر ہمدرد کو یہی رائے دینی چاہیے بالخصوص جب ایسی مقدس بی بیاں ساتھ ہوں

جو کبھی گھر سے نہ نکلی ہوں بچوں کے ساتھ تو بچے بھی ہوں۔ روکنے والوں کی نظر میں خطرہ تو تھا مگر ایک محدود دائرہ کے اندر۔ لیکن امام
کی دوربین نظر وہ دیکھ رہی تھی جسے عام لوگ نہیں دیکھ سکتے تھے وہ اس مقصد کو نہیں سمجھ سکتے تھے جو امام کے ذہن میں تھا۔
حضرت کو اس کا پورا یقین تھا کہ بنی امیہ ان کو ضرور قتل کریں گے۔ اب اس بات پر غور کرنا تھا کہ اس کی کیا صورت ہو کہ حضرت کا واقعہ
شہادت اسی طرح دب کر نہ رہ جائے جس طرح ان کی والدہ ماجدہ کے اہم حادثہ موت کو حکومت کے اس اعلان نے معمولی موت بنا دیا کہ
وہ باپ کے غم میں گھل گھل کر مر گئیں ان مظالم کو یکسر دفنا دیا گیا جو ان کی موت کا اصلی سبب تھے یا جیسے حضرت علی کی شہادت کا پورا
بار ایک مرد خارجی پر ڈال کر حکومت شام اس سے قطعاً بے تعلق ہو گئی۔ یا جیسے امام حسن کی شہادت کے واقعہ سے اموی حکومت نے
یہ کہہ کر اپنے ظالمانہ کردار پر پردہ ڈال دیا کہ شوہر کے کردار سے ناخوش ہو کر بی بی نے زہر دے دیا ایک گھریلو معاملہ قرار دے کر اس کے
وزن کو ہلکا کر دیا گیا

بار بار کے تجربہ نے یہ ثابت کر دیا کہ یہی صورت امام حسینؑ کے واقعہ شہادت کے بعد بھی پیش آئے گی لہذا اس کا بندوبست ایسا ہونا چاہیے کہ
ہونا چاہیے نہ صرف بنی امیہ کی اسلام دشمنی، سیہ کاری اور کفر پرستی کا بھانڈا کبھی نہ پھوٹنے لگا اور رفتہ رفتہ وہ اسلام کو مسخ
کر کے رکھ دیں گے اس کا حل امام علیہ السلام کی نظر میں اس کے سوا اور نہ تھا کہ عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لے جائیں تاکہ کوفہ و شام
کے بازاروں میں اور زیادہ اور یزید کے درباروں میں جب ان شکستہ دل یتیموں اور بیوہوں کی درد بھری آوازیں گونجیں تو لوگوں کے
دل ہل جائیں اور یزید اور یزیدیوں کی باطل پرستی کا پردہ چاک ہو جائے اور کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے اعمال کی برہنہ تصویریں
لوگوں کو نظر آنے لگیں اور حق و باطل میں لوگوں کو تمیز ہو جائے

امام علیہ السلام قبل از وقت ان باتوں کو زبان پر لانا نہیں چاہتے تھے اس لئے کہ لوگ اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہتے کہ یزید
ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ آپ اس خیال کو دل سے نکال دیجئے ایسا عمل تو کفار کی عورتوں اور بچوں سے بھی نہیں کیا جاتا چہ جائیکہ
اولاد رسول اس وقت امام کے پاس کوئی ایسا آئینہ نہ تھا کہ یہ تصویریں دکھا دی جاتیں

امر مہم — مذکورہ بالا امور طے کرنے کے بعد اب سب سے زیادہ اہم سوال امام کے سامنے یہ آیا کہ اگر یزید سے تصادم ناگزیر
ہو جائے تو مقابلہ کی کیا صورت ہو

(۱) اگر بالفرض میں تھوڑی فوج جمع بھی کر لوں تب بھی میں کسی طرح اس پر فتح نہیں پا سکتا اس کی جمی جمائی سلطنت ہے اس کے پاس
بےشمار فوج اور خزانہ ہے ایسی صورت میں کامیابی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر ایسی جنگ سے فائدہ کیا۔
(۲) اس جنگ سے میرا مقصد یہ نہیں کہ میں اس کی سلطنت پر قبضہ کر لوں بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں
(الف) - دنیا پر یہ ظاہر ہو جائے کہ رسول خدا کا جانشین ایسا ظالم اور بدکار انسان نہیں ہو سکتا جو انسانیت سے کوسوں دور ہو
(ب) یزید نے جو اپنے چہرہ پر اسلامی نقاب ڈال کر شریعت محمدی کا بیڑا غرق کرنا چاہا ہے وہ بے نقاب ہو کر مسلمانوں کے سامنے
آ جائے اور سب کو پتہ چل جائے کہ اس نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا کیا کیا سامان کیا ہے
(ج) - اس تصادم سے میرا مقصد صرف یہ ہو گا کہ حق کو باطل اور ہدایت کو ضلالت سے جدا کر دیا جائے اور دنیا کی ناجائز طلب
میں پھنس کر مسلمان آخرت کی باز پرس سے غافل نہ ہو جائیں۔

(۱) میری جنگ یزید سے نہیں بلکہ یزیدیت سے ہوگی اس جنگ کے نتیجہ میں یقیناً میری فتح ہوگی اور یزیدیت کا مکمل اعمال نامہ لوگوں کے سامنے آجائے گا

(۲) میں اسلام کفر و شرک سے زد سے بچانے جا رہا ہوں۔ میں مظلوموں کی حمایت میں لڑنے جا رہا ہوں

(۳) اموی سلطنت کی ہیبت نے جو حق گویوں کی زبانوں پر تالے ڈال دیے ہیں میں ان تالوں کو توڑ دونگا

(۴) مسلمانوں میں دینی احساس مفلوج ہوگیا ہے اس کی رگوں میں تازہ خون دوڑا دونگا

(۳) میں قوت کا مقابلہ قوت سے نہیں کرونگا بلکہ ظلم کا مقابلہ مظلومیت سے کرونگا تاکہ مظلوموں کو ظالموں سے ٹکر لینے کی ہمت ہو

(۴) میں دنیا والوں کو دکھاونگا کہ حق پر مرنے والے مرتے نہیں بلکہ زندۂ جاوید بنجاتے ہیں

(۵) میں یہ دکھاونگا کہ خود دار انسان ذلت کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہے

(۶) میں یہ دکھاونگا کہ حق پر مرنے والے کس جوانمردی سے جان دیتے ہیں اور ہزار خطرے ہوں تو ان کا مقابلہ ڈٹ کرتے ہیں

(۷) میں یہ دکھاؤں گا کہ حریت کے فدائی شہنشاہیت اور آمریت کے فولادی قلعوں کو اپنے مستحکم ارادوں کے ایٹم بموں سے مسمار کرتے ہیں

(۸) میں دکھاؤں گا کہ مکار ظالموں عیار حکمرانوں کے مکر و فریب کے مضبوط جالوں کے پھندے کس طرح کھولے جاتے ہیں

یہ تھا امام علیہ السلام کا وہ دنیا سے نرالا پروگرام جسے وہ مدینہ سے لے کر نکلے تھے۔

امام کا سفرِ مکہ

عبد اللہ بن زبیر کی طرح آپ چھپ کر مدینہ سے جانا نہیں چاہتے تھے کیونکہ آپ حکومت کے مجرم نہ تھے۔ بزدل نہ تھے کہ شاہراہ عام کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں دبے چھپے نکل جاتے۔ ولید کے یہاں سے آنے کے بعد آپ نے اپنے خاندان والوں کو جمع کرکے مدینہ سے جلد از جلد ہجرت کرنے کا ارادہ ظاہر کردیا امام کا ارادہ سنتے ہی تمام افراد خاندان نے سفر کے لئے کمریں کس لیں۔ کسی کے دل پر ذرا بھی بار نہ ہوا کیونکہ وہ سب شمع امامت کے پروانے ان میں سے کوئی بھی امام سے جدا رہنا نہیں چاہتا تھا۔ جہاں حسین وہاں سب عورتیں ہوں یا مرد بچے ہوں یا جوان پنجتن میں اب صرف ایک حسینؑ کا دم باقی تھا اسی سے انکی زندگی کا ایک ایک سانس وابستہ تھا۔

ولید کو سب خبریں پہنچ رہی تھیں اور مروان اس پر زور دے رہا تھا کہ حسینؑ کو جانے سے روک دے لیکن ولید واقعہ کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا اس کی نظر میں یزید خطا پر تھا وہ امام معصوم کے خون ناحق سے اپنا دامن بچانا چاہتا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ امام کو روک کر ان کے قتل کا باعث ہو۔ مروان لاکھ لاکھ کہتا رہا لیکن اس نے ایک نہ سنی اور مزاحمت کوئی بندوبست نہ کیا چنانچہ مروان کی شکایت پر یزید نے اسے معزول کردیا اور اس نے اپنی اس معزولی کو بخوشی گوارا کرلیا۔

جب سامان سفر درست ہو گیا اور قافلہ جانے کے لئے تیار ہوا تو کچھ لوگ آہیں بھرتے آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے امام کے پاس آئے اور سفر سے روکنا چاہا لیکن کسی کے چھوٹے منہ سے یہ نہ نکلا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں گویا ایسے لوگوں پر بھروسہ کیسے آپ مدینہ میں رک سکتے تھے اور جو مصائب آگے چل کر سامنے آئے یہ ان میں حضرت کا ساتھ دے سکتے تھے۔

مدینہ سے مکہ پہنچے تو وہاں عبداللہ بن زبیر کو موجود پایا۔ وہ اپنی خلافت کی دھن میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کر رہے تھے اور یزید سے ایک فیصلہ کن جنگ کرنا چاہتے تھے۔ جب حضرت وہاں پہنچے تو ابن زبیر نے حضرت پر ڈورے ڈالنے چاہے ان کا خیال تھا کہ امام علیہ السلام کا اور ان کا مقصد واحد ہے۔ لہذا انھوں نے امام علیہ السلام کو اس طرف رغبت دلائی کہ وہ ان کے ساتھ مل کر یزید کے خلاف لوگوں کو بھڑکائیں اور جب ایک جم غفیر ساتھ ہو جائے تو یزید پر دھاوا بول دیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا ابن زبیر تم نے میرے متعلق بڑی غلط رائے قائم کی ہے میں اس غرض کو لے کر گھر سے نہیں نکلا۔ میرے اور تمہارے مقصد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر عبداللہ چیں بجبیں ہوئے اور حضرت سے ملاقات ترک کر دی۔ چونکہ امام علیہ السلام کے وہاں جاتے ہی لوگوں کی رجوع آپ کی طرف زیادہ ہو گئی تھی لہذا ابن زبیر کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر امام یہاں رہے تو مجھے من مانی کامیابی نہ ہوگی لہذا اب وہ اس کوشش میں لگے کہ امام جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جائیں۔

جو لوگ امام علیہ السلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے یزید پر خروج کیا تھا وہ ذرا غور کریں کہ اگر آپ کا مقصد یزید سے دنیوی جنگ کرنا ہوتا تو یہ بہت اچھا موقع تھا کہ عبداللہ بن زبیر سے مل کر لوگوں کو یزید کی مخالفت پر بھڑکاتے اور ایک معقول فوج جمع کر کے مقابلہ کے لئے نکلتے اگرچہ نتیجہ وہی ہوتا جو چند سال بعد ابن زبیر کا ہوا لیکن حکومت یزید خطرہ میں ضرور پڑ جاتی اور آسانی سے امام علیہ السلام پر قابو پانا ممکن نہ ہوتا۔ لیکن یہ تو وہ کرتا جسے یزید کو مادی شکست دینا منظور ہوتا امام علیہ السلام کا مقصد یہ نہ تھا بلکہ وہ اپنے نانا کی امت کو اس ضلالت سے بچانا چاہتے تھے جس کے ہیبت ناک بھنور میں یزید کی بدکرداری اور اسلام دشمنی نے ڈال رکھا تھا۔ ان کا مقابلہ یزید سے نہیں بلکہ یزیدیت سے تھا وہ لوگوں کو اسلام کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لئے گھر سے نکلے تھے۔

اہل کوفہ کے خطوط

جب اہل کوفہ کو معاویہ کے مرنے اور یزید کے تخت نشین ہونے کا حال معلوم ہوا تو ان میں ایک انقلابی ہیجان پیدا ہوا وہ بنی امیہ کی حکومت کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے۔ سالہا سال سے نہ انکی جان محفوظ تھی نہ مال نہ آبرو۔ شیعیت ان کے لئے سب سے بڑا جرم تھا۔ ان کی مذہبی آزادی سلب ہو چکی تھی اور ہدایت اور رشد کے دروازے ان پر بند ہو چکے تھے جب ان کو یہ پتہ چلا کہ امام حسین مدینہ چھوڑ کر مکہ آ گئے ہیں اور یزید بہ جبر ان سے بیعت لینا چاہتا ہے تو انھوں نے

خط پر خط بھیجنے شروع کر دئے۔ یہاں تک کہ دو تھیلے بھر گئے ان سب میں یہ مضمون قدر مشترک تھا کہ بنی امیہ کے مظالم سے ہم تنگ آ گئے ہیں۔ ہم نے یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا اور ہم حاکم کوفہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اسلام مسخ ہوتا جا رہا ہے ہم کو ہدایت کے لئے ایک ایسے امام کی ضرورت ہے جو اولاد رسول سے ہو لہذا آپ جلد از جلد تشریف لائیے ہم ہر طرح آپ کی مدد کے لئے تیار ہیں۔ آخر خط میں انھوں نے یہ بھی لکھا کہ آپ اگر ہماری ہدایت کے لئے نہ آئے تو ہم روز حشر آپ کے نانا سے آپ کی شکایت کریں گے۔ یہ خطوط تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد آتے رہے لیکن آپ نے کسی کا جواب نہ دیا لیکن آخری خط ایسا تھا کہ آپ ان کی خواہش کو رد نہیں کر سکتے تھے تاہم آپ نے پوری احتیاط سے کام لیا اور ان کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے جناب مسلم بن عقیل کو پہلے روانہ کیا۔

اس واقعہ کے متعلق ہمیں تبصرہ کرنا ضروری ہے

(۱) لوگ کہتے ہیں کہ جب امام علیہ السلام کو کوفیوں کی غداری اور بیوفائی کا پوری طرح علم تھا تو کوفہ جانے کا قصد کیوں کیا یہ تو گویا خودکشی کا مرادف تھا۔ حضرت علی اور امام حسن کے ساتھ جو غداری کوفیوں نے کی تھی کیا وہ امام کی نظر کے سامنے نہ تھی۔ جواب یہ ہے کہ نظر کے سامنے تو سب کچھ تھا لیکن بلانے والوں میں جو شیعیان علی تھے ان پر امام کو پورا پورا اعتماد تھا انھوں نے نہ حضرت علی کا ساتھ چھوڑا تھا نہ امام حسن کا۔ ساتھ چھوڑنے والے کچھ اور ہی لوگ تھے

(۲) وہ کسی جنگ کے لئے نہیں بلا رہے تھے بلکہ دینی ہدایت کے لئے بلاتے تھے پس ایسے وقت میں جبکہ یزیدی دور میں دین الٰہی مسخ ہو رہا ہو۔ شریعت محمدیہ میں مضحکہ خیز تصرفات ہو رہے ہوں۔ بدعتوں کے طوفان اٹھ رہے ہوں۔ بدکرداری مسلمانوں کا محبوب مشغلہ بن گیا ہو۔ حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی ہو ایک منصوص من اللہ امام کا فریضہ تھا کہ وہ ان کی ہدایت کے لئے جائے ورنہ پیش خدا اس سے مواخذہ ہوتا۔

(۳) اس پر غور کرنا چاہیے کہ امام کو کہاں جانا چاہیے تھا۔ مکہ میں امام کو اپنی جان خطرہ میں نظر آنے لگی تھی اول تو عبداللہ بن زبیر کی سازشیں کیا کچھ کم تھیں پھر دوسری مصیبت یہ آئی کہ یزید نے حاجیوں کے لباس میں چالیس آدمی اس غرض سے بھیجے تھے کہ عین موسم حج میں حرم خدا کے اندر امام علیہ السلام کو قتل کر دیں اگر مناسک حج تمام ہونے سے پہلے حضرت وہاں سے نہ نکل جاتے تو یقیناً قتل کر دئے جاتے۔ اس صورت میں حرم خدا کی حرمت بھی برباد ہوتی اور مقصد شہادت بھی حاصل نہ ہوتا۔ اس قتل کا سبب کسی ذاتی مخاصمت کو قرار دے کر یزید اس خون ناحق سے اپنے دامن کو بچا لیتا چند روز چرچے رہ کر بات ختم ہو جاتی۔ اس لئے امام نے حج کو عمرہ مفردہ سے بدل کر وہاں سے نکل جانا مناسب سمجھا۔ یہ امام علیہ السلام کا بہترین حسن تدبر تھا۔ یہ تھا یزید کا اسلام کہ حرم خدا میں فرزند زادہ کے قتل کا بندوبست کیا تھا۔ اسی پر اس کے اور کردار کا قیاس کر لیجئے۔

اب صاحبان عقل و ہوش بتائیں کہ امام کو کہاں جانا چاہیے تھا اگر بجائے کوفہ کسی اور طرف کا رخ کرتے اور وہاں قتل کر دئے جاتے تو دنیا آپ کی اس کمزور رائے پر ہنستی اور اہل کوفہ کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ ہم نے بلایا ہر طرح مدد کا وعدہ بھی کیا لیکن ہماری بات نہ مانی بالآخر اس کا نتیجہ دیکھ لیا۔ اگر ہمارے پاس آ جاتے تو ہم ضرور بچا لیتے

امام جانتے تھے کہ یزیدی حکومت میں مجھے کہیں پناہ نہیں مل سکتی قتل ہوں گا اور ضرور ہوں گا بس بہتر یہ ہے کہ اہل کوفہ کی مجنون انسان

مر کے مروں اپنی شرافت کا جوہر دکھا کر مروں خدائی مواخذہ سے بری ہو کر مروں۔ دنیا پرست، زمن ناشناس اور ابن الوقت لوگ ان ایمان سے بھرپور گذاروں کو نہیں سمجھ سکتے۔ مثل مشہور ہے جب انسان دو بلاؤں میں مبتلا ہوتا ہے تو ان میں جو مصیبت ہلکی ہوتی ہے اسے اختیار کرتا ہے۔

حضرت مسلم کی روانگی

احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ پہلے کسی کو بھیجکر وہاں کے حالات کا پتہ چلایا جائے اگر حالات سازگار ہوں تو وہاں جائیں ورنہ نہیں چنانچہ آپ نے اپنے چچازاد بھائی اور معتمد خاص مسلم بن عقیل کو روانہ کیا جب یہ وہاں پہنچے تو شیعیان کوفہ نے ان کا پرجوش استقبال کیا اور اپنی نصرت کا یقین دلایا اور بیعت کا سلسلہ شروع ہوا بنا بر مشہور روایت کے ان کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی ان میں شیعہ تو آٹے میں نمک کی برابر تھے باقی سب وہ لوگ تھے جو کسی انقلابی تحریک میں اپنے مفاد کے پیش نظر شریک ہو جایا کرتے ہیں یہ شیعیان عثمانی کہے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں چند باتیں جان لینا ضروری ہیں

(۱) دمشق کی مطلق العنان حکومت سے دنیائے اسلام عموماً اور اہل عراق تنگ آ گئے تھے۔ تمام بڑے بڑے عہدے بنی امیہ کے قبضہ میں تھے جو بری طرح کمزوروں کو ستا کر داد عیش دے رہے تھے۔ لوگوں کی یہ دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اس حکومت کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکیں

(۲) انسان کی یہ فطرت ہے کہ ہر جدید شے میں اسے لذت محسوس ہوتی ہے عراق امام حسن علیہ السلام کی سلطنت کے بعد سے انقلاب انقلاب پکار رہا تھا

(۳) جب سے زیاد بن ابیہ کوفہ کا گورنر بنا اور دستداران اہلبیت پر مصائب و آلام کے پہاڑ گر پڑے تھے اس نے شیعیان علی پر وہ وہ ظلم کئے کہ ان کے تصور سے روح کانپتی اور کلیجہ لرزتا ہے۔ کون سا ظلم تھا جو ان پر نہ ہوا ان کو زندہ جلایا گیا ان کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کیا گیا۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ ان کی کھال کھینچی گئی ان کو سولی دی گئی لوہے کی گرم سلاخوں سے ان کی آنکھیں پھوڑی گئیں۔ کسی گوشہ میں ان کے لئے امان نہ تھی۔ چن چن کر مارے گئے تھوڑے سے لوگ جو بمشکل تمام کوفہ سے نکل بھاگے تھے وہ تو بچ گئے باقی سب کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ زیاد کے مرنے کے بعد تارک الوطن لوگ کوفہ واپس آئے لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی۔

(۴) معاویہ کے بعد جب یزید تخت نشین ہوا تو اس اندیشہ نے جگہ پکڑی کہ جب اس کے باپ کے عہد میں ہم اطمینان کا سانس نہ لے سکے جس کے چہرہ پر ظاہری اسلام کی نقاب پڑی تھی تو اس کے بیٹے کے عہد میں جو انتہائی فاسق و فاجر انسان ہے اور جسے اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہم پر کیا گذرے گی۔ یہ قاعدہ ہے کہ نعمت کی قدر بعد زوال ہوتی ہے اب اہل کوفہ کو اہلبیت رسول کی حکومت یاد آئی جو سراسر عدل و انصاف پر مبنی تھی اور جس میں ہر گروہ کے حقوق کا تحفظ تھا

(۵) سب سے پہلے شیعیان علی نے اس تحریک کو اٹھایا کہ امام حسینؑ سے درخواست کی جائے کہ وہ کوفہ تشریف لے آئیں اور ہم کو ہدایت کریں تاکہ یزید کی لادینی مسلمانوں میں اثر نہ کر جائے۔

(۶) یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی انقلابی تحریک فضا میں گونجتی ہے تو مختلف مکاتب خیال کے لوگ اس میں داخل ہو جاتے ہیں تاکہ انقلاب آنے پر ان کا بھی کچھ فائدہ ہو جائے اس وقت مذہب آگے نہیں ہوتا بلکہ غرض آگے ہوتی ہے

(۷) ساتویں ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ جن ۱۸ ہزار نے حضرت مسلم کی بیعت کی تھی وہ سب شیعیان علی نہ تھے بلکہ اکثریت ان لوگوں کی تھی جو زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگانے والے تھے۔ ورنہ کوفہ میں اٹھارہ ہزار شیعہ کہاں سے ابل پڑے اٹھارہ ہزار تو بہت ہوتے ہیں وہاں تو ۱۸ سو بھی نہ تھے بلکہ شاید آٹھ سو بھی نہ ہونگے۔

(۸) امام علیہ السلام کے پاس جو خطوط پہنچے وہ دو قسم کے تھے ایک تو وہ خطوط تھے جو مومنین کی طرف سے گئے تھے ان خطوط کا بنفقہ مضمون تھا طالب ہدایت یعنی وہ امام علیہ السلام کو اس لئے بلا رہے تھے کہ دین اسلام پر جو تباہی آرہی ہے اس کی روک تھام ہو جائے اور دوسرے گروہ کے خطوط کا مضمون وہی تھا جو سیاسی انقلاب کے محرکوں کا ہوتا ہے یعنی آپ یہاں تشریف لائے کھیتیاں لہلہا رہی ہیں پھل پک رہے ہیں ہم سب جنگ میں آپ کا ساتھ دیں گے۔ یہ لوگ وہی تھے جو شیعیان عثمان کہلاتے تھے۔ ان کو امام کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ تھی بلکہ ان کا منشا یہ تھا کہ اگر امام غالب آجائیں گے تو اس ظاہری ہمدردی کی وجہ سے ہمکو انکی حکومت میں اقتدار ہوگا ورنہ امام کے قتل کے بعد ان کے روحانی اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا اور مذہب شیعہ کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ یہی وہ لوگ تھے جو ابن زیاد کے سیاسی تازیانہ سے بچنے اور یزید سے انعام و اکرام حاصل کرنے کے لالچ میں آکر قاتلان حسین کی فہرست میں آکر شامل ہوگئے اور کربلا میں حسینی فوج کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہوگئے۔

(۹) شیعیان کوفہ پر غداری کا الزام لگانا حقائق سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ ابن زیاد نے کوفہ آتے ہی کوفہ والوں کو طرح طرح ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا محلہ کے تمام سرداروں کو تاکید کی کہ وہ ان لوگوں کے نام لکھوائیں جو دوستداران حسین ہیں بلکہ انتہائی نہیں ان کو پکڑ کر لائیں اور ابن زیاد کے سامنے پیش کریں جابجا ناکہ بندی کر دی کہ کوئی جناب مسلم کی مدد کو نہ جا سکے۔ بہت سے نامور لوگوں کو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا۔ شہر پناہ کے دروازہ پر فوجی پہرہ لگ گیا کہ کوئی باہر سے مدد کو نہ آسکے اہل انصاف بتائیں کہ ایسی صورت میں شیعہ حضرات کیونکر جناب مسلم کی مدد کر سکتے تھے۔ ہاں جن کو دشمنوں کی زد سے بچ نکلنے کا موقع مل گیا وہ حضرت مسلم کے ساتھ حملہ میں شریک ہوئے

(۱۰) اگر شیعیان کوفہ غدار ہوتے تو کربلا جا کر شہید نہ ہوتے۔ جب مجبوری سے وہ حضرت مسلم کا ساتھ نہ دے سکے تھے اس کا ان کو سخت ملال تھا۔ جب وقت آیا اور موقع ملا تو انھوں نے عزیزوں کی طرح اپنی جانیں اپنے امام پر قربان کر دیں ہاں غداری انھوں نے کی جنہیں امام سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ سیاسی انقلاب کے پیش نظر انھوں نے امام علیہ السلام کو خطوط لکھے ان سب کے نام تاریخوں میں درج ہیں۔

(۱۱) اس سلسلہ میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ اگر امام علیہ السلام کا ارادہ یزید سے ملکی جنگ کرنے کا نہ تھا تو حضرت مسلم نے کوفہ جا کر لوگوں سے بیعت کیوں لی اور ہتھیار خریدنے کے لئے چندہ کیوں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا مقصد جنگ کرنا تھا جواب یہ ہے کہ اہل کوفہ نے امام علیہ السلام کو ہدایت کے لئے بلایا تھا۔ یہ ہدایت یزید کے اخلاق و کردار اور سیاسی نظام کے ضرور خلاف ہوتی جب لوگوں کو بتایا جاتا کہ یزید احکام اسلام کے خلاف عمل کر رہا ہے وہ خلیفہ رسول کہلانے کا مستحق نہیں اس کی اطاعت کرنا ناجائز ہے تو یزید اس کو کیسے گوارا نہ کر سکتا تھا لامحالہ وہ امام کی گرفتاری کا حکم دیتا یا قتل کے احکام جاری کرتا

تو اس صورت میں اگر بیعت نہ لی جاتی اور ہتھیار جمع نہ کئے جاتے تو مدافعت کیسے کی جاتی اور امام کی حفاظت کیونکر ہوتی۔ لہذا حفظ ماتقدم کے طور پر ایک گروہ پر یہ ذمہ داری عاید کرنی ضروری تھی تاکہ وہ امداد کے لئے تیار رہیں بالخصوص جبکہ وہ امام کو بلا رہے تھے۔ جب حضرت مسلم کو اطمینان ہو گیا کہ بیعت کرنے والے حضرت کی نصرت پر تیار ہیں تب آپ نے امام کو کوفہ آنے کے لئے خط لکھا۔ حفاظت نفس ہر شخص کا فطری حق ہے اور حفاظت کے لئے انسان کو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے اگر حضرت مسلم نے ایسا کیا تو کیا قابل اعتراض بات ہے۔

(۱۲) اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ امام علیہ السلام یزید کو سلطنت سے ہٹانا چاہتے تو کیا اس کو بغاوت کہا جا سکتا ہے ایک ڈاکو کا پکڑنے والا ایک ظالم کا مقابلہ کرنے والا کیا باغی کہا جا سکتا ہے امر نیک سے انحراف کرنے کا نام بغاوت ہے یہ تو مسلّم ہے کہ یزید کے برسر حکومت رہنے سے دین اسلام کے مسخ ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا اس کے اشعار سے اور اس کے کردار سے معلوم ہو رہا تھا کہ اس کا ایمان نہ خدا و رسول پر تھا نہ قرآن پر۔ احکام شرع کی اس کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی۔ وہ مسلمانوں کا اجماعی خلیفہ بھی نہ تھا اس کا طرز جہانبانی وہ قوانین اسلام سے کوسوں دور تھا اس کا مقتضی تھا کہ جلد از جلد اس کے ہاتھ سے عنان سلطنت کو کھینچ لیا جائے۔ ورنہ اسلام ایک نیا دین بن جائے گا لہذا اس کے خلاف اٹھنے والی آواز پر لبیک کہنا امام کا فرض تھا۔ تاہم امام نے بڑے صبر و ضبط سے کام لیا اور اپنی طرف سے کبھی جھگڑے کی ابتدا نہ کی

(۱۳) بے شک امام چاہتے تھے اور دل سے چاہتے تھے اور جلد از جلد چاہتے تھے کہ یزید کی دور حکومت ختم ہو جائے لیکن چونکہ کوئی عسکری قوت آپ کے پاس نہ تھی اس لئے مادی جنگ میں نہ تو آپ کو کامیابی ہو سکتی تھی اور نہ یزیدیت کا قلع قمع ہو سکتا تھا لہذا آپ نے ایک ایسی جنگ کا منصوبہ باندھا جس سے اسلام ذبح جالیل ہوا اور یزیدیت کا جو زہر اسلام کی رگوں میں پیوست ہو گیا ہے وہ باہر آ جائے یزید بہ حیثیت بادشاہ چاہے زندہ رہے لیکن بہ حیثیت خلیفۃ المسلمین اس کی موت ہو جائے۔ وہ اپنے چہرہ پر اسلامی نقاب ڈال کر اسلامی عقاید پر جو ڈاکہ ڈال رہا ہے اس کی قلعی کھل جائے چنانچہ جیسا آگے آئے گا آپ کو اس مقصد میں بھرپور کامیابی حاصل ہو گئی۔

(۱۴) ابن زیاد جناب مسلم کو شہید کرا کے خوش تھا کہ میں نے حسین کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا لیکن اسے یہ خبر نہ تھی کہ اس نے یہ اپنی حکومت اور یزید کی سلطنت کے تختہ الٹنے کا خود سامان کیا ہے۔ اس نے بہت جلد سمجھ لیا کہ اس کے ظلم کا نتیجہ کیا ہوا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ اسی کوفہ سے بکثرت لوگ ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جنہوں نے امیر مختار کی قیادت میں قاتلان حسین میں سے ایک ایک کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کر کے واصل جہنم کیا ابن زیاد بھی کتے کی موت مارا گیا۔ اگر چند روز یزید اپنی موت نہ مرا ہوتا تو یہی حشر اس کا ہوتا۔

مکہ سے روانگی

اہل کوفہ کی طلب پر امام علیہ السلام کو کوفہ جانا تھا چنانچہ دشت غربت کی منزلیں طے ہونی شروع ہو گئیں۔ بہت سی بستیوں سے امام کا گزر ہوتا رہا اگر یزید سے جنگ کا خیال ہوتا تو بہت اچھا موقع تھا کہ آپ ایک ایک بستی میں جا کر یزید کی خلافت کا پروپیگنڈا کرتے اور اپنی جمعیت بڑھاتے چلے جاتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ جو لوگ اپنی مرضی سے قافلہ حسینی میں شامل ہوئے آپ نے کھلے لفظوں میں انہیں آگاہ کر دیا کہ میں مارا

فتح کرنے نہیں جا رہا بلکہ دین کو ضلالت کی زد سے بچانے جا رہا ہوں مرنے جا رہا ہوں جسے راہِ خدا میں مرنے کا شوق ہو وہ میرے ساتھ چلے چنانچہ جو مال و دولت کے بھوکے اور جاہ و منصب کے لالچی تھے منزل بمنزل علیحدہ ہوتے چلے گئے
دنیا والو! کیا ایک طاقتور بادشاہ سے مقابلہ کا یہی انداز ہوتا ہے۔ کیا مٹھی بھر آدمیوں سے کسی زبردست عسکری نظام کو کچلا جا سکتا ہے۔ کیا دشمن کے مقابلہ کو جانے والے اپنے ساتھیوں سے ایسا ہی کلام کیا کرتے ہیں

راستہ میں یہ خبریں برابر امام کو ملتی رہیں کہ اہلِ کوفہ امام کی نصرت سے دست کش ہو گئے ہیں ان کی وفاداری بدل گئی ہے یہاں تک کہ جناب مسلم کی شہادت کی خبر بھی مل گئی چاہیے تو یہ تھا کہ آپ کوفہ کی راہ چھوڑ کر کسی اور طرف کو نکل جاتے مگر جو وعدہ آپ نے اہلِ کوفہ سے کیا تھا وہ سدِ راہ تھا۔ وعدہ خلافی کو آپ نے اپنی شانِ امامت کے خلاف سمجھا اور اہلِ کوفہ کو یہ کہنے کا موقع نہ دیا کہ آپ کوفہ تک آتے تو ہوتے اور یہ دیکھا تو ہوتا کہ ہم کیا کرتے ہیں آپ تو اوپر سے اوپر ہی واپس چلے گئے اور ہمیں مصیبت میں پھنسا دیا یہ الزام آپ اپنے اوپر لینا نہیں چاہتے تھے۔ یہی تو اس خانوادہ گرامی کی خصوصیت ہے کہ چاہے جان جائے مگر شریعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور اخلاقِ حسنہ کے کسی پہلو پر بد اخلاقی کی ہلکی سی چھینٹ بھی نہ پڑنے پائے۔

فوجِ حُر سے ملاقات

ایک منزل پر حُر کی ایک ہزار فوج امام علیہ السلام کے سامنے تھی جس کا ہر سپاہی تشنگی سے جاں بلب۔ اگر تھوڑی سی بے التفاتی سے کام لیا جاتا تو ایک ہزار دشمن سے بہ آسانی نجات مل جاتی مگر امام علیہ السلام اُن علی کے بیٹے تھے جنہوں نے اپنے پیاسے قاتل کو پانی پلایا تھا ان سے دشمن کی یہ تباہ حالت نہ دیکھی گئی فوراً سب دشمنوں اور ان کے گھوڑوں کو سیراب کرنے کا حکم دیا گیا۔ بعض ساتھیوں نے یہ عذر بھی کیا کہ حضور ہمارے ساتھ بقدرِ ضرورت پانی ہے اور آگے پانی ملنے کی کوئی امید بھی نہیں یہ ہمارے خون کے پیاسے ہیں ہم انہیں کیوں پانی دیں مگر امام نے منظور نہ کیا اس کی کئی وجہیں تھیں۔

(۱) آپ نے اپنے مقدس دامن پر قساوتِ قلبی اور بے رحمی کا دھبہ لگنا گوارا نہ کیا
(۲) آپ ایک ایسی رسمِ بد میں شرکت کرنا نہ چاہتے تھے جس کی ابتدا جنگِ صفین میں معاویہ نے کی تھی پہلے سے وہاں پہنچ کر پانی کے گھاٹ پر قبضہ کر لیا اور جب حضرت کا لشکر وہاں پہنچا تو اس نے پانی بند کر دیا۔ لیکن جب حضرت علی نے اُن کو ہٹا کر گھاٹ پر قبضہ کیا تو ان کو پانی لینے کی اجازت دے دی۔ امام علیہ السلام نے اپنے باپ کے عمل کی تاسی کی۔
(۳) امام علیہ السلام رہتی دنیا تک اسلام کی اس تعلیم کو باقی رکھنا چاہتے تھے کہ اگر وضو کے لئے پانی رکھا ہو اور کتا پیاسا مر رہا ہو تو اسے پلا دو اور تیمم سے نماز پڑھ لو
(۴) امام علیہ السلام دنیا کو یہ بتا دینا چاہتے تھے کہ نیکی بغیر اپنا اثر دکھائے نہیں رہتی وہ دشمن کے دل میں تیر کی طرح در آتی ہے چنانچہ امام کی یہ نیکی بغیر رنگ لائے نہ رہی عین وقتِ جنگ حُر کو اپنی طرف کھینچ لائی
(۵) دنیا والوں کو یہ دکھانا تھا کہ آلِ محمد کا اخلاق کیا ہے یزیدیت اور حسینیت میں کتنا فرق ہے۔ آگے چل کر جب امام حسین اور

ان کے ساتھیوں پر کربلا میں پانی بند کیا جائے گا اس وقت دنیا والے حسینؑ اور یزید کے کردار کا مقابلہ کریں گے اور سمجھیں گے کہ عہد یزید میں اسلام کیسی تپ دق میں مبتلا تھا۔ امام حسینؑ نے مسیحا بنکر اُسے موت کے منہ میں سے نکال لیا۔

امام علیہ السلام کا کربلا میں ورود

کربلا امام حسین علیہ السلام کے سفر کی آخری منزل ہے۔ ذرا دیکھنا یہاں پہنچکر اسلامی آئین کی نگہداشت کس طرح کی جاتی ہے

(۱) خیام حسینی لب فرات نصب ہوئے تاکہ گرمی کے موسم میں پانی سے قریب رہیں۔ عورتوں اور بچوں کا ساتھ ہے دور دراز منزلیں طے کرکے آئے ہیں دریا کے کنارے افسردہ طبیعتوں کو ذرا سکون حاصل ہوگا۔ دشمن کی فوج دو روز پہلے ہی کربلا میں پہنچ گئی اور خیمے وہاں سے اٹھانے پر اصرار کرنے لگی۔ ابھی دشمنوں کی تعداد تھوڑی تھی ان سے لڑنا آسان تھا۔ شیر دل جوانانِ حسینی اس گستاخی اور خلاف انسانیت برتاؤ کو برداشت نہ کرسکے تلواریں نیام سے نکال لیں تھوڑی دیر میں زمین کربلا خون سے لال ہو جاتی مگر امام نے روک دیا اور حکم دیا کہ خیمے یہاں سے اٹھاکر دوسری جگہ نصب کردو اس کو بزدلی نہ سمجھا جائے بلکہ یہ حسینی کردار کا ایک چمکتا دمکتا نقش تھا جو ہمیشہ اہل روزگار سے دادِ تحسین و آفرین حاصل کرتا رہے گا ہم بار بار یہ دکھاتے چلے آرہے ہیں کہ امام ہر اس مقام سے اپنا پہلو بچاتے ہیں جہاں بدنامی یا ناسمجھی کا ہلکا سا کانٹا بھی چبھتا ہو اگر اس وقت جنگ چھڑجاتی تو دشمن کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ جنگ کی ابتدا حسین نے کی پانی سے ہٹانے کا جرم چھپاکر یہ ظاہر کیا جاتا کہ حسین نے ہماری فوجوں کو نہر فرات کے قریب خیمہ زنی سے روکا اور ہماری فوج پر حملہ کیا مجبوراً ہم کو لڑنا پڑا۔ واقعہ کربلا ایک ردعمل تھا۔ برسراقتدار لوگ ہر قسم کا جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ امام نے اس الزام سے اپنا دامن بچالیا اور یزید کو اس ظلم کے چھپانے کا موقع نہ دیا۔ یہ امام علیہ السلام کا انتہائی تدبر ہے

(۲) میدان جنگ میں آکر لڑنے والے یہ نہیں دیکھا کرتے کہ یہ سرزمین کس کی ملکیت ہے اور ہمارے لاشوں کا کیا انجام ہوگا۔ عام قاعدہ یہی ہے کہ جو مرتا گیا وہیں گڑھا کھود کر دبا دیئے گئے لیکن اسلام چونکہ زمین غیر میں بے اجازت مالک دفن ہونے کی اجازت نہیں دیتا لہٰذا امام نے سب سے پہلے زمین خریدنے کا انتظام کیا۔ اور بنی اسد کو بلاکر زمین کا ایک بڑا حصہ خرید کر چند شرائط کے ساتھ انہی کو ہبہ کردیا ایسی احتیاطیں سوائے آل محمد دوسروں سے ممکن نہیں۔

(۳) اس ہبہ سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بنی اسد کو پوری ہمدردی ہوگئی اور ان کی وجہ سے لاشے جلد دفن ہو گئے ورنہ دشمن تو یوں ہی چھوڑکر چل دیا تھا۔ نیز زائروں کو اس قبیلہ سے بڑی مدد ملی۔

دوسری سے ساتویں محرم تک

معرکہ کربلا کو سر کرنے کے لئے ابن زیاد نجس نے پسر سعد کو سپہ سالار لشکر بنایا۔ ملک رے کی گورنری دینے کا وعدہ کیا۔ پسر سعد اگرچہ نفل

حسین کو اپنے لئے ایک ابدی عذاب سمجھتا تھا اور اس عہدہ کو قبول کرنے سے گھبرا بھی رہا تھا مگر رے کی حکومت کے لالچ نے اسے جہنم کی طرف دھکیل ہی دیا اور پانچ ہزار سواروں کے ساتھ پانچویں محرم کو کربلا میں آ گیا۔ فوجوں کی آمد کا سلسلہ نو محرم تک جاری رہا یہاں تک کہ کم سے کم چالیس ہزار فوج جمع ہو گئی۔ یہ انتہائی بزدلی اور کمینہ پن کی علامت تھی کہ بہتر بھوکے پیاسوں سے لڑنے کے لئے اتنی کثیر فوج جمع کی گئی۔ یہ صرف رعب ڈالنا اور سپاہ حسینی کو ڈرا کر امام علیہ السلام کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کرنے کے لئے تھا مگر ان بیشہ شجاعت کے شیروں نے ان سب کو بھیڑ بکری کے گلوں سے زیادہ نہ سمجھا۔

چونکہ امام علیہ السلام کی حق پرستی اور نیک نیتی کو ابن سعد کا دل مانے ہوئے تھا اس لئے وہ تین چار روز برابر اس کوشش میں لگا رہا کہ ابن زیاد اور امام حسین کے درمیان کسی طرح صلح ہو جائے تاکہ وہ قتل حسین کے گناہ عظیم سے بچ جائے۔ راتوں وہ امام سے مشغول گفتگو رہتا تھا اور کوئی ایسی راہ تلاش کر رہا تھا کہ جنگ ملتوی ہو جائے مگر حق و باطل کے درمیان صلح ہوتی تو کیسے۔ ایک ملاقات میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

پسر سعد۔ آپ اس طرف کیسے تشریف لائے

امام۔ میں خود نہیں آیا بلکہ اہل کوفہ کا بلایا ہوا آیا ہوں اگر تم کو میرا آنا ناگوار ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا

پسر سعد۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لیجاؤں وہاں آپ بالمشافہ اس سے گفتگو کر لیں

امام۔ میں کیا مجرم ہوں کہ اس کے پاس جاؤں۔ ایک کمینہ آدمی سے ملنا میرے لئے باعث ننگ و عار ہے

پسر سعد۔ آپ یزید کی بیعت کر لیں تو امن و امان کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

امام۔ استغفر اللہ! میں اور ایک فاسق و فاجر انسان کی بیعت۔ میں موت سے نہیں ڈرتا مجھے اس سے امان حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں ایسے بدکار کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا ملنے اور طالب امان ہونے کا کیا ذکر

پسر سعد۔ اگر آپ کسی بات پر راضی نہیں ہوتے تو پھر جنگ ہوگی اور آپ اور آپ کے تمام ساتھی بے دریغ قتل کر دئے جائیں گے

امام۔ حق پر جان دینا ہمارے لئے باعث سعادت ہے۔

پسر سعد نے ابن زیاد کو لکھا کہ حسین بن علی جنگ کرنا نہیں چاہتے وہ واپس جانے کے لئے تیار ہیں۔ بہتر ہوگا کہ انہیں جانے کی اجازت دیدی جائے تاکہ یہ جھگڑا ختم ہو جائے۔

جب ابن زیاد کو یہ خط ملا تو وہ نیم راضی سا ہو گیا مگر شمر نے کہا اے امیر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پسر سعد حسین سے مل گیا ہے اب حسین ہمارے قابو میں ہیں اگر اس وقت نکل گئے تو پھر ان پر قابو پانا دشوار ہو گا عمر سعد کو لکھ کہ یا تو جنگ کرے ورنہ رے کا پروانہ واپس کرے اس کی جگہ میں جانے کو تیار ہوں چنانچہ ابن زیاد کا تہدیدی خط لے کر شمر کربلا پہنچا۔ ابن سعد سمجھ گیا کہ یہ سب اسی مردود کا کیا دھرا ہے۔ چونکہ رے کی حکومت کا بھوت اس کے سر پر سوار تھا لہذا اس خط کے بعد وہ جنگ کرنے پر تیار ہو گیا۔

کس قدر احمق ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ امام حسین نے خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالا۔ پسر سعد کے مشورہ پر عمل کرتے

اگر وہ یزید کے پاس نہ جانا چاہتے تھے تو ابن زیاد کے پاس چلے جاتے اور زبانی بات چیت کرکے اس فتنہ کو فرو کر لیتے اگر ابن زیاد نہیں تو یزید ضرور ان کا کہنا مان لیتا اور بیعت سے انہیں مستثنیٰ کر دیتا

جن لوگوں کی عقلوں پر تعصب کا پردہ پڑا ہوتا ہے وہ ایسی ہی بے تکی باتیں بکا کرتے ہیں۔ اگر امام علیہ السلام کا کوئی ذاتی مقصد ہوتا اور زندہ رہنے سے اس میں کامیابی نظر آتی تو بھی یہ ذلت گوارا نہ کرتے چہ جائیکہ وہ عظیم الشان دینی مقصد جس میں کامیاب ہونا آپ کی شہادت ہی پر منحصر تھا۔ اگر آپ کے زندہ رہنے سے یزیدیت فنا ہو جاتی تو ضرور زندہ رہنے کی کوشش کرتے

ان کا مرنا کسی دنیوی مقصد کے لئے نہ تھا بلکہ دین خدا کو ضلالت سے بچانے کے لئے تھا ایسے مرنے پر ہزار زندگیاں قربان

گویا وقعت رفیع امام علیہ السلام کے روحانی اقتدار کی جب وہ ایک مجرم کی حیثیت سے ابن زیاد یا یزید کے دربار میں کھڑے ہوتے اور وہ ناسزا الفاظ سے یاد کر رہا ہوتا۔ حضرت کی زندگی ان کے رحم و کرم پر ہوتی۔ وہ اہلبیت زدہ مخنثین نے پندار میں مست تھیں وہ تو سیدھے منہ امام سے بات بھی نہ کرتے۔ ایسی ذلیل زندگی کا خواہاں صرف وہی کمینہ نفس ہو سکتا ہے جو ذلت کی زندگی کو عزت کی موت پر ترجیح دے۔ حسین علیہ السلام صاحب نفس مطمئنہ تھے ان کی نظر دین اسلام کی حفاظت پر تھی نہ کہ اپنی جان کی حفاظت پر۔ وہ اپنے نانا کی شریعت کو غولان بیابانی کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ کربلا میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہو کر گئے تھے۔

یزید کی سلطنت اور ابن زیاد کی حکومت انہی ٹھوکروں میں تھی وہ اپنی موت کا ایسا عجیب و غریب پروگرام بنا کر گھر سے نکلے تھے کہ یزید اور اس کے ہوا خواہوں کی گردن میں ہمیشہ کے لئے لعنت کا طوق پڑ گیا اور ان کے نام داخل دشنام ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ حسین علیہ السلام کے علوئے نفس اور بلندی کردار کو نہ یزید نے سمجھا نہ اس کے حکمرانوں نے۔ یزید نے شخصیت امام کو پہچاننے میں بڑا دھوکہ کھایا۔ وہ مادی فتح کے غرور میں جھوم رہا تھا اسے یہ خبر نہ تھی کہ ایک روحانی اور اصولی فتح بھی ہوتی ہے جو مادی فتح کا گلا گھونٹ دیتی ہے اور فاتح ایک بے جان لاش بن کر رہ جاتا ہے۔ مادی فتح کے ڈنکے چند روز بج کر رہ جاتے ہیں اور روحانی اور اصولی فتح قیامت تک ارباب عقل و فہم سے اپنا [illegible] برقرار رہتی ہے۔ یزید اس گھمنڈ میں تھا کہ میرے شاہانہ جاہ و جلال سے مرعوب ہو کر حسین میری بیعت کر لیں گے مگر اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ حسینؑ کے سینہ میں وہ دل ہے جو دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب ہونے والا نہیں۔ یزید اپنے ارادہ میں ناکام رہا اور حسینؑ اپنے ارادہ میں کامیاب ہو گئے

سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

ساتویں محرم سے عاشور تک

عمر سعد نے ساتویں محرم سے فرات کے گھاٹ پر پہرہ بٹھا دیا اور تاکید کر دی کہ خیام حسینی تک ایک قطرہ پانی کا نہ جانے پائے مسلمان غور کریں یہ کس قدر وحشیانہ اور ظالمانہ عمل تھا۔ اسلام نے تو کفار و مشرکین تک پر پانی بند کرنے کی اجازت نہیں دی اور یہاں اولاد رسول پر پانی بند کیا جا رہا ہے۔ جو لوگ ایسے ظالموں کو مسلمان جانیں ان سے اللہ ہی سمجھے حضرت عثمان کے محاصرہ کے وقت جب ان کے مخالفوں نے پانی بند کیا تھا تو حضرت علی نے حسنین علیہما السلام کو حکم دیا تھا کہ اپنے کندھوں پر مشکیں رکھ کر لیجائیں اور کسی مزاحمت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پانی ان تک پہنچا دیں۔ چنانچہ بڑی کوشش کے بعد پہنچا دیا گیا۔

امیر المومنین نے جنگ صفین میں فوج معاویہ کے لئے پانی کے گھاٹ کھول دیے تھے حالانکہ اس سے پہلے معاویہ نے گھاٹ پر قبضہ کر کے فوج علی پر پانی بند کر دیا تھا۔ حضرت علی نے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ خود امام حسین نے فوج حر کو جو پیاس سے جاں بلب تھی پانی پلوایا تھا بلکہ ان کے جانوروں تک کو سیراب کیا تھا آج اس حسن سلوک کا یہ بدلہ دیا جا رہا ہے کتنے جلد یہ اشقیا اس احسان کو بھول گئے۔

یہ ہے وہ مسخ شدہ اسلام جس سے روشناس کرانے کے لئے حسینؑ کربلا میں آئے تھے انھوں نے خوب سمجھ لیا تھا کہ اب یہ گمراہی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ بغیر زبردست قربانی کے مسلمانوں کے مردہ احساس میں جان نہیں آسکتی اور رعب سلطنت نے جو حق گوئی کی زبان پر تالے ڈال دیے ہیں وہ بغیر جان پر کھیلے نہیں کھل سکتے وہ اپنی شہادت عظمیٰ کے بعد نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ اقوام عالم کو یہ سوچنے کا موقع دینے والے تھے کہ آخر اسلام پر ایسی کیا سخت مصیبت آئی تھی کہ نبی زادہ نے اس کو دور کرنے کے لئے تمام خاندان کو کٹوا دیا اور اپنی جان بھی دیدی

آپ کی شہادت کے بعد ہی آپ کا مقصد پورا ہو گیا اور غفلت کے پردے لوگوں کے دل و دماغ سے ہٹ گئے اور لوگوں کو بہت جلد پتہ چل گیا کہ یزید پکا دشمن اسلام تھا

پانی بند ہونے کے بعد اور وہ بھی شدید گرمی میں حسینی قافلہ پر جو کچھ گذری ہوگی اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے صبر ان ہی کے ساتھ تھے دوسرا ہوتا تو اپنی خودداری کو ٹھوکر مار کر یزید کے پیروں پر سر رکھ دیتا اور یہ کہہ کر کہ جان ہے تو جہان اس کی بیعت پر راضی ہو جاتا مگر حسین تو حسین تھے اُن کو اپنے نفس پر قابو تھا

یہ بات امام حسین کے سوا کسی کو نصیب نہ ہوئی کہ ان کے جتنے ساتھی تھے اپنے ہوں یا غیر سب کے سب مقصد حسین سے متفق تھے ذرا ان مصائب و آلام کے ہجوم پر ذرا بھی نہیں گھبرائے اور ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے انھوں نے کبھی بھول کر بھی کسی موقع پر یہ نہیں کہا کہ ہم سے یہ تکالیف برداشت نہیں ہوتیں۔ آپ یزید سے بیعت کر لیجئے ورنہ ہم سب ہلاک ہو جائیں گے۔ استغفر اللہ۔ یہ تو جب کہتے کہ ان کا اور حسین کا مقصد جدا ہوتا۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ ہماری زندگی سے نہیں بلکہ ہماری موت سے یہ بلا اسلام کے سر سے ٹل سکتی ہے ان کی اس مصیبت میں عورتیں اور بچے بھی برابر کے شریک تھے وہ العطش العطش کی آواز ضرور بلند کرتے تھے مگر کسی نے یہ نہیں کہا کہ یزید کی بیعت کر کے ہمیں اس مصیبت سے بچاؤ

یزید و ابن زیاد نے یہ سمجھا تھا کہ پانی بند ہوتے ہی فوج حسینی میں ہل چل مچ جائے گی اور انصار امام آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور عورتوں اور بچوں کی تکلیف دیکھ کر حسین علیہ السلام بیعت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن انھوں نے بہت جلد دیکھ لیا کہ ان کے سارے وار خالی گئے ان کے کسی ایک ظلم نے بھی حسین کے عزم و ثبات میں تزلزل پیدا نہ کیا۔

نویں محرم کو یہ طے ہو گیا کہ کل جنگ ضرور ہو گی۔

اگرچہ امام علیہ السلام کو اس کا یقین تھا کہ ان کے تمام اعزہ و انصار وفادار ہیں ان کے عزم و استقلال میں کوئی فرق نہیں تاہم حضرت نے اپنا یہ فرض سمجھا کہ سب کو جمع کر کے پھر ایک بار نتیجہ جنگ سے آگاہ کر دیا جائے اور کسی کو اپنی نصرت پر مجبور نہ کیا جائے۔ چنانچہ شب عاشورہ آپ نے سب کو ایک خیمہ میں جمع کیا اور ان سے فرمایا میں آپ سب لوگوں کو آگاہ کئے دیتا ہوں کہ کل لڑائی میں سوائے میرے فرزند علی کے کوئی زندہ نہ بچے گا۔ یہ گروہ ستم شعار ایک ایک کو کاٹ کر رکھ دے گا چونکہ ان لوگوں کو صرف میرا قتل مقصود ہے لہذا میں نے اپنی بیعت کو تم لوگوں سے اٹھا لیا۔ میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ اس پردہ شب میں جس کو جدھر جانا ہو چلا جائے میں کسی کی شکایت روز حشر نہ کروں گا

ہر طرف سے آواز آئی یا ابن رسول اللہ کیا آپ ہماری محبت کا امتحان لے رہے ہیں واللہ ایک جان کیا اگر ہزار جانیں ہوں تو ہم آپ پر نثار کر دیں گے۔ حضرت نے فرمایا بے شک مجھے آپ کی وفاداری پر اطمینان ہے مجھے اس پر فخر ہے کہ جیسے وفادار اور نیک اصحاب خدا نے مجھے دئے نہ کسی نبی کو ملے نہ کسی وصی کو

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اٹھ کر چلے گئے مگر میرے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں۔ وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) دوسری محرم سے برابر یزیدی فوجوں میں اضافہ ہوتا چلا آ رہا تھا اور امام کی فوج اضافہ کی کوئی تسلی بخش صورت نہ تھی لہذا کیسے یقین ہو سکتا تھا کہ امام کو دشمن کی کثیر فوج کے مقابل کامیابی ہو جائے گی۔ ان حالات کے تحت جانے والوں کو پہلے ہی چلا جانا چاہیے تھا۔

(۲) ساتویں محرم سے پانی بند تھا جانے والا یہ تکلیف کیوں برداشت کرتا وہ پہلے ہی روز برداشتہ خاطر ہو کر چل دیتا

(۳) امام علیہ السلام شروع ہی سے یہ ظاہر کرتے چلے آ رہے تھے کہ میں یہاں مرنے کے لئے آیا ہوں لہذا جو لوگ مقصد حسین سے متفق نہ تھے ان کو پہلے ہی چلا جانا چاہیے تھا وہ ۹ محرم تک کیوں اڑے رہتے۔

الغرض یہ ہے امام علیہ السلام کی حق نوازی، بلند کرداری اور عزم محکم نے سب کی ذہنی سطح ہموار کر دی تھی یہ خصوصیت سوائے امام مظلوم کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ بوڑھوں میں جوانوں کا سا جوش تھا اور جوانوں میں بوڑھوں کا سا تدبر۔ لڑکوں میں جوانوں کی سی اکڑ تکڑ۔ غلاموں میں آزادوں کی سی حمیت و جرأت۔ عورتوں میں مردوں کی سی ہمت۔ پھر صاف ستھرا مجمع پاک دل مجمع۔ عزم و ثبات والوں کا مجمع قرآن خوانوں اور اللہ والوں کا مجمع۔ ایسا خدا پرست مجمع چشم فلک نے کہاں دیکھا تھا اور زمین نے ایسے وفاداروں کے قدم کہاں چومے تھے

یہ خصوصیت بھی امامؑ کی یاد رکھنے کی قابل ہے کہ آج تک کوئی سردار فوج خواہ دنیوی جنگ ہو یا دینی ایسے مجمع کو نکھار کر نہیں لڑا۔ بہادر۔ بزدل، وفادار غدار، مخلص اور منافق ملے جلے فوجوں میں رہتے ہیں کچھ لڑتے ہیں کچھ بھاگ

کچھ سردار کا کہنا مانتے ہیں کچھ بغاوت اختیار کرتے ہیں کچھ مال و زر کی طمع میں لڑتے ہیں کچھ کورٹ مارشل کے خوف سے یونہی کی فوج کے سپاہیوں نے صاف کہہ دیا کہ اس قوم جبار سے ہم ہرگز نہ لڑیں گے آپ جائیں اور آپ کا رب اور وہاں سے لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ طالوت نے فوج سے کہا اس نہر کا پانی نہ پینا مگر چند کے سوا سب ہی نے تو ڈگ ڈگا کر پی لیا حضرت رسولِ خدا کے سب ساتھی بھی یکساں نہ تھے۔ باوجودیکہ آپ یقین فتح دلاتے تھے مگر اس پر بھی میدان سے بھاگ جاتے تھے حضرت علی اور حضرت امام حسن کی فوج بھی ایسی ہی تھی یعنی جواہرات میں کنکر اور نگینہ زروں میں گھٹیاں ملی ہوئی رہیں لیکن امام حسین کا کل مجمع نکھرا ہوا تھا۔ سب مومنین کا مابین نام کو بھی کوئی منافق نہ تھا بلکہ حضرت نے اپنے ہی مجمع کو نہیں نکھارا بلکہ دشمن کے مجمع کو بھی نکھار دیا وہاں مومنوں میں ایک منافق شامل تھا یعنی حرہ وہ بھی ادھر آگیا اس کے آنے کے بعد وہاں سب منافق رہ گئے اور یہاں کل کے کل مومن۔ یہ ہے حسین ع کی شخصیت شاید اسی کو مد نظر رکھ کر کسی شاعر نے کہا ہو

از ہیچ ہمبرے نیاید ایں کار   واللہ کہ اسے حسین کارے کردی

شب عاشور

عاشور کی شب وہ آخری رات تھی جس کے بعد عازیان راہِ خدا کو دنیا میں پھر دوسری رات نصیب نہ ہوئی۔ یہ ایسی بھیانک رات تھی جس کی صبح کو تمام انصار اور اعزائے حسین قتل ہو جانے والے تھے۔ عورتوں کو بیوہ ہونے کا ڈر تھا اور بچوں کو یتیم ہونے کا۔ اور لوگ ہوتے تو ساری رات رو پیٹ کر گزارتے لیکن حسینی لشکر کی یہ رات عبادتِ خدا میں گزری انکی تسبیح اور تہلیل کی آوازیں ہر ایک خیمہ سے بلند ہو رہی تھیں۔ برخلاف اس کے فوج یزید میں گانا بجانا ہوتا رہا۔ شراب کا دور چلتا رہا۔ پسر سعد نے اپنے کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر اپنے لشکریوں کی پست ہمت کو ابھار کر قتل امام پر آمادہ کیا تھا۔ پھر بھی حضرت کی چھوٹی سی سپاہی فوج کا ایسا رعب تھا کہ چالیس ہزار فوج حواس باختہ تھی۔ باوجودیکہ وہ سیر و سیراب تھے اور ہر طرح کی آسائش میسر تھی مگر سب تھے کرایہ کے ٹٹو ایمان سے خالی اخلاق سے معرا اور حاکم کی خوشنودی کو اللہ کی خوشنودی سے زیادہ سمجھنے والے۔

کس قدر فرق تھا یزید والے اور حسین والے مسلمانوں میں۔ موت کے ایسے مشتاق۔ شہادت کے ایسے متمنی جان دینے کے ایسے شوقین دنیا نے کبھی نہیں دیکھے۔ بریر ہمدانی اور عبد الرحمن بن عبد ربہ کے درمیان مذاق بھی ہو رہا ہے۔ مسلم بن عوسجہ تلوار کو رانوں پر رکھے غلام سے کہہ رہے ہیں ذرا خیمہ سے نکل کر دیکھ کتنی رات باقی ہے۔ ہائے یہ رات کتنی طولانی ہو گئی۔ حبیب ابن مظاہر انصار کو اپنے خیموں میں بلا کر کہہ رہے ہیں دوستو شرط وفاداری یہ ہے کہ ہم خاندان رسول سے پہلے اپنی جانیں قربان کر دیں ورنہ ہماری موجودگی میں اگر حسین کے عزیزوں سے کوئی بھی قتل ہو گیا تو روز حشر کس منہ سے حضرت رسول خدا کے سامنے جائیں گے۔ کہیں دشمن پر حملہ کی تدبیریں سوچی جا رہی ہیں اور ایک دوسرے پر سبقت کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ کہیں ہتھیاروں پر صیقلیں ہو رہی ہیں۔ کہیں مائیں اپنے نوجوان بیٹوں کو سامنے بٹھائے جنگ کی طرف رغبت دلا رہی تھیں۔ غرض ہر طرف جوش ہے ولولہ ہے مرنے کی امنگ ہے۔ شہادت کا شوق ہے۔

روز عاشور

روز عاشور حق و باطل کے فیصلہ کا وہ مصیبت بردوش اور بلا بداماں دن تھا جس کی تاریخ عالم میں نظیر نہیں ملتی ایک طرف چار ہزار فوج سیر و سیراب ہر قسم کے ہتھیاروں سے آراستہ صفیں جمائے کھڑی تھی دوسری طرف بہتر بوڑھے جوان اور بچے تین دن کے بھوکے اور پیاسے تھوڑے سے ہتھیار بدن پر سجائے ایمان و معرفت کا نور اپنے اندر لئے ہوئے ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار کھڑے تھے انہیں جینے سے زیادہ مرنے کی آرزو تھی

دشمن نے سمجھا تھا کہ ان مٹھی بھر چند آدمیوں کو جو بھوک اور پیاس کی وجہ سے جاں بہ لب ہیں بات کہتے اپنی تلواروں میں رکھ لیں گے ان میں ہم سے مقابلہ کرنے کی طاقت کہاں انہیں کیا خبر تھی کہ ان غازیوں کے سینوں میں شیروں کا دل ہے اور ان کے بازوؤں میں بے پناہ شجاعت کا خون دوڑ رہا ہے اور ان کے ارادوں میں پہاڑوں سے زیادہ استحکام ہے

نقارۂ رزمی پر چوٹ پڑی۔ میدان میں مبارز طلبی کی آواز بلند ہوئی اس وقت ان کو پتہ چلا کہ ان بھیڑ بکریوں کے گلّہ پر نیستانِ شجاعت کے شیر کس طرح لپکے اور کس طرح ان کی صفوں کو درہم و برہم کیا ایک ایک نے کشتوں کے پشتے اور لاشوں کے انبار لگا دیئے پرے کے پرے خاک پر بچھا دیئے۔ بالخصوص ہاشمی جوانوں کی جنگ یادگار تھی۔ دشمن حواس باختہ ہو کر ہر طرف بھاگ رہا تھا۔ صبح سے عصر تک قیامت برپا رہی ہر طرف خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں خیمہ گاہ حسینی میں لاشہ پر لاشہ آ رہا تھا مگر مجاہدوں کے ولولے اور ارادے وہی تھے۔

اس جنگ کے متعلق چند باتیں قابل غور ہیں

(۱) اس جنگ میں فوج یزید نے وہ کیا کیا مظالم کئے جن سے انکی اسلام دشمنی کا مظاہرہ ہوا۔

(الف) صرف انکار بیعت خاندان رسول کا قتل حالانکہ انکار بیعت پر اسلام نے کسی مسلمان کے لئے یہ سزا تجویز نہیں کی۔

(ب) آل رسول پر پانی بند کرنا اور ننھے ننھے بچوں کا پیاس سے تڑپانا۔

(ج) بہتر بھوکے پیاسوں سے مقابلہ کے لئے چالیس ہزار فوج کا اجتماع کیا یہ محض بی بیوں اور بچوں کو ہراسان کرنا مقصود تھا

(د) قتل کے بعد شہیدوں کے سر نیزوں پر چڑھانا۔

(ہ) شہیدوں کا لباس اتار کر ان کے اجسام کو برہنہ کرنا۔ اسلام نے تو کافروں کے ساتھ بھی یہ روا نہیں رکھا۔ جنگ خندق میں عمرو بن عبدود کو قتل کر کے حضرت علی نے اس کا لباس نہیں اتارا تھا۔ حالانکہ وہ بہت قیمتی تھا۔

(و) شہیدوں کی لاشوں کو پامال کرنا

(ز) لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑنا

(ح) نبی زادہ کے قتل کی خوشیاں منانا تکبیریں کہنا گانا بجانا اور شراب پینا

(ط) نبی زادیوں کو لوٹنا ان کے سروں سے چادریں اتارنا بچوں کے کان چیر کر گوشوارے لینا۔ بیمار امام کے نیچے سے چمڑے کا بستر تک کھینچ لینا۔

(ی) خیام حسینی میں آگ لگانا

(ک) عورتوں اور بچوں کو قید کرکے برہنہ پشت اونٹوں پر سوار کرکے کوفہ لے جانا

(ل) بنی زادیوں کو سر برہنہ شہر بہ شہر تشہیر کرنا

(م) درباروں میں رسن بستہ لے جانا۔ بھرے دربار میں ان کا تعارف کرانا

(ن) سر حسین کو تخت کے نیچے رکھنا۔ لب ہائے مبارک پر چھڑی مارنا

(س) اہل حرم کو زندان میں بند کرکے ٹھنڈے پانی سے ترسانا

(ع) بھنا ہوا اناج غذا میں دینا

(ف) کھلی زمین پر سلانا

(ص) ایسے زندانوں میں بند کرنا جہاں نہ روشنی کا گذر ہو نہ ہوا کا۔

یہ اور اس قسم کے بیشمار مظالم تھے جو فوج یزید نے خاندان رسول پر کئے۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ یزید نہ صرف اسلام کے دائرہ سے باہر تھا بلکہ اس کو خاندان رسول سے شدید عداوت تھی زمانہ جاہلیت کے جن رسوم بد کو حضرت رسولخدا نے دائرہ اسلام سے خارج کیا تھا یزید نے پھر ان پر اسلام کا لیبل لگاکر جاری کر دیا جس سے اسلام کی بنیادیں ہل گئیں سطوت شاہی یزید کے ناستودہ افعال پر پردہ ڈالے ہوئے تھی اور جن لوگوں کو سب کچھ معلوم تھا نہ اظہار کی جرأت ہی نہ رکھتے تھے۔ بہت سے لوگوں کو تو اس کا احساس ہی نہ تھا کہ یزید کی بداعمالیاں اسلام کو کیا نقصان پہنچا رہی ہیں لہذا امام علیہ السلام کا مقصد اپنی شہادت سے صرف یہی تھا کہ یزید کے دشمن اسلام کرتوت بے حجاب ہوکر پبلک کے سامنے آجائیں اور ان کے اندر اس کی مخالفت کا جذبہ پیدا ہو جائے احساس کی یہ بیداری ہر قسم کی ضلالت کے لئے سدراہ ہو جائے گی اور دین مسخ ہونے سے بچ جائے گا۔

(۲) یزید کو امام حسین سے بیعت لینے پر اتنا زیادہ اصرار کیوں تھا اور ان کے خلاف اتنا سخت اقدام اس نے کیوں کیا اس پر بھی غور ذرا فکر کرنا چاہئیے

یزید اپنے باپ سے بھی اور اکثر اصحاب رسول سے بھی یہ سن چکا تھا اور خود بھی جانتا تھا کہ مسلمانوں کے کسی طبقہ میں بھی امام علیہ السلام سے زیادہ روحانی اقتدار رکھنے والا نہیں اول تو وہ بانی اسلام نبی کریم ؐ کے نواسے اور ان کے آغوش شفقت میں پلے ہوئے ہیں پھر وہ اس علی کے بیٹے ہیں جس نے سلطنت اسلامی کی بنیاد ڈالی ہے۔ تیسرے ان کی ذات خود مقدس ہے اور انکی روحانی عظمت لوگوں پر چھائی ہوئی ہے وہ کسی حالت میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہیں رک سکتے مجھ میں خلیفہ رسول بننے کی اہلیت کسی پہلو سے بھی نہیں لہذا وہ میرے ناستودہ افعال کو کسی صورت میں بھی پسند نہیں کر سکتے اور میری مخالفت کئے بغیر رک نہیں سکتے ان کا وجود میرے لئے ہر وقت خطرہ کا باعث ہوگا اور سلطنت جانے کا قوی اندیشہ ہے لہذا مجھے اپنی حکومت کے تحفظ کے لئے ان کا قتل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اب امام علیہ السلام کے خیالات پر ایک نظر ڈالئے۔

عہد یزید میں اسلامی تعلیم کے خلاف واقعات کی نشو ونما یہ نشان دہی کر رہی تھی کہ اگر یزید کی مخالفت نہ کی گئی تو کچھ دنوں بعد دین اسلام کے تمام حقائق و معارف اور اوامر و نواہی ختم ہو کر رہ جائیں گے اور دین محمدی دین یزیدی بن جائے گا جس میں حسب ذیل دفعات داخل ہونگی

(۱) شراب پینا جائز ہے (۲) زنا حلال ہے (۳) رقص و سرود جائز ہے (۴) رعایا بادشاہ کی غلام ہوتی ہے (۵) بیت المال بادشاہ کا ذاتی خزانہ ہے وہ جیسے چاہے خرچ کرے کسی کو اعتراض کا حق نہیں (۶) بادشاہ اسلام کو حق ہے کہ وہ زرنگار محلوں میں رہ کر داد عیش و نشاط دے (۷) بادشاہ کے محلوں میں مخمل و کمخواب کے فرش اور حریر و دیبا کے زرتار پردے لٹکنے چاہئیں (۸) بادشاہ کے دروازہ پر دربان اور پہرہ دار ہر وقت موجود رہیں اور کوئی بے اجازت بادشاہ سے نہ مل سکے (۹) رسول اللہ نے اپنی رسالت کا ایک ڈھونگ رچایا تھا نہ ان پر کوئی وحی نازل ہوئی تھی نہ کوئی فرشتہ آیا تھا یہ تھا بادشاہ اسلام کا عقیدہ۔ (۱۰) قرآن و حدیث کے ہر حکم پر عمل کرنا ضروری نہیں (۱۱) بادشاہ کے کسی عمل پر اعتراض کا حق نہیں۔ (۱۲) حلال و حرام کوئی چیز نہیں جو بادشاہ پسند کرلے وہی حلال ہے (۱۳) بادشاہوں اور امیروں کو یہ حق حاصل ہے کہ غریبوں کی کھال کی جوتیاں بنا کر پہنیں (۱۴) رعایا کی حسین بہو بیٹیاں بادشاہ کی ہوس رانی کے لئے بے نکاح جائز ہیں (۱۵) سوتیلی ماں بہنوں سے ہوس رانی ہوسکتی ہے (۱۶) دنیا عیش و آرام کی جگہ ہے۔ زہد و قناعت بے معنی ہیں (۱۷) قیامت کا عقیدہ لچر و بیہودہ ہے (۱۸) جزا و سزا فرضی باتیں ہیں (۱۹) رسول ہم ہی جیسے آدمی تھے ان کی ہر بات ماننا ضروری نہیں۔

غور کیجیے اگر یہ سب باتیں اسلام کے سر تھوپ دی جائیں تو وہ خدا کا دین ہوگا یا شیطان کا۔ انہی باتوں کے تصور نے امام کو لرزہ بر اندام کر دیا تھا اور انہی کے خلاف جہاد کرنے کو کربلا میں محاذ لگایا تھا۔

کربلا کی جنگ میں بظاہر یزید کو فتح ہوئی اور حسینؑ کو شکست لیکن یہ فیصلہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن پر شیطان سوار ہو ورنہ واقعہ کربلا کے ہر پہلو پر غائرانہ نظر ڈالنے والا تو یہی فیصلہ دے گا کہ یزید اس جنگ میں ہارا اور بری طرح ہارا۔ اور امام علیہ السلام کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ مادی فتح ہانڈی ابال اور سینہ کا جھالا ہوتا ہے جو تھوڑی دیر میں ختم ہو جاتا ہے دنیا میں بیشمار فاتحین ہوئے ہیں جن کی فتح کے پرچم چند سال لہرا کر سرنگوں ہو گئے اور سطوت و جبروت کے نقارے کچھ دن بج کر رہ گئے لہذا ایسی عارضی فتح کو فتح کہنا حماقت ہے۔ پائدار فتح اصولی ہوتی ہے۔ جن اصول کی بقا کے لئے جنگ کی جائے اگر وہ تسلیم کر لئے جائیں اور ان کی بقا کا بندوبست ہو جائے تو یہ شکست نہیں کہلاتی بلکہ فتح مبین کہلاتی ہے کیونکہ اس سے مقصد جنگ حاصل ہو جاتا ہے۔

یزید اپنے غلط اصول زندگی پر امام علیہ السلام سے بیعت لینی چاہتا تھا۔ حضرت نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا یزید نے اپنے اصول تسلیم کرانے کے لئے جنگ کی۔ وہ سمجھتا تھا میں صاحب طاقت انسان ہوں حسینؑ سے بیعت لے کر رہوں گا وہ میرے قبضہ سے نکل کر جا کہاں سکیں گے۔ لیکن اسے اپنے ارادہ میں بری طرح ناکامی ہوئی اس کے اصول زندگی کو دنیا والوں نے شیطانی عمل سمجھ کر نہ صرف نظروں سے گرایا بلکہ اس کو مستحق لعن قرار دیا اور اس کے نام گالی سمجھا۔

کیا اس مادی فتح نے لوگوں کے دلوں میں کوئی جگہ پیدا کی۔ اگر نہیں تو بتائیے یہ فتح ہوئی یا شکست۔

اب امام علیہ السلام کی فتح کا حال سنئے۔

(۱) امام نے بیعت یزید سے انکار کیا اور آخر وقت تک انکار کرتے رہے یزیدی مظالم کے تمام حربے بیکار ہو گئے مگر وہ حسین کی "نہیں" کو "ہاں" نہیں کر سکے (۲) حسین نے اپنی عملی زندگی کے نمونے جو اسلامی اصول کے تحت ابنائے روزگار کے سامنے پیش کئے دنیا نے انہیں صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ اپنا لیا اور آج تک اس پر عمل کرنے کو اپنی سعادتمندی سمجھتے ہیں اب کوئی بتائے فتح حسین کو ہوئی یا یزید کو دنیا حسین کی طرف کھچ کے آئی یا یزید کی طرف (۳) یزید بدنام ہوا اور حسین نیکنام۔ (۴) حسین کے آستانہ قدس پر آج تک بڑے بڑے شاہان کج کلاہ اور امرائے روزگار جبیں سائی کرنا باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ یزید کی قبر سے تو اس کی ہڈیاں تک نکال کر پھینک دی گئیں لیکن حسین کا شاہانہ دربار آج تک جما ہوا ہے بتاؤ فتح کس کی ہوئی (۵) حسین کا نام دین اسلام ہو گیا اور یزید کا نام داخل دشنام اور ہر کلمہ لعن بن گیا (۶) حسین کی خاک قبر خاک شفا بن گئی۔ کربلا کی مٹی کی تسبیحیں اور سجدہ گاہیں بن کر اطراف عالم میں جا رہی ہیں (۷) جہاں حسین کا قدم پڑ گیا تھا وہاں مسجد بن گئی (۸) حسین کے روضۂ اقدس میں شب و روز عبادت ہوتی ہے۔ بتاؤ فتح حسین کی ہوئی یا یزید کی (۹) حسین کا ذکر سال بھر اہل ایمان کی مجالس میں رہتا ہے (۱۰) ان کی قبر اقدس کی زیارت کے لئے دور دور سے لوگ کھچے چلے آ رہے ہیں بتاؤ یہ حسین کی فتح کی علامت ہے یا شکست کی (۱۱) یزید کی شاہنشاہی تو تین سال بعد ختم ہو گئی لیکن حسین کی روحانی حکومت آج تک باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

کہا جاتا ہے کہ یزید قتل حسین پر راضی نہ تھا جو کچھ کیا ابن زیاد نے کیا یزید کی برائت کے پروانے محمود احمد عباسی جیسے متعصب لوگوں کے سرامد ستے قلم سے لکھے جاتے ہیں لیکن اہل نظر اس بکواس کا کیا اثر قرن اول سے لے کر آج تک تمام مورخین اور ارباب سیر قتل حسین کی تمام ذمہ داری یزید ہی کے سر رکھ رہے ہیں۔ بے شمار کتابیں اس موضوع پر لکھی جا چکی ہیں مگر تی ذلیل ادیبوں کے سہارے کہیں رکا کرتے ہیں اور تار کول کے دھبے پانی سے نہیں دھلتے۔ واقعات کی نوعیت بتاتی ہے کہ امام حسین اور ان کے رفقا حکم یزید سے قتل کئے گئے اگر یہ سب کارروائی ابن زیاد کی طرف سے ہوتی تو اس سے ضرور باز پرس کی جاتی اسے عہدہ سے برطرف کیا جاتا۔ اسے سخت سزا دی جاتی کیونکہ اس نے ایسا سخت کام کیا تھا کہ دنیائے اسلام لرز اٹھی تھی۔

اگر یزید راضی نہ تھا تو اس نے شہدا کے سر کیوں منگائے۔ ستم رسیدہ نبی زادیوں کو دمشق بلانے کی زحمت کیوں دی اور رسن بستہ سر و پا برہنہ ان کو اپنے دربار میں کیوں بلایا۔ سر امام سے بے ادبی کیوں کی اہل حرم کو زنداں میں بند کیوں کیا تمام مقاتل اور تاریخیں گواہ ہیں کہ یہ سب کچھ اس نے کیا پھر وہ اس جرم سے کیونکر بری ہو سکتا ہے یزید کے ہوا خواہ لاکھ کوشش کریں کہ دامن یزید سے قتل حسین کا دھبہ چھوٹ جائے مگر وہ چھوٹ نہیں سکتا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب مستطاب

حالاتِ انبیاء و ائمہ

پر

تنقید و تبصرہ

حصہ ششم

در حالات

امام زین العابدین ع

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات امام زین العابدین علیہ السلام

واقعہ کربلا کے بعد فوج یزید نے امام زین العابدین علیہ السلام پر جو مظالم کئے اور بیکس و بے بس بی بیوں اور بچوں کو جس طرح ستایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ستم گاروں کے سینوں میں انسان کا دل نہ تھا بلکہ پتھر تھا۔ درد رسیدوں کی فریاد سے سخت سے سخت دل آدمی بھی رو پڑتا ہے مگر یہ فوج یزید تھی جس کا دل ذرا نہ پسیجا یہ بدبخت جس نبی کے کلمہ گو تھے اسی کی اولاد کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے تھے۔ مختصراً چند باتوں پر غور کیجئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس بدبخت گروہ کو دین اسلام سے ذرہ کا بھی تعلق نہ تھا۔

(۱) رسول اللہ کا یہ حکم تھا کہ اگر کسی گھر میں کوئی مر جائے اور رونے کی آواز بلند ہو تو ہمسایوں کو چاہئے کہ تیزی کے ساتھ اس کے گھر جائیں تسلی اور دلاسہ دیں اور اگر اس کے یتیم بچے ہوں تو ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیریں۔ کربلا میں جو ہوا وہ کفار و مشرکین کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا یعنی جونہی یہ آواز بلند ہوئی قتل الحسین بکربلا یزید کی فوج بے تحاشا دوڑی اور مظلوم بی بیوں کو لوٹنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کے سروں سے چادریں تک چھین لیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام بحالت بیماری جس چمڑے کے بستر پر پڑے تھے وہ بھی ان کے نیچے سے کھینچ لیا اور زمین پر پڑا چھوڑ دیا۔

(۲) خیام حسینی میں آگ لگا دی بے بیکس بی بیاں ہر طرف بھاگ رہی تھیں گرمی کا موسم، جلتے ہوئے خیموں کی لپیٹ اڑ کے بدن اور چہرے جھلس رہی تھی، بچے چیخ چیخ کر رو رہے تھے اور اپنی ماؤں کے سینوں سے لپٹے ہوئے تھے۔ ایک عجیب پریشانی کا عالم تھا۔ بجائے رحم کرنے کے وہ ظالم ان کی تباہ حالی پر ہنستے تھے

(۳) رات آئی تو سب بی بیاں خاک پر بیٹھ گئیں نہ پیر میں جوتا نہ سر پر چادر۔ گرم ہوا بدن کو بھونے دیتی تھی شرارے اڑ اڑ کر انکی طرف آ رہے تھے بچے غش کھائے زمین پر پڑے تھے خون کی لو میں لپٹی ہوئی ہوائیں دل و دماغ کو پریشان کر رہی تھیں۔ نصف شب کے بعد جب قتل امام کی خوشیاں منا چکے تو ایک خوان میں بھنا ہوا غلہ اور ایک مشک پانی ان بیکسوں کے لئے بھجوا دیا گیا۔ آہ جن کے دل و جگر کباب ہو رہے تھے جن پر مصائب و آلام کے پہاڑ گرے ہوئے تھے بھوک اور پیاس ان کے قریب کہاں وہ نیم جان تھے ان کی تمام قوتیں دم توڑ چکی تھیں صبح سے شام تک کا بھیانک منظر ان کی نظر کے سامنے تھا۔ کیا کھاتے اور کیا پیتے۔

(۴) صبح کو پسر سعد کے حکم سے فوج یزید کے نجس لاشے دفن کئے گئے مگر ان ظالموں نے شہدائے کربلا کے لاشے یوں ہی بے گور و کفن چھوڑ دئے۔ ان ظالموں کے خارج از اسلام ہونے کا یہ یقینی ثبوت ہے۔

(۵) رات ان بیکسوں نے کیسے گزاری اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے یا تو بھرا کنبہ تھا یا اب کوئی ان کا والی و وارث نہیں کربلا کا بھیانک میدان ہے اور یہ دل شکستہ کنبہ ہوئی بی بیاں۔ گھٹنوں میں گردن دیئے تمام رات بیٹھی رہیں کیسی نیند کیسا آرام تصورات تھے کہ دلوں پر خنجر چلا رہے تھے۔ عزیزوں کی یاد تھی کہ کلیجہ مسوس رہی تھی۔

(۶) ۱۱ محرم کو بعد دوپہر شقیوں نے چلانا شروع کیا قیدیو کوفہ چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ تمہیں امیر ابن زیاد کے سامنے پیش ہونا ہے۔ برہنہ پشت اونٹ لائے گئے نہ کجاوہ نہ عماری جبراً ان سب کو سوار کیا گیا آہ ظالموں کے نرغہ میں ان غریبوں کی فریاد سننے والا کون تھا۔ باوجودیکہ امام زین العابدین علیہ السلام بیمار تھے چلنے کی طاقت نہ تھی مگر ایک اونٹ کی نکیل ان کے ہاتھ میں دے کر پا پیادہ چلنے پر مجبور کیا گیا۔ یہ قافلہ قصداً مقتل کی طرف سے گزارا جاتا ہے تاکہ مظلوم بی بیوں کی نگاہیں اپنے اپنے عزیزوں کی خاک و خون میں آلودہ لاشوں پر پڑیں یہ انکے زخمی دلوں پر نمک پاشی نہ تھی تو اور کیا۔ جنگ خیبر کے بعد مرحب کی بہن صفیہ کو مسلمان ان کے بھائی کی لاش کی طرف سے لے کر گزرے تھے۔ جب صفیہ نے اس شقاوت قلبی کی شکایت حضرت رسول خدا سے کی تو آپ نے ایسا کرنے والوں کو بہت ڈانٹا۔ غور کیجئے جس رسول نے کافروں کے ساتھ اس عمل کو پسند نہ کیا امت نے ان کی نواسیوں کے ساتھ وہی عمل کیا۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام زین العابدین علیہ السلام تھک کر گر پڑتے تھے تو ان کو تازیانے مار کر اٹھایا جاتا تھا۔ کیا ایسے شقاوت پسندوں کو مسلمان کہا جا سکتا ہے۔

اہلِ حرم کا کوفہ میں ورود

ابن زیاد نے کوفہ کی پبلک کو واقعہ کربلا سے ایک بڑی حد تک بے خبر رکھا تھا اور یہ مشہور کر دیا تھا کہ ایک خارجی نے یزید پر خروج کیا تھا اس کی سرکوبی کے لئے فوجیں بھیجی جا رہی ہیں۔ سیاسی معاملات سے عام لوگوں کو کیا دلچسپی۔ تاہم کچھ لوگوں کو حقیقت حال سے واقفیت تھی مگر ابن زیاد کے خوف سے ان کے لب بند تھے۔ امام حسین علیہ السلام کو اس کا اندازہ تھا کہ میرے قتل کو چھپایا جائے گا اور میرے متعلق بہت سی غلط خبریں مشہور کی جائیں گی لہذا اس کا بندوبست حضرت نے پہلے ہی سے کر لیا تھا۔ عورتوں کو اسی لئے اپنے ساتھ لے لیا تھا کہ واقعہ کی اصلی صورت سے لوگوں کو آگاہ کریں اور ظالموں کے ظلم کی پول کھولیں

اب وہ وقت آیا کہ حسینی مشن کے کارپردازا اپنا کام شروع کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ کربلا میں کس کا ہرا بھرا باغ کاٹا گیا کس کس کے گلے پر چھری چلائی گئی۔ کیسی مقدس اور بے جرم و قصور ہستیوں کے خون ناحق کو سرزمین کربلا پر بہایا گیا۔ اور یہ قیدی کون ہیں جن کو بندیانِ ترک و دیلم کی طرح قید کر کے لائے ہیں اور ان کو بازاروں اور مجمع عام میں تشہیر کیا جا رہا ہے چنانچہ جب بازار کوفہ میں یہ قافلہ پہنچا اور ثانی زہرا ام المصائب جناب زینب اور امام زین العابدین علیہ السلام اور جناب ام کلثوم نے درد بھری تقریریں کیں تو سننے والوں کے دل تڑپ گئے بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تماشائی عورتوں میں کہرام بپا ہو گیا اور ہر طرف سے یہ آوازیں آنے لگیں لعنت ہو ان لوگوں پر جنہوں نے اولاد رسول کو قتل کیا اور انکی ذریت کو قید کر کے لائے

کون تھا جو اس بے پناہ اثر کو روک سکتا کوفہ کے گھروں میں اس کے چرچے تھے اور ابن زیاد پر لعنت کی بوچھار تھی۔ کس کی

طاقت تھی کہ اس حقیقت کو چھپا سکتا۔

دربار ابن زیاد میں جب اسیروں کا یہ قافلہ اس حالت میں پہنچا کہ ان کے لباس میلے اور پھٹے ہوئے تھے۔ پاؤں رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ سر کھلے ہوئے تھے بالوں سے منہ چھپائے ہوئے سر تا پا تصویر درد بنے ہوئے ابن زیاد کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ رؤسائے کوفہ اور سرداران لشکر سے دربار بھرا ہوا تھا۔ ابن زیاد سر مبارک امام کو سامنے رکھے ہوئے لب ہائے مبارک کو بار بار اپنی چھڑی سے اذیت دے رہا تھا۔ زید بن ارقم صحابی رسول نے کہا اپنی چھڑی ان ہونٹوں سے ہٹالے میں نے رسول اللہ کو ان لبوں کے بوسے لیتے دیکھا ہے۔

اب پھر موقع آیا کہ حسینی مشن کے مشنری صداقت حسینی کا اعلان اور ابن زیاد کے مظالم کی پول کھولیں ان کی اثر میں ڈوبی ہوئی تقریروں نے درباریوں کے دل ہلا دیئے ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ابن زیاد نے سمجھا تھا کہ اس کے جبر و تشدد کے پیش نظر کسی کو اس قسم کے سامنے بولنے کی جرأت نہ ہو گی لیکن اس کا یہ خیال غلط تھا۔ علی بیٹے نے اسی انداز سے تقریر کی جو علی علیہ السلام کا لب و لہجہ اور انداز تقریر تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام اور ابن زیاد کے درمیان سخت مکالمہ ہوا اس شقی نے غضبناک ہو کر آپ کے قتل کا حکم دیا جناب زینب بھتیجے سے لپٹ گئیں اور فرمایا او ظالم تو نے ہمارے سارے خاندان کو قتل کرا دیا صرف ایک ذات علی بن الحسین کی باقی رہ گئی ہے کیا اب تو ان کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے جب تک میں قتل نہ کر دی جاؤں تو ان کو قتل نہیں کر سکتا

اس موقع پر درباریوں کے بگڑے تیور دیکھ کر وہ شقی خائف ہوا اور اپنے ناپاک ارادہ سے باز رہا۔

اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ اسیروں کو زندان میں بند کر دیا جائے۔

عبد اللہ بن عفیف کا واقعہ

عبد اللہ بن عفیف کوفہ کے نامور سرداران قوم میں سے تھے اور امیر المومنینؑ کے محبانِ خاص میں سے تھے بڑے حق شناس اور عبادت گزار تھے۔ ان کی ایک آنکھ جنگ جمل میں تیر لگنے سے جاتی رہی تھی اور دوسری جنگ صفین میں۔ اسیران اہل حرم کو زندان میں بھیجنے کے بعد ابن زیاد نے مسجد کوفہ میں ایک جلسہ عام کیا اور منبر پر جا کر حضرت علی اور حضرت امام حسین کو نہایت نازیبا الفاظ سے یاد کیا عبد اللہ بن عفیف منبر کے قریب بیٹھے تھے۔ یہ نازیبا الفاظ سن کر ان کو غصہ آ گیا۔ تلوار کو ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور ڈانٹ کر کہا۔ او ولد زنا کے بیٹے کیا بک رہا ہے اگر اب تو نے کوئی نا شائستہ لفظ منہ سے نکالا تو تیرے ٹکڑے اڑا دوں گا۔ اس نے حکم دیا کہ اسے پکڑ کر قتل کر ڈالو۔ یہ سنتے ہی عبد اللہ کے قبیلے والے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اگر ہمارے سردار پر ہاتھ ڈالا تو ہم تجھے بے قتل کئے نہ چھوڑیں گے ابن زیاد ڈر گیا اور عبد اللہ کے قبیلہ والے انہیں وہاں سے بصحت و سلامت واپس لے گئے اور انکے گھر پہنچا دیا۔ کچھ دیر بعد محمد بن اشعث کی سرکردگی میں ابن زیاد نے پانچسو سواروں کا ایک دستہ گرفتاری کے لئے بھیجا۔ عبد اللہ کے قبیلہ والوں سے جنگ ہوئی عبد اللہ گھر میں تھے اپنی لڑکی سے کہا دروازہ کھول دے اور میری تلوار مجھے دیدے اور یہ بتاتی رہو دشمن کدھر سے آ رہا ہے۔ لڑکی بتاتی جاتی تھی اور عبد اللہ تلوار چلاتے جاتے تھے اس حالت میں بہت سے نامردوں کو تہ تیغ کر دیا اور آخر میں شہید ہو گئے۔

یہ امر بھی تحقیق طلب ہے کہ زندان کوفہ میں سیدانیاں کب تک مقید رہیں
خرافیہ دانوں کا یہ بیان ہے کہ کوفہ سے شتر سوار ۱۷ روز بعد دمشق پہنچ سکتا تھا لہذا ابن زیاد نے اگر ۱۲ محرم کو یزید کے پاس اپنا قاصد قتل حسین کی اطلاع دینے اور سرہائے شہدا اور اسیروں کو دمشق بھیجنے کی اجازت دینے کو بھیجا ہوگا تو وہ ۱۷ روز میں وہاں پہنچا ہوگا اگر بالفرض اسی روز دوسرا قاصد روانہ کر دیا گیا ہو تو وہ ۱۷ روز میں واپس آیا ہوگا محرم کے ۱۲ دن ملانے کے بعد یہ کل ۴۶ دن ہوتے ہیں یعنی ایک ماہ ۱۶ روز۔ اگر دوسرے ہی روز اسیروں کو دمشق روانہ کر دیا ہو تو پہلی منزل کربلا یعنی روز اربعین ہوتی ہوگی۔ یہاں فوج کے محافظ دستے الحرم کو اپنے گھیرے میں لئے رہے اور قبور شہدا پر ان پر گریہ وزاری کی اجازت نہیں دی
جس اربعین جناب جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ زیارت امام مظلوم کے لئے کربلا آئے ہیں وہ دوسرے سال کا چہلم تھا۔

الغرض ایک مہینہ چند روز زندان کوفہ میں رہ کر مصیبت زدہ بی بیوں اور بچوں کو سربرہنہ بے کجاوہ عماری اونٹوں پر دمشق کو روانہ کیا گیا کوفہ سے دمشق تک ۱۹ منزلیں ہیں ظالموں نے یہ ایسا راستہ اختیار کیا تھا کہ جس میں بستیاں زیادہ واقع تھیں۔ ہر جگہ جناب زینب اور ام کلثوم اور حضرت علی ابن الحسین کی تقریروں نے آگ لگا دی بہت سی بستیوں نے فوج یزید کو رسد نہ دی انہیں لعن طعن کی بعض جگہ مختصر سی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ شہر پناہ کے دروازے بھی بند کئے تھے انہی تقریروں کے اثرات تھے کہ یزید کی مخالفت کی آگ یکایک بھڑک اٹھی اور یزید کو اس جرم کی سزا دینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دمشق میں ورود

دمشق والے سالہا سال سے بنی امیہ کے تحت حکومت چلے آرہے تھے۔ معاویہ کے دور میں ان کو اہلبیت رسول سے نا آشنا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ان کے مقدس کردار کو بدنام کیا گیا رسول سے ان کے تعلقات کو چھپایا گیا جس سے اہل دمشق کے دلوں میں خاندان رسول کا کوئی احترام باقی نہ رہا یہاں تک کہ ایک شامی سے کسی نے پوچھا فاطمہ رسول اللہ کی کون تھیں اس نے کہا بیوی پوچھا علی کون تھے اس نے کہا (معاذ اللہ) حجاز کا ایک ڈاکو تھا۔
واقعہ کربلا کو اچھی طرح رنگ کر اہل دمشق کے سامنے پیش کیا تھا جس کی وجہ سے ان کو امام حسینؑ سے کوئی ہمدردی باقی نہ رہی تھی اور انھوں نے قتل حسین کی خوشیاں منائی تھیں یہی وجہ تھی کہ جب کربلا والوں کا لٹا لٹایا قافلہ دمشق پہنچا تو ہر طرف عید کا سا سماں نظر آیا بازار سجے ہوئے تھے لوگ نئے نئے لباس پہنے اسیروں کا تماشا دیکھنے آئے تھے لیکن جب جناب زینب کے درد ناک خطبے سنے تو مجمع پر سناٹا چھا گیا اور جب لوگوں کو یہ پتہ چلا کہ یہ کون لوگ ہیں اور واقعہ کربلا کیوں ظہور میں آیا تو یکایک بہت سے لوگوں کے ہمدرد دلوں کا رخ آل محمد کی طرف مڑ گیا اور ان کے دلوں میں یزید کی طرف سے نفرت پیدا ہوگئی۔

سے نفرت پیدا ہو گئی۔

یزید نے اسیروں کی آمد پر بہت بڑا دربار کیا جس میں امرائے شام کے علاوہ مختلف ممالک کے سفرا بھی تھے۔ اس نے سر امام کو تخت کے نیچے رکھوایا تھا اور شراب کے نشہ میں بچھڑ لب امام علیہ السلام کو چھڑی سے اذیت دے رہا تھا۔ شمر سے کہا ان عورتوں کا مجھے تعارف کرا۔ اس نے بتایا یہ زینب بنت علی ہیں یہ ام کلثوم بنت علی ہیں یہ ام لیلیٰ زوجہ حسین ہیں یہ فلاں ہیں یہ فلاں ہیں۔ جناب زینب نے ایسی تقریر کی کہ شامیوں کے سر شرم سے جھک گئے۔ یہ تقریر سن کر سفیر روم نے یزید سے کہا کس قدر عجیب بات ہے کہ تم جس نبی کی امت ہو جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہو اسی کی اولاد کو قتل کرتے ہو ہمارا یہ حال ہے کہ حضرت عیسیٰ کے گدھے کے نعل تک کو آنکھوں سے لگاتے ہیں

ایک عام دربار مسجد بنی امیہ میں جو آج تک قائم ہے یزید نے کیا اور وہاں اس نے لوگوں پر ثابت کیا کہ معاذ اللہ حسین نے بغاوت کی تھی اس لئے میں نے ان کو قتل کیا جب وہ سب کچھ کہہ چکا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا اب مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت دے اس نے منظور نہ کیا پبلک نے شور مچایا کہ ہم اس بیکس کی داستان بھی سننا چاہتے ہیں مجبور ہو کر اس نے اجازت دی۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے ابھی اپنا حسب ونسب ہی بیان کر رہے تھے کہ لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ یزید یہ حال دیکھ کر گھبرا گیا اور اس نے موذن کو اذان کا حکم دیا امام علیہ السلام منبر سے اتر آئے جب موذن نے کہا اشہد ان محمد رسول اللہ تو امام نے یزید سے فرمایا بتا کہ محمد تیرے جد تھے یا میرے یزید اس کا جواب کیا دیتا سر جھکا کے رہ گیا لیکن ہر شخص یہ خیال لے کر وہاں سے اٹھا کہ یزید ظالم ہے اس نے آل رسول پر بڑا ظلم کیا ہے۔

بحمد اللہ امام حسین علیہ السلام کا مشن پایہ تکمیل کو پہنچ گیا اور جن چہروں پہ اسلامی نقاب پڑی ہوئی تھی وہ ان کی بھیانک صورتیں لوگوں کے سامنے آگئیں یہ تھی مصلحت عورتوں اور بچوں کو ساتھ لیجانے کی

قید یزید سے رہائی

یزید نے آل رسول اور دختران علی و بتول کو ایسے تنگ و تاریک قید خانہ میں رکھا جس میں نہ تازہ ہوا کا گذر تھا نہ روشنی کا کھانے کو صرف اتنی غذا دی جاتی تھی کہ کوئی شکم سیر ہو کر نہ کھاتا تھا زمین ان کا فرش تھا تقریباً دس ماہ اس زندان بلا میں رہے ہر بی بی اتنی لاغر و ناتواں تھی کہ ان سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھی جاتی تھی۔ بدن سوکھ گئے تھے چہروں پر مردنی چھا گئی تھی۔ تقریباً دس ماہ بعد اس قید ستم سے رہائی ملی ایک ہفتہ دمشق میں رہے صف ماتم بچھی مکان پر سیاہ علم نصب کئے گئے۔ دمشق کی عورتیں تعزیت کے لئے آئیں۔ لٹا ہوا اسباب اور سرہائے شہدا واپس ملے۔ اس کے بعد مدینہ کو روانگی ہوئی جناب زینب کی خواہش تھی کہ کربلا کی طرف یہ قافلہ گزرے عماریوں پر سیاہ پردے پڑے ہوئے تھے اور کالے علم نصب تھے جب آفت رسیدہ ستم دیدہ قافلہ کربلا پہنچا تو نوحہ و ماتم سے کہرام بپا ہو گیا۔ واحسیناہ واعباساہ واعلی اکبراہ کے جگر پاش نعروں سے زمین و آسمان ہل رہے تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ بھی آئے ہوئے تھے۔ امام زین العابدین ان سے مل کر رد ئے اول سے آخر تک حالات بیان کئے جابر غش کھا گئے

تین دن تک مزار حسینؑ سے لپٹے ہوئے روتے رہے۔

عاشور کے بعد دفن شہدا کی یہ صورت ہوئی کہ جب ۱۱ محرم کو فوج یزید کربلا سے روانہ ہوگئی اور میدان کربلا ان ظالموں سے خالی ہوگیا تو بنی اسد کا پورا قبیلہ جو قریب ہی آباد تھا وہاں پہنچا اور لاشہائے شہدا کو دفن کرنے میں مصروف ہوا چونکہ ابن زیاد کا خوف غالب تھا اس لئے دفن میں جلدی کرنا تھا امام علیہ السلام کی قبر مطہر کے پائیں پا حضرت علی اکبر کو دفن کیا اور ان کے قریب ہی اپنے قبیلہ کے سردار حبیب ابن مظاہر کی قبر بنائی باقی تمام شہدا کی لاشوں کو ایک ہی جگہ دفن کر دیا۔ لب فرات جناب عباس علیہ السلام کی قبر بنا دی۔

مدینہ میں ورود

کربلائے حسینؑ میں تین روز گریہ و بکا اور سینہ کوبی کے بعد یہ قافلہ با حال تباہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب مدینہ کے در و دیوار نظر آئے تو جناب ام کلثوم نے ایک نوحہ پڑھا جس کے دو شعر کا ترجمہ یہ ہے "اے مدینہ کے نانا ہم تجھ میں آنے کے قابل نہیں رہے ہم یہاں سے بھرے کنبہ کو لے کر نکلے تھے اور اب اس حال میں آئے ہیں کہ نہ ہمارے ساتھ مرد ہیں نہ بچے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے بیرون شہر قیام کیا اور بشیر بن حذلم کو جو اس فوجی دستہ کا سالار تھا جس کی حفاظت میں دمشق سے چلے تھے حکم دیا کہ ہمارے آنے کی خبر اہل مدینہ کو دیدے۔ بشیر مدینہ میں داخل ہوا اور گلی کوچوں میں یہ شعر پڑھتا چلا جاتا تھا (ترجمہ) اے مدینہ والو اب مدینہ تمہارے رہنے کی جگہ نہیں رہا۔ حسینؑ قتل کر دئے گئے۔ میرے آنسو بہہ رہے ہیں۔ یہ خبر سنکر اہل مدینہ گھروں سے نکل پڑے اور ہر ایک بیقراری سے رو رہا تھا جب بشیر محلہ بنی ہاشم میں یہ آواز لگاتا پہنچا تو فاطمہ صغرا بے چین ہو گئیں اور محمد حنفیہ سے جاکر کہا چچا ذرا سنئے یہ شخص کیا کہہ رہا ہے محمد گھر سے نکلے اور جب بشیر سے یہ پتہ چلا کہ کنبہ آیا ہوا ہے تو فاطمہ صغرا اور دیگر زنان بنی ہاشم کو لے کر ملنے کے لئے چلے جوں ہی کالے کالے جھنڈے دیکھے غش کھا کر گر پڑے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے چچا کو آتے دیکھا تو زار زار روتے ہوئے محمد سے لپٹ گئے۔ جب بھائیوں کی ماں جائی بہن کو پتہ چلا کہ محمد آئے ہیں تو بے تاب ہو کر دوڑیں اس وقت کہرام بپا تھا کربلا کا دردناک منظر بیان ہو رہا تھا اور آہ و فغاں کے شور سے در و دیوار ہل رہے تھے کئی گھنٹے یہ صورت رہی اس کے بعد مدینہ میں داخلہ ہوا پھر روضہ رسول پر گئیں وہاں سے جنت البقیع میں آئیں ہر جگہ قبروں سے لپٹ لپٹ کر روئیں پھر اجڑے ہوئے گھر میں قدم رکھا تو فرط غم سے غش کھا کھا کر گرنے لگیں ہر طرف سے زنان مدینہ تعزیت کے لئے آ رہی تھیں کس کی طاقت ہے کہ اس غم انگیز واقعہ کی تصویر کشی کر سکے۔

حیف کہ کربلا میں گھر زہرا کا
ایسا اجڑا کہ پھر نہ آباد ہوا

تبصرہ۔ واقعہ کربلا کے بعد سے اہل حرم کے مدینہ پہنچنے تک کے واقعات مختصراً بیان کر دئے گئے اس سلسلہ میں چند امور پر مجھے تبصرہ کرنا ہے

(۱) شہادت امام مظلوم کے بعد آتش عداوت بجھ جانا چاہئے تھی کیونکہ جن کے وجود سے سلطنت کے جانے کا خطرہ تھا ان سب کو

قتل کیا جاچکا تھا اس کے بعد بے والی و وارث بی بیوں کو لوٹنے کا کیا جواز تھا۔ کون کسی بادشاہ کی لشکرگاہ تھی جہاں سے خزانہ یا قیمتی مال و متاع ملنے کی امید ہو سکتی تھی۔ لوٹنے والوں کو کیا ملا سوا ان کی چند چادریں یا کانوں کے چند گوشوارے کسی مقتل یا کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ لوٹنے والے سامانوں سے بھرے صندوق اٹھا کر لے گئے یا دیگر سامان زندگی بکثرت ہاتھ آیا ہو۔ پھر یہ لوٹ کس نظریہ کے تحت تھی۔ اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کمینہ پنی خباثت نفسی آل رسول سے کھلی بغض عہد جاہلیت کی سی ستم پروری اور بے حیائی۔ کیا ان نام نہاد مسلمانوں کو اسلامی تعلیم سے کوئی ربط تھا کیا یہ اسلامی دائرہ میں داخل تھے۔

(۲) بالفرض حرص و آز کے غلبہ سے لوٹ مار کی بھی گئی تھی تو خیموں کے جلانے میں کیا فائدہ سوچا گیا سوائے آل رسول کے ستانے کے اور کیا مقصد ہو سکتا تھا۔ ان سنگدلوں میں رحم کا تو نام نہ تھا۔ انسانیت کی حدود سے تو سب دور ہو چکے تھے اتنا تو خیال کرتے کہ یہ شریف زادیاں ہیں ہمارے رسول کی نواسیاں ہیں تین روز کی بھوکی پیاسی ہیں بستر کی سوگوار ہیں ان کی گودوں میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں ہم انہیں لوٹ کر سر برہنہ بھی کر چکے ہیں اگر ان کے خیمے بھی جلا دیے گئے تو ان بیکسوں پر کیا گزرے گی۔ آگ کے شعلوں کی لپٹ کیا انہیں جھلس نہ دے گی۔ یہ اس کھلے میدان میں کہاں سر چھپائیں گی۔ لیکن یہ تو جب سوچتے کہ خدا و رسول کی ناخوشی کا خوف ان کے دل میں ہوتا۔

(۳) کس قدر قوی الایمان اور آل رسول سے پر خلوص محبت رکھنے والی مخلص انصار امام کی وہ جو اپنے شوہروں یا اولاد کے ساتھ کربلا آئی تھیں اپنے عزیزوں کی شہادت کے بعد ان کا دل ٹوٹ جانا چاہئے تھا اور آئندہ کے مصائب اور قید و بند کی تکالیف سے نجات پانے کے لئے انہیں خاندان رسالت کی مقدس خواتین سے جدا ہو جانا چاہئے تھا مگر خدا کی ہزار ہزار رحمت ہو ان زن مومنات پر کہ انھوں نے کسی حالت میں بھی زینب و ام کلثوم کے قدم چھوڑنے گوارا نہ کئے ایسی وفاداری حق شناسی، اور مذہب نوازی کی مثال دنیا میں کم ملے گی

(۴) بنی زادیوں کو شہر بشہر تشہیر کرانے اور دربار میں بلانے سے یزید کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ آل رسول کی توہین کی جائے لیکن وہ اپنے اس ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا بلکہ اس کے اس فعل سے دنیا کی نظر میں وہ ذلیل و خوار ہو گیا

(۵) واقعہ کربلا کو دبانے کے لئے اس نے پوری کوشش کی حاکم مدینہ کو لکھ دیا کہ اس کا چرچا مدینہ میں نہ ہونے دے اگرچہ بعض ذرائع سے بالاجمال اس واقعہ کی اطلاع کچھ لوگوں کو ہو گئی تھی مگر تفصیلی واقعات کا پتہ نہ تھا۔ اسی اجمالی اطلاع کی بموجب جناب جابر بن عبداللہ انصاری زیارت قبر امام حسین کے لئے کربلا گئے تھے۔ خاندان بنی ہاشم کے اضطراب کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اس خاندان کو بے خبر رکھنے کی غالباً یہ وجہ ہوگی کہ تازہ گھاؤ سے بے کل ہو کر یزید کے خلاف پروپیگنڈا کر کے کوئی فوج جمع نہ کر لیں یا مدینہ کی پبلک کو اپنا ہمدرد بنا کر حاکم مدینہ سے برسر پیکار نہ ہو جائیں۔ بنی ہاشم میں اب تھا ہی کون جو ایسا کرتا گنتی کے چند آدمی رہ گئے تھے ان میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ یزید پر خروج کا کوئی منصوبہ بناتے

مدینہ آکر سوگوارانِ حسین نے اپنی زندگی کیونکر گزاری

واقعہ کربلا کے بعد آل رسول مستقلاً تصویر درد و یاس بن گئے مدینہ آکر پانچ سال تک ان کے گھروں سے چولہے کا دھواں نہیں اٹھا بقدر قوت لا یموت تھوڑا بھنا ہوا غلہ انکی غذا تھی۔ ٹھنڈا پانی پینا چھوڑ دیا تھا۔ جب پانی سامنے آتا تو کربلا کی پیاس یاد کرکے اس طرح نوحہ و بکا کرتیں کہ سننے والوں کے دل تڑپ اٹھتے۔ بی بیاں دھوپ میں زمین پر بیٹھی رہتیں۔ شب و روز اپنے شہیدوں کو یاد کرتیں۔ سروں میں کنگھی کرنا تیل ڈالنا آنکھوں میں سرمہ کرنا سب ترک۔ ملنا جلنا بند جو لوگ تعزیت کو آئے ان کو تاکید تھی کہ سوائے واقعہ کربلا کوئی اور ذکر نہ کریں۔ یہ زندگی تھی یا موت ایسی زندگی بسر کرنے کو بڑا دل چاہیے۔ انکی لاغری اور ناتوانی کی حد یہ ہے کہ ان کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا دشوار تھا۔ جب تک پسر سعد، ابن زیاد اور شمر و غیرہ کے سر کٹ کر مختار کے بھیجے ہوئے امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس نہ آگئے سیدانیوں نے اپنا سوگ ختم نہیں کیا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ مدت العمر ان کا سوگ ختم ہی نہیں ہوا۔ واقعہ کربلا نے ایسے گہرے زخم ان کے دل پر لگائے تھے جو مرتے دم تک مندمل ہوئے ہی نہیں۔ پورا گھر برباد ہو گیا ہرا بھرا چمن بات کہتے اجڑ گیا۔ کیسا سکون کیسا اطمینان اس کا تو اب ان سے تعلق ہی نہ رہا تھا۔

امام زین العابدین علیہ السلام تو مرتے دم تک روتے ہی رہے اور اتنا روئے کہ آپ کے رخسارے زخمی ہو گئے تھے۔ گھر کا دروازہ ہر وقت بند رہتا تھا صرف ان لوگوں کے لئے کھلتا تھا جو بغرض تعزیت آپکے پاس آنا چاہتے تھے جب کوئی آپ سے پوچھتا کہ مولا آپ کو سب سے زیادہ تکلیف کہاں پہنچی تو ایک آہ کے ساتھ فرماتے الشام الشام الشام۔ زندگی کے آخری چالیس سال ہمارے اس مظلوم امام روتے روتے گزارے۔ جب پانی سامنے آتا تو اتنا روتے کہ وہ آنسوؤں سے ممزوج ہو جاتا اور آپ اس کو پھینک دیتے۔ جب کوئی کہتا کہ ابن رسول اللہ کب تک روئے گا تو فرماتے اے شخص یعقوب کا ایک لڑکا گم ہو گیا تھا تو اتنا روئے کہ بصارت زائل ہو گئی اور میرا تو سارا خاندان میری آنکھوں کے سامنے کٹ گیا میں کیونکر صبر کروں۔

امام زین العابدین اور محمد حنفیہ میں نزاع

بنی امیہ کے زلہ خوار مورخوں اور کاسہ لیس داستان سراؤں نے اپنی تاریخوں میں ایک بے سر و پا داستان لکھ ماری ہے اور وہ یہ ہے کہ شام سے واپس آنے کے بعد محمد حنفیہ نے امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا چونکہ میں خاندان میں سب سے بڑا ہوں لہذا امامت میرا حق ہے امام علیہ السلام نے فرمایا امامت ایک نفسی عہدہ ہے خردی اور بزرگی کا اس میں لحاظ نہیں ہوتا اس پر دونو کے درمیان نزاع بڑھا آخر یہ طے پایا کہ حجر اسود کے پاس جا کر اس کی گواہی لی جائے

چنانچہ دونوں صاحب وہاں گئے پہلے محمد حنفیہ نے پوچھا کہ اے حجر میری امامت کی گواہی دے۔ کوئی آواز نہ آئی پھر امام علیہ السلام نے اس سے کہا۔ آواز آئی انت الامام ابن الامام۔ اس طرح فیصلہ ہوگیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی حقیقی نزاع نہ تھا بلکہ صرف لوگوں پر امام زین العابدین علیہ السلام کو امام منصوص من اللہ ثابت کرنے کے لئے ایک فرضی نزاع قرار دیا گیا۔ کیونکہ واقعہ کربلا کے بعد کچھ لوگوں کی رجوع حضرت محمد حنفیہ کی طرف ہوگئی تھی اور وہ امام حسین کے بعد ان کو امام ماننے لگے تھے۔ محمد حنفیہ نے ان کے عقیدہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے اسکی ضرورت محسوس کی۔

جناب محمد حنفیہ امام زادہ تھے حضرت علی علیہ السلام کے صاحب معرفت فرزند تھے۔ نصی خلافت کو جانتے تھے۔ آنحضرت صلعم کے بعد جو آپ کے ۱۲ جانشین ہونے والے ان سب کے نام ان کو معلوم تھے پھر کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنے کو امام ظاہر کرتے اور لوگوں کو اپنی امامت کی طرف دعوت دیتے۔

یہ داستان صرف اسلئے گھڑی گئی ہے کہ بارہ اماموں کے جو نام بیان کئے جاتے ہیں وہ غلط ہیں اگر صحیح ہوتے تو محمد حنفیہ جو اسی خاندان کی ایک فرد تھے اپنی امامت کا دعویٰ نہ کرتے۔ اس دربردہ کوشش کو چونکہ محمد حنفیہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے لہذا انھوں نے نص امامت ثابت کرنے کے لئے حجر اسود سے گواہی دلوائی جس کے بعد لوگوں کے منہ بند ہوگئے۔

یہ بھی واضح کردینا ضروری ہے کہ حضرت محمد حنفیہ نے کبھی امامت کا دعویٰ نہیں کیا لوگ از خود آپ کو امام ماننے لگے تھے یہ کیسانیہ فرقہ کہلاتا تھا۔ امیر مختار علیہ الرحمہ پہلے محمد حنفیہ کی امامت کے معتقد تھے لیکن بعد میں صحیح عقیدہ پر آگئے۔

فرزدق کا قصیدہ

ہشام بن عبد الملک اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں حج کرنے کے لئے آیا۔ حاجیوں کا اتنا ہجوم تھا کہ وہ بوسہ دینے کے لئے حجر اسود تک نہ پہنچ سکا چونکہ خانہ خدا میں امیر و غریب سب برابر ہیں لہذا لوگوں کو ہٹایا نہیں جاسکتا تھا۔ ہشام مع ارکان سلطنت کے ایک بلند مقام پر جا کھڑا ہوا تاکہ مجمع کم ہو تو حجر کو بوسہ دے۔ ناگہاں اس نے دیکھا کہ حرم کے دروازہ سے حجر تک لوگ کائی کی طرح پھٹ گئے اور ایک نحیف و نزار بزرگ سیاہ لباس پہنے نمودار ہوئے جنہوں نے حجر اسود کا استلام کیا اور واپس گئے۔ ہشام جانتا تو تھا کہ یہ فرزند حسینؑ ہیں لیکن تجاہل عارفانہ کے طور پر پوچھنے لگا یہ کون ہیں۔ اس کے دستر خوان نعمت کے زلہ خوار تو خاموش رہے لیکن فرزدق شاعر جو اس کے پہلو میں کھڑا تھا خاموش نہ رہ سکا اور فی البدیہہ حضرت کی شان میں ایک قصیدہ پڑھنا شروع کردیا۔ ہشام کو غصہ آگیا کہنے لگا تیرا نمک حرام ہے ہمارا درباری شاعر ہوتے ہوئے کبھی تو نے ایسی زور کا قصیدہ ہماری شان میں نہ کہا۔ فرزدق محبت اہلبیت کے جذبہ میں سرشار تھا اس نے کہا تو بھی اپنی ذات میں یہ خصائل پیدا کر اور اپنے باپ دادا کو ایسا بنالے تیری شان میں بھی ایسا ہی قصیدہ لکھ دونگا

ہشام کو غصہ آگیا اور حکم دیا کہ فرزدق کو قید کر دو۔ جب امام علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ فرزدق ہماری محبت میں قید ہے تو آپ نے کچھ روپے ایک رومال میں باندھ کر غلام کو دیئے کہ یہ فرزدق کو زندان میں پہنچا دے۔ جب غلام نے جا کر دیئے تو اس نے کہلا بھیجا کہ غلام انہیں واپس لے جا اور میرے آقا اور مولا سے کہنا میں نے یہ قصیدہ کچھ دنیا میں نہیں کہا۔ بس جانتا ہوں کہ روز حشر مجھے اپنے دامن کے سایہ میں رکھے گا۔

کیا امام زین العابدینؑ نے بیعت یزید کر لی تھی

جناب بصیر رقیہ کو اہلبیت رسول کا احترام کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے وہ کہتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور پھر بڑے اطمینان سے زندگی بسر کی۔

کون انہیں سمجھائے کہ جس کے باپ نے اپنا سارا خاندان کٹوا دیا اپنی جان قربان کر دی اور یزید کی بیعت نہ کی اس کا فرزند تمام واقعات پر نظر رکھتے ہوئے اور طرح طرح کے مصائب و آلام برداشت کرنے کے بعد کیسے بیعت یزید کر سکتا تھا آخر اب یزید میں کیا سرخاب کا پر لگ گیا تھا کہ جس پر خلیفہ ہو کر بیعت کر لیتے ایک منصوص من اللہ امام ایک فاسق و فاجر اور باپ کے قاتل کی بیعت کیسے کر سکتا تھا۔ دوسرے اب کیا چیز باقی رہ گئی تھی جس کے خوف سے بیعت کرتے۔ سارا خاندان تباہ و برباد ہو چکا تھا اب انکار بیعت پر یزید ان کے ساتھ کیا عمل کرتا جو کچھ اسے کرنا تھا کر چکا تھا۔ سارے گھر میں ایک امام کا دم تھا زیادہ سے زیادہ وہ ان کو قتل کرا دیتا وہ زندہ در گوریوں ہی تھے اب انہیں زندہ رہنے کی کیا آرزو تھی راہ خدا میں قتل ہونا ان کے خاندان کی خصوصیت تھی

اب رہا آرام سے زندگی بسر کرنے کا سوال تو اطمینان تو ان کا واقعہ کربلا نے پہلے ہی ختم کر دیا تھا۔ کیا اطمینانی زندگی اسی کو کہتے ہیں کہ ساری عمر رو رو کر کاٹ دی۔ کبھی شکم سیر کھانا نہ کھایا ٹھنڈا پانی نہ پیا۔ امام کے کبھی لبوں پر مسکراہٹ نہ آئی۔

یزید کا کیا منہ تھا کہ واقعہ کربلا کے بعد بیعت کا سوال اٹھاتا امام حسینؑ کی شہادت کے بعد یزید کیا کسی مسلمان بادشاہ کو بیعت طلب کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ سب اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ جان دیدیں گے مگر بیعت نہ کریں گے۔

واقعہ حرّا

ابن زبیر مکہ میں اپنی حکومت کی جڑیں جما رہے تھے یزید کے خلاف ان کا پروپیگنڈا برابر جاری تھا واقعہ کربلا کے بعد ان کو یزید کے خلاف بھڑکانے کا ایک اچھا موقع ہاتھ آگیا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد مکہ اور مدینہ پر انکی حکومت قائم ہو گئی۔ یزید نے

مسلم بن عقبہ کی ماتحتی میں دس ہزار لشکر جرار ابن زبیر سے مقابلہ کے لئے بھیجا یزید نے اس سے تاکید کہہ دیا تھا کہ پہلے مدینہ و مکہ سے میری بیعت لینا اگر یہ منظور نہ کریں تو تین دن ان کو لوٹنا اور قتل عام کرنا۔ چنانچہ مسلم نے مدینہ پہنچکر سب کو بلایا اور بیعت یزید کا مسئلہ ان کے سامنے رکھا اور بہت کچھ ڈرایا دھمکایا مگر کوئی راضی نہ ہوا۔ یزید نے ابن عقبہ سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ علی بن الحسین کے حفظ مراتب کا لحاظ رکھنا اور بہ تعظیم و تکریم پیش آنا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ اس فتنہ و فساد میں حصہ نہ لیں گے وہ خانہ نشین ہو چکے ہیں

۲۸ ذوالحجہ سنہ ۶۳ھ کو جنگ کا آغاز ہو گیا یہ واقعہ جنگ حرا کے نام سے موسوم ہے اہل مدینہ کے سردار تھے عبداللہ بن مطیع۔ عبداللہ بن حنظلہ اور ربیعہ بن الحارث علمدار لشکر تھے اول تو اہل مدینہ نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا لیکن جب بہت سے نامور جنگ جو قتل ہو گئے تو ان کی ہمت پست ہو گئی اور لڑائی سے جان چرانے لگے۔ جدھر جس کا منہ اٹھ گیا بھاگ نکلا مسلم فاتحانہ انداز میں مدینہ کے اندر داخل ہوا اور تین دن تک قتل عام کراتا رہا۔ مدینے والوں کی گردنیں تھیں اور شامیوں کی تلواریں۔ اصحاب رسول اپنے گھروں سے نکل کر پہاڑوں اور جنگلوں میں روپوش ہو گئے ایک طرف تو تلوار چل رہی تھی دوسری طرف جو جوان عورت سامنے آتی اس کو پکڑ کر سر راہ زنا کرتے تھے۔ سات سو اصحاب رسول نہایت بیدردی سے قتل کئے گئے۔ جن عورتوں سے زنا کیا گیا تھا ان کے بطن سے نوسو زنا زادے پیدا ہوئے دس ہزار اہل مدینہ قتل کئے گئے جب مسلم بن عقبہ خونریزی سے سیر ہو چکا تو اس نے بقیۃ السیف لوگوں سے یزید کی بیعت ان الفاظ میں لی (میں آج سے اپنے تئیں یزید کا غلام سمجھونگا اور اس کے کسی حکم کے خلاف نہ کرونگا) ابوالفدا ص۶۵ روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۱۵۷۔

امام زین العابدین کا مسلم بن عقبہ کے پاس جانا

مسلم بن عقبہ نے اپنی کامیابی کے بعد جہاں تمام اشراف مدینہ کو بلایا امام زین العابدین علیہ السلام کو بھی بلایا۔ آپ تشریف لے گئے اس نے آپ سے کوئی تعرض نہ کیا یہاں تک کہ بیعت یزید کے بارہ میں بھی آپ سے کچھ نہ کہا بلکہ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور کہنے لگا امیر یزید نے کہا ہے کہ آپ نے چونکہ اس فتنہ میں شرکت نہیں کی لہذا میں آپ سے کوئی تعرض نہ کروں۔ حضرت خاموش رہے۔ جب چلنے لگے تو مسلم بن عقبہ نے آپ کی سواری کی رکاب پکڑی اور سوار کیا اس سلسلہ میں اتنا اور لکھ دیا جائے کہ مسلم ملعون نے مسجد رسول میں گھوڑے بندھوائے جہاں انھوں نے لید کی اور جب مکہ پہنچا تو خانہ کعبہ پر گولہ باری کی جس سے کعبہ کے پردے جل گئے اور کبش (مینڈھا) اسمعیلؑ کے دو سینگ بھی جل گئے جو وہاں لٹکے تھے ابھی یہ جنگ جاری تھی کہ یزید مر گیا۔

تبصرہ۔ یزید نے امام زین العابدین علیہ السلام کے متعلق مراعات کا حکم دیا تھا وہ اس کے ضمیر کی خلش زنی کے متعلق
تھا۔ اپنے کرتوت پر شرمندگی کی بنا پر تھا۔ یا اس لئے کہ مسلمانوں میں اس کے اس ظالمانہ فعل سے سخت ہیجان تھا
اور ہر طرف سے اس پر لعن طعن کی بوچھار ہو رہی تھی اگر کچھ دن اور زندہ رہتا تو اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو ابن
زیاد اور دیگر قاتلان حسین کا ہوا۔ مواد پک کر پھوڑا بن چکا صرف ہلکے سے نشتر کی ضرورت باقی رہ گئی تھی اگر واقعہ
حرّہ کے موقع پر وہ مسلم بن عقبہ کو امام زین العابدین علیہ السلام سے بیعت لینے کا حکم دیتا اور انکار پر امام قتل کر دئے
جاتے تو حجاز و عراق میں قیامت برپا ہو جاتی اور سلسلہ انتقام خون حسین جو سال بھر بعد ہوا اس کا سلسلہ فوراً شروع ہو جاتا

(۲) واقعات کی رفتار سے ہر شخص باآسانی یہ پتہ چلا سکتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر اور امام حسین علیہ السلام کے منصوبہ میں
کتنا بڑا فرق تھا۔ ابن زبیر کو یزید سے سلطنت چھین لینے کی فکر تھی اور امام حسین کا مقصد یزیدیت کو ننگا کرنا تھا اور ان تحریفات
سے پردہ اٹھانا تھا جو وہ شریعت مقدسہ محمدیہ میں کر رہا تھا

جو لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی جنگ ملکی جنگ تھی وہ اپنی آنکھوں سے ذرا تعصب کی عینک ہٹا کر دیکھیں
عبداللہ بن زبیر اور امام حسین علیہ السلام کے واقعات کو ٹھنڈے دل سے پڑھیں اور بتائیں کہ ملکی جنگ کس نے کی عبداللہ
ابن زبیر نے وہ سب کچھ کیا جو ملکی جنگ لڑنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ یزید کے خلاف لوگوں کو پہلے تو بھڑکایا پھر لشکر جمع کیا پھر
باقاعدہ جنگ کی برخلاف اس کے امام حسین نے ان میں سے کوئی [illegible] بات بھی نہ کی۔

(۳) مسلمان بتائیں کہ ان دونوں صحابہ زادوں میں کون حق پر تھا اور یہ کہ اس قتل عام اور زنا کاری کا بوجھ کس کے سر جائے گا

(۴) عبداللہ بن زبیر کی وجہ سے حرم خدا میں جنگ ہوئی خون کی ندیاں بہیں خانہ کعبہ کی بے حرمتی ہوئی یہ سب ابن زبیر
کی وجہ سے ہوا مگر اس پر بھی رہے وہ حضرت ابن زبیر ہی اور یزید حضرت یزید ہی رہے بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

(۵) امام حسین علیہ السلام نے اسی الزام سے بچنے کے لئے مدینہ اور مکہ دونوں میں قیام ترک کیا تھا تاکہ حرمین کی بے حرمتی نہ ہو
کتنا فرق ہے حسین اور ابن زبیر کے ایمان میں۔

(۶) جو لوگ یزید کی برائت کے پروانے لکھ لکھ کر ہوا میں اڑاتے ہیں جو اسے امیر المومنین اور مرد صالح کہتے ہیں وہ ذرا اس مرد
صالح کے ایمان کا جائزہ لیں کہ اس نے کیا کیا کیا علاوہ ان بداعمالیوں کے جو طشت از بام ہو چکی ہیں اس نے بے جرم و قصور
خاندان رسول اور ان کے دوستوں کو قتل کرایا پھر حرمین شریفین میں قتل عام کرایا جن میں سات سو اصحاب رسول بھی تھے
دس ہزار دوشیزاؤں کا ازالہ بکارت کیا مسجد رسول میں گھوڑے بندھوائے اور خانہ کعبہ پر گولہ باری کرانے کی تمام تر ذمہ
داری اسی پر ہے اس کے پیکر عمل کا کوئی حصہ گناہان کبیرہ کے داغوں سے خالی نہیں

اہلبیت رسول سے عداوت رکھنے والے ناصبی و خارجی امام حسین پر یہ الزام عاید کر کے کہ انھوں نے یزید پر خروج کیا تھا یزید
کو برائت کے پروانے لکھ دیتے ہیں لیکن اس کے بعد جو مذکورہ بالا واقعات پیش آئے تو یہاں یزید کو کفر سے بچانے کے لئے
کیا سوچا ہے

صحیفہ کاملہ

یہ مقدس کتاب جس کو زبور آل محمد بھی کہتے ہیں امام زین العابدین علیہ السلام کی ۵۴ دعاؤں کا مجموعہ ہے ان دعاؤں کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کو کس درجہ معرفت الٰہی حاصل تھی اور عشق الٰہی کس حد تک پہنچا ہوا تھا۔ انہی دعاؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا ایک عبد مخلص اپنے معبود کی بارگاہ میں کس خضوع اور خشوع سے مناجات کرتا ہے اور کس کس شان سے اس کی عظمت و جلالت کو بیان کرنے اپنے عجز و انکسار کا اظہار کرتا ہے۔ ان دعاؤں کی فہرست یہ ہے

(۱) حمد خدائے عزوجل (۲) صلوات بر محمد و آل محمد (۳) صلوات حاملان عرش پر (۴) صلوات رسولوں پر (۵) دعا اپنے اور اپنے مخصوصین کے لئے (۶) دعا وقت صبح و شام کے لئے (۷) دعا مہمات کے لئے (۸) دعائے استعاذہ (۹) دعائے اشتیاق (۱۰) دعا بارگاہ باری میں التجا کے لئے (۱۱) دعا خاتمہ بالخیر کے لئے (۱۲) دعا اعتراف گناہ میں (۱۳) طلب حوائج (۱۴) ظلمات میں (۱۵) مرض میں (۱۶) استقالہ (۱۷) شیطان سے پناہ (۱۸) محذورات۔ (۱۹) استسقا (۲۰) مکارم اخلاق (۲۱) حزن والے معاملہ میں (۲۲) سختی میں (۲۳) عافیت (۲۴) والدین کے لئے (۲۵) اولاد کے لئے (۲۶) ہمسایوں کے لئے (۲۷) اہل ثغور کے لئے (۲۸) خوف حشر (۲۹) زیادتی رزق (۳۰) ادائے قرض (۳۱) توبہ (۳۲) نماز شب (۳۳) استخارہ (۳۴) ابتلا (۳۵) رضا بالقضا (۳۶) رعد کی گرج کے وقت (۳۷) شکر (۳۸) اعتذار (۳۹) طلب عفو (۴۰) ذکر موت (۴۱) حفاظت (۴۲) ختم قرآن (۴۳) رویت ہلال (۴۴) دخول ماہ رمضان (۴۵) وداع ماہ رمضان (۴۶) روز عید الفطر (۴۷) عرفہ (۴۸) عید اضحیٰ (۴۹) دفع شر اعدا (۵۰) خوف کے وقت (۵۱) تضرع (۵۲) الحاح (۵۳) تذلل (۵۴) رنج و غم دور ہونے کے لئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب مستطاب

حالات انبیاء و ائمہ

پر

تنقید و تبصرہ

حصہ ہفتم

حالات امام محمد باقر علیہ السلام

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات امام محمد باقر علیہ السلام

سلاطین بنی امیہ یا بنی عباس سب دشمنانِ رسول تھے وہ اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ دنیا جلد از جلد ان کے وجود سے خالی ہو جائے ان کی ہر قسم کی آزادی انھوں نے سلب کر لی تھی انکی تحریر و تقریر ان کی آمد و رفت پر ان سے ملنے والوں پر ان کی کڑی نظر رہتی تھی۔ جاسوس لگے ہوئے تھے۔ دربار میں بلا کر انہیں ذلیل کیا جاتا تھا۔ ان کو بے جرم و خطا سالہا سال تیرہ و تار زندانوں میں رکھا گیا۔ زہر دے دے کر انہیں شہید کیا گیا۔ ہمارے ائمہ نے ان ظالموں کے ہاتھوں وہ وہ تکلیفیں اٹھائیں کہ ان کے ذکر سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ حد یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کی کھلم کھلا تبلیغ نہیں کر سکتے تھے اگر پوشیدہ طور سے تعلیم دینے کا پتہ چل جاتا تو باز پرس ہونے لگتی ان کو خمس لینے کی اجازت نہ تھی اپنے گرد اپنے شیعوں کو جمع کرنے کی اجازت نہ تھی اس عداوت کے چند سبب معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) ان کے روحانی اقتدار کا سکہ خاص و عام ہر دل پر بیٹھا ہوا تھا اس لئے اپنے اپنے زمانہ میں ہر بادشاہ کو یہ خوف رہتا تھا کہ یہ ہم پر خروج کرنے کے لئے نہ اٹھ کھڑے ہوں حالانکہ ہمارے کسی امام نے کبھی ایسا قصد نہیں کیا لیکن بدگمانی کا کیا علاج

(۲) ان کی حکومت کو ہمارے ائمہ جائز نہیں سمجھتے تھے اس لئے وہ ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملا سکتے تھے

(۳) زر پرست مولویوں کی طرح وہ مال و دولت کے لالچ میں آکر سلاطین کی بدکاری پر جواز کا فتویٰ نہیں دیتے تھے اور حرام کو حلال نہیں کہتے تھے ان کے ایسا نہ کرنے پر چونکہ سلاطین کی ہوا خیزی ہوتی لہذا انھوں نے اپنی مرضی پر چلنے والے علما کو اپنا درباری عالم بنا لیا لیکن ہمارے ائمہ جب ان کے فتاوی کی غلطی قرآن و حدیث سے ثابت کرتے تھے تو یہ درباری علما بادشاہوں کے سامنے ہمارے ائمہ کے خلاف بھڑکاتے تھے اور بادشاہ ان کو قید خانہ میں ڈال دیتا تھا۔

ہمارے ائمہ میں صرف دو اماموں کو فی الجملہ سکون حاصل ہوا ایک امام محمد باقر علیہ السلام دوسرے امام جعفر صادق علیہ السلام جس کی وجہ یہ تھی کہ بنی امیہ کا ستارہ اقبال غروب ہو رہا تھا اور بنی عباس کا آفتاب جاہ و حشمت طلوع کر رہا تھا دونوں اپنی اپنی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اس لئے اماموں کی طرف سے ان کی توجہ ہٹی رہی اس تھوڑی سی فرصت میں تبلیغ دین اور تدوین احادیث کا بڑا کام ہو گیا۔ امام محمد باقر علیہ السلام روزانہ مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے تھے جس میں کئی ہزار طالبان علم و عرفان شریک ہوتے تھے اسی زمانہ میں چار سو کتابیں احادیث کی مدون ہوئیں چونکہ یہ احادیث بے ترتیب تھیں لکھنے والوں نے جس مضمون کی کوئی حدیث سنی آگے پیچھے لکھ لی ان کتابوں کا نام اصول اربعمائۃ رکھا گیا۔ بعد کے علما نے انہی کتابوں سے تقسیم ابواب کے ساتھ اور کتابیں مدون کیں ان میں چار کتابیں زیادہ مشہور ہیں۔ کافی۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ استبصار اور تہذیب الاحکام صرف کافی میں سترہ ہزار حدیثیں ہیں

امام محمد باقر علیہ السلام کو رسول اللہ کا سلام

امام محمد باقر علیہ السلام کے کم سنی کے زمانہ میں ایک روز صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری ان سے ملنے کے لئے آئے ہاتھوں پر بوسہ دے کر کہنے لگے ایک دن میں حضرت رسولخدا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت امام حسین کو گود میں لئے ہوئے تھے اور پیار سے لبوں کو بوسہ دے رہے تھے مجھ سے فرمانے لگے اے جابر میرے اس فرزند کا ایک فرزند ہوگا جس کا نام علی ہوگا ان کا ایک فرزند ہوگا جس کا نام محمد ہوگا اے جابر جب تم ان سے ملنا تو میرا سلام پہنچا دینا۔
جناب جابر آخر عمر میں جب آنکھوں سے بہت کم دکھائی دیتا تھا سر پر سیاہ عمامہ باندھے مسجد رسول میں بیٹھے رہتے تھے اور یا باقر یا باقر کہتے رہتے تھے لوگ یہ سنکر کہتے تھے جابر دیوانے ہوگئے ہیں جب اس نام کا کوئی شخص نہیں تو پکارنا جنون نہیں تو اور کیا ہے۔ جابر کہتے تھے خدا کی قسم نہ جنون ہے نہ بکواس بلکہ اصلیت یہ ہے کہ میں نے حضرت رسولخدا سے سنا ہے کہ اے جابر تم میرے اہلبیت میں سے ایک ایسے شخص کو پاؤ گے جس کا نام میرا نام ہوگا اور عادتیں میری سی ہونگی جب تم ان سے ملنا تو میرا سلام کہہ دینا پس میں انہی کے نام کا ورد کیا کرتا ہوں (بروایت امام طبرانی و امام ابن مدینی)
جناب جابر کیسے خوش نصیب تھے کہ پانچ اماموں کا زمانہ دیکھا اور انکی صحبتوں میں بیٹھ کر روحانی فیض حاصل کیا۔
ایک دن امام محمد باقر علیہ السلام تنہا طفلی مسجد رسول کی طرف سے گزرے جابر بڑھے اور کہنے لگے صاحبزادے ذرا ادھر تو آؤ۔ جب آئے تو کہا ذرا پیچھے جاؤ پھر آگے بلاکر کہا واللہ یہی چال رسولخدا کی تھی پوچھا صاحبزادے آپ کا نام کیا ہے فرمایا محمد پوچھا آپ کس کے صاحبزادے ہیں فرمایا علی بن الحسین کا بیٹا ہوں جابر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا آپ ہی باقر ہیں فرمایا ہاں میں ہی ہوں۔ یہ سنکر جابر نے آپ کے سر کو بوسہ دیا اور کہا میری جان آپ پر قربان ہو حضرت رسولخدا نے آپ کو سلام کہا ہے (مناقب شہر آشوب) جب امام محمد باقر علیہ السلام اپنے گھر واپس آئے تو امام زین العابدین علیہ السلام سے یہ واقعہ بیان کیا فرمایا بیٹا تم گھر سے زیادہ نہ نکلا کرو کیونکہ تمہارے فضائل و مراتب کو سنکر لوگ تم سے حسد کرنے لگے اور تمہاری ایذا کا باعث ہونگے

جناب جابر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول ہوگیا تھا کہ امام علیہ السلام کی خدمت میں روز حاضر ہوتے تھے اور جب تک شرف ملاقات حاصل نہ کر لیتے واپس نہ جاتے۔ امام محمد باقر علیہ السلام باوجودیکہ کم سن تھے لیکن چونکہ ان کا سینہ علوم الٰہیہ کا خزانہ تھا اس لئے جابر برابر ان سے تعلیم حاصل کرتے رہتے تھے۔

ہمارا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ ہمارے ائمہ کا علم وہبی ہوتا ہے وہ بطن مادر سے عالم پیدا ہوتے ہیں اور یہی ان کے منصوص من اللہ ہونے کی دلیل ہے اس سے زیادہ زمانہ کی ناقدری کیا ہوگی کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت ایسی باکمال ذات سے فیض حاصل کرنے سے محروم رہی۔ حسد کی انتہا یہ تھی کہ حضرت جابر کا امام علیہ السلام سے فیض حاصل کرنا اور ان کی خدمت میں جانا لوگوں کو ناگوار ہوتا تھا اور ان کو روکتے اور طعن آمیز باتیں سناتے تھے بلکہ بعض وقت ایذا رسانی پر آمادہ ہوجاتے تھے

اگر امام علیہ السلام اپنے آباء طاہرین سے کوئی حدیث نقل فرماتے تھے تو لوگ اسے نہیں مانتے تھے اور جب یہ فرماتے تھے کہ جابر نے جناب رسولخدا سے یہ روایت کی ہے تو فوراً مان لیتے تھے۔ خیال کرو اس عداوت کا کیا ٹھکانا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کے مشاغل

امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگی کے دو اہم مشاغل تھے عبادت اور تعلیم۔ روزانہ آپ مسجد رسول میں بیٹھکر علوم دین کی تعلیم دیتے تھے دور دور سے لوگ آکر آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ آپ کے شاگرد وں عطار۔ ابن جریح۔ امام زہری۔ امام اوزاعی وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو مذہب اہلسنت کے معتبر اور مستند پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔ دشمنان اہلبیت کو آپ کی طرف لوگوں کی رجوع سخت ناگوار تھی۔ جو بادشاہ وقت کو غلط خبریں پہنچاتے رہتے تھے

امام محمد باقر علیہ السلام کو سیاسی امور سے کبھی تعلق نہیں رہا آپ سلطنت کے معاملات سے ہمیشہ اپنے کو الگ رکھتے تھے حضرت کے زمانہ میں بنی امیہ کے مظالم حد سے بڑھے ہوئے تھے دوستان اہلبیت مصیبت کی زندگی گزار رہے تھے حکومت کے کسی شعبہ میں ان کو ملازمت نہ ملتی تھی۔ زرپرست اور دین کو دنیا کے عوض بیچنے والے لوگ حکومت کے خیرخواہ تھے وہ امام محمد باقر علیہ السلام سے بہت جلد جلتے تھے کیونکہ ان کی غلط کارروائیوں پر حضرت بے جھجک ٹوکتے رہتے تھے اور اسلام کی صحیح تعلیم کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ بنی امیہ چونکہ پچھلے واقعات سے اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ یہ زر یا زور سے قابو میں آنے والے نہیں یہ تو نصرت دین میں اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں لہذا بادشاہ وقت کو زیادہ سختی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

بادشاہ وقت کو مشورہ

عبد الملک بادشاہ کے زمانہ تک اسلامی سلطنت میں رومی سکہ چلتا تھا۔ قیصر روم نے جو کٹر عیسائی اور اسلام کا دشمن تھا یہ طے کیا کہ ٹکسال میں جو جدید سکے ڈھالے جائیں ان پر ایک طرف صلیب کی تصویر ہو دوسری طرف آقا نہیں تثلیث کا نام۔ جب یہ خبر دمشق میں پہنچی تو علمائے اسلام نے بادشاہ سے کہا ہم ایسے سکہ کو اسلامی حکومت میں جاری نہ کریں گے یہ کھلا کفر ہے اور اس سکہ کا رواج اس بات کی دلیل ہوگا کہ ہم نے ان کلمات کفر کو منظور کر لیا۔ بادشاہ نے پوچھا پھر کیا ہونا چاہیے سب نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ اسلامی سکہ علحدہ ہونا چاہیے۔ اب یہ مسئلہ زیر غور تھا کہ اس پر لکھا کیا جائے

بادشاہ نے تمام علماء و عقلا کو جمع کیا اور یہ مسئلہ ان کے سامنے رکھا ان کے درمیان اختلاف ہوا بادشاہ نے امام علیہ السلام سے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے فرمایا ایک طرف لا الٰہ الا اللہ لکھو اور دوسری طرف محمد رسول اللہ اس رائے کو سب نے پسند کیا چنانچہ سب سے پہلا سکہ جو اسلامی ٹکسال سے نکلا اس پر یہی عبارت تھی

ایک عقدہ کا حل

جب عبد الملک کا بیٹا ہشام بادشاہ ہوا تو لوگوں نے اس کے دربار میں یہ درخواست گزاری کہ شام و عراق سے آنے والے حاجیوں کو مکہ کے راستہ میں ایک منزل پر پانی نہ ملنے کی وجہ سے ایسی سخت تکلیف اٹھانا پڑتی ہے کہ اکثر لوگ پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں۔ یہ شکایت ایک مدت سے چلی آرہی تھی لیکن عرب کی سنگلاخ زمین میں کنواں کھودنا آسان کام نہ تھا آخر جب حاجیوں کی طرف سے پے در پے درخواستیں گزریں تو ایک کنواں کھدوانے کا حکم دیا گیا مزدوروں کی ایک بڑی جماعت نے کام شروع کر دیا مگر زمین ایسی سنگلاخ تھی کہ ہاتھ دو ہاتھ سے زیادہ نہ کھد سکتی تھی خدا خدا کر کے لگاتار کوششوں کے بعد پانی کی سطح تک پہنچے لیکن قدرت خدا دیکھو بجائے پانی نکلنے کے وہاں سے ایک ایسی گرم جھلس دینے والی ہوا نکلی کہ جتنے مزدور اندر کام کر رہے تھے سب کے سب مر گئے اور جو لوگ اوپر کھڑے ہوئے کھینچ رہے تھے بڑی دیر تک اس انتظار میں رہے کہ ڈولیاں بھری جائیں تو اوپر کو کھینچیں لیکن جب اندر والے مزدوروں کی آواز نہ آئی تو پریشانی ہوئی۔ خبر معلوم کرنے کو کچھ اور لوگ اترے لیکن وہی حشر ان کا بھی ہوا۔ غرض اسی طرح لوگ اترتے گئے اور مرتے گئے انجینیر سخت پریشان اوپر والے حیران کہ یہ ماجرا کیا ہے کہ جو اندر جاتا ہے باہر آنے کا نام نہیں لیتا

جب یہ خبر ہشام کو پہنچی تو وہ بہت گھبرایا اور ارکانِ سلطنت کو جمع کر کے یہ واقعہ بیان کیا لیکن کوئی بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کوئی کہتا ہے زہریلا ناگ اندر ہے کوئی کہتا مٹی میں زہر ہے۔ ہشام سخت متردد تھا کہ اب کیا کرے بہت روپیہ ضایع ہو گیا بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے اگر یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو شکایت بدستور باقی رہے گی اور اگر دوسری جگہ کھدوایا جائے تو اتنی رقم بیکار ہی خدا جانے وہاں کیا صورت پیش آئے غرض ایک عجیب مخمصہ تھا حج کا زمانہ قریب آچلا تھا اسی تردد میں دمشق سے مکہ آیا اور ہر طبقہ کے لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ امام محمد باقر علیہ السلام بھی اس مجلس میں بلائے گئے تھے ہشام نے یہ مسئلہ سب کے سامنے رکھا کسی کی سمجھ میں حل نہ آیا سب خاموش بیٹھے رہے ایک درباری نے اس کا حل سوائے امام محمد باقر علیہ السلام کوئی نہیں بتا سکتا آپ خصوصیت کے ساتھ ان سے معلوم ہوا چنانچہ ہشام نے ایسا ہی کیا آپ نے فرمایا یہ سر خدا ہے عام لوگوں کی عقلیں اس تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اس نے کہا پھر آپ ہی بتائیے فرمایا اس جگہ کو بچشم خود دیکھ لوں تب بتا دوں گا حضرت وہاں تشریف لے گئے اور اس جگہ کو دیکھ کر فرمایا یہ اہل احقاف کے رہنے کی جگہ ہے اور یہ وہ گروہ تھا جس پر گزشتہ زمانہ میں عذاب الٰہی نازل ہو چکا ہے یہی مقام ہے جہاں انکی آبادی تھی یہیں وہ عذاب خدا میں گرفتار ہوئے خدا کی قدرت سے اس عذاب کا اثر اب تک باقی ہے یہی گرم ہوا جس کا نام ریح عقیم ہے ان کی ہلاکت کا باعث ہوئی

اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے بہتر یہ ہے کہ یہاں کھدائی بند کر دی جائے اور یہاں سے کچھ فاصلہ پر دوسرا کنواں کھودا جائے انشاء اللہ وہاں کوئی دشواری بھی پیش نہ آئے گی اور آسانی سے پانی نکل آئے گا۔ چنانچہ ہشام نے اس رائے پر عمل کیا اور کامیابی ہوئی۔

اسلامی دنیا میں عبدالملک، ولید اور ہشام کا زمانہ بڑی تحقیق کا زمانہ سمجھا جاتا ہے ان کے درباروں میں بڑے بڑے علماء و فضلا جمع تھے مگر کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ کوئی ایک بھی ریح عقیم اور اہل احقاف کے بارہ میں کچھ نہ بتا سکا کیا انھوں نے سورۂ احقاف کو نہ پڑھا تھا یا ریح عقیم کا لفظ ان کی نظر کے سامنے قرآن مجید میں نہیں آیا تھا پڑھا اور دیکھا تو سب کچھ تھا مگر سمجھے نہ تھے صرف اتنا ہی جانتے تھے کہ احقاف ایک گروہ کی بستی تھی اور ریح عقیم جلا دینے والی ہوا کو کہتے ہیں۔ ان کو قطعاً یہ معلوم نہ تھا یہ قوم کس کی تھی اور اس کے رہنے کا اصلی مقام کہاں تھا اور کس گناہ کی وجہ سے یہ عذاب نازل ہوا اور عذاب کی صورت کیا تھی۔ یہ علم سوائے خاصانِ خدا کے اور کس کو ہو سکتا تھا ایسی مشکلیں تو اہلبیت رسولؐ ہی حل کرتے رہے ہیں۔

کس قدر افسوس ناک ہے یہ امر کہ باوجود ایسے محیر العقول امور ہمارے ائمہ سے دیکھنے کے بعد بھی یہ ظالم بادشاہ ان کے روحانی اقتدار کے قائل نہ ہوئے اور ان کی ایذا رسانی سے باز نہ آئے۔

دمشق میں طلبی اور ہشام سے مکالمہ

ایک دن امام جعفر صادق علیہ السلام نے مکہ معظمہ میں ایام حج میں ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا

میں اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے حضرت محمد مصطفےٰ کو اپنا نبی و رسول بنایا اور ہم کو ان کے سبب سے گرامی قرار دیا پس ہم خدا کے پسندیدہ اور منتخب بندے ہیں اور روئے زمین پر اس کے خلیفہ ہیں۔ جو شخص ہماری اطاعت کرے گا وہ سعید ہے اور جو مخالفت کرے گا وہ شقی و بدبخت ہے

حضرت کی یہ تقریر کسی نے ہشام تک پہنچا دی اس نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ امام محمد باقرؑ اور ان کے صاحبزادہ کو ہمارے پاس دمشق بھیجدو چنانچہ دونوں دمشق روانہ کر دیا گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب ہم دمشق پہنچے تو تین روز تک ہشام نے ہمیں نہیں بلایا چوتھے دن جب ہم گئے تو وہ متکبرانہ شان سے تخت پر بیٹھا تھا اور مسلح سپاہی اس داہنے بائیں کھڑے تھے۔ محل کے اندر ہی ایک تودہ تیر اندازی کا بنا ہوا تھا جس پر اس کے ارکان سلطنت تیر اندازی کر رہے تھے۔

میرے پدر بزرگوار اور میں خاموش کھڑے تھے۔ اس نے میرے والد سے کہا آپ بھی ان لوگوں کے ساتھ تیر لگائیں۔ حضرت نے فرمایا میں ضعیف ہو گیا ہوں اب مجھ سے تیر اندازی نہیں کی جاتی اس نے اصرار کیا تو حضرت نے مجبوراً تیر و کمان کو لے لیا تیر کمان میں جوڑ کر سر کیا تو سیدھا نشانہ پر جا کر بیٹھا پھر دوسرا تیر جوڑ کر چھوڑا تو وہ پہلے تیر کے آخری حصہ میں جا کر پیوست ہو گیا اسی طرح آپ پے درپے پانچ تیر مارے ہر تیر اپنے سے پہلے کے آخری حصہ میں پیوست ہوتا چلا گیا۔

واقعہ کربلا اہلبیت رسول نے نہایت خموشی سے اپنی زندگی گزار رہے تھے سیاسی معاملات سے کسی طرح کا تعلق ہی نہ رکھا تھا۔ ان کے روز و شب یا عبادت خدا میں گزرتے تھے یا وعظ و پند میں یا پیغمبر خدا کی احادیث لکھوانے میں مگر اس بدگمانی کا کیا علاج ہے کہ یہ باتیں بھی لوگوں کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھیں اور ان کو سلطنت کے حق میں مضر جانتے تھے حالانکہ ان کا سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے مدارج و مراتب بھی لوگوں کو نہیں بتا سکتے تھے سلطنت کو ہر وقت یہ فکر رہتی تھی کہ ان کی طرف لوگوں کی رجوع نہ ہو تاکہ یہ ہم پر خروج نہ کر سکیں اسی بنا پر ہشام نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو نظر بند کرنے کے لئے دمشق بلایا تھا۔

اگرچہ ہشام کے بلانے کی غرض امام علیہ السلام نے سمجھ لی تھی لیکن خاصان خدا سوائے خدا کے بھلا کس سے ڈرنے والے ہوتے ہیں دوسرے ڈرے وہ جس کے دل میں چور ہو۔ چنانچہ آپ بے خوف و خطر چلے گئے۔ اس نے اپنی شاہانہ شان دکھلانے کے لئے تین دن اپنے پاس نہیں بلایا اور چوتھے دن بلایا بھی تو کوئی خاص تعظیم و توقیر نہیں کی بلکہ لہو و لعب میں مشغول رہا اور بھرے دربار میں محض حضرت کو ذلیل اور شرمندہ کرنے کے لئے بجائے دینی مسائل دریافت کرنے کے تیر اندازی کی تکلیف دی لیکن ایسی باتوں سے خاصان خدا کی شان میں کیا فرق آ سکتا ہے۔ وہ معرفت امام سے ناواقف تھا اس کے دماغ میں اتنی صلاحیت کہاں کہ امام کے ذاتی کمالات کو جان سکے اس نے سمجھا تھا کہ یہ بیچارے خانہ نشین اللہ اللہ کرنے والے آدمی ان کو فن سپہ گری سے کیا واسطہ تیر اندازی سے کیا تعلق جب تیر خطا کرے گا تو ہم مذاق اڑائیں گے مگر اسے کیا معلوم تھا کہ جو لوگ حجت خدا ہوتے ہیں وہ علوم و فنون شرعیہ میں اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے زیادہ دستگاہ رکھا کرتے ہیں اور عام انسانوں کی قوتوں سے ان کی قوتیں زیادہ ہوتی ہیں خدا کا یہ فضل دوسروں کو کہاں نصیب۔

بہر حال جب ہشام نے فن تیر اندازی میں حضرت کا کمال دیکھا تو ہوش اڑ گئے کہنے لگا اے ابو جعفر آپ کو تیر اندازی میں بڑا کمال حاصل ہے آپ تو تمام عرب و عجم سے زیادہ ماہر معلوم ہوتے ہیں پھر آپ کیوں کہتے ہیں کہ میں اب ضعف کی وجہ سے قادر نہیں رہا ہوں اس کے بعد وہ دیر تک ضعف سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اور میرے پدر بزرگوار کچھ دیر اس کے سامنے کھڑے رہے لیکن جب ہمارے قیام کو طول ہوا تو میرے پدر بزرگوار کو طیش آیا آپ کا معمول تھا کہ زیادہ غصہ کی حالت میں آسمان کو دیکھنے لگتے تھے اور غضب کے آثار آپ کے چہرہ سے نمایاں ہو جاتے تھے ہشام تاڑ گیا اس نے اپنی داہنی جانب تخت پر جگہ دی اور مجھے بائیں طرف بٹھایا پھر حضرت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا اگر تمام قبائل قریش اس پر فخر کرتے تو بجا ہوتا کہ آپ جیسا مرد بزرگ ان میں موجود ہے یہ تو بتلائیے کہ آپ نے تیر اندازی کی تعلیم کس سے پائی ہے فرمایا میں نے بچپن میں چند روز مشق کی تھی جب سے آج تک کمان ہاتھ میں لینے کا اتفاق نہیں ہوا اس وقت آپ کے اصرار سے مجبوراً ایسا کرنا پڑا اس نے کہا ایسا بے مثل تیر انداز میں نے آج تک نہیں دیکھا کیا آپ کے یہ صاحبزادہ بھی اس فن میں آپ ہی جیسے ہیں فرمایا ہم اہلبیت رسالت کے علم کا قیاس دوسروں پر نہیں ہو سکتا ہم علم کو میراث میں پاتے ہیں دنیا کبھی ہمارے وجود سے خالی نہیں رہتی ہم ہر علم میں کامل ہیں اور دوسرے لوگ ہمارے مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔

یہ سنکر ہشام کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور دیر تک سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا پھر بولا کیا ہمارا اور آپ کا نسب
ایک نہیں فرمایا ایسا ہی ہے مگر خدا نے ہم کو اپنے پوشیدہ اسرار سے آگاہ کر دیا ہے اور اپنے علم سے مخصوص کیا ہے
ہمارے سوا یہ مرتبہ کسی کو نہیں دیا گیا اس نے کہا کیا یہ بات نہیں ہے کہ خدا نے رسول اللہ کو نسل عبد مناف سے تمام خلق کی
طرف رسول بنا کر بھیجا تھا پس یہ میراث آپ کے لئے کیوں مخصوص ہو گئی آپ پیغمبر بھی نہیں کہ یہ چیز آپ سے مخصوص ہو جاتی۔ ہمیں خدا
نے ہمیں اسی مرتبہ سے مخصوص فرمایا ہے جس کی بنا پر رسول کو وحی ہوتی تھی خدا نے اپنے پیغمبر کو علم سے مخصوص کیا اور انھوں
نے اپنے اسرار سے اپنے بھائی علی کو مخصوص کیا باقی تمام صحابہ سے وہ اسرار پوشیدہ رکھے اسی وجہ سے حضرت علی
فرمایا کرتے تھے کہ حضرت نے مجھے ہزار باب علم کے تعلیم کئے اور ہر باب سے ایک ہزار باب علم کے مجھ پر اور کھل گئے پس جس طرح
آپ لوگ اپنا بھید خاص خاص لوگوں سے کہتے ہیں اور غیروں سے چھپاتے ہیں اسی طرح ہمارے نبی نے اپنے بھیدوں سے
علی کو مخصوص کیا اور دوسروں کو اس کا اہل نہ سمجھا اسی طرح حضرت علی نے اپنے اہلبیت میں سے کسی خاص شخص کو اپنا محرم
راز قرار دیا اور اس کو حضرت علی سے یہ علوم و اسرار میراث میں پہنچے۔

ہشام نے کہا حضرت علی تو غیب جاننے کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے علم غیب میں کسی کو اپنا شریک نہیں کیا پھر
یہ دعویٰ کیسے صحیح تھا فرمایا خدا نے اپنے پیغمبر پر قرآن نازل کیا اور اس میں وہ سب درج ہے جو قیامت تک ہونے والا ہے
جیسا کہ فرماتا ہے ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیٴ وھدیً وموعظۃ للمتقین اور دوسری جگہ فرماتا ہے وکل
شیٴ احصیناہ فی امام مبین اس کے علاوہ خدا نے اپنے رسول پر وحی کی کہ جس غیب پر ہم نے تمہیں مطلع کیا ہے اس سے
علی کو ضرور آگاہ کرو۔ حضرت رسول خدا نے حضرت علی کو یہ حکم دیا تھا کہ ان کی وفات کے بعد قرآن جمع کریں اور وہی ان کو
غسل و کفن دیں کوئی غیر پاس نہ آئے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم پر حرام ہے کہ میری ستر گاہ پر نظر کرو علی کے سوا کوئی مجھے غسل
نہ دے کیونکہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور جو مال میرے پاس ہے وہ علی کا ہے علی میرا قرضہ ادا کرنے والا ہے
علی میرے وعدوں کو پورا کرنے والا ہے۔ پھر صحابہ سے فرمایا میرے بعد کافروں سے تاویل قرآن پر مقابلہ کریں گے اور
علی کے سوا کسی صحابی کو تاویل قرآن کرنا جائز نہیں۔ اسی لئے حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ علی سے بہتر کوئی قضیہ فیصل کرنے والا
نہیں وہی تم سب کے معاملات کو فیصل کریں اور عمر بن الخطاب نے چند بار کہا اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا پس اس قول
سے عمر نے حضرت علی کے علم کی گواہی دی۔

یہ سنکر ہشام نے سکوت کیا کچھ دیر بعد کہنے لگا کہ آپ کی کوئی حاجت ہو تو بیان کیجئے حضرت نے فرمایا میرے یہاں چلے آنے سے
میرے اہل و عیال سخت پریشان ہوں گے میں چاہتا ہوں مجھے گھر جانے کی اجازت دی جائے۔ اس نے کہا بہت اچھا آپ تشریف
لے جائیں۔ حضرت نے اس سے معانقہ کیا اور وہاں سے اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئے۔

اس سلسلہ میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) اموی بادشاہوں کے اخلاق پر اسلامی تعلیم کا کوئی اثر نہ تھا۔ وہ امام زادے خاندان رسول کے چشم و چراغ اس کے سامنے
دیر تک کھڑے رہے اور وہ غرور و تکبر میں سرشار اپنے تخت پر بیٹھا رہا۔

(۲) امام محمد باقر علیہ السلام پر ہشام کی سلطنت کا رعب نہیں چھایا اور انھوں نے حق بات بیان کرنے میں ذرا پس و پیش نہیں کیا خاصان خدا اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ ہشام پر حضرت کے لاجواب استدلال کا ایسا اثر ہوا کہ لاجواب ہو کر رہ گیا لیکن بدبختی جو سوار تھی تو رہا اپنے ہی باطل عقیدہ پر قایم حقیقت یہ ہے کہ خاندان اہلبیت کی عداوت ان کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح دوڑ رہی ہوئی تھی۔

(۳) جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا اور ائمہ طاہرین کو علم غیب نہ تھا وہ امام محمد باقر علیہ السلام کے استدلال غور کریں۔

ایک نصرانی راہب کا مسلمان ہونا

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب ہم شام سے مدینہ کو آرہے تھے تو پہلی منزل پر ایک جگہ لوگوں کا مجمع نظر آیا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ نصرانی راہبوں کی ایک جماعت ہے جو اپنے ایک بڑے عالم کی زیارت کو جمع ہوئی ہے یہ شخص سال میں صرف ایک بار اپنے عبادت خانہ سے نکل کر یہاں آتا ہے اور لوگوں کو ہدایت کرتا ہے ہم کو بھی اس کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور نصرانیوں کے مجمع میں ایک طرف جا کر بیٹھ گئے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ایک بہت ہی بوڑھا راہب آیا اور ایک پر تکلف مسند پر بیٹھ گیا اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی سارے مجمع میں ہم ہی اس کو اجنبی نظر آئے میرے پدر بزرگوار سے پوچھنے لگا۔

راہب ۔ آپ ہم لوگوں میں سے ہیں یا امت مرحومہ میں سے

امام ۔ میں امت محمدیہ سے ہوں

راہب ۔ جاہلوں میں سے ہیں یا عالموں میں سے

امام ۔ جاہلوں میں سے نہیں ہوں

راہب ۔ کیا آپ مجھ سے کچھ پوچھنے آئے ہیں

امام ۔ نہیں

راہب ۔ اجازت ہو تو پھر میں آپ سے کچھ پوچھوں

امام ۔ ضرور

راہب ۔ اگر آپ امت محمدیہ کے عالموں میں سے ہیں تو مجھے ایسے وقت کا نام بتائیے جو نہ دن میں شامل ہو نہ رات میں

امام ۔ وہ سورج نکلنے سے پہلے کا وقت ہے جو اوقات جنت میں سے ہے یہ ایسا وقت ہے کہ بیماروں کو ہوش آجاتا ہے درد کو سکون ہو جاتا ہے جس کو تمام رات نیند نہیں آتی سو جاتا ہے

راہب ۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ بہشت والوں کو نہ پاخانہ کی احتیاج ہوتی ہے نہ پیشاب کی کیا دنیا میں اس کی کوئی نظیر ہے

امام ۔ جو بچے شکم مادر میں رہتے ہیں انکی خوراک کا فضلہ نہیں بنتا اور جو پیتے ہیں وہ پیشاب بنکر خارج نہیں ہوتا

راہب ۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ بہشت کے میوے کھانے

امام ۔ اس کی نظیر چراغ ہے کہ ہزار چراغ اس سے

سے کم نہیں ہوتے اس کی کوئی نظیر دنیا میں ہے

راہب ۔ وہ کون دو بھائی ہیں جو ساتھ ساتھ پیدا ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ مرے مگر ایک کی عمر پچاس برس کی ہوئی اور دوسرے کی ڈیڑھ سو برس کی ہوئی

امام ۔ وہ دو بھائی عزیز اور عزیر پیغمبر ہیں یہ دنیا میں ایک روز پیدا ہوئے اور ساتھ ہی مرے پیدائش کے بعد تیس برس ساتھ رہے پھر خدا نے عزیر کو مار ڈالا اور سو برس کے بعد زندہ کیا اس کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ بیس برس اور زندہ رہے اور پھر ایک ہی روز دونوں نے انتقال فرمایا

روشن کر لئے جاتے ہیں مگر اس کے نور میں کوئی کمی نہیں ہوتی

یہ جواب سنکر راہب کے ہوش اڑ گئے اور قریب آکر پوچھنے لگا

راہب ۔ آپ کا نام کیا ہے

امام ۔ محمد بن علی بن حسین

راہب ۔ محمد نبی خدا آپ ہیں

امام ۔ نہیں وہ میرے جد تھے

راہب ۔ کیا آپ ایلیا کے صاحبزادہ ہیں جن کو علی کہتے ہیں

امام ۔ ہاں ۔

راہب ۔ آپ شبر ہیں یا شبیر ۔

امام ۔ میں شبیر کا بیٹا ہوں

یہ سنکر وہ نصرانی خوش ہوا اور کہا خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنی دلی مراد پائی ۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا

بار دیگر امام کا دمشق جانا

نصرانی راہب کے مسلمان ہونے کا حال جب شام کے عیسائیوں کو معلوم ہوا تو ان میں کھلبلی مچی ان کا ایک وفد ہشام کے پاس گیا اور امام باقر علیہ السلام کی شکایت کی ہشام کو بہ حیثیت ایک مسلمان ہونے کے اس واقعہ سے خوش ہونا چاہئے تھا مگر اس کو تو اہل بیت سے دلی بغض تھا اور ستانے کی راہیں ڈھونڈ رہا تھا فوراً اس نے ایک ناقہ سوار کو دوڑایا کہ جہاں کہیں ملجائیں ان کو دمشق واپس لے آئے ۔ غرض حضرت کو پھر دمشق واپس آنا پڑا ۔ ہشام نے خاطر و مدارات کے حیلوں سے آپ کو نظر بند کرنا چاہا

ہشام ۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ جیسا بزرگ میرے پاس دمشق ہی میں رہے ۔

امام ۔ میں یہاں کیسے رہ سکتا ہوں جبکہ میرے اہل و عیال مدینہ میں ہیں

ہشام ۔ ان کو بھی یہیں بلا لیا جائے

امام ۔ مجھے حرم خدا و رسول کو چھوڑنا گوارا نہیں

ہشام ۔ یہاں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی

امام ۔ آخر میرے یہاں رہنے پر کیوں زور دیا جاتا ہے

ہشام ۔ تاکہ آپ کے علم سے یہاں والوں کو فیض پہنچے

امام ۔ یہ تو میرے وہاں رہنے سے بھی ممکن ہے اگر یہاں رہونگا تو اہل مکہ و مدینہ میرے علمی فیض سے محروم ہو جائیں گے

ہشام - میں آپ کو مجبور نہیں کرتا مگر میری دلی خواہش یہی ہے

امام - جب مجھے خوشی یہاں سے رخصت کر دیا گیا تھا تو پھر کیوں بلایا گیا

ہشام - آپ کے جانے کے بعد یہ خواہش میرے دل میں پیدا ہوئی

الغرض جب ہشام نے زیادہ مجبور کیا تو امام علیہ السلام وہاں رک گئے لیکن ہشام کا مقصد حاصل نہ ہوا۔ روکا تو یوں تھا کہ یہ نظر بند رہ کر لوگوں پر اپنا اثر نہ ڈال سکیں گے آزادی کے ساتھ لوگوں سے نہ مل سکیں گے لیکن معاملہ کچھ اور ہوگیا۔ حضرت کے زمانہ قیام میں اہل شام کی رجوع آپ کی طرف بہت زیادہ ہوگئی۔ لوگوں کے گروہ کے گروہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ہشام نے جب یہ حال دیکھا تو مجبوراً آپ کو مدینہ واپس جانے کی اجازت دیدی۔

امام کی وفات کا سبب

جیسا کہ سابقہ واقعات بتاتے ہیں ہشام اپنی موروثی عداوت کی بنا پر یہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد امام علیہ السلام کے وجود سے دنیا خالی ہوجائے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت زید بن علی بن الحسین سے ہشام نے ساز باز کی اور یہ موقع اس لئے ہاتھ آیا کہ امام علیہ السلام اور زید کے درمیان رنجش تھی اس کا مفصل تذکرہ ہم امام جعفر صادقؑ کے حالات میں کریں گے۔ زید کو ہشام نے دمشق بلایا اور انکی خاطر مدارات کرکے ان کو یہ لالچ دیا کہ جو اوقاف امام محمد باقر علیہ السلام کے قبضہ میں ہیں وہ تم کو دیدونگا زید اس کی باتوں میں آ گئے اس نے گھوڑے کی ایک زین میں بہت زیادہ زہر ہلاہل جذب کرایا اور زید سے کہا یہ زین لیجاؤ اور امام محمد باقر سے کہنا بادشاہ نے یہ آپ کو تحفہ دیا کہ آپ اس پر سواری کیا کریں اور ایک خط بھی حضرت کے نام اس مضمون کا لکھا کہ میں زید کو آپ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجتا ہوں کہ یہ آپ کی خدمت میں رہیں اور فیض صحبت حاصل کریں اگر انکے کسی عمل سے آپ کو رنج پہنچا ہے تو آپ ان کو معاف کرکے ان سے برادرانہ سلوک کریں۔ ایک نہایت قیمتی زین آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں آپ صبح و شام اس پر سواری کیا کریں

جب زید نے مدینہ پہنچکر زین اور خط امام کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا مجھے تمہاری حالت پر بہت افسوس ہے تم نے ایک نہایت الم ناک اور خلاف اخلاق خاندان رسول امر کا ارادہ کیا ہے۔ تمہارا گمان ہے کہ میں اس راز سے واقف نہیں میں خوب جانتا ہوں کہ اس زین کے اندر کیا چیز پیوست کی گئی ہے لیکن کیا کروں میری موت قلم قدرت سے یوں ہی لکھی گئی تھی

اب امام علیہ السلام کے لئے یہ امر قابل غور تھا کہ آیا میں اس کو استعمال کروں یا نہ کروں در صورت عدم استعمال زید جن کو اسی غرض سے یہاں بھیجا گیا ہے ضرور یہ اطلاع دیدیں گے کہ میں نے استعمال نہیں کیا ہشام تو میرے قتل کا حیلہ ڈھونڈ ہی رہا ہے وہ الزام لگاکر مجھے قتل کرا دے گا اول یہ کہ میں نے عطیہ شاہی کی ناقدری کی دوسرے میرے اوپر یہ الزام عاید کیا جائیگا کہ بادشاہ کو بدنام کرنے کے لئے یہ افترا پردازی کی ہے کہ اس نے زین میں زہر بھرا ہے چونکہ زین فوراً واپس لے لی جائے گی

لہٰذا میرے لئے یہ ثابت کرنا ناممکن ہوگا کہ زین آلودہ تھی۔ علاوہ ازیں جو لوگ ہمارے دشمن ہیں وہ کہیں گے کہ یہ سلطنت سے للّٰہی بغض رکھتے ہیں اگر حکومت ان کے ساتھ احسان کرتی ہے تو اسے قبول نہیں کرتے یہ زہر کا الزام اس لئے لگایا ہے کہ ان کے شیعہ ان کی غیب دانی کا یقین کر لیں۔

بہر حال بہت سے غور و تامل کے بعد ایک روز آپ اس زین پر سوار ہوئے اس میں قیامت کا زہر تھا فوراً حضرت کے بدن میں اس کا اثر دوڑ گیا اور موت کے نمایاں ہونے لگے۔ تین دن نہایت بے چینی میں گزرے۔ آخر دن امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلا کر فرمایا یہ میری زندگی کا آخری دن ہے۔ اسی دن حضرت رسولخدا نے رحلت فرمائی تھی۔ ابھی ذرا دیر کے لئے میری آنکھ لگ گئی تھی میں نے اپنے پدر بزرگوار کو خواب میں یہ کہتے سنا کہ وہ وقت قریب ہے کہ تم جنت میں ہمارے پاس ہو۔ تم جاکر مدینہ کے کچھ ذی اثر لوگوں کو بلا لاؤ تاکہ ان کے سامنے چند وصیتیں کردوں جب وہ لوگ آگئے تو آپ امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا۔ بیٹا مجھ کو تم ہی غسل دینا تم ہی کفن پہنانا۔ میرا کفن تین کپڑوں میں ہونا چاہئے ان میں ایک تو وہ چادر ہو جس کو میں بحالت نماز اوڑھا کرتا تھا دوسرے وہ پیراہن جسے میں پہنا کرتا ہوں۔ میرے سر پر عمامہ ضرور باندھنا۔ میری قبر کو زمین سے چار انگل بلند کرنا اور قبر پر پانی چھڑکنا۔ اس کے بعد ان سب لوگوں کو رخصت کیا۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے کہا میں تو خود ہی سب احکام کی تعمیل کرتا آپ نے لوگوں کو کیوں بلایا فرمایا اس لئے کہ لوگ جان لیں کہ میرے وصی تم ہو تاکہ بعد میں جھگڑا نہ ہو دوسرے لوگ دیکھ لیں کہ میرے اوپر زہر کا اثر ہے۔ اے فرزند میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے اصحاب کے ساتھ بہترین سلوک کرنا اور میرے مال میں سے کچھ روپیہ میرے اوپر رونے والوں کے لئے وقف کر دینا تاکہ وہ دس سال تک موسم حج میں بمقام منیٰ میرے اوپر گریہ کریں اور میری مظلومیت کا اعلان کرتے رہیں۔

الغرض ۵۷ سال کی عمر نے ماہ ذی الحجہ ۱۱۴ھ میں حضرت نے شہادت پائی اور جنت البقیع میں امام زین العابدین علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہوئے۔

اس روایت میں چند باتیں قابل غور ہیں

(۱) جناب زید اور جناب امام محمد باقر علیہ السلام کے درمیان چاہے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو مگر اپنے حقیقی بھائی کے جان وہ سوتیلے ہی بھی خون کے پیاسے تو نہیں ہو سکتے تھے۔ معمولی آدمی ہوتے تو باور کر بھی لیا جاتا لیکن اول تو وہ امام زادے تھے دوسرے اپنے وقت کے بہت بڑے عالم فقیہ اور صاحب زہد و ورع تھے ان سے کیسے ممکن تھا اگر زین اپنے ساتھ لانا مان بھی لیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اس میں زہر پیوست ہونے کا انہیں علم ہی نہ ہو۔ چونکہ بنی امیہ کے تمام حکمران اور امرا اس کوشش لگے رہتے تھے کہ خاندان رسول والوں کو بدنام کریں اور ان کے کردار پر خوب کیچڑ اچھالیں لہٰذا یہ روایت بھی منجملہ ان روایات کے ہے جو ان کے ٹکسال کے کھوٹے سکے کہلاتے ہیں۔

(۲) لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب امام کو معلوم تھا کہ اس زین میں زہر بھرا ہوا ہے تو اس کا استعمال کرنا کیا خودکشی کے مرادف نہیں ہم اس کا جواب اوپر لکھ چکے اگر استعمال نہ کرتے تو جابر حکومت تو بھی بے قتل کئے نہ چھوڑتی

امام محمد باقر علیہ السلام کا علم و فضل

اسلام کے تمام مورخین و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ علوم دین کی جس قدر نشر و اشاعت امام محمد باقر علیہ السلام سے ہوئی وہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی اولاد میں سے کسی اور سے نہیں ہوئی اسی وجہ سے آپ کا لقب باقر ہے جس کے معنی علم پھیلانے والے کے ہیں۔ علم تعبیر، علم کلام۔ علم فقہ وغیرہ نے بہت رواج پایا۔

محمد بن اسلم کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں رہ کر تیس ہزار حدیثیں یاد کیں۔ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ جو اصحاب رسول میں ایک خاص مرتبہ رکھتے تھے وہ برابر حضرت کی خدمت میں آیا کرتے تھے اور مسائل پوچھا کرتے تھے ذیل میں ہم چند واقعات حضرت کی تعلیم کے درج کرتے ہیں

(۱) ایک مرتبہ عمرو بن عبید نے جو فرقہ معتزلہ کا امام تھا امام علیہ السلام سے پوچھا اس آیت کا کیا مطلب ہے اَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (کیا کفر والے اس بات کو نہیں دیکھتے کہ آسمان و زمین دونوں پہلے بستہ تھے ہم نے ان کو شگافتہ کیا۔ آپ نے فرمایا آسمان بند تھا یعنی کوئی قطرہ آسمان سے زمین پر نہیں برستا تھا اور زمین بستہ تھی کسی قسم کی گھاس اس سے نہ اگتی تھی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی توبہ قبول فرمائی تو زمین شگافتہ ہوئی اور نہریں اس میں جاری ہوگئیں درخت اُگے اور ان سے پھل نکلے۔ اور آسمان سے پانی برسا پس رتق و فتق سے یہ مراد ہے

(۲) ایک روز طاؤس یمانی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ بنی آدم کا ⅓ حصہ کب ہلاک ہوا فرمایا ایسا کبھی نہیں ہوا بلکہ تم کو یہ پوچھنا چاہیے کہ انسانوں کا چوتھا حصہ کب ہلاک ہوا۔ ایسا اس روز ہوا جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا پس ہابیل کے قتل ہونے سے چار آدمیوں میں تین رہ گئے انھوں نے پوچھا پھر نسل کس سے چلی قاتل سے یا مقتول سے فرمایا ان میں سے کسی ایک سے بھی نہیں بلکہ حضرت آدم کے فرزند شیث سے چلی۔ انھوں نے پوچھا وہ کونسی چیز ہے کہ تھوڑی سی حلال تھی اور بہت حرام فرمایا وہ نہر طالوت کا پانی تھا جس سے ایک چلو پینا جائز تھا زیادہ حرام تھا انھوں نے پوچھا وہ کونسا روزہ تھا جس میں کھانا جائز تھا فرمایا وہ مریم کا صوم صمت تھا جس میں ان کو کسی سے کلام کرنے کی اجازت نہ تھی۔ پوچھا وہ کون سی چیز ہے جو کم ہوتی ہے زیادہ نہیں ہوتی فرمایا وہ عمر ہے۔ پوچھا وہ کون سی چیز جو بڑھتی ہے گھٹتی نہیں فرمایا سمندر ہے۔ پوچھا وہ کون چیز ہے جو ایک بار اڑی تھی پھر نہیں۔ فرمایا وہ کوہ طور ہے جو اڑ کر بنی اسرائیل کے سروں پر سایہ کی طرح آگیا تھا۔ پوچھا وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے حضرت رسولخدا کی سچی گواہی دی مگر خدا نے ان کو جھوٹا سمجھا۔ فرمایا وہ منافقوں کی گواہی ہے یعنی رسول کی رسالت تو سچی تھی مگر منافقوں کا کہنا اس لئے جھوٹا تھا کہ وہ دل سے نہیں مانتے تھے بلکہ صرف زبان سے کہتے تھے۔

(۳) ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے مال سے ایک ہزار درہم خانہ کعبہ کے لئے بھیجدینا مرنے کے بعد

اس کا وصی یہ رقم لے کر مکہ آیا مگر حیران تھا کہ اس کو کیونکر صرف کرے لوگ اس کو ابن شیبہ کے پاس لے آئے اس نے کہا یہ روپیہ تم ہم کو دو تم بری الذمہ ہو جاؤ گے وہ اس پر راضی نہ ہوا اور امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے دریافت کیا فرمایا خانہ کعبہ ان روپیوں کا محتاج نہیں بلکہ ایسے حاجی تلاش کر جن کے پاس زاد راہ یا سواری نہ ہو اور وہ اپنے گھر تک نہ پہنچ سکتے ہوں۔ یہ روپیہ ان کو دیدے

(۴) ایک دن ابو خالد کابلی نے حضرت سے پوچھا کہ اس آیت میں (فامنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا) نور سے کیا مراد ہے فرمایا ہم ائمہ مراد ہیں خدا کی قسم ہم ہی نور خدا ہیں جو اس کی طرف سے اترے ہیں اور ہم ہی زمین و آسمان میں نور خدا ہیں جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہے اللہ نور السموات والارض الخ

پھر فرمایا جب آیہ یوم ندعوا کل اناس بامامھم (اس روز ہم آدمیوں کے ہر گروہ کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے) نازل ہوئی تو لوگوں نے حضرت رسولخدا سے پوچھا کیا آپ تمام لوگوں کے امام نہیں فرمایا میں لوگوں کے لئے تا قیامت رسول ہوں لیکن میری اولاد میں سے امام ہوں گے جو میری طرح خدا کی طرف سے معین ہونگے لیکن زمانہ کے گمراہ لوگ ان کو جھوٹا سمجھیں گے اور ان پر اور ان کے تابعین پر ظلم کریں گے پس وہ سب مجھ سے ہیں وہی میرے ساتھ والے ہیں وہی روز قیامت میرے ساتھ ہونگے اور جن لوگوں نے ان پر یا ان کے تابعین پر ظلم کیا ہوگا وہ مجھ سے جدا رہیں گے

(۵) عبد الغفار نصراتی نے ایک روز حضرت سے حسب ذیل سوالات کئے۔

عبد الغفار۔ سچا کون ہے۔ فرمایا جس کی زبان سے مومنین محفوظ رہیں۔ اس نے پوچھا کونسی عادت بہترین عادت کہی جا سکتی ہے۔ فرمایا صبر۔ اس نے کہا کون مومن زیادہ کامل ہے فرمایا جس کا خلق سب سے اچھا ہو۔ اس نے کہا کون جہاد سب سے بہتر ہے فرمایا جس میں مجاہد کے گھوڑے کے ہاتھ پیر کاٹ دئے گئے ہوں اور اس کا خون بہایا گیا ہو۔ اس نے کہا کون سی نماز سب سے بہتر ہے فرمایا جس میں قنوت طولانی ہو اس نے کہا کون سا صدقہ سب سے بہتر ہے فرمایا حرام چیزوں سے دور رہنا اس نے کہا بادشاہوں کے پاس جانے کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا بہتر نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب مستطاب

حالات انبیاو ائمہ

پر

تنقید و تبصرہ

حصہ ہشتم

حالات امام جعفر صادقؑ

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ

حالات امام جعفر صادق علیہ السلام

امام جعفر صادق علیہ السلام امام محمد باقر علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں آپ کی والدہ ماجدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر ہیں۔ قاسم مدینہ کے سات بڑے فقیہوں میں شمار ہوتے تھے ام فروہ بڑی پاک نفس اور صاحب علم بی بی تھیں۔ آپ ربیع الاول ۸۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے آپ کی پیدائش کے وقت عبدالملک بن مروان بادشاہ تھا۔ یہ زمانہ مروانیوں کے پورے عروج کا زمانہ تھا مادی ترقی کا ڈھنڈورا تو مولوی شبلی پیٹیں جہاں تک مذہبیت اور شیعیت کا تعلق ہے ہم تو اس کو بدترین عہد سمجھتے ہیں۔ بہت سے لوگ برائے نام ہی مسلمان تھے ورنہ کفر کی گندگی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی

۸۶ھ میں عبدالملک خلیفہ ہوا۔ حجاج بن یوسف کو اس نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا یہ بڑا ہی ظالم آدمی تھا۔ ساتویں نیک دل اموی بادشاہ عبدالعزیز کہا کرتے تھے جب روز قیامت ہر امت کے ظالموں کے گناہ ایک پلہ میزان میں رکھے جائیں گے تو ہم ان کے مقابلہ میں صرف حجاج کے مظالم رکھ دیں گے تو حجاج کا پلہ بھاری رہے گا۔ اس ظالم نے ایک لاکھ محبان اہلبیت کو قتل کیا اور پچاس ہزار کو دائم الحبس کیا اس کے نزدیک نہ صرف شیعہ ہونا گناہ تھا بلکہ ان کے پاس آنے جانے والے بھی واجب القتل تھے۔ یہی وہ ملعون ہے جس کے حکم سے خانہ کعبہ پر آگ اور پتھر برسائے گئے اور حضرت عائشہ کے بھانجے عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا گیا ان کی لاش کو سولی پر چڑھایا گیا۔ حضرت رسول خدا کے بہت سے اصحاب کو شہید کیا بہت سوں کو کوڑوں سے پٹوایا۔ کس قدر تعجب کی بات ہے جس عبد ملک کی حکومت میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا اسلامی مورخ اسے بڑا نیک اور پابند شرع اور علم دین کا بڑا عالم لکھ رہے ہیں۔ ابن زبیر خاتمہ کرنے کے بعد جب یہ بادشاہ اپنی سلطنت کا اعلان کرنے کے لئے حجاز آیا تو اس نے مسجد رسول کے اندر بھرے مجمع میں کہا میں نہ تو عثمان جیسا کمزور خلیفہ ہوں نہ عمر جیسا خوشامد پسند نہ یزید جیسا بے وقوف ہمارے پاس ہر بات کا جواب تلوار ہے۔ تم مجھ سے مہاجرین و انصار جیسا کام کرنے کو کہتے ہو اور خود ایسا کام نہیں کرتے خدا کی قسم آج کے بعد جو کوئی مجھ سے تقوے اور پرہیزگاری کے لئے کہے گا میں اس کا سر اڑا دوں گا یہ بادشاہ تمام عرب میں بخیل مشہور تھا اس کے منہ سے سخت بو آتی تھی۔ لکھا ہے کہ جب اسے سلطنت ملی تو یہ قرآن پڑھ رہا تھا قرآن کو بند کر کے کہنے لگا تیرے ساتھ میرا یہ آخری عہد تھا۔ پہلے تو اپنے کو بڑا دیندار بنا رہا لیکن جوں ہی سلطنت ملی دماغ میں فرعونیت سما گئی

اسی بادشاہ نے حجاج بن یوسف کو قرآن پر اعراب لگانے کا حکم دیا تھا۔ جب اس نے یہ کام شروع کرایا تو حجاج نے اسے لکھا یہ اچھا موقع ہے اگر آپ اجازت دیں تو آیہ ان اللہ اصطفیٰ نوحاً و آل ابراہیم و آل عمران علی العالمین میں آل عمران کی جگہ آل مروان لکھوا دوں اس نے جواب میں لکھا ایسا نہ کرو ابھی مسلمانوں کی ذہنیت اتنی پست نہیں ہوئی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں حسب ذیل سات بادشاہ ہوئے جو سب بنی امیہ تھے۔

عبدالملک ۔ ولید بن عبدالملک ۔ سلیمان بن عبدالملک ۔ ہشام بن عبدالملک ۔ عمر بن عبدالعزیز ۔ یزید بن ولید بن عبدالملک
ہشام بن عبدالملک ولید بن یزید بن عبدالملک ۔ ان سب بادشاہوں میں سوائے عمر بن عبدالعزیز کے سب ہی تو
پدر کا ظلم پسند اور دشمنانِ اہلبیت تھے ۔ ان کو رات دن عیش و عشرت سے کام تھا ۔
امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کا زمانہ ہشام کی سلطنت میں شروع ہوا یعنی شروع محرم ۱۲۴ھ میں آپ اپنے
پدر بزرگوار کے جانشین ہوئے

حضرت زید کی شہادت

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ایک صاحبزادے جناب زید تھے جو بڑے غیرت دار، بہادر اور جوشیلے تھے
کربلا کے واقعہ کا ان کے دل پر بڑا گہرا اثر تھا وہ بنی امیہ سے انتقام لینا چاہتے تھے ۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام حوریہ
تھا جن کو امیر مختار نے بطور تحفہ امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تھا ۔ حضرت زید کی پیدائش ۷۸ھ میں ہوئی
امام زین العابدینؑ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۲۰ سال تھی ۔ زید بڑے خوبصورت اور وجیہ تھے ۔ بنی امیہ سادات کے
جیسے کچھ دشمن تھے کون نہیں جانتا ۔ ان پر ان ظالموں نے عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا ان میں اتنی طاقت تو کہاں تھی کہ ان
مظالم کا جواب دیتے ۔ صبر و ضبط کے ساتھ اپنے گھروں میں بیٹھے زندگی بسر کر رہے تھے ۔ امام زین العابدین اور امام محمد باقر کی
ساری زندگی گھر میں بیٹھے بیٹھے ہی گزر گئی امام جعفر صادق نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا مگر زید سے ضبط نہ ہو سکا اور بنی امیہ کے مقابلہ
کو تیار ہو گئے ۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ ایک منظم سلطنت سے مقابلہ کرنے میں تم کامیاب نہیں ہو سکتے ۔ مگر زید اپنے
اپنے ارادہ سے باز نہ آئے صرف اتنا کیا کہ حضرت کی زندگی میں بنی امیہ سے جنگ نہ کی ۔
امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی ان کو جنگ پر آمادہ دیکھ کر روکنا چاہا مگر کے اندر بلا کا جوش تھا وہ بھلا کہاں رکنے والے
تھے ۔ عراق والوں نے جو مدد کا وعدہ کیا تو زید کے ارادوں میں نئی جان پڑ گئی اور کامیابی کا پورا یقین ہو گیا ۔ ادھر یہ
یہ غضب آیا کہ امام ابو حنیفہ نے اُن سے بیعت کر لی چونکہ ان کے ماننے والے بہ کثرت تھے لہذا جناب زید کی ہمت ایک سے ہزار
ہو گئی اور پھر ان کو تحمل کا یارا نہ رہا ۔
ابو حنیفہ کے بیعت کرتے ہی زید کی امامت کے لوگ معتقد ہوتے چلے گئے اور تمام عراق پر انکی عظمت کا پرچم لہرانے لگا اور لوگ
ان کو جنگ پر اکسانے لگے ۔ زید مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے ۔ ہشام کو ان کے ارادوں کی خبر ملتی رہتی تھی اس نے عراق والوں
کے نام ایک حکمنامہ بھیجا کہ وہ زید کی طرف سے ہشیار رہیں ان کی مجلس میں کسی کو نہ جانے دیں کیونکہ زید کی زبان تلوار کی
دھار سے اور نیزہ کی نوک سے زیادہ تیز ہے مگر پھر بھی چالیس ہزار عراقیوں نے زید سے بیعت کر لی ۔ اس رجوع عوام کا
باعث ابو حنیفہ تھے وہی زید کی بیعت پر لوگوں کو اکسا رہے تھے اور ان کے ساتھ رہ کر لڑنے کا فتویٰ دے رہے تھے

ایک بار چار ہزار آدمی بھی زید کے پاس بھیجے اور پیغام دیا کہ اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ ہوتیں تو میں خود بھی آپ سے آکر ملجاتا۔

ہشام کو جب یہ پتہ چلا کہ زید کی طرف جو عام لوگوں کی رجوع ہو رہی ہے اس کا باعث ابو حنیفہ ہیں تو اس نے ان کو توڑنے کی کوشش کی۔ اپنے دربار میں بلا کر بڑی آو بھگت کی اور امام اعظم کا خطاب دیا اور اپنے لشکر کا امام بنا دیا۔ ابو حنیفہ پر جب ہشام کا جادو چل گیا تو انہی سے زید کے قتل کا فتویٰ بھی دلا دیا۔ کیسی عجیب بات ہے یہ وہی ابو حنیفہ ہیں جو چند روز پہلے زید سے بیعت کر کے لوگوں کو ان کی مدد پر اکسا رہے تھے آج وہی سلطنت کی دھونس یا مال و دولت کے لالچ میں زید کے قتل کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ سچ ہے خدا کے خاص بندوں کے سوا سلطنت سب کو قابو میں کر لیتی ہے۔

جب ابو حنیفہ قبضہ میں آ گئے تو ہشام نے زید کے مقابلہ میں فوج بھیجی۔ امام صاحب کے بیعت توڑنے کی خبر تو چاروں طرف پھیل ہی گئی تھی لہٰذا جتنے ان کے ماننے والے تھے زید کا ساتھ چھوڑ کر الگ جا کھڑے ہوئے۔ اب جو زید نے اپنی فوج پر نظر ڈالی تو کل اٹھاسی آدمی باقی رہ گئے تھے جن میں سے ۲۳ ان کے رشتہ دار تھے۔ بھلا چالیس ہزار فوج کے سامنے ان مٹھی بھر آدمیوں کی بساط ہی کیا ہو سکتی تھی تاہم زید اور ان کے ساتھی بڑی بہادری سے تین دن تک لڑتے رہے۔ جب صرف دس آدمی رہ گئے تو اب موت سامنے تھی۔ زید اکیلے صبح سے دوپہر تک لڑتے رہے ان سے پہلے ان کے سات جوان بیٹے کام آ چکے تھے اس ٹوٹے دل کی حالت میں بھی اپنی خاندانی شجاعت اور بے مثل ہمت کا وہ بہترین مظاہرہ کیا کہ دشمن حیران ہو گئے۔ جناب زید نے اتنے شامی مارے کہ کشتوں کے انبار لگ گئے آخر ایک شامی نے ان کی پیشانی پر ایسا تیر مارا کہ وہ سنبھل نہ سکے اور چند ساعت کے بعد جنت کی راہ لی یہ واقعہ ۲ صفر ۱۲۰ھ کا ہے۔

بنی امیہ کی بے دینی اور بے حیائی کو دیکھو کہ جناب زید کی لاش قبر سے نکال لی۔ زخموں سے سارا بدن چھلنی ہو رہا تھا۔ بنی امیہ نے ان کا سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیج دیا اس نے حکم دیا کہ شہر کے صدر دروازہ پر لٹکا دو چنانچہ چار برس وہیں لٹکا رہا ان کی لاش کو ظالموں نے پہلے تو سولی پر چڑھایا پھر کوفہ کے دروازہ پر لٹکایا جب تک ہشامی سلطنت رہی اس مظلوم امام زادہ کی لاش وہیں لٹکی رہی پرندوں نے اس میں گھونسلے بنا لئے تھے۔

جب امام جعفر صادق علیہ السلام کو جناب زید کے شہید ہونے کی خبر ملی تو آپ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور زنان بنی ہاشم میں کہرام بپا ہو گیا امام علیہ السلام نے فرمایا اے چچا خدا آپ پر رحم کرے آپ کی موت نے ہم بنی ہاشم کو اور زیادہ کمزور بنا دیا۔

تبصرہ۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے حالات میں مورخین اسلام کی وہ روایت لکھی ہے جس میں جناب زید کی سازش لکھی ہے اور زہر آلود زین ہشام نے حضرت زید کی معرفت بھیجا بیان کیا ہے مذکورہ بالا بیان سے اس کی تردید ہوتی ہے اگر زید ہشام سے ملے ہوئے ہوتے تو یہ جنگ واقع نہ ہوتی اس قسم کی تمام روایات بنی امیہ کی ٹکسال کے کھوٹے سکے ہیں۔ مورخوں کا یہ بیان بھی سر تا سر غلط ہے کہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام اور زید کے درمیان اس امر میں سخت مخالفت تھی کہ وہ جنگ کے لئے کیوں نہیں کھڑے ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ سلاطین بنی امیہ نے سادات پر جو وحشیانہ مظالم کئے تھے

زید ان کو برداشت نہ کر سکے ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ زید امام منصوص من اللہ نہ ہونے کی وجہ سے معصوم نہ تھے لہذا ان میں وہ سوجھ بوجھ نہ تھی جو ایک امام معصوم میں ہوتی ہے لہذا وہ اپنے جوش میں عواقب پر نظر کئے بغیر ایک زبردست طاقت سے ٹکرا گئے مگر چونکہ انکی نیت بخیر تھی اسلئے ان کے اس عمل پر اعتراض نہیں ہو سکتا ۔

زید کی شہادت کا تمام بار امام ابوحنیفہ صاحب کی گردن پر ہے انھوں نے پہلے تو ان سے بیعت کر کے ان کی قوت کو بڑھایا اور خروج پر اکسایا پھر زر و سیم کی چمک جاہ و منصب کی دمک اور سلطنت کی دھمک میں آکر ان کے قتل کا فتویٰ دیدیا کیا ایک دیندار انسان کا یہی عمل ہوتا ہے ؟

مورخین اسلام بالخصوص مولانا شبلی صاحب کا یہ کہنا غلط ہے کہ سادات کی آئے دن کی بغاوت سے سلاطین بنی امیہ اور بنی عباس تنگ آگئے تھے اسی لئے سلاطین کو ان کے خلاف تعزیری کاروائی کرنا پڑی کاش یہ لکھنے والے ذرا اس پر بھی غور کر لیتے کہ آخر سادات غریب لے ایسا کیوں کیا لکھنے والوں نے ان تمام مظالم کو نظرانداز کر دیا جن کی وجہ سے سادات زندہ درگور تھے مثل مشہور ہے " جانے پرائی پیر وہ جس کی بوائی ہو پھٹی ۔ جب انکی ہر قسم کی آزادی پر ڈاکے پڑ رہے ہوں جب انکو اقتصادی مار دی جارہی ہو جب ان کو طرح طرح سے ذلیل کیا جارہا ہو ۔ جب باوجود سب سے زیادہ حقدار ہونے کے حکومت کے کسی عہدہ کا ان کو مستحق نہ سمجھا جاتا ہو جب ان کے معصوم آباؤ اجداد کو ناسزا الفاظ سے یاد کیا جاتا ہو ۔ جب ان کے معاملات پر حکومت کی کڑی نظر ہو جاسوس ان کے پیچھے لگے ہوں ان کے دوستوں کو بے جرم و خطا قتل کیا جاتا ہو تو پھر اس مقولہ پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے

اگر شریعت محمدی کی حفاظت اور دین الٰہی کی تبلیغ کے ہمارے ائمہ معصومین کو اپنے وجودوں کی حفاظت ضروری نہ ہوتی تو بے شک ایسے نازک اوقات میں جناب زید کی طرح امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام بھی دست بشمشیر ہو کر ضرور جنگ کرتے جس طرح حضرت علی نے انہی شرعی مصالح پر نظر رکھکر اپنے مخالفوں سے جنگ نہ کی اسی طرح ہمارے بقیہ ائمہ نے بھی نہ کی ۔

اگر کہا جائے کہ ایسا تھا تو امام حسین علیہ السلام نے کیوں جنگ کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یزید انکار بیعت پر ان کے قتل کا حکم نہ دیتا یا حضرت کو اپنی جان کے تحفظ کی کوئی صورت نظر آتی تو جس طرح آپ نے معاویہ کے عہد حکومت میں نو برس گزار سکے یزید کے دور حکومت میں بھی گزار دیتے مگر وہاں تو معاملہ ہی دوسرا تھا ۔

زید کے شہید ہو جانے سے امامت منصوصہ کا سلسلہ قطع نہ ہوا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی وجہ سے دین اسلام مذہب حقہ فرقہ شیعہ کی وہ زبردست تبلیغ ہوئی جو اور کسی امام کے زمانہ میں نہ ہو سکی اسی لئے شیعہ مذہب کو مذہب جعفری کہا جاتا ہے ؎ جعفری باش گر خدا خواہی ورنہ در ہر طریق گمراہی ۔

منصور عباسی کی سادات کشی

جب بنی امیہ کی سلطنت کا دور ختم ہوا تو بنی عباس کی حکومت کا دور چلا ۔ یہ لوگ بنی امیہ سے بھی زیادہ سادات کش ثابت ہوئے ان کے زمانوں میں غریب سادات پر وہ مصیبت آئی کہ اس کے بیان سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ۔ اس سلسلہ کا دوسرا بادشاہ منصور دوانیقی تھا خدا کی پناہ اس کے مظالم کا کیا ٹھکانہ ہے ہزار سیدوں کو اس نے قتل کرا دیا ان کے اوپر عرصۂ حیات تنگ کر دیا ۔ ان کے خون کے گاروں سے دیواریں چنوائیں ۔ زندوں کو دیواروں میں چنوایا ۔ قید خانوں میں سڑا سڑا کر مارا اس زمانہ میں سید کا شبہ ہونا قتل کے لئے کافی تھا ۔ سب سے زیادہ تباہی اس منحوس عہد میں حسنی سادات پر آئی ۔ غور کرو اس خوفناک دور میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے کس احتیاط سے اپنی زندگی بسر کی ہوگی ۔ ظلم کے برداشت کرنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے سالہا سال غریب سادات ایک عجیب بیکسی بےبسی اور یاس و حسرت کی زندگی بسر کرتے رہے آخر ان کے سینہ میں بھی دل تھا اور دل میں درد کا احساس شجاعانِ عرب کا خون بھی رگوں میں دوڑ رہا تھا انہیں غیرت و حمیت بھی جوش مار رہی تھی ۔ جس طرح اولاد امام حسین میں جناب زید شہید بڑے جوشیلے جوان تھے اسی طرح اولاد امام حسن علیہ السلام میں محمد نفس زکیہ تھے ۔

امام حسنؑ کے پوتے عبداللہ محض ایک جوشیلے سید تھے ۔ انکی کوشش یہ تھی کہ عباسیوں کے مظالم سے کسی طرح اپنے خاندان کو بچائیں ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام جنگی کارروائی سے ان کو روکنا چاہا مگر ان کے جوش نے امام علیہ السلام کی نصیحت پر کان نہ دھرا اور انھوں نے منصور کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا ان کے دو بیٹے تھے ایک کا نام محمد نفس زکیہ تھا اور دوسرے کا ابراہیم ان دونے اس کوشش میں پورا حصہ لیا ۔ منصور کو جب ان کے ارادہ کا حال معلوم ہوا تو اس نے سادات حسینی کی گرفتاری کے لئے ایک فوج بھیجی تقریباً ستر بہتر آدمی جن میں کم سن بچے نوجوان اور بوڑھے سب شامل تھے گرفتار کر لئے گئے ۔

جب ان ستم رسیدوں کا قافلہ زنجیروں میں جکڑا برہنہ پشت اونٹوں پر سوار مدینہ سے چلا تو انکی بیکسی و مجبوری بے گناہی اور بے قصورتی کا تصور کر کے ہر شخص اپنے مقام پر زار زار رو رہا تھا ۔ آہ وہ صاحبان فضل و کمال جو سیرت و صورت میں بے نظیر تھے جن کا ایک ایک ہمت اور دلیری میں شہرۂ آفاق تھا ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں طوق ڈالے شرم و حجاب سے گردنیں نیچی کئے لاغر اونٹوں کی برہنہ پشت پر بیٹھے ہوئے تھے

تاریخ کامل میں ہے کہ جب امام جعفر صادق کو کنبہ کی گرفتاری کا حال معلوم ہوا تو بے چین ہو گئے ۔ مسجد رسول کے دروازہ پر کھڑے تھے کہ مظلوم سادات کا قافلہ ادھر سے گزرا امام علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا کہ کسی کے پیر میں زنجیر ہے کسی کے گلے میں طوق اور کسی کی مشکیں کسی ہیں تو زار زار رونے لگے عمامہ سر سے اتار کر ہاتھوں پر رکھا اور بارگاہ باری میں عرض کی تو دیکھ رہا ہے

کہ خاندان رسول کی حرمت کس ضایع کی جارہی ہے نہ تیرے رسول نے قوم انصار سے جو عہد اپنے خاندان کی حفاظت کا لیا تھا وہ بھول گئے آج ان میں سے کوئی ہماری حمایت کو کھڑا نہیں ہوتا۔ خداوندا تو انصار سے سخت مواخذہ کرنا۔ حضرت کی پریشانی کا اس وقت یہ عالم تھا کہ ردا دوش مبارک سے گر گئی تھی۔ اس واقعہ کا آپ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ آپ اسی روز سے بیمار پڑ گئے اور بیس روز تپ کی وہ شدید تکلیف اٹھائی کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ حضرت نے بہت کوشش کی کہ اپنے چچا حضرت عبداللہ محض تک پہنچیں اور تسلی دلاسہ دیں مگر منصور کے فوجیوں نے وہاں تک جانے ہی نہ دیا۔

محمد نفس زکیہ اور ابراہیم پسران حضرت عبداللہ محض اس زمانہ میں روپوش ہو گئے تھے اور صحرائی عربوں کا لباس پہن کر خانہ بدوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے چنانچہ اسی بھیس میں وہ ایک منزل پر وقت شب عبداللہ محض سے ملے انھوں نے دونو بیٹوں سے کہا اس ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ منصور اس زمانہ میں کوفہ میں تھا۔ جب یہ قیدی اس کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے حکم دیا ان سب کو زندان میں بند کرو۔ جس قید خانہ میں ان غریبوں کو رکھا گیا وہ نہایت تیرہ و تار اور تنگ تھا چند ہی روز بعد یہ لوگ مرنے لگے اور قباحت یہ آئی کہ مُردوں کو قید خانہ سے باہر نہ نکالا گیا وہیں مرتا اور سڑتے رہے جس سے وہاں کی ہوا ایسی مسموم ہوئی کہ ہر روز دو چار مرنے لگے۔

حقیقت ہے کہ بنی امیہ سے کہیں زیادہ عباسی بادشاہوں نے اپنی بے رحمی اور سنگدلی دکھائی۔ بنی امیہ جو کچھ کیا تو غیر ہو کر موروثی دشمن ہو کر لیکن یہ تو اپنے کہلاتے تھے ایک دادا (عبدالمطلب) کی اولاد تھے مال دنیا کی طمع اور حکومت کی حرص نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ نیک و بد کی تمیز نہ رہی اور دنیا کے پیچھے آخرت کو بھول گئے۔ بہر حال غریب سادات نے اس قید خانہ میں بڑی عبرت ناک زندگی بسر کی۔ لیکن اس حالت میں بھی یاد خدا سے غافل نہ تھے۔ شب و روز تلاوت کلام پاک کا ورد رہتا زندان کی تاریکی میں چونکہ رات دن کا پتہ نہ چلتا تھا اس لئے اپنی تلاوت کو پانچ حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور اسی سے اوقات نماز کا پتہ لگاتے تھے اس قید خانہ میں ان کو کئی کئی وقت فاقہ میں گزر جاتے تھے اور کوئی پرساں حال نہ ہوتا تھا بلکہ کھانے کا کیا ذکر پانی بھی بقدر ضرورت نہ ملتا تھا۔

اب نفس زکیہ کا حال سنو انھوں نے بہت جلد ایک فوج فراہم کر کے منصور پر چڑھائی کی اور مدینہ پر قبضہ کر لیا مگر چند روز بعد ہی منصور کی فوجوں نے پھر آگھیرا نفس زکیہ نے بہادری سے مقابلہ کیا لیکن دشمن کی فوج چونکہ زیادہ تھی اس لئے کامیابی نہ ہوئی اور شہید ہو گئے۔ ظالم منصور نے ان کا سر ایک خوان میں رکھوا کر اور اس پر خوان پوش ڈال کر قید خانہ میں عبداللہ محض کے پاس بھیجدیا وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے کہ وہ خوان کے پاس رکھا گیا جب نماز سے فارغ ہو کر خوان پوش ہٹا کر دیکھا تو جوان بیٹے کا سر نظر پڑا بے ساختہ ایک آہ سینہ سے نکلی سر کو چھاتی سے لگا لیا اور کہنے لگے بیٹا شاباش تم بے شک اپنی وعدہ وفا کرتے والوں میں ہو جن کی تعریف خدا نے قرآن میں کی ہے۔ بیٹا تم ایسے جوان تھے کہ تمہاری تلوار نے تمہیں ذلت کی زندگی سے بچا لیا اور تمہاری پرہیزگاری نے تمہیں گناہوں سے محفوظ رکھا۔ پھر سر لانے والے سے کہا

منصور سے کہہ دینا ہم تو مقتول ہو ہی چکے اب تمہاری باری ہے۔ اب ہمارا تمہارا انصاف خدا کے یہاں ہوگا یہ کہہ کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور راہی جنت ہوئے۔

اب دوسرے بھائی ابراہیم کا حال سنئے یہ مدتوں ادھر اُدھر گھومتے پھرے آخر انہوں نے بھی ایک فوج جمع کرکے مصر کی حکومت حاصل کی جس زمانہ میں نفس زکیہ منصور سے لڑ رہے تھے انھوں نے مصر سے بھائی کی مدد کو آنا چاہا مگر منصور نے راستے بند کر رکھے تھے اس لئے نہ پہنچ سکے۔ محمد پر فتح پانے کے بعد منصور نے ابراہیم کا بھی خاتمہ کر دیا۔ صورت یہ ہوئی کہ ابراہیم لشکر کو ساتھ لئے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے مقام الحمرا میں خیمہ زن تھے کہ منصور کا لشکر وہاں پہنچ گیا دونوں لشکروں کا تنہا مقابلہ ہوا سینکڑوں آدمی مارے گئے ابراہیم کی فتح کے آثار نمایاں ہو چلے تھے کہ یکایک معاملہ دگرگوں ہو گیا۔ ہوا یہ کہ فوج ابراہیم نے بھاگتے ہوئے دشمن کا پیچھا کیا مگر نیک دل ابراہیم کو ان کی حالت پر رحم آگیا اپنے سپاہیوں کو تعاقب سے روکا۔ منصور کے سپہ سالار عیسیٰ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنی پراگندہ قوت کو جمع کرکے پھر ایک بار حملہ آور ہوا ابراہیم کی فوج کو اس بلائے ناگہانی کی کیا خبر تھی وہ اپنی فتح کے بعد کمریں کھول چکے تھے کہ شکست خوردہ دشمن پھر آپڑا اب ابراہیم کو مقابلہ کرنا دشوار ہو گیا۔ فوج تتر بتر ہو گئی مجبوراً تلوار لے کر خود مقابلہ کو نکلے دیر تک ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے آخر تا کجے۔ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر کر ہلاک کر دیا۔ ابراہیم پانچ سال روپوش رہے تھے مگر منصور باوجود پوری قدرت و قوت کے ان کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا یہ واقعات ۱۴۵ھ کے ہیں

ابراہیم اور نفس زکیہ کے قتل کے بعد بھی منصور کی آتش عداوت نہ بجھی اور سادات حسنی کے درپے آزار رہا۔ اس کے زمانہ میں جو سادات کی تباہی ہوئی وہ بیان میں نہیں آسکتی۔ جب کوئی امن و امان کی صورت ان کے لئے نہ رہی تو مجبوراً بہت سے افراد نے جلاوطنی اختیار کی۔

منصور اور امام جعفر صادق علیہ السلام

باوجودیکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو سلطنت کے معاملات سے کوئی تعلق نہ تھا اور ایک گوشہ نشین کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کر رہے تھے اور درس قرآن و حدیث دینے کے سوا آپ کا کوئی اور مشغلہ نہ تھا مگر اس پر بھی منصور کو آپ کی طرف سے کھٹکا لگا ہوا تھا اسے یہ بات ناگوار تھی کہ لوگ آپ کے پاس کیوں آتے جاتے ہیں۔ بعض دشمنوں نے یہ بھی چڑھا دی تھی کہ امام علیہ السلام حکومت کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے ہیں ان کے سامنے تبری ہر ابھا کرتے ہیں۔ منصور کو اس بات پر غصہ آیا اور حضرت کو بلا بھیجا۔ جب آپ تشریف لائے تو غصہ سے کہا آپ لوگوں کو میرے خلاف بھڑکاتے ہیں فرمایا یہ خبر کسی نے غلط دی ہے اگر وہ سچا ہے تو اس کو میرے سامنے بلا۔ منصور نے اسے بلا لیا آپ نے فرمایا

شخص تو قسم کھا کر کہو کہ میں نے لوگوں کے سامنے منصور کے عیب بیان کئے ہیں پہلے تو وہ ہچکچایا آخر آمادہ ہوا آپ نے فرمایا اچھا تو ان الفاظ کے ساتھ قسم کھا اس نے قسم کھائی قسم کھاتے ہی زمین پر گر پڑا اور فوراً مر گیا۔ منصور یہ دیکھ کر تھرا گیا اور بڑی تعظیم سے حضرت کو اپنے پاس بٹھایا اور کچھ دیر نرمی سے بات کرنے کے بعد آپ کو رخصت کر دیا۔ ارباب تاریخ لکھتے ہیں کہ سات بار منصور نے امام علیہ السلام کو قتل کے ارادہ سے بلایا مگر ایک بار بھی کامیاب نہ ہو سکا جب حضرت اس کے سامنے آتے تھے تو اسے ایسا نظر آتا تھا کہ ایک شخص تلوار لئے آپ کے ساتھ ساتھ ہے اور کہتا ہے اگر تو نے گستاخی کی تو تیرا سر اتار دوں گا۔ منصور ڈر کر رہ جاتا تھا

ایک بار جب حضرت اس کے دربار میں آئے تو وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا ایک مکھی اس کی ناک پر بار بار بیٹھتی تھی وہ اس کو بار بار اڑا دیتا تھا چند بار ایسا ہی ہوا آخر حضرت سے کہنے لگا بتلائیے تو خدا نے ان مکھیوں کو کس لئے پیدا کیا ہے آپ نے فرمایا جبار بادشاہوں کو ذلیل کرنے کے لئے۔ منصور یہ سن کر چپ ہو گیا

ایک بار منصور نے محمد بن اشعث کو جو اس کا خاص راز دار تھا بلا کر کہا کسی ایسے ہوشیار کو لاؤ جو میرا ایک خاص کام انجام دے اس نے کہا میرا ماموں بڑا چلتا پرزا ہے جو خدمت بھی آپ سپرد کریں گے بڑی خوبی سے انجام دے گا۔ منصور نے اسے بلا کر کہا تو اتنا مال لے کر مدینہ چلا جا وہاں عبداللہ بن حسن، جعفر بن محمد اور ان کے خاندان والوں کے پاس اس کو لے جانا اور کہنا کہ میں خراسان کا رہنے والا ہوں وہاں آپ کے شیعہ بہت ہیں انہوں نے یہ مال بھیجا ہے کہ آپ اس سے جہاد کا سامان فراہم کریں۔ جب وہ لے لیں تو کہنا رسید بھی مجھے ملنی چاہئے تاکہ جن لوگوں نے بھیجا ہے انہیں دکھاؤں۔

الغرض یہ شخص روپیہ لے کر مدینہ آیا اور سب نے تو لے لیا مگر جب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا اے شخص خدا سے ڈر اور ہم اہلبیت رسول کو فریب نہ دے جس نے تجھ کو بھیجا ہے اس سے کہہ دے کہ اہلبیت پیغمبر کو کیوں فریب دیتا ہے۔ جب وہ ناکام واپس گیا اور منصور سے حال بیان کیا تو وہ حیرت میں آ گیا۔

امام علیہ السلام کے گھر میں آگ لگا دی

جب منصور دوانقی ہر طرح امام علیہ السلام کے قتل کی تدبیروں میں ناکام ہو گیا اور اس خطرہ کو اپنے دل سے نہ نکال سکا کہ مدینہ میں آپ کا رہنا خطرناک ہے تو آپ کی ہلاکت کے لئے قتل کے سوا دوسری تدابیر سے کام لینے لگا کچھ دنیا پرستوں کو مال اور منصب کا لالچ دے کر اس پر آمادہ کیا کہ جب حضرت گھر میں موجود ہوں تو آگ لگا دیں اور کسی کو آگ بجھانے کے لئے مکان کے پاس نہ جانے دیں چنانچہ ان عاقبت بربادوں نے ایسا ہی کیا یکایک آگ کے شعلوں نے سارا گھر اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ حضرت کے غلام اور اصحاب آگ بجھا رہے تھے مگر ہوا کی تیزی کی وجہ سے شعلہ خیزی میں کوئی کمی نہ آتی تھی

آخر حضرت خود اٹھے اور اپنی عبا کے دامن کو شعلوں کی طرف حرکت دے کہ ایک دعا پڑھی فوراً آگ بجھ گئی اور آپ اور کے متعلقین جلنے سے بچ گئے۔

امام علیہ السلام کی علمی خدمات

امام جعفر صادق نے مذہب حقہ کی سب سے زیادہ خدمت کی ہے چار ہزار راویوں نے آپ سے احادیث کو لیا ہے اور چار سو کتب احادیث آپ کے زمانہ میں لکھی گئیں۔ جن اصول اربعمأۃ کا نام دیا گیا ان کی تدوین کی صورت یہ تھی آدمی آپ کے درس میں شریک ہو کر جو حدیث آپ بیان فرماتے تھے اس کو لکھتے جاتے اس تدوین میں ترتیب کا کوئی لحاظ نہ تھا جس مضمون کے متعلق آپ نے بیان فرمایا لکھنے والوں نے انہیں لکھ لیا۔ انہی چار سو کتب سے ہماری چار مشہور کتب احادیث کافی۔ من لایحضرہ الفقیہ۔ استبصار اور تہذیب الاحکام ہیں۔ ان میں سے صرف کافی کی چار جلدوں میں سترہ ہزار احادیث ہیں جن کو ملا یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے بیس سال کی محنت شاقہ کے بعد جمع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ سعادت مجھ گنہگار کے لئے مخصوص کی کہ پانچ سال متواتر محنت کر کے میں نے کافی کی بتیس جلدوں کا اردو ترجمہ چار ضخیم جلدوں میں کر کے تقریباً پندرہ ہزار روپیہ میں ان کو طبع کرایا بحمد اللہ لوگوں نے میری اس خدمت کو سراہا۔ کافی کو بہ نسبت دوسری کتب احادیث کے یہ فضیلت ہے کہ اس میں اصول دین اور فروع دین دونو کے متعلق احادیث ہیں۔ ان کے علاوہ ایک کتاب روضۂ کافی بھی ہے بحار الانوار بھی ہے۔ ہماری کتب احادیث میں زیادہ تر احادیث حضرت صادق آل محمد ہی سے منقول ہیں۔ حضرت کو اشاعت علوم دین کا زیادہ موقع اس لئے ملا کہ وہ سلطنت بنی امیہ کے زوال اور سلطنت عباسیہ کے آغاز کا دور تھا۔ دونو فریق ملکی جھگڑوں میں پھنسے ہوئے تھے لہذا حضرت کی طرف زیادہ توجہ کا موقع نہ ملا۔

سید حمیری شاعر کا واقعہ

سید حمیری ایک اچھے شاعر تھے اور اہلبیت رسول کی تعریف خاص طور سے کیا کرتے تھے۔ پہلے محمد حنفیہ کی امامت کے قائل تھے اور کہتے تھے وہی امام ہیں جو ہماری نظر سے غائب ہیں ایک دن امام جعفر صادق کے سامنے ان کا ذکر آیا فرمایا وہ کافر ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سید کو بھی پہنچی وہ حاضر خدمت ہو کر کہنے لگے تعجب ہے کہ آپ مجھے کافر کہتے ہیں حالانکہ میں آپ کا دوست اور آپ کے دشمنوں کا دشمن ہوں فرمایا جب تک امام وقت کا اقرار نہ کرو گے یہ باتیں مفید نہ ہوں گی اس کے بعد ایک قبر کے پاس لے گئے اور اس پر لات مارا قبر فوراً پھٹ گئی اور ایک بزرگ اس میں نظر آئے پوچھا آپ

آپ کون ہیں انھوں نے کہا میں محمد حنفیہ بن علی ہوں فرمایا میں کون ہوں جواب دیا آپ حجت خدا اور امام زمانہ ہیں جب سید نے یہ ماجرا دیکھا تو اپنے پہلے عقیدہ سے توبہ کی اور حضرت کی امامت کے قائل ہو گئے اور اس بارہ میں ایک قصیدہ لکھا اور امام علیہ السلام کی بابت تعریف کی۔

یہ واقعہ ہم نے سوانح عمری امام جعفر صادق علیہ السلام مصنفہ مولانا اولاد حیدر فوق مرحوم سے نقل کیا ہے اگرچہ انھوں نے کسی کتاب کا حوالہ دیا مگر اس کی صحت میں شبہ کی کوئی گنجائش بھی نہیں اگر امام زین العابدین کی امامت کی گواہی حجر اسود دے سکتا ہے تو ایک مردہ زندہ ہو کر کیوں نہیں دے سکتا۔

حضرت کے شاگرد و غلام

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے علم و فضل کی کیا انتہا ہے اس زمانہ کے تمام نامور اور شہرہ آفاق علما آپ کے شاگرد تھے ۔ بایزید بسطامی جو اہل اللہ میں شمار ہوتے ہیں تیرہ برس تک آپ کے چشمۂ علم و فضل سے سیر و سیراب ہوتے رہے وہ کہا کرتے تھے میں نے جعفر بن محمد سے زیادہ عالم کسی کو نہ پایا وہ علوم دین کے بحر ذخار ہیں میں سخت سے سخت مسائل ان کے سامنے رکھے جن کے جوابات بے تامل مجھے دے۔

ابراہیم بن ادہم کا شمار نامور صوفیائے کرام میں سے تھا وہ دور دور سے سفر کر کے مدینہ آتے تھے اور حضرت کے حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے

مالک بن دینار بھی ارباب سلوک میں سے تھے اور علم باطن کے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے وہ کہتے تھے میں نے صفائے قلب اور تزکیہ نفس کے سلسلہ میں امام علیہ السلام سے بہت کچھ حاصل کیا

امام حنیفہ جو حضرات اہلسنت کے مقبول ترین امام ہیں اور اہلسنت کی فقہ انہی کی نسبت سے فقہ حنفی کہلاتی ہے آپ کے شاگردوں کی فہرست میں داخل ہیں۔ مولانا شبلی نے ابوحنیفہ کی سوانح عمری میں لکھا ہے ابن تیمیہ کی یہ گستاخی اور شوخ چشمی ہے کہ وہ ابوحنیفہ کو امام جعفر صادق سے افضل جانتے ہیں ۔ ابوحنیفہ کتنے ہی بڑے عالم ہی مگر ان کو امام جعفر صادق سے کیا نسبت بشریت ان کے گھر سے نکلی و اہل البیت ادری بما فی البیت ۔

سفیان ثوری جو اہل باطن میں خاص مقام رکھتے تھے اکثر آپ سے مسائل علمی پوچھا کرتے تھے ایک دن کسی بات کو سنکر کہنے لگے یہ کلمات تو جواہرات ہیں فرمایا وہ تو پتھر ہوتے ہیں یہ ان سے کہیں بہتر ہیں۔

حضرت کے غلام بھی اثر صحبت سے خاصے عالم بن گئے تھے اور مخالفین مذہب سے خوب خوب مناظرے کرتے تھے

امام ابوحنیفہ سے حضرت کی گفتگو

امام ابوحنیفہ مسائل دین میں قیاس سے بہت کام لیتے تھے ایک روز جو حضرت کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا

امام - اے نعمان (ابوحنیفہ کا نام) دینی باتوں میں قیاس نہ کیا کرو۔ سب سے پہلا قیاس کرنے والا شیطان تھا جو آدم کے لئے سجدہ کا حکم سنکر کہنے لگا کہ اے خدا میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے لہذا میں آدم سے بہتر ہوں

ابوحنیفہ - بغیر قیاس کے کام بھی تو نہیں چلتا

امام - اگر ایسا ہے تو بتاؤ سر تمہارے بدن کا کونسا حصہ ہے

ابوحنیفہ - مجھے معلوم نہیں

امام - اچھا آنکھوں میں شوریت، نتھنوں میں رطوبت اور لبوں میں شیرینی کیوں ہے

ابوحنیفہ - مجھے علم نہیں آپ ہی بتائیں

امام - سنو آنکھیں چربی کا ڈھیلا ہیں اگر ان میں شوریت نہ ہو تو پگھل جائیں۔ کانوں میں تلخی نہ ہو تو کیڑے مکوڑے گھس جائیں ناک میں رطوبت اس لئے ہے کہ خوشبو اور بدبو محسوس ہو لبوں پر اس لئے شیرینی ہے کہ کھانے پینے میں لذت آئے

ابوحنیفہ - خدا آپ کو جزائے خیر دے مجھے اور فائدہ پہنچایئے

امام - بتاؤ وہ کلمہ ہے جس کا اول شرک ہے آخر ایمان

ابوحنیفہ - حضور ہی فرمائیے

امام - وہ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے

ابوحنیفہ - بالکل درست فرمایا

امام - اچھا یہ بتاؤ قتل کا گناہ زیادہ ہے یا زنا کا

ابوحنیفہ - قتل کا

امام - پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں دو گواہ لئے جاتے ہیں اور زنا میں چار

ابوحنیفہ - میں نہیں بتا سکتا

امام - سنو زنا میں زانی اور زانیہ دو پر گواہی لی جاتی ہے اس لئے چار گواہ ہوتے ہیں اور قتل میں صرف قاتل پر گواہی ہوتی ہے اس لئے صرف دو ہوتے ہیں

ابوحنیفہ - بالکل درست ہے

امام - بتاؤ عورت کمزور ہے یا مرد

ابوحنیفہ - عورت

امام کیا وجہ ہے کہ عورت کا حصہ میراث میں کم ہے

ابوحنیفہ - معلوم نہیں -

امام - اس لئے کہ عورت کا خرچ مرد کے ذمہ ہوتا ہے مرد کا خرچ عورت کے ذمہ نہیں ہوتا

ابو حنیفہ ۔ بالکل صحیح فرمایا

امام ۔ حالت حمل میں خون حیض عورت کو کیوں نہیں آتا

ابو حنیفہ ۔ آپ ہی بہتر جانتے ہیں

امام ۔ اس کا دودھ بنتا ہے جو بچہ کی غذا ہوتا ہے

ایک روز حضرت نے ابو حنیفہ سے فرمایا کہ اگر کسی نے حالت احرام میں ہرن کے اگلے دانتوں کا چوکا توڑ دیا ہو تو اس کا کیا کفارہ ہوگا انھوں نے کہا مجھے معلوم نہیں فرمایا اسی پر اپنی اعلمیت کے مدعی ہو تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ہرن کے اگلے دانتوں کا چوکا ہوتا ہی نہیں ۔ ایک روز جو ابو حنیفہ ملنے آئے تو آپ نے ان سے پوچھا عقلمند کس کو کہتے ہیں انھوں نے کہا جو اچھے برے کی تمیز کرے فرمایا کیا یہ بات چوپاؤں میں نہیں ہوتی وہ بھی پیار کرتے ہیں اور مارتے ہیں دوست دشمن میں تمیز کرتے ہیں ۔ انھوں نے کہا پھر آپ کے نزدیک کون ہے ۔ فرمایا عقلمند وہ ہے جو دو نیکیوں اور برائیوں میں تمیز کرے یعنی دو نیکیوں سے بہتر نیکی اور دو برائیوں میں سے کمتر برائی اختیار کرے ۔

ایک منکر خدا اور امام

ایک دہریئے نے ایک شیشہ میں مٹی بھر کر اس پانی ڈالدیا جب وہ مواد سڑا تو اس میں کیڑے پیدا ہو گئے اور وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ ان کیڑوں کا خالق میں ہوں جب حضرت نے یہ سنا تو اس سے فرمایا

امام ۔ اگر تو ان کا خالق ہے تو یہ بتا ان میں کتنے نر ہیں اور کتنے مادہ

زندیق ۔ میں یہ نہیں بتا سکتا

امام ۔ اچھا یہی بتا دے ان میں سے ہر ایک کا وزن کیا ہے

زندیق ۔ میں یہ بھی نہیں بتا سکتا

امام ۔ اچھا ان میں جو داہنی طرف جا رہے ہیں اپنے حکم سے ان کا رخ بائیں طرف پھیر دے اور جو بائیں طرف جا رہے ہیں ان کا داہنی طرف

زندیق ۔ میں یہ نہیں کر سکتا ۔

امام ۔ جب تو کچھ بھی نہیں جانتا تو ان کے خالق ہونے کا دعویٰ کیوں کرتا ہے کیا خالق کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق سے کچھ بھی واقف نہ ہو ۔

ایک طبیب ہندی اور امام

ایک روز امام علیہ السلام منصور کے دربار میں تشریف فرما تھے وہاں ایک طبیب ہندی طب کے قواعد بیان کر رہا تھا حضرت خاموش سن رہے تھے جب وہ کہہ چکا تو حضرت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا اگر آپ کچھ پوچھنا چاہیں تو مجھ سے پوچھیں

امام ۔ کیا پوچھوں مجھے تجھ سے زیادہ معلوم ہے

طبیب ۔ ذرا میں بھی کچھ سنوں

امام ۔ جب کسی مرض کا غلبہ ہو تو اس کا علاج ضد سے کرنا چاہیے یعنی حار (گرم) کا علاج بارد (سرد) سے اور بارد کا حار سے ۔ تر کا خشک سے اور خشک کا تر سے اور ہر حالت میں اپنے خدا پر بھروسہ رکھے یاد رکھ معدہ تمام بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز اسی کی دوا ہے ۔ جس چیز کا انسان عادی ہو جاتا ہے اس کا مزاج کے موافق ہو جانا اس کی صحت کا سبب قرار پاتا ہے ۔

طبیب ۔ بے شک جو آپ نے بیان فرمایا اصل طب یہی ہے

امام ۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ میں نے جو بیان کیا ہے یہ طب کی کتابیں پڑھ کر حاصل کیا ہے بلکہ یہ علم مجھ کو خدا کی طرف سے ملا ہے اب بتا تو زیادہ علم رکھتا ہے یا میں ۔

طبیب ۔ میں

امام ۔ اچھا اب میں چند سوال کرتا ہوں ان کا جواب دے

آنسوؤں اور رطوبتوں کی جگہ سر کیوں ہے

(۲) سر پر بال کیوں ہیں

(۳) پیشانی بالوں سے خالی کیوں ہے

(۴) پیشانی پر خط اور شکنیں کیوں ہیں

(۵) دونوں طرف پلکیں آنکھوں کے اوپر کیوں ہیں

(۶) ناک دونوں آنکھوں کے درمیان کیوں ہے

(۷) آنکھیں بادامی شکل کی کیوں ہیں

(۸) ناک کا سوراخ نیچے کی طرف کیوں ہے

(۹) منہ پر دو ہونٹ کیوں بنائے گئے ہیں

(۱۰) سامنے کے دانت تیز اور داڑھیں چوڑی کیوں ہیں

(۱۱) ان دونوں کے درمیان دو لمبے دانت کیوں ہوتے

(۱۲) دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی کیوں ہیں

(۱۳) مردوں کے داڑھی کیوں ہوتی ہے

(۱۴) ناخن اور بال میں جان کیوں نہیں

(۱۵) دل صنوبری شکل کا کیوں ہے

(۱۶) پھیپھڑے کے دو حصے کیوں ہیں وہ حرکت کیوں کرتا ہے

(۱۷) جگر کی شکل محدب کیوں ہے

(۱۸) گردے کی شکل لوبیے کے دانہ کی کیوں ہے

(۱۹) گھٹنے آگے کو جھکتے ہیں پیچھے کی طرف کیوں نہیں جھکتے

(۲۰) دونوں پاؤں کے تلوے بیچ سے خالی کیوں ہیں

یہ سن کر طبیب بغلیں جھانکنے لگا اور کہنے لگا میں ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتا ۔ درباریوں اور منصور نے حضرت سے درخواست کی کہ آپ ان اسرار کو بیان کریں ۔ حضرت نے فرمایا سنو

امام ۔ سر اگر آنسوؤں اور رطوبت کی جگہ نہ ہوتا تو خشکی کی وجہ سے پھٹ جاتا ۔

بال سر پر اس لیے ہیں کہ ان کی جڑوں سے تیل وغیرہ دماغ تک پہنچتا رہے اور دماغی ابخرات نکلتے رہیں دماغ زیادہ گرمی اور سردی سے محفوظ رہے ۔

پیشانی بالوں سے اس لئے خالی ہے کہ اس جگہ سے آنکھوں میں نور پہنچتا ہے ۔

۳ پیشانی میں خطوط اور شکن اس لئے ہے کہ سر سے جو پسینہ گرے وہ آنکھوں میں نہ جائے اور جب جمع ہو تو انسان اسے پونچھ کر پھینک دے۔ انہیں یوں سمجھو جیسے زمین پر برسنے والا پانی گڑھوں میں جمع ہو جاتا ہے
۴ پلکیں اس لئے آنکھوں پر ہیں کہ آفتاب کی روشنی اسی قدر ان پر پڑے جتنی ضرورت ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا جب انسان زیادہ روشنی میں بلندی کی طرف کسی چیز کو دیکھتا ہے تو ہاتھ کو آنکھوں پر رکھ کر سایہ کرتا ہے۔
۶ ناک کو دونوں آنکھوں کے بیچ میں اس لئے قرار دیا ہے کہ مجمع نور سے روشنی تقسیم ہو کر برابر دونوں آنکھوں کو پہنچے
۷ آنکھوں کو بادامی شکل کا اس لئے بنایا کہ سرمہ وغیرہ کی سلائی آسانی سے گھوم سکے اگر گول یا مربع ہوتی تو یہ بات حاصل نہ ہوتی
۸ ناک کا سوراخ نیچے اس لئے بنایا کہ دماغی رطوبتیں آسانی سے نکل سکیں اور دماغ تک خوشبو یا بدبو آسانی سے پہنچ سکے
۹ ہونٹ اس لئے بنائے کہ جو رطوبت دماغ سے منہ میں آئے وہ رکی رہے اور کھانا بھی انسان کے اختیار میں رہے جب چاہے نگل لے جب چاہے پھینک دے
۱۰ داڑھی مردوں کو اس لئے دی کہ مرد و عورت میں تمیز رہے۔
۱۱ اگلے دانت اس لئے تیز ہیں کہ کسی چیز کا کاٹنا یا کھٹکنا آسان ہو اور داڑھ کو چوڑا اس لئے بنایا کہ غذا کا چبانا آسان ہو ان کے درمیان لمبے دانت اس لئے بنائے کہ استحکام کا باعث ہوں جس طرح ستون مکان کی مضبوطی کا باعث ہوتے ہیں۔
۱۲ ہتھیلیوں پر بال اس لئے نہیں کہ کسی چیز کو چھونے کے لئے اس کی نرمی سختی گرم اور سرد کا حال معلوم ہو جائے بالوں ہونے کی صورت میں یہ سہولت نہ ہوتی۔
۱۳ بال اور ناخن میں اس لئے جان نہیں کہ ان دونوں کا بڑھنا برا معلوم ہوتا ہے اور نقصان رساں بھی اگر ان میں جان ہوتی تو کاٹنے میں تکلیف ہوتی۔
۱۴ دل کو صنوبری شکل یعنی آگے سے پتلا اور پیچھے سے چوڑا اس لئے بنایا کہ باسانی پھیپھڑے میں داخل رہے اور اس کی ہوا سے ٹھنڈک پاتا رہے تاکہ اس کے ابخرات دماغ کی طرف چڑھ کر بیماری پیدا نہ کرے
۱۵ پھیپھڑے کے دو ٹکڑے اس لئے ہوئے کہ دل ان کے درمیان رہے اور وہ اس کو ہوا دیں۔
۱۶ جگر محدب اس لئے ہوا کہ اچھی طرح معدہ کے اوپر جگہ پکڑ لے اور اپنی گرانی اور گرمی سے غذا کو ہضم کرے
۱۷ گردہ لوبیے کے دانہ کی شکل کا اس لئے ہے کہ نطفہ انسانی پشت کی جانب سے اس میں آتا ہے اور اس کے پھیلنے اور سکڑنے کی وجہ سے ہلکے ہلکے نکلتا ہے جو سبب لذت ہے
۱۸ گھٹنے پیچھے کی طرف اس لئے نہیں جھکتے کہ چلنے میں آسانی ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آدمی چلتے وقت گر گر پڑتا۔
۱۹ دونوں پیروں کے تلوے بیچ میں اس لئے خالی ہیں کہ دونوں کناروں پر بوجھ پڑنے سے بہ آسانی پیر اٹھ سکے ورنہ پورے بدن کا بوجھ پیروں پر پڑتا تو اٹھانا دشوار ہو جاتا

یہ جوابات سنکر طبیب ہندی حیران رہ گیا اور کہنے لگا آپ نے یہ علم کس سے سیکھا فرمایا اپنے دادا سے اور انھوں نے رسول خدا سے حاصل کیا تھا اور انھوں نے خدا سے۔ اس نے کہا سچ ہے آپ کا علم سب سے بہتر ہے اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔

ایک بار ایک دہریہ امام علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور وجود باری تعالے کے بارہ میں بحث کرنے لگا ہر چند آپ نے سمجھایا مگر اسکی سمجھ میں کچھ نہ آیا اس کے پاس ایک انڈا تھا فرمایا یہ انڈا ہی وجود باری تعالے کو سمجھانے کے لئے کافی ہے اس نے کہا یہ کیسے۔ فرمایا سن یہ ایک قلعہ ہے قدرت کا بنایا ہوا ہر طرف سے بند ہے اس میں کوئی دروازہ نہیں اس کے اندر دو دریا سنہرے اور روپہلے بہ رہے ہیں یہ آپس میں ملتے نہیں اس کے اندر اس جانور کا ایک بچہ پیدا ہوتا ہے جس کا وہ انڈا ہے اسے بتانے کے لئے کوئی باہر سے اندر نہیں گیا اس کے دل میں خود ہی یہ بات آگئی کہ اس تاریک کوٹھری سے مجھے نکلنا چاہیے چنانچہ بغیر کسی کے بتائے اسنے اپنی چونچ کی نوک سے دروازہ پھوڑا اور باہر نکل آیا اور جو غذا اسکی ہے کھانے لگا

اے شخص اگر اس دنیا کا کوئی مدبر علیم و حکیم نہیں تو یہ سب کام اپنے اپنے وقت پر ہو کیسے گئے کیا بے عقل مادہ میں یہ طاقت ہے کہ وہ ایسے حکیمانہ کام کر سکتا ہے۔ اس دلیل سے قائل ہو کر وہ خدا پر ایمان لے آیا

اسی طرح ایک دہریہ طبیب آپ سے مناظرہ کرنے آیا اس کے ہاتھ میں ایک ہلیلہ (ہڑ) تھا آپ نے اسی سے وجود باری و توحید باری کو ثابت کیا یہ حدیث بہت طولانی ہے علامہ مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار میں مکمل حدیث نقل کی ہے یہ حدیث ہلیلہ کے نام سے مشہور ہے مولانا محمد ہارون صاحب مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کر کے چھپوایا۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہوا جو ممالک یورپ و امریکہ میں پھیلایا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ائمہ کا علم وہبی تھا اکتسابی نہ تھا

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول حدیث مفضل ہے حضرت کے یہ استدلالات غور سے پڑھنے کی قابل ہیں

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمارے ائمہ نہ ہوتے تو اسلام کی حقیقت کا پتہ چلنا دشوار ہو جاتا ایسے بے نظیر استدلال ان حضرات کے سوا اور کسے نصیب ہو سکتے ہیں۔

ہارونِ مکّی کا واقعہ

مامون رقّی کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ سہل بن حسن خراسانی داخل ہوئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے کہنے لگے حضور آپ امام بن امام ہیں آل رسول ہیں اہلبیت رسول ہیں خلافت آپ کا حق ہے پھر آپ اس کے لینے کے لئے کیوں نہیں کھڑے ہوتے حالانکہ ایک لاکھ شیعہ اس وقت آپ کی مدد کو تیار ہیں فرمایا اے مرد خراسانی اس ذکر کو چھوڑو مگر جب وہ بار بار یہی کہے گئے تو آپ نے فرمایا اچھا ٹھہرو۔ پھر لونڈی سے فرمایا تنور میں آگ روشن کر دے۔ جب شعلے بھڑکنے لگے تو فرمایا تم کو میں حکم دیتا ہوں کہ اس تنور میں کود پڑو انھوں نے کہا یا ابن رسول اللہ آپ کس جرم میں مجھے جلا رہے ہیں اور اس امتحان سے معاف فرمائیے فرمایا نہ جاؤ کوئی جبر نہیں ہے۔ اتنے میں ہارون مکی آگئے فرمایا ہارون ذرا اس تنور میں تو کود پڑو یہ سنتے ہی وہ فوراً تنور میں کود پڑے۔ حضرت یہاں مرد خراسانی سے باتیں کرتے رہے۔ وہ بے چین تھے کہ امام کا کلام ختم ہو تو دیکھوں ہارون پر کیا گذری۔ آخر حضرت ان کو ساتھ لئے تنور پر آئے دیکھا کہ ہارون چار زانو بیٹھے تلاوت کلام پاک کر رہے ہیں اور آگ سرد ہو گئی ہے۔ حضرت نے فرمایا اے خراسانی سچ بتا ایسے کتنے لوگ خراسان میں ہیں عرض کی ایک بھی نہیں فرمایا پھر ہم اپنا حق کیسے حاصل کریں۔

ایک اعتراض کا جواب

ایک دن امام جعفر صادق علیہ السلام قیمتی لباس پہنے ہوئے کہیں تشریف لے جا رہے تھے کچھ لوگوں نے کہا یہ تو آپ کا خاندانی لباس نہیں آپ نے ان میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آستین میں ڈالا اور فرمایا اس کے نیچے یہ لباس ہے اس نے ٹٹولا تو وہ موٹے بالوں کا ایسا لباس تھا جو بدن کو سخت اذیت دیتا ہے۔ حضرت نے فرمایا یہ اوپر کا لباس لوگوں کے لئے ہے اور نیچے کا کمبل خوشنودی خدا کے لئے ہے

ایک دن ایک کافر نے آپ سے کہا آپ کیوں ایسے خدا کو مانتے ہیں جو دکھائی نہیں دیتا فرمایا میں اسی لئے تو اسے خدا مانتا ہوں کہ وہ دکھائی نہیں دیتا اگر دکھائی دیتا تو میں اس کو خدا ہی نہ مانتا بلکہ بندہ جانتا۔

ایک شخص نے پوچھا کیا آپ نے اپنے معبود کو دیکھا ہے جس کی عبادت کرتے ہیں فرمایا بھلا بغیر دیکھے عبادت کی جاتی ہے مگر میں نے ان مادی آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ماں کا مرتبہ ہزم کہتا ہے کہ ایک روز میرے اور میری ماں کے درمیان جھگڑا ہو گیا میں نے اسے بہت سخت سست کہا۔ دوسرے روز نماز صبح پڑھ کر میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے خفا ہو کر مجھ سے فرمایا اے ہزم تو نے کل رات اپنی ماں سے سخت کلامی کی۔ افسوس ہے جس کا پیٹ تیرے لئے ایسا گھر تھا کہ نو مہینے تو اس میں ساکن رہا گرمی اور سردی سے بچا رہا اس کی گود تیرے لئے گہوارہ تھا جس میں تو نے آرام کیا اس کی چھاتیوں کے دودھ سے تیری نشو و نما ہوئی اس شفیق ماں کے ساتھ تیرا یہ عمل تجھے شرم نہیں آتی۔ ہزم کہتا ہے حضرت کا یہ کلام سنکر میرے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا میں نے کہا ابن رسول اللہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آیندہ کبھی ایسا نہ فرمایا یاد رکھو کوئی اپنے ماں باپ کے حقوق ادا نہیں کر سکتا ان کے مقابل اُف تک نہیں کہنا چاہئے اور نہایت عاجزی اور نرمی کے ساتھ ان سے کلام کرنا چاہیے

شوہر کا مرتبہ حسن بن علا کہتے ہیں ایک روز میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور اپنی بی بی کی شکایت کی کہ وہ بڑی نافرمان ہے فرمایا اسے میرے پاس لے آ وہ آئی تو فرمایا تیرا شوہر تیری شکایت کرتا ہے یہ کیا بات ہے اس نے کہا خدا اس موئے کو غارت کرے میں اس کی صورت سے بیزار ہوں آپ نے فرمایا اگر تو اسی حالت میں رہی تو تین دن سے زیادہ زندہ نہ رہے گی کہنے لگی مجھے اس کی پرواہ نہیں میں تو خود چاہتی ہوں کہ اس کی منحوس صورت کبھی نہ دیکھوں آپ نے اس سے فرمایا اسے اپنے گھر لے جا جب تیسرا دن ہوا تو وہ عورت مر گئی راوی کہتا ہے میں نے حضرت سے پوچھا ایسا کیوں ہوا فرمایا وہ اپنے شوہر پر ظلم کرتی تھی اس لئے خدا نے اس کی عمر کم کر دی اور اپنے ایک نیک بندہ کو اس کے ظلم سے بچا لیا

پند و نصائح

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا دنیا کی حرص کا میرے اوپر غلبہ ہے اور آخرت سے بے خبر ہوتا جا رہا ہوں۔ دل میں سختی پیدا ہو گئی ہے آپ مجھے نصیحت فرمائیے۔ فرمایا ان چند باتوں کو گرہ میں باندھو

(۱) جو چیز اپنے نفس کے لئے دوست رکھتے ہو وہ دوسروں کے لئے بھی دوست رکھو

(۲) جو اپنی ذات سے متعلق امور میں انصاف کو مدنظر رکھتا ہے وہ حق رکھتا ہے کہ دوسروں سے بھی ایسا کرنے کو کہے

(۳) کفایت شعار کو خدا دوست رکھتا ہے اور فضول خرچ کو دشمن چاہے فضول خرچی ایک چھوارے کی گٹھلی ہی سے ہو

(۴) تواضع کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جو تم سے پہلے ملے اس کو سلام کرو

(۵) قیامت کا دن متقیوں کے لئے خوشی کا دن ہے

(۶) مومن جب تک خاموش ہے تو اس کو کراماً کاتبین نیک ہی لکھیں گے لیکن جب بولے گا تو نیک و بد دونوں ہی لکھا جائے گا (یعنی مومن کے لئے بولنے سے خموشی زیادہ بہتر ہے کیونکہ جب زبان کھلتی ہے تو اچھی بری دونوں طرح کی بات زبان پر آجاتی ہے۔

(۷) زیادہ پرہیزگار آدمی وہ ہے جو شبہ کے ہوتے ہی فوراً کچھ نہ کر بیٹھے۔

(۸) سب سے زیادہ عبادت گزار وہ ہے جو ہمیشہ اپنے فرائض بجا لاتا ہو

(۹) سب سے بڑا زاہد وہ ہے جو حرام کو ترک کر دے

(۱۰) سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ آدمی گناہ چھوڑ دے

(۱۱) تونگری نفاق پیدا کرتی ہے اور اس کے بعد فقیری آتی ہے

(۱۲) آدمی دو ہی ہیں عالم اور متعلم باقی خس و خاشاک ہیں جو آگ میں ڈالنے کے قابل ہیں۔

(۱۳) خدا کی قربت نیکی اور صلہ رحم میں حاصل کرو

(۱۴) دو آدمی کبھی سیر نہیں ہوتے طالب علم اور طالب مال

(۱۵) تم اپنے باپ سے نیکی کرو تمہاری اولاد تم سے نیکی کرے گی

(۱۶) تم دوسروں کی عورتوں کا احترام کرو لوگ تمہاری عورتوں کا احترام کریں گے

(۱۷) تین باتوں سے آدمی اللہ کا دشمن ہو جاتا ہے سیری کی حالت میں کھاتے والا۔ بغیر کسی عجیب بات کے ہنسنے والا۔ بہت زیادہ سونے والا۔

(۱۸) بہترین خصلت آدمی کی یہ ہے کہ اپنے وقار کو قایم رکھے۔ بغیر طلب کے سخاوت کرے۔ طلب آخرت میں مشغول رہے

(۱۹) دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے قبر اس کا قلعہ ہے اور جنت پناہ گاہ ہے۔ دنیا کافر کے لئے جنت ہے قبر اس کا قید خانہ اور دوزخ اس کی جگہ

ازواج و اولاد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت حسین اصغر بن امام زین العابدین علیہ السلام تھیں ان کے اور بھی چند مخدرات تھیں جن میں علیہ مکرمہ حمیدہ خاتون بھی تھیں جو حمیدہ مصفا کے نام سے مشہور ہوئیں یہی ہمارے ساتویں امام کی والدہ ماجدہ ہیں بڑی عابدہ زاہدہ اور عالمہ تھیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سات صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں۔

اسمٰعیل جن کو امین بھی کہتے ہیں:۔ اسماعیلیہ بوہرے اپنا سلسلہ امامت انہی سے آگے بڑھاتے ہیں

(۲) عبداللہ جن کو مامون کہتے تھے

(۳) فروہ۔ (یہ تینوں بہن بھائی فاطمہ بنت حسین اصغر کے بطن سے تھے

(۴) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

(۵) اسحاق

(۶) محمد (یہ تینوں احباب علیہ مکرمہ حمیدہ خاتون کے بطن سے تھے

(۷) عباس۔ (۸) علی (۹) اسما (۱۰) فاطمہ صغرا۔ یہ مختلف ماؤں سے تھے۔

باقی چار کم سنی میں انتقال کر گئے تھے

اسمٰعیل کا انتقال امام علیہ السلام کی زندگی میں ہو گیا تھا مگر اسماعیلیہ فرقہ ان کی موت کا قائل ان کا عقیدہ ہے کہ وہ زندہ رہے۔

حضرت کی شہادت

سوائے حضرت علیؑ، امام حسینؑ اور حضرت حجت علیہم السلام کے باقی ہمارے تمام ائمہ کو ظالموں نے زہر سے شہید کیا۔ تاکہ اپنا گناہ دوسروں کے سر تھوپ کر پبلک کے سامنے سرخرو رہیں۔ منصور عباسی شروع ہی سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا مخالف چلا آرہا تھا مسلمانوں پر جو آپ کے خاندانی روحانی اثرات تھے وہ منصور کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتے تھے وہ اس وہم میں مبتلا تھا کہ اگر ان کے ماننے والوں کی جمعیت کسی قدر زیادہ ہو گئی تو یہ میرے مقابل فوج کشی کرنے لگیں گے۔ جس طرح زید نے بنی امیہ کے مقابل اور نفس زکیہ اور ابراہیم نے میرے مقابل کی۔

اس نے کئی بار آپ کو قتل کے ارادے سے اپنے دربار میں بلایا اور اپنے غلاموں کو تاکید کی کہ جب حضرت کو آتا دیکھیں تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں مگر ہر بار کچھ ایسی اعجازی شان ظاہر ہوئی کہ وہ اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا۔

جب کئی بار ناکامی ہوئی تو اب اس نے مکر و فریب سے کام لیا۔ ایک زہر آلود انگور کسی تدبیر سے آپ کو کھلا دئے وہی آپ کی موت کا باعث ہوئے

تنقید و تبصرہ

آپ کی وفات ۱۵ رجب ۱۴۸ھ کو ہوئی جبکہ آپ کی عمر ۶۵ یا ۶۸ سال کی تھی۔
مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ امام جعفر صادق کو زہر دیا گیا
فصول المہمہ میں ہے کہ ایام منصور میں آپ کو زہر سے قتل کیا گیا
خواص الامہ میں ہے کہ ۱۴۸ھ میں بعمر ۶۵ سال آپ کی موت زہر سے واقع ہوئی
جب وقت وفات قریب آیا تو آپ نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ جب سب لوگ آ گئے تو آپ نے ان
سب پر نظر کی اور فرمایا ہماری شفاعت کا وہ شخص ہرگز مستحق نہ ہوگا جو نماز کو حقیر سمجھتا ہے
اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میرے مال میں سے ستر دینار حسن الافطس بن علی بن الحسین کو دینا اور اتنا فلاں کو اور اتنا
فلاں کو۔ آپ کی کنیز سالمہ نے کہا آپ ایسے شخص کو دیتے ہیں جس نے آپ پر چاقو سے حملہ کیا تھا اور قتل کرنا چاہا تھا آپ
نے فرمایا اے سالمہ میں قطع رحم کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ خدا نے صلہ رحم کا حکم دیا ہے۔ قطع رحم کرنے والا
جنت کی ہوا میں جو خوشبو بسی ہوگی قاطع الرحم اس کے سونگھنے سے بھی محروم رہے گا
امام موسیٰ کاظم نے فرمایا میں نے اپنے والد کو ان دو مصری چادروں میں کفن دیا جن سے احرام باندھا کرتے تھے۔ اور اس
قمیص میں جس کو پہنتے تھے اور امام زین العابدینؑ کے عمامہ اور چادر میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب مستطاب

حالات انبیاو ائمہ

پر

تنقید و تبصرہ

حصہ نہم

حالات امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ

حالاتِ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جن کو اہلِ عراق "باب الحوائج" یعنی حاجتوں کا دروازہ کہتے ہیں امام جعفر صادق علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں آپ کی مادرِ گرامی حمیدہ خاتون تھیں بڑی مقدس اور پاک سیرت تھیں۔ علوم دین بھی ایسی کامل دستگاہ تھی کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے علما آپ سے مسائل شریعت دریافت کیا کرتے تھے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ۷ ماہ صفر ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ زمانہ منصور عباسی کی خلافت کا تھا

صفوان جمال کا بیان ہے کہ میں ایک روز امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے حضرت سے امام کے اوصاف پوچھے آپ نے منجملہ اور اوصاف کے یہ بھی بیان فرمایا کہ امام کبھی لہو و لعب اور بے فائدہ کاموں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا اسی اثنا میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جو بہت کم سن تھے ایک بکری کا بچہ لئے ہوئے تشریف لائے اور اس سے فرمانے لگے جھک کر اپنے خدا کو سجدہ کر۔ یہ سنکر امام جعفر صادق ع نے ان کو اپنی گود میں بٹھالیا اور پیار کر کے فرمایا بیشک امام کبھی لہو و لعب میں مشغول نہیں ہوتا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام منصور عباسی کے زمانہ سلطنت میں پیدا ہوئے اور دس سال اسی کے زمانہ میں رہے۔ منصور کی خاندان رسالت سے جیسی کچھ عداوت تھی اس کا مختصر حال امام جعفر صادق علیہ السلام کی سوانح عمری میں گزر چکا۔ ان واقعات کو پیش نظر رکھ کر سمجھ لینا چاہئے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس مقدس باپ کے بیٹے تھے اور منصور وہی منصور تھا پھر کیونکر ممکن تھا کہ منصور جیسا کینہ پرور باپ کا مخالف ہو کر بیٹے کے موافق ہو جاتا ہاں اتنا ضرور ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد اس نے اپنی سلطنت کے باقی دس سال خموشی میں کاٹ دیے جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے وصیت نامہ میں اپنے اہل و عیال اور اوقات و اموال کی نگہداشت کے لئے پانچ آدمی مقرر کئے تھے ان میں سے ایک منصور بھی تھا چونکہ وصیت نامہ پر عمل نہ کرنا بڑا اخلاقی جرم سمجھا جاتا تھا اور لوگ ایسے شخص کو ظالم، خائن اور بد دیانت جانتے تھے لہذا منصور کو کچھ کہتے نہ بنی۔ منصور کو محافظوں میں شامل کر لینا امام جعفر صادق علیہ السلام کی انتہائی دور اندیشی تھی

کتاب کافی میں یہ واقعہ اس طرح مرقوم ہے

ابو ایوب نحوی کا بیان ہے کہ ایک روز جو میں منصور کے پاس گیا تو وہ ایک خط پڑھ رہا تھا۔ پڑھکر مجھ سے کہنے لگا یہ محمد بن سلیمان حاکم مدینہ کا ہے وہ لکھتا ہے کہ جعفر صادق نے انتقال فرمایا ہے تم اس کے جواب میں لکھ دو اگر انھوں نے کسی شخص واحد کو اپنا وصی مقرر کیا ہو تو اس کا سر کاٹ کر فوراً میرے پاس بھیجدو۔ میں نے اس کے حکم کے مطابق لکھ دیا۔ حاکم مدینہ نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا کہ انھوں نے کسی ایک کو اپنا وصی نہیں بنایا بلکہ پانچ شخصوں کو مقرر کیا ہے ان میں سے ایک آپ بھی ہیں دوسرے محمد بن سلیمان حاکم مدینہ تیسرے عبداللہ چوتھے موسیٰ بن جعفر اور پانچویں حمیدہ خاتون۔ یہ جواب دیکھ کر منصور بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر کہنے لگا اب مجھے ان لوگوں کے قتل کا کوئی موقع نہ رہا۔

منصور جیسے عہد شکن اور خوگرِ ظلم سے کچھ بعید نہ تھا کہ ایسی صورت میں بھی وہ خاندانِ رسول کی تباہی اور بربادی پر آمادہ ہو جاتا مگر ایک خاص مانع یہ ہوا کہ وہ اس زمانہ میں شہر بغداد کی تعمیر میں مصروف تھا اور اسی کام میں اس نے اپنی سلطنت کے دس سال گزار دیے۔

مہدی بن منصور کی سلطنت

سنہ ۱۵۸ھ میں منصور کے بعد اس کا بیٹا مہدی تخت نشین ہوا یہ بڑا عیش پسند، حسن پرست اور آرام طلب تھا زیادہ حسین عورتوں کے جھرمٹ میں بیٹھنا پسند کرتا تھا۔ انہی کی باتیں سننے میں اسے مزہ آتا تھا۔ انہی سے امورِ ملکی میں صلاح و مشورہ کرتا تھا۔ باپ کی طرح یہ بھی بظاہر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کرتا رہا۔

کچھ روز سلطنت کرنے کے بعد اُسے یہ خیال ہوا کہ خاندانِ رسالت کی موجودگی میں ہمارے اقتدار اور روحانی پیشوائی کی کوئی قدر نہیں ہو سکتی لہٰذا ان کے وجود سے دنیا کو خالی کر دینا چاہیے۔ چونکہ اس وقت تمام سادات کے رئیس امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے لہٰذا وہ سب سے پہلے انہی کے درپے آزار ہوا اس خبط میں صرف مہدی ہی مبتلا نہ تھا بلکہ تمام بنی امیہ اور بنی عباس بھی اس مرض کے مریض تھے۔

سنہ ۱۶۴ھ میں مہدی بڑے تزک و احتشام سے حج کرنے آیا اور اپنی بدگمانیوں کی بنا پر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو جو حج کے لئے مکہ آئے ہوئے تھے اپنے ہمراہ بغداد لے گیا اور یہ الزام لگا کر کہ آپ ہمارے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے ہیں حضرت کو قید کر دیا لیکن جس طرح امام جعفر صادق علیہ السلام کو بار بار بغداد بلانے سے منصور کی مراد پوری نہ ہوئی تھی اسی طرح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے نظربند رکھنے سے مہدی کو سوائے ندامت و بدنامی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا اور جس طرح منصور نے مجبور ہو کر امام جعفر صادق علیہ السلام کو واپس جانے کی اجازت دیدی تھی اسی طرح مہدی کو دینا پڑی۔

ربیع وزیر مہدی کا بیان ہے کہ مہدی نے مجھے رات کے وقت امام موسیٰ کاظم کے بلانے کو بھیجا جب میں قیدخانہ میں گیا تو دیکھا آپ آیہ فہل عسیتم الخ کی تلاوت فرما رہے ہیں میں نے کہا مہدی نے آپ کو بلایا ہے میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو اپنے ساتھ لے چلوں۔ حضرت میرے ساتھ روانہ ہوئے جب وہاں پہنچے تو وہ آپ کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور بغلگیر ہو کر اپنے پہلو میں جگہ دی۔ پھر کہنے لگا میں نے رات آپ کے جد بزرگوار کو خواب میں آیہ فہل عسیتم الخ کی تلاوت فرماتے ہوئے دیکھا اس سبب سے میں آپ کو رہا کرتا ہوں مگر آپ مجھ کو اس امر کا یقین دلائیں کہ مجھ پر یا میری اولاد پر خروج نہ فرمائیں گے حضرت نے فرمایا میرا کوئی ایسا ارادہ نہیں اس کے بعد اس نے تین ہزار دینار دے کر آپ کو مدینہ بھیج دیا۔

صاحب روضۃ الصفا اسی واقعہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ابو خالد الزمانی بیان کرتے ہیں کہ جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو مہدی نے بغداد جانے پر مجبور کیا تھا تو میں حد درجہ ملول تھا حضرت نے فرمایا تم غمگین نہ ہو میں فلاں تاریخ فلاں دن واپس آجاؤں گا۔ جب ایک سال گزرنے کے بعد وہ تاریخ اور دن آیا تو میں بیرونِ شہر جا کر حضرت کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگا

جب دن ختم ہو کر رات آئی تو میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ حضرت اونٹ پر سوار تشریف لا رہے ہیں۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی بے اختیار آپ کے استقبال کو بڑھا۔ حضرت نے مجھے دیکھ کر فرمایا تمہارے دل میں میری طرف سے بڑا شک پیدا ہونے والا تھا۔ میں نے کہا جی ہاں تھا تو ایسا ہی مگر آپ کی تشریف آوری سے وہ سارے شکوک دور ہو گئے خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے دشمن کے پنجہ سے نجات دی۔ فرمایا ہاں ہر حالت میں بندہ پر خدا کا شکر لازم ہے مگر تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ اب کی بار تو میں پنجہ ظلم سے رہا ہو کر صحیح سلامت چلا آیا مگر ایک دن وہ آنے والا ہے کہ میں دوسری بار قید ہو کر بغداد جاؤں گا تو پھر مدینہ آنا نصیب نہ ہوگا۔
مہدی نے گیارہ سال سلطنت کی اس کے بعد اس کا بیٹا ہادی بادشاہ ہوا۔ ہادی کے بعد ہارون رشید کا نمبر آیا

ہارون رشید کی سلطنت

ہادی کے مرنے کے بعد ہارون تخت نشین ہوا۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مخالفت میں یہ بادشاہ اپنے باپ اور بھائی سے بھی زیادہ سخت ثابت ہوا۔ انھوں نے تو ایک ایک سال ہی قید رکھا تھا لیکن ہارون نے تو یہ غضب ڈھایا کہ مرتے دم تک قید ہی رکھا اور نہایت سنگدل اور بے رحم زندان بانوں کو ان کا نگراں مقرر کیا اور وہ وہ تکلیفیں پہنچائیں جو بیان سے باہر ہیں آخر انہی تکلیفوں میں وہ شمع امامت ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔
ہمارے ائمہ کی قوت ایمانی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ باوجود ہر قسم کی آزادی سلب ہونے اور طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانے کے انھوں نے کبھی نہ تو ان ظالم زماں رواؤں کی بیعت کی اور نہ ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اور نہ تبلیغ امر حق سے باز رہے اسی لئے تمام بادشاہوں کی نظر میں ان کا وجود کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ ہمارے ائمہ نے ان کے خلاف خاموش مقابلہ کیا اور کسی تکلیف کو کبھی نظر میں نہ لائے بحمد اللہ انکی یہ مظلومانہ زندگی بے اثر دکھائی نہ رہی اور ان کا دائرہ تبلیغ وسیع ہوتا ہی رہا
۱۷۱ھ میں جب ہارون حج کے لئے مکہ معظمہ آیا تو امام موسیٰ کاظم بھی وہیں تشریف فرما تھے بے شمار مسلمانوں کا آپ کے گرد ہجوم تھا ہارون یہ دیکھکر حسد سے جل گیا آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا

ہارون - کیا آپ موسیٰ بن جعفر ہیں — فرمایا۔ ہاں
ہارون - مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ چھپ چھپ کر بیعت لیا کرتے ہیں — امام - مجھے علانیہ کیا چیز روکتی ہے کہ خفیہ بیعت لوں
ہارون - آپ کو بیعت لینے کا حق کہاں سے حاصل ہے — امام - یہ بتاؤ میرا حق کس نے زائل کیا۔
ہارون - حق ثابت ہی نہیں تو زائل کرنا کیسا — امام - اگر میرے لئے نہیں تو تمہارے لئے بھی نہیں
ہارون - میرے لئے اس لئے ہے کہ میں بادشاہ وقت ہوں — امام - تم جسموں پر حکومت کرنے والے ہو میں قلوب پر
ہارون - تم کو مجھ پر کیا شرف ہے — امام - وہی جو روح کو بدن پر ہے
ہارون - قرابت رسول کے لحاظ سے ہم دونوں مساوی ہیں — امام - ہرگز نہیں قیامت کے دن جب ہم اور تم دونوں حضرت

رسول خدا کے سامنے کھڑے ہو گئے تو تم کہو گے السلام علیک
یا رسول اللہ السلام علیک یا ابن عم اور میں کہوں گا السلام
علیک یا جداہ

یہ سنکر ہارون کے بدن میں آگ لگ گئی۔ چغلخوروں نے جو افترا پردازیاں کی تھیں ان کو صحیح سمجھا بلکہ وہ مکہ آیا ہی اس غرض سے تھا کہ امام علیہ السلام کے حالات کی تحقیق کرے۔ اس کے کان میں دشمنوں نے یہ بات بھی ڈال دی تھی کہ سادات اپنے کو حقدار خلافت جانتے ہیں اور تم کو خلیفہ برحق نہیں مانتے اور اپنا رئیس امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ جب تک ان کے عظمت و وقار کو خاک میں نہ ملایا جائے گا اطمینان سے سلطنت نہیں ہو سکتی۔ ان باتوں کو سنکر ہارون تمام سادات کا دشمن بن گیا تھا اب جو امام سے یہ باتیں سنیں تو اس کے غصہ اور کینہ کی آگ اور تیز ہو گئی۔

ہارون کے دل میں امام کی طرف سے کھٹک کو پیدا ہو ہی گئی تھی اب وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حالات خفیہ طور پر معلوم کرنے کی دھن میں لگا۔ اس نے یحییٰ برمکی کو خلوت میں بلاکر کہا میں موسیٰ بن جعفر کے خفیہ حالات معلوم کرنے چاہتا ہوں ایسا شخص بتاؤ جو اس کام میں مدد دے سکے اس نے کہا میری رائے میں اس کام کے لئے سب سے زیادہ موزوں محمد بن اسمعیل بن جعفر صادق ہیں ان کے موسیٰ بن جعفر سے اچھے تعلقات اچھے نہیں۔ چنانچہ اسی وقت محمد کے نام خط لکھا گیا اور مدینہ سے ان کو بغداد بلایا گیا۔

محمد اس خط کو پاتے ہی خوشی سے پھولے نہ سمائے بڑے فخر کے ساتھ اس کو کھولا اور وحی آسمانی سمجھ کر پہلے آنکھوں سے لگایا پھر بوسہ دے کر پڑھا بہت خوش ہوئے اپنے تمام رشتہ داروں اور دوستوں کو سناتے پھرے اور اسی روز بغداد کی روانگی کا قصد کیا مگر ان کا پاس نہ تھا سخت پریشان تھے کہ زاد راہ کہاں سے مہیا کریں۔ اس ارادہ کا پتہ جب امام علیہ السلام کو چلا تو ایک دن انہیں بلا کر کہا

امام - کہاں جانے کا ارادہ ہے　　محمد - بغداد

امام - کیوں　　محمد - فکر معاش ہے تاکہ قرضہ ادا ہو اور تنگدستی سے پیچھا چھوٹے

امام - وہاں جاکر کسب معاش کا کیا ذریعہ ہوگا　　محمد - یہ تو وہیں جاکر معلوم ہوگا۔

امام - تم وہاں نہ جاؤ۔ تمہارے لئے یہیں رہنا بہتر ہے　　محمد - آپ چاہتے ہیں کہ یہیں فاقے کرتا کرتا مر جاؤں

امام - میں تمہارے اخراجات کے لئے بھی دونگا اور قرضہ کی ادا کرونگا　　محمد - خاموش

چونکہ بادشاہ کا دعوت نامہ ان کو بڑے سبز باغ دکھا رہا تھا اور ان کو اپنا مستقبل پر روشن نظر آ رہا تھا لہذا امام کے کہنے کا ان کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا اور کچھ دیر بیٹھ کر چلنے لگے اور چلتے ہوئے کہا آپ تو اور فرمانا ہو تو فرمائے حضرت نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب تین بار یہی کہا تو فرمایا بس تم سے صرف اتنا ہی بتاکید کہتا ہوں کہ میری وصیت سمجھ کر میرے خون میں شریک ہونا اور میرے بچوں کو یتیم نہ کرنا محمد یہ سنکر کھسیانے سے ہو گئے جب چلنے لگے تو آپ نے تین سو اشرفیاں اور چار ہزار دینار انہیں دیئے۔ یہ حضرت اسے کر ذرا بھی نہ ٹھہرے اور وہاں سے چل دئے۔ ان کے جانے کے بعد حضرت نے لوگوں سے فرمایا خدا کی قسم یہ میرے قتل کرانے میں بڑی سرگرمی سے کام کرے گا اور میرے بچوں کو یتیم کرا کے رہے گا۔ لوگوں نے کہا پھر آپ نے اس شخص کے ساتھ اتنا بڑا سلوک کیوں کیا فرمایا میرے

اخلاق کریمانہ اور صلۂ رحم کے مخصوص موقع ہیں۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے جو کوئی کسی قرابت دار پر احسان کرے اور وہ اس کے بدلہ میں بدی کرے اور محسن اپنے احسان کو اس حالت میں بھی منقطع نہ کرے تو خداوند عالم اس احسان فراموش سے اپنا احسان روک لیتا ہے اور اسے ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھتا ہے۔
محمد رقم لے کر خیالی پلاؤ پکاتا ہوا اور امیدوں کے پہاڑ دل میں لئے ہوئے جب بغداد پہنچا تو ہارون نے ایک ہفتہ تو اس کی خبر گیری نہ کی اس کے بعد ایک روز بلایا اور امام کاظم علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا محمد نے اس کو خوش کرنے کے لئے افترا پردازی سے کام لیا ہارون کو چونکہ اس کی طرف سے بھی بدگمان کر دیا تھا لہذا اسے قید میں ڈلوا دیا خسر الدنیا والاخرہ

امام علیہ السلام کی گرفتاری

کچھ لوگوں کی چغل خوری سے کچھ محمد بن سمٰعیل کے بیان سے پورا یقین ہو گیا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس کی سلطنت کے بدخواہوں میں سے ہیں۔ لہذا امین اور مامون کے معاملات سے فارغ ہونے کے بعد وہ پہلے تو مکہ معظمہ آیا وہاں سے مدینہ پہنچا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی گرفتاری پر غور کرنے لگا۔ یعقوب بن داؤد جس کو مہدی نے ایک سید کے رہا کر دینے کے جرم میں زندگی بھر کے لئے قید کر دیا تھا اور ہارون نے رہا کر کے مکہ میں رہنے کی اجازت دے دی تھی اس زمانہ میں کسی ضرورت سے مدینہ آئے تھے۔
وہ ایک دن یحیٰی برمکی سے ملنے گئے باتوں باتوں میں امام موسیٰ کاظم کا ذکر آ گیا یحیٰی نے کہا کل میں ہارون کے ساتھ حضرت رسول خدا کی قبر مطہر کی زیارت کو گیا تھا ہارون نے قبر مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہا میں آپ کی خدمت میں موسیٰ بن جعفر کی گرفتاری کے معاملہ میں معافی کا خواستگار ہوں اور میں انکی اسیری پر اس وجہ سے مجبور ہوں کہ مجھے ان سے یہ خوف ہے کہ کہیں وہ فتنہ برپا کر کے امت میں خونریزی کا باعث نہ ہو جائیں۔ اے یعقوب مجھے ہارون کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کل وہ امام علیہ السلام کو نظر بند کرے گا
یعقوب کہتے ہیں کہ یحیٰی سے یہ باتیں سن کر میں سناٹے میں آ گیا اور دل میں سوچنے لگا آپ سے ایسی کیا خطا سرزد ہوئی ہے جس کے بدلہ میں یہ سزا ملنے والی ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یحیٰی کو ہارون کے ارادہ سے پوری پوری واقفیت تھی اور بادشاہ کے مزاج میں در خور بھی تھا اگر وہ چاہتا تو ہارون کو حضرت کی گرفتاری سے باز رکھ سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہ کیا
اس واقعہ کے دوسرے روز ہارون نے امام علیہ السلام کی گرفتاری کے لئے کچھ لوگوں کو بھیجا آپ اس وقت روضۂ رسول میں تشریف فرما تھے۔ یہ لوگ تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچے دیکھا آپ قبر مبارک کے پہلو میں مصروف عبادت ہیں ان ظالموں نے عبادت سے فارغ ہونے کا بھی انتظار نہ کیا اور گرفتار کر کے کشاں کشاں ہارون کے پاس لے چلے آپ نے قبر مبارک سے مخاطب ہو کر عرض کی اے جد بزرگوار آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ آپ کی بدکردار امت آپ کے اہلبیت پر کیا کیا ظلم کر رہی ہے حضرت کی یہ دردناک فریاد سن کر تمام حاضرین مسجد زار زار رونے لگے مگر حاکم وقت کے خوف سے کوئی مزاحمت نہ کر سکا۔ جب حضرت کو ہارون کے سامنے پیش کیا گیا تو اس بدزبان شقی نے آپ کو سخت و سست کلمات کہنے شروع کئے آپ نے اس کی گستاخانہ تقریر کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموش کھڑے رہے یہ واقعہ ۱۷۹ھ کا ہے۔

امام علیہ السلام کو بصرہ میں قید کیا گیا

حضرت کی بیٹھی کے تھوڑی دیر بعد دو اونٹ منگائے گئے جن پر محملیں کسی ہوئی تھیں ایک پر امام علیہ السلام کو کسا گیا اور دوسری خالی رہی جس محمل میں حضرت سوار تھے اس کو بہت سی فوج کے ساتھ اپنے چچازاد بھائی عیسیٰ بن جعفر کے پاس بصرہ بھیجدیا جو اس زمانہ میں وہاں کا حاکم تھا اور خالی محمل کو فوج کے ایک دستہ کے ساتھ بغداد روانہ کر دیا۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ لوگوں کو حضرت کے بھیجے جانے کا اصلی مقام معلوم نہ ہوا اور وہاں تک پہنچنے سے قاصر رہیں۔ ہارون کو شیعوں کی طرف سے بلوہ کا بڑا خطرہ تھا۔ محمد بن اسمٰعیل کے جھوٹے بیانات سے اس کو شیعوں کے یورش کرنے کا پورا یقین ہو گیا تھا اسی لئے یہ سب انتظام کیا گیا تھا امام علیہ السلام کے مدینہ سے روانہ ہوتے ہی دولت سرا میں کہرام بپا ہو گیا حضرت کے کم سن لڑکے اور لڑکیاں زار زار روتے اور جگر خراش نالے کرتے تھے۔

امام علیہ السلام ۲۰ شوال ۱۷۹ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر ۷ ذی الحجہ کو بصرہ میں داخل ہوئے۔ عیسیٰ بن جعفر عید قرباں کے جشن منا رہا تھا اور اپنی رنگ رلیوں میں دنیا و مافیہا سے بےخبر تھا اسی عالم میں ہارون کا خط ملا اس نے پڑھا اور نہایت بےپروائی سے اپنے دیوان خانے کے ایک تیرہ و تار حجرہ میں حضرت کو قید کر دیا اور پھر ناچ رنگ اور شراب نوشی میں مشغول ہو گیا۔ افسوس صد افسوس آج ایک نبی زادہ ایسے مکان میں جس میں طرح طرح کے محرمات عمل میں لائے جا رہے تھے۔ صبر و ضبط کے ساتھ آپ زمانہ کے اس انقلاب کو دیکھتے رہے۔

جس حجرہ میں آپ قید تھے اس کا دروازہ صرف دو وقت کھولا جاتا تھا ایک بار صبح کو وضو کے لئے باہر نکلتے تھے اور دوسری بار شام کو دو روٹیاں اور ایک کٹورہ پانی دینے کے لئے باقی ہر وقت بند ایک سال کامل آپ اس کال کوٹھری میں بالکل تنہا بسر کرتے رہے سوائے عبادت خدا حضرت کو اور کام ہی کیا تھا۔ اس مدت میں کئی بار ہارون نے عیسیٰ کو بھیجنے لکھا کہ موسیٰ بن جعفر کو زہر دے کر شہید کر ڈال مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکا بلکہ جس قدر آپ کی اسیری کا زمانہ بڑھتا گیا عیسیٰ کو آپ کی نیکی، عبادت گزاری صبر و رضا اور بےگناہی کی تصدیق ہوتی چلی گئی اس نے ہارون کے تاکیدی حکم کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور آپ کے قتل کو برابر ٹالتا رہا۔ اس کو حضرت سے اس لئے عقیدت پیدا ہوئی کہ اس نے جہاں تک آپ کے اخلاق و عادات کو خود جانچا اور دوسروں سے معلوم کیا اس کو آپ کی ذات ہر طرح قابل تعظیم نظر آتی ایک بار اس نے اپنے ایک غلام کو اس لئے قید خانہ کے دروازہ پر بٹھایا کہ وہ صبح سے شام تک حضرت کے روزانہ کے مشاغل کو دیکھے اور یہ سنے کہ وہ اپنی مناجات میں خدا سے کیا مانگتے ہیں۔ چنانچہ اس غلام نے کئی روز متواتر حالات کی جانچ کے بعد عیسیٰ سے بیان کیا اے امیر یہ شخص آدمی نہیں بلکہ فرشتہ معلوم ہوتا ہے سوائے عبادت اور تلاوت کلام پاک اور مشغلہ ہی اس کا نہیں۔ وہ اس خوش الحانی سے قرآن پڑھتے ہیں کہ میرے دل پر بھی اتنا اثر ہوتا تھا کہ بےاختیار رونے لگتا تھا میں نے امیر کے حکم کے مطابق بار بار حجرہ کے دروازہ پر کان لگایا لیکن ایک بار بھی کسی کے لئے بد دعا نہیں سنی۔ وقت مناجات

کہتے تھے خداوندا میں شکر ادا کرتا ہوں اس پر کہ تو نے مجھے ایسی تنہائی کی جگہ اپنی عبادت کے لئے عطا فرمائی جہاں دنیا کے مکروہات سے علٰحدہ ہوکر تیری یاد کرتا ہوں۔
تب اس غلام نے یہ رپورٹ دی تو عیسیٰ اور اس کے پاس بیٹھے والوں پر ایسا اثر ہوا کہ بے اختیار سب رو پڑے اسی اسی وقت سے عیسیٰ کے دل میں آپ کا وقار پیدا ہوا۔ دوسرے دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر سابقہ بے اتفاقی کی معافی مانگنے لگا۔
اس کے بعد عیسیٰ نے ہارون کو خط لکھا کہ امام موسیٰ کاظم کو میرے پاس قید میں ایک سال ہوگیا مجھے کسی وقت بھی ان کے قتل پر جرأت نہ ہوسکی میں نے جہاں تک بھی ان کے حالات معلوم کئے سوائے عبادت خدا اور کوئی شغل نہ پایا وہ نہ کسی کو برا کہتے ہیں اور نہ کسی کے حق میں بد دعا کرتے ہیں۔ دنیا کے کسی معاملہ سے انہیں واسطہ ہی نہیں لہذا آپ کسی آدمی کو بھیج دیں تاکہ میں اس کے ساتھ امام علیہ السلام کو بھیجدوں اور خود بری الذمہ ہو جاؤں اگر آپ نے دیر کی تو میں تو میں زیادہ انتظار کروں گا اور ان کو اپنی قید سے رہا کردونگا

امام علیہ السلام اور فضل بن ربیع

اگرچہ عیسیٰ نے امام علیہ السلام کی نیک نفسی اور بیگناہی ثابت کرکے ان کی رہائی پر پورا زور دیا لیکن ہارون جیسے دشمن سادات کے دل پر کیا اثر ہوتا۔ بجائے رحم کھانے کے اس کی آتش غضب اور زیادہ تیز ہوگئی اس نے فوراً حضرت کو بغداد بلاکر فضل بن ربیع کی سپردگی میں دیدیا۔ اس میں بھی ایک چال تھی۔ فضل عام لوگوں میں شیعہ مشہور تھا اور حقیقت میں تھا بھی ایسا ہی لیکن وہ یہ بات ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا اس نے کبھی کسی کے سامنے اپنی شیعیت کا اقرار نہیں کیا ہارون کو مدت سے اس کا عقیدہ معلوم کرنے کی فکر تھی۔ یہ موقع اسے اچھا ہاتھ آیا امام علیہ السلام کو اس کی حراست میں دینا اسی لئے تجویز کیا گیا کہ اول تو وہ اسے قبول نہیں کرے گا اور اگر خوف سے قبول کرلیا بھی تو حضرت پر کوئی سختی نہ کرے گا اس طرح اس کی شیعیت ثابت ہو جائے گی اور پھر اس کا قتل کرنا لازمی ہو جائے گا
عبداللہ قزوینی کہتا ہے میں اسی زمانہ میں فضل بن ربیع کی محل سرا کی طرف سے گزرا وہ اپنے بالاخانہ پر بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھ کر بلالیا اور ایک روشندان کی طرف جو مکان کے نیچے حصہ میں ہوا اور روشنی کے لئے لگایا تھا اشارہ کرکے کہا ذرا اس میں جھانک کر دیکھو اس سردابہ میں کیا نظر آتا ہے میں نے بہت غور سے دیکھکر کہا یہاں ایک چادر سی نظر آتی ہے اور کچھ بھی نہیں اس نے کہا بے خبر جسے چادر سمجھ رہا ہے یہ تمہارے آقا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں جو سجدے میں پڑے ہوئے ہیں پھر اس نے اپنی حراست میں دیئے جانے کا سارا واقعہ سنایا۔ یہ سنکر میرے ہوش جاتے رہے اور ایک عجیب قسم کا ہیجان میرے دل میں پیدا ہوا مگر حاکم ذی کے خوف سے زبان نہ ہلاسکا۔ فضل سے اتنا ضرور کہا سبحان اللہ تم اور امام کی حراست اس نے آب دیدہ ہوکر کہا ہارون

حضرت کو میری سپردگی میں دے کر میرا امتحان کر رہا ہے اور اس کا پورا ارادہ ہے کہ ذرا سا شبہ پائے تو میرا خاتمہ کر دے میں عجیب کشمکش میں ہوں ادھر خوف جان ہے اُدھر پاس ایمان واللہ مجھے اب تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ امام علیہ السلام سے ایسا کیا قصور سرزد ہوا ہے جس کی ایسی سخت سزا تجویز کی گئی ہے۔ رات دن میں ان کے احوال کا تجربہ کرتا رہتا ہوں ہمیشہ اسی حالت میں پاتا ہوں جس میں تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ حضرت کا روزانہ معمول یہ ہے کہ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر طلوع آفتاب تک اوراد و وظائف میں مشغول رہتے ہیں اس کے بعد سجدہ میں جاتے ہیں اور زوال آفتاب تک اسی حالت میں پڑے رہتے ہیں بعد زوال سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں اور نماز ظہر میں مشغول ہو جاتے ہیں میں طولانی سجدہ سے یہ سمجھ کر کہ آپ کچھ دیر آرام کرنے کے لئے سو جاتے ہیں دل میں کہتا تھا زندگی کے لئے ایسا ہونا چاہئے مگر میرا یہ خیال غلط تھا کیونکہ سجدہ سے اٹھتے ہی بلا تجدید وضو آپ نماز پڑھنے لگتے ہیں جس سے معلوم ہوا آپ سجدہ میں کبھی سوتے نہیں بلکہ ذکر خدا میں مشغول رہتے ہیں جب ظہرین کے فرائض اور نوافل سے فراغت ہو جاتی ہے تو پھر سجدہ میں جاتے ہیں اور غروب آفتاب تک اسی حالت میں رہتے ہیں شام ہوتے ہی نماز مغرب کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بڑی دیر تک تعقیبات پڑھتے رہتے ہیں جب ان تمام فرائض سے فرصت ہو جاتی ہے تو افطار صوم فرماتے ہیں اور تھوڑا سا کھانا کھا کر کچھ دیر سجدہ میں جاتے پھر ذرا دیر سو جاتے ہیں یہاں تک کہ نماز صبح کا وقت آ جاتا ہے اور پھر دوسرے روز کے معمولات شروع ہو جاتے ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو وقت معین پر دو چار لقموں سے زیادہ نہیں کھاتے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ آج تک میں نے ان کو مذکورہ بالا امور کے خلاف کرتے نہیں پایا

عبداللہ کہتے ہیں امام علیہ السلام کا یہ روئداد سن کر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا بھائی خدا سے خوف کرو۔ حضرت کو کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ فضل نے کہا بھائی تم مجھ سے کیا کہہ رہے ہو کیا میرے دل میں اپنے امام کی محبت نہیں۔ ہارون نے کئی بار میرے پاس کہلا کر بھیجا ہے کہ تم موسیٰ بن جعفر کو قتل کر ڈالو یا زہر دے دو مگر میں نے صاف لفظوں میں جواب دیدیا کہ اگر تم مار بھی ڈالو گے تو یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔

تم نے دیکھا ہمارے امام قید خانہ میں اپنی زندگی کس طرح گزارتے تھے ایسے سخت وقتوں میں اس طرح یاد خدا کرنا سوائے امام معصوم دوسرے کا کام ہی نہیں۔ ان کے دل میں عشق خدا تھا ہر وقت اسی کے ذکر سے کام تھا۔ دنیا والے خواہ مخواہ ایسے برگزیدہ لوگوں کے پیچھے پڑے ہوئے تھے وہ چاہتے تھے کہ ان کے سوا دنیا والے کسی اور کا اعزاز و اکرام کریں ہی نہیں ان کی سمجھ میں یہ بات آتی ہی نہ تھی کہ روحانی اقتدار کو مٹانا ان کے بوتے کا کام نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ائمہ نے بنی امیہ اور بنی عباس کے جابر اور ظالم سلاطین کے ہاتھوں وہ وہ مظالم اٹھائے کہ ان کے تصور سے کلیجہ کانپتا ہے۔

امام یحییٰ برمکی کی حراست میں

جب ظالم ہارون نے فضل بن ربیع کے ہاتھوں اپنی غرض پوری ہوتے نہ دیکھی تو حضرت کو یحییٰ برمکی کے حوالہ کیا یحییٰ نے اپنے گھر میں تو نہ رکھا بلکہ اپنے ہمسایہ کے ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں قید کر کے اپنے سنگدل غلام کو حضرت کی نگرانی پر مقرر کر دیا۔ حضرت خلوتی

کے ساتھ وہاں منتقل ہو گئے یہاں حضرت پورے ایک سال نظر بند رہے یعنی ۱۸۰ھ میں

جس زمانہ میں آپ یحییٰ برمکی کی سپردگی میں تھے تو اس کے تینوں بیٹوں میں فضل کو سب سے زیادہ آپ کے اخلاق و عادات دیکھنے کا اتفاق ہوا اور رفتہ رفتہ آپ کا ایسا گرویدہ ہوا کہ مخالفوں کی نظر بچا کر اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عقیدت دلی بیان کرنے لگا اگرچہ حضرت نے کئی بار اسے سمجھایا کہ میرے پاس تمہارا آنا جانا اچھا نہیں اس کا نتیجہ تمہارا زوال ہے مگر وہ نہ مانا اور اپنی حاضری کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ فضل نے حضرت کے کھانے کا انتظام بھی اپنے ذمہ لے لیا

خدا کی شان دیکھو ہارون حضرت کو ایسے لوگوں کی سپرد کرتا تھا جن سے سختی کرنے کی امید ہوتی تھی لیکن معاملہ برعکس ہو جاتا تھا سنگدل سے سنگدل حضرت کے سامنے موم بن جاتے تھے۔ فضل بن ربیع، یحییٰ کا حبشی غلام یہ سب آپ کے نفسانی کمالات دیکھ کر جیسے کچھ گرویدہ ہوئے ان کا حال اوپر بیان ہو چکا۔ اب یحییٰ برمکی کی سپردگی میں آئے تو اس کا بیٹا ہمدرد بن گیا حالانکہ یہ وہی یحییٰ کا بیٹا ہے جو شروع ہی سے آپ کے خلاف تھا مگر افسوس ان باتوں کو دیکھتے ہوئے بھی ظالم ہارون کا دل نہ پگھلا اور وہ بدستور آپ کی جان کا لیوا بنا رہا۔

فضل کو جو عقیدت حضرت سے ہو گئی تھی۔ اس کا باپ اس بنا پر اس سے ناخوش تھا ایک روز اس نے کہا

باپ - تم جس سے اپنی عقیدت وابستہ کر رہے ہو جانتے ہو یہ کون ہے؟

فضل - خوب جانتا ہوں خدا کا ایک برگزیدہ بندہ اور نہایت پاکیزہ نفس ہے

باپ - یہ بھی پتہ ہے کہ یہ بادشاہ کا معتوب ہے

بیٹا - مگر اللہ کا معتوب نہیں بلکہ مقبول ہے

باپ - اگر بادشاہ کو تمہاری اس عقیدت مندی کا پتہ چل گیا تو پھر تمہاری جان گئی اور میرے عہدے کی خیر نہیں

بیٹا - مجھے اپنی جان کی پروا نہیں آپ اپنا عہدہ [illegible] فکر کیجئے۔

بات چھپی کیسے رہتی ہارون کو خبر لگ گئی اس وقت وہ بغداد میں نہیں تھا بلکہ شہر رقہ میں مقیم تھا۔ ان واقعات کو سنتے ہی وہ آگ بگولا ہو گیا اور اپنے غلام مسرور نامی سے کہا تم ابھی اسی وقت بغداد جاؤ اور یحییٰ کے گھر میں گھس جانا اگر وہاں موسیٰ بن جعفر کو آرام و آسائش میں دیکھنا تو فوراً وہاں سے علیحدہ کر کے عباس بن محمد یا سندی کی سپردگی میں دے دینا میں ان دونوں کے نام علیحدہ علیحدہ خطوط لکھے دیتا ہوں۔

مسرور یہ حکم سنکر بغداد پہنچا اور بے کھٹکے یحییٰ کے گھر میں جا گھسا وہاں امام علیہ السلام کو خوش حالی پایا تو الٹے پاؤں واپس ہوا اور عباس بن محمد کے پاس جا کر ہارون کا خط دیا اس نے خط پڑھ کر فوراً فضل بن یحییٰ کو بلا بھیجا جب وہ آیا تو عباس نے نوکروں کو حکم دیا کہ اسے پکڑ کر شکنجہ میں کھینچ دو اور سو کوڑے اس کو مارو حکم کی دیر تھی نوکروں نے فوراً تعمیل کی دم کے دم میں بیچارہ خون میں لت پت ہو گیا وہ اس عذاب سے ایسا حواس باختہ ہوا کہ عباس سے اپنی سزا کا سبب بھی نہ پوچھ سکا۔

امام شاہک سندی کی حراست میں

یہ شخص تمام عرب میں بلحاظ اپنے ظلم و ستم اور شقاوت و سنگدلی کے حجاج ثانی مشہور تھا۔ ہارون رشید نے امام کو اس کی سپردگی میں دینا اسی لئے تجویز کیا تھا کہ وہ حضرت کو بغیر قتل کئے نہ چھوڑے گا۔ چنانچہ اس نے ہارون کے حکم کے مطابق حضرت کو شاہی قید خانہ میں قید کر دیا اور پوری طرح نگرانی کرنے لگا۔ ہارون اس معاملہ میں کچھ ایسا بوکھلا گیا تھا کہ فوراً رقہ سے واپس آیا اور بذات خود حضرت کے حالات کی جستجو شروع کر دی وہ اکثر لباس بدل کر دیواروں کے سوراخوں سے جھانکا کرتا تھا اور آپ کی باتیں کان لگا کر سنا کرتا تھا لیکن سوائے خاموشی کوئی بات حضرت کی زبان سے نہ سنتا تھا۔ بجز اس کے کان میں آتی وہ تلاوت کلام پاک کی ہوتی تھی۔ اس پر بھی اس کا پتھر دل نہ پسیجا

ایک واقعہ خود ہارون نے ان الفاظ میں بیان کیا کہ میں نے جو ایک دن دیوار کے سوراخ میں جھانکا تو زمین پر ایک سفید کپڑا نظر آیا۔ سندی سے پوچھا یہ سفید کپڑا کیسا ہے اس نے کہا یہی موسیٰ بن جعفر ہیں جو اس وقت سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں یہ سن کر میں بے حد متاثر ہوا اور بے ساختہ کہہ بیٹھا خدا کی قسم موسیٰ بن جعفر بے شک بنی ہاشم کے رہبانوں اور زاہدوں میں سے ہیں۔ فضل بن ربیع میرے پاس کھڑا تھا کہنے لگا جب آپ ان کی منزلت کو جانتے ہیں تو پھر درپے آزار کیوں ہیں میں نے کہا مصلحت یہی ہے کہ میں ان کو ہمیشہ اسی حالت میں رکھوں۔ اس واقعہ کے بعد اتنا ضرور ہوا کہ ہارون کبھی کبھی حضرت کو اپنے پاس بلانے اور بات چیت کرنے لگا لیکن حضرت کی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ آپ کے ارادوں کا پتہ چلائے۔

ہارون سے امام علیہ السلام کی گفتگو

ایک روز ہارون نے حضرت کو بلا کر پہلے تو ادھر ادھر کی باتیں کیں پھر کہنے لگا

ہارون ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کس حق سے اپنے کو فرزند رسول کہتے ہیں حالانکہ آپ اولاد علی سے ہیں ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے نسب کو اپنے باپ سے ملائے

امام ۔ میں تم سے دریافت کرتا ہوں اگر بالفرض حضرت رسولخدا زندہ ہو جائیں اور تمہاری لڑکی کی خواستگاری کریں تو اسے قبول کرو گے یا نہیں؟

ہارون ۔ سبحان اللہ! میں کیوں نہ قبول کروں گا یہ امر تو ہمارے لئے تمام عرب و عجم پر فخر کا باعث ہوگا

امام ۔ لیکن حضرت میری لڑکی کی کبھی خواستگاری نہیں فرما سکتے۔

ہارون ۔ کیوں

امام ۔ اس لئے کہ میں حضرت کا فرزند ہوں۔

ہارون ۔ آپ اپنے کو حضرت کا صلبی فرزند کہتے کیسے ہیں جبکہ حضرت نے کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی آپ تو انکی بیٹی کی اولاد ہیں اور نسب لڑکے سے چلتا ہے نہ کہ لڑکی سے ۔

امام (مصلحت وقت پر نظر رکھکر) مجھے اس سوال کے جواب سے معاف رکھئے

ہارون ۔ نہیں ہرگز نہیں آپ کو اس سوال کا جواب دینا ہوگا ۔ میں فرزندان علی کے وہ دلایل سننے چاہتا ہوں جن سے وہ اپنے کو ابنائے رسول ہونا ثابت کرتے ہیں ۔ لیکن ثبوت قرآن سے ہونا چاہئے

امام ۔ اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو سنئے قرآن کہتا ہے ومن ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون کذالک نجزی المحسنین ۔ وزکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس کل من الصالحین (ہم نے ابراہیم کی ذریت میں سے قرار دیا داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ اور ہارون کو اور ہم احسان کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ ، عیسیٰ اور الیاس کو بھی انہی کی ذریت قرار دیا اور یہ سب صالحین میں ہیں) اس آیت میں خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ کو ذریت حضرت ابراہیم میں داخل کیا ہے بتائے جب حضرت عیسیٰ کے باپ ہی نہ تھے تو وہ اولاد ابراہیم میں کیسے شمار ہوگئے اگر اس سے تسکین نہ ہوئی ہو تو کچھ اور بیان کروں

ہارون ۔ فرمائیے

امام ۔ آیہ مباہلہ میں ہے فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول مباہلہ کے لئے جن کو اپنے ساتھ لے چلے وہ علی وفاطمہ اور حسن وحسین تھے پس ابناءنا کا مصداق سوائے حسنین علیہم السلام کے دوسرا کون ہو سکتا ہے ۔ اگر وہ فرزندان رسول نہ تھے تو آیت میں ان کے لئے ابناءنا کیوں کہا گیا

یہ سنکر ہارون کا چہرہ فق ہو گیا دیر تک حیرت سے آپ کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا آپ نے جو کچھ فرمایا صحیح ہے اچھا اب جو کچھ آپ چاہتے ہوں بیان کیجے تاکہ میں اسے پورا کروں ۔ فرمایا اس کے سوا کوئی خواہش نہیں کہ مجھے مدینہ میں رہنے کی اجازت دیدی جائے ۔ اس نے کہا اچھا آپ جلد مدینہ بھیجدے جائیں گے ۔

افسوس ہے کہ ہارون نے اپنے اس وعدہ کو پورا نہ کیا اس نے محض دفع الوقتی کے لئے یہ الفاظ کہدئے تھے ۔ چونکہ اس کی نیت بد تھی اس لئے حضرت کو رہا کرنا چاہتا ہی نہ تھا

سندی اور امام علیہ السلام

ہارون نے فضل بن یحییٰ کی حراست سے نکال کر حضرت کو سندی کی حراست میں اس لئے رکھا تھا کہ وہ نہایت بے رحم اور سنگدل ہے لہذا وہ حضرت کو زندہ نہ چھوڑے گا لیکن معاملہ برعکس ہوا ۔ جب سندی نے حضرت کے حالات کو بغور دیکھا تو فضل کی طرح وہ بھی آپ سے نرمی برتنے لگا ۔ ہارون قرائن سے تاڑ گیا لیکن کرتا کیا اس سے زیادہ سنگدل کوئی

اور نظر نہ آیا مجبوراً کچھ عرصہ اسی کی نگرانی میں رکھا
ہارون نے اپنی شقاوت قلبی کی بنا پر ایک دن یہ نہ سوچا کہ آخر کوئی بات تو ہے کہ سخت سے سخت دشمن موم ہو جاتا ہے اگر یہ تائید خدا اور امام علیہ السلام کی پاکیزگی نفس نہیں تو اور کیا ہے لہذا مجھے ان کے ستانے سے باز آ جانا چاہئے لیکن جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اسے کون بچا سکتا ہے۔
جب ہارون کو کسی تدبیر میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے ایک دن یحییٰ بن خالد برمکی کو خلوت میں بلا کر کہا۔ میں موسیٰ بن جعفر کے معاملہ میں سخت پریشان ہوں۔ ان کے قتل کی کوئی تدبیر سود مند ثابت نہیں ہوتی اور مجھے ذلیل ہونا پڑتا ہے بتاؤ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے۔ یحییٰ نے کہا میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کو رہا کر دیں۔ جوں جوں انکی مدت قید بڑھتی جاتی ہے لوگوں کے دل آپ کی طرف سے برگشتہ ہوتے جاتے ہیں ہارون نے کہا آج ہی ان کو رہا کر دو مگر اس شرط سے کہ وہ میرے سامنے آ کر یہ اقرار کریں کہ جو کچھ اب تک ہوا ہے اس میں میرا کوئی قصور نہیں بلکہ خود انہی کا ہے وہ مجھ سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگیں۔ ایسا اقرار کر لینے سے انکی جان بچ جائے گی۔
یحییٰ نے قید خانہ میں آ کر ہارون کا پیغام حضرت کو پہنچایا آپ نے فرمایا میری تکلیف کا زمانہ ختم ہو گیا ہے میری عمر ایک ہفتہ سے زیادہ کی نہیں اتنی قلیل زندگی کے لئے بادشاہ کے خوف سے ایسی خطاؤں کا کیونکر اقرار کر لوں جو مجھ سے سرزد نہیں ہوئیں مجھ سے یہ ہرگز نہ ہو گا۔ آپ میرے معاملات کو یونہی چھوڑ دیں لیکن اے یحییٰ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ تمہارے زوال کا زمانہ بھی قریب آ گیا ہے اب کی بار ہارون بکفر سے آ کر تم سے منحرف ہو جائے گا اور تمہارے خاندان کو تباہ و برباد کر دے گا اس لئے تم کو بھی اس کی طرف سے مطمئن نہ ہونا چاہئے۔ ہارون سے کہہ دینا میں تمہاری درخواست کو منظور کرنے سے مجبور ہوں ہم اور تم بہت جلد اس جگہ پہنچنے والے ہیں جہاں مظلوم کی داد رسی ہو گی اور ظالم کو اس کے کرتوتوں کی سزا ملے گی۔ جو مہلت مل رہی ہے اس پر آنے والے وقت کو بھولنا نہ چاہئے۔ یحییٰ یہ سنکر ہارون کے پاس آیا اور حرف بحرف حضرت کا قول نقل کر دیا۔ ہارون نے غضب ناک ہو کر کہا وہ اب تک اپنی غیب دانی کے دعووں سے باز نہیں آئے انھوں نے میرے ہمدردانہ پیغام کی قدر نہ کی۔ خیر دیکھا جائے گا اب میں بہت جلد انہیں اس دنیا میں پہنچائے دیتا ہوں جہاں جانے کے وہ مشتاق ہیں۔

امام علیہ السلام کی وفات

ہارون کو اب خاص طور سے حضرت کے قتل کی فکر ہو گئی اس نے سندی شاہک کو پھر اپنا ہم خیال بنایا۔ دنیا کی طمع بری ہوتی ہے۔ سندی پہلے تو حضرت کی طرف سے حد درجہ خوش خیال بن گیا تھا اور ہمدردانہ برتاؤ کرنے لگا تھا لیکن جب ہارون نے بڑے بڑے انعام دینے کا وعدہ کیا تو یکایک خیال بدل گیا اور ہارون کے حکم کی تعمیل پر آمادہ ہو گیا چونکہ ہارون کو اب اس پر پوری طرح اعتماد نہ تھا اس لئے مسیب بن زہیر کو اس کا نگراں بنا کر یہ حکم دیا کہ ہر وقت زندان کے دروازہ پر حاضر رہ کر

سندی کی خدمات کی نگرانی کرتا رہے۔ مسیب اس حکم کے مطابق دروازہ پر آبیٹھا لیکن قدرت خدا دیکھو کہ وہ تین دن کے اندر ہی آپ کے روحانی کمالات سے ایسا متاثر ہوا کہ اپنے بد خیالات سے توبہ کر کے بے خوف و خطر آپ سے اظہار عقیدت کرنے لگا۔ ایک دن اس نے حضرت سے عرض کی آپ خدا سے میرے لئے یہ دعا فرمائیں کہ مجھے ایمان کے سیدھے راستہ پر قائم رکھے۔ حضرت نے تین بار اس کے لئے دعا فرمائی۔

ہارون نے ایک روز سندی کو بلا کر کہا کہ موسیٰ بن جعفر کو کھانے میں زہر ملا کر کھلا دے اس طرح قتل کر دینے سے ہم دونوں الزام سے بری رہیں گے اور ہر شخص یہ سمجھے گا کہ آپ اپنی موت سے مرے ہیں مزید احتیاط کے لئے دس پانچ آدمیوں کو بلا کر دکھا دینا کہ آپ اپنی موت مرے ہیں سلطنت نے کوئی ظلم آپ پر نہیں کیا۔ مسیب کا بیان ہے کہ اس مشورہ کے تین دن بعد جو میں امام کی خدمت میں گیا تو مجھ سے فرمایا اے مسیب میری زندگی کے دن تمام ہو چکے آج سے تیسرے دن تم مجھے اس دنیا میں نہ پاؤ گے۔ جب میں تم سے پانی مانگوں اور اسے پی کر میرا شکم شدت زہر سے پھول جائے اور اعضا پر ورم آجائے چہرہ کا رنگ زرد ہو کر سرخ ہو جائے تو اس وقت میری موت کا یقین کر لینا مگر کسی سے کہنا نہیں۔ اس کے بعد ہی شاہک کچھ انگور لے کر آیا اور کہا بادشاہ نے یہ انگور تحفہ بھیجے ہیں اور یہ کہہ دیا ہے کہ اپنے سامنے آپ کو کھلاؤں آپ نے اس کے اصرار کرنے پر چند دانے کھائے ہارون کا کتا بھی شاہک کے ساتھ آیا تھا آپ نے ایک دانہ اس کے سامنے رکھ دیا کتا اسے کھاتے ہی زمین پر تڑپنے لگا اور چند منٹ بعد مر گیا سندی یہ حال دیکھ کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

امام علیہ السلام کو زہر دئے جانے کے بعد ہارون اس خیال سے بغداد چھوڑ کر رقہ چلا گیا کہ حضرت کی شہادت کا الزام اس پر نہ آئے مسیب کا بیان ہے کہ زہر کے اثر سے حضرت کو زور کا بخار آیا میں نے سندی سے جا کر کہا وہ بہت سے علما کو بلا کر قید خانہ میں لایا اور کہنے لگا بعض سلطنت کے بدخواہوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ ہارون موسیٰ بن جعفر پر بڑے ظلم کرتا ہے آپ بغور ان کا جسم دیکھ لیں کہیں پر تلوار خنجر یا نیزہ کا ان کے بدن پر کوئی زخم تو نہیں۔ جب امام نے یہ سنا تو فرمایا میں تم سب پر ظاہر کرتا ہوں کہ اس سندی نے مجھے زہر دیا ہے یہ سب اسی کا اثر ہے۔ مسیب کا بیان ہے کہ زہر دئے جانے کے وقت سے مرتے دم تک میں حضرت کے پاس رہا جو کچھ حضرت نے فرمایا تھا وہ تغیرات ہوتے رہے تیسرے دن آپ نے پانی مانگا۔ اس کے پیتے ہی اعضا پر ورم آگیا اب مجھے وفات کا یقین ہو گیا حجرہ سے باہر نکل کر میں زار زار رو دیا کچھ دیر بعد جب حجرہ کے اندر گیا تو دیکھا ایک خوبصورت جوان آپ کے سرہانے بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت کے لب ہائے مبارک ان کے کانوں سے ملے ہوئے ہیں ہو اسی اثنا میں حضرت کا غلام تجہیز و تکفین کا سامان لے کر حاضر ہوا۔ وہ جوان آپ کے پاس کھڑے ہوئے تھے ناگاہ حضرت کی روح جنت کی طرف پرواز کر گئی وہ جوان زار زار رونے لگے اور رضا بالقضاء و تسلیماً لامرہ کہہ کر حجرہ کا دروازہ بند کیا اور غسل و کفن میں مصروف ہوئے جنازہ تیار ہوا تو انہی جوان نے نماز پڑھائی میں شروع سے آخر تک ان خدمات میں مصروف رہا جب سب کام سے فراغت ہو گئی تو وہ جوان غائب ہو گئے میں نے غلام سے پوچھا یہ کون تھے اس نے کہا یہ آپ کے صاحبزادے امام رضا علیہ السلام تھے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ امام کی تمام آخری خدمات امام ہی انجام دیتا ہے یہ باعجاز یہاں آئے تھے اس کے بعد سندی نے حضرت کا جنازہ بغداد کے پل پر رکھوا دیا جب مومنین کو خبر ہوئی تو ہر طرف کہرام برپا ہو گیا اور جوق جوق لوگ پل پر جمع ہوئے اور جنازہ کو اٹھا کر وہاں لائے جو اب کاظمین کے نام سے مشہور ہے اور حضرت کو سپرد خاک کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب مستطاب

حالات انبیاء و ائمہ

پر

تنقید و تبصرہ

جلد دہم

حالات

امام رضا علیہ السلام

مصنفہ

ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ

حالات امام رضا علیہ السلام

امام رضا علیہ السلام ۱۱ ذی قعدہ روز پنجشنبہ ۱۵۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اس وقت ہارون کا بھائی مہدی حاکم تھا آپ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فرزند ہیں آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ام البنین تھا آپ کا مخصوص لقب رضا ہے اس کی دو وجہیں ہیں اول تو آپ ہر حالت میں مرضی الہی کے پابند تھے دوسرے آپ کا برتاؤ ایسا تھا کہ دوست دشمن سب ہی آپ سے راضی تھے۔

پندرہ سولہ سال کی عمر تک آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ زندگی بسر کی جب حضرت قید ہو کر بغداد چلے گئے تو آپ تنہا رہ گئے تقریباً پندرہ برس حضرت کی جدائی میں تڑپ تڑپ کر کاٹے خدا کی عبادت اور تعلیم دین کے سوا آپ کا کوئی دوسرا شغل ہی نہ تھا۔ یہ زمانہ مامون رشید کی سلطنت کا تھا جس طرح اس کے باپ دادا کو خاندانِ رسول سے عداوت تھی اس کو بھی تھی۔

ایک عیسائی سے مباحثہ

ایک بار مدینہ میں نصرانیوں کا ایک بہت بڑا عالم آیا اور مسلمانوں سے مباحثہ کرنا شروع کیا وہ کہتا تھا ہم اور تم دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ نبی تھے اُن پر کتاب خدا نازل ہوئی وہ آسمان پر زندہ ہیں اب رہے تمہارے پیغمبر ان کی نبوت سے ہم کو اختلاف ہے اور تم سب انکی موت کے قائل ہو پھر کیا وجہ کہ تم حضرت عیسیٰ کی نبوت کے اس زمانہ میں قائل نہیں آخر اس زمانہ میں تمہارے نبی کی نبوت پر دلیل کیا ہے۔ اس کی یہ باتیں سنکر مسلمان دم بخود ہو گئے اور کسی سے کوئی جواب بن نہ پڑا لوگ اس کو امام علیہ السّلام کے پاس لے گئے اس نے حضرت سے کہا۔

نصرانی۔ آپ حضرت عیسیٰ کی نبوت اور انکی کتاب کے بارہ میں کیا کہتے ہیں؟

امام۔ میں حضرت عیسیٰ کی نبوت اور انکی کتاب کا اقرار کرتا ہوں اور جو بشارتیں انھوں نے اپنی امت کو اور اپنے حواریوں کو دی ہیں ان کو بھی مانتا ہوں لیکن جس عیسیٰ نے نبوت محمد مصطفےٰ کا اقرار نہیں کیا اور انکی بشارت نہیں دی اس عیسیٰ اور اسکی کتاب کا قائل نہیں۔ میں حضرت عیسیٰ کی نبوت کا اسی لئے قائل ہوں کہ وہ حضرت محمد مصطفےٰ کی نبوت کا اقرار کرتے تھے۔ میں حضرت عیسیٰ کے بارہ میں طعن تو نہیں کرتا مگر یہ ضرور ہے کہ وہ نماز روزہ کم کیا کرتے تھے

نصرانی۔ ایسا ہرگز نہیں وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو شب بیداری عبادت خدا میں کرتے تھے۔

امام۔ جب وہ خود خدا تھے تو عبادت کس کی کرتے تھے

نصرانی۔ (ست پٹاکر) وہ مردوں کو زندہ کرتے اور اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کر دیتے تھے کیا یہ سب کام خدا کے نہیں

امام۔ الیسع نبی پانی پر چلتے تھے۔ اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے۔ حزقیل نبی نے تیس ہزار آدمیوں کو ان کے مرنے کے سا ٹھ برس

بعد زندہ کر دیا۔ حضرت ابراہیم نے چڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد زندہ کر دیا۔ حضرت موسیٰ کے ساتھی جو طور پر تھے انھوں نے ان کو زندہ کر دیا تھا اسی طرح پیغمبر نے معجزے دکھائے جن کا ذکر توریت و انجیل و زبور و قرآن میں موجود ہے تو کیا یہ سب خدا تھے یہ جواب سن کر وہ نصرانی مسلمان ہو گیا۔

حضرت کے اخلاق

حضرت کبھی کسی پر سختی روا نہ رکھتے تھے کسی کی بات کو کاٹتے نہ تھے۔ کسی کا سوال رد نہ فرماتے تھے۔ کسی کے سامنے دونوں پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے تھے کبھی اپنے لونڈی غلاموں کو برا نہ کہتے تھے ان کو دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے۔ رات کو بہت کم سوتے تھے اکثر تمام رات عبادت میں بسر کرتے تھے۔ روزے بہت رکھتے تھے۔ لوگوں پر احسان کرنے کے خواہشمند رہتے تھے۔ ہمیشہ چٹائی پر بیٹھتے تھے اور موٹا لباس پہنتے تھے البتہ جب لوگوں کے پاس جاتے تو عمدہ لباس پہن لیتے۔ اکثر اندھیری راتوں میں محتاجوں کو کھانا تقسیم کرتے ایک بار حضرت ریشمی لباس پہنے ہوئے کہیں جا رہے تھے راہ میں سفیانِ ثوری سے ملاقات ہوئی انھوں نے طنزاً کہا آپ فرزند رسول ہو کر ایسا لباس پہنتے ہیں آپ نے بند قبا کھول کر دکھایا کہ نیچے ٹاٹ کا لباس ہے۔ اور فرمایا اے سفیان یہ لباس ظاہری لوگوں کے لئے ہے اور اندرونی لباس خدا کے لئے ہے

آپ کا علم ذہنی تھا۔ مامون بادشاہ ولی عہدی کے زمانہ میں اکثر علمی مسئلے آپ سے پوچھا کرتا تھا آپ ان سب کا جواب آیات قرآنی سے دیا کرتے تھے۔ محمد بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ حضرت سے جو مسائل پوچھے گئے تھے ان کو جمع کیا تو اٹھارہ ہزار تھے مامون ہر مذہب کے لوگوں کو جمع کر کے حضرت سے مباحثہ کراتا تھا آپ ہر ایک کا جواب دیتے تھے اور ان کو ساکت کر دیتے تھے بعض لوگ آپ کی امامت کے اثبات کا بھی سوال کرتے تھے لیکن آپ کو غصہ نہیں آتا تھا اور نہایت نرمی سے اس کا جواب دیتے تھے

ایک بار مامون کی فوج مدینہ کو لوٹنے آئی۔ وہ لوگ نہایت بے پروائی سے لوگوں کے گھروں میں گھس جاتے تھے اور گھر کا سامان لوٹ کر لے جاتے تھے۔ حضرت بہت پریشان تھے کہ کہیں ہمارے گھر میں بھی بے محابانہ گھس آئیں۔ آپ دروازہ پر کھڑے ہو گئے تھوڑی دیر بعد جب مامون کے سپاہی گھر لوٹنے کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا تمہارا مقصد گھر ہی لوٹنا ہے یا کچھ اور انھوں نے کہا ہم کو مال سے مطلب ہے فرمایا میں گھر میں جا کر جو کچھ موجود ہے سب لائے دیتا ہوں انھوں نے منظور کر لیا آپ گھر میں تشریف لائے اور گھر کا کل سامان جمع کیا۔ عورتوں کے پاس از قسم زیور جو کچھ تھا سب لے لیا یہاں تک کہ چھوٹی سی بچی کے کانوں کے بندے بھی اتار لئے اور سب سامان لا کر ان لٹیروں کے سامنے رکھ دیا۔ جب آپ سامان جمع کر رہے تھے تو عورتیں اور بچے رونے لگے آپ نے فرمایا صبر کرو ہمارے گھر پر ہمیشہ بلائیں نازل ہوتی رہتی ہیں اور ہم نے ہر موقع پر صبر ہی سے کام لیا ہے۔

مامون کا ولیعہدی کے لئے بلانا

مامون کے زمانہ میں ہر طرف بغاوت پھیلی ہوئی تھی سادات نے بہت زور پکڑ لیا تھا مامون کے وزیروں نے صلاح دی کہ سادات کی مخالفت کے روکنے کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو ولی عہد یا وزیر بنا لیا جائے۔ اس مسئلہ پر مامون اور اس کے ارکان سلطنت نے خوب غور کیا آخر یہ طے پایا کہ امام رضا علیہ السلام کو مدینہ سے بلا کر ولی عہد بنا لیا جائے۔ یہ اس لئے نہیں تھا کہ حضرت کو حقدار خلافت سمجھا گیا تھا یا مامون کے دل میں حضرت کی روحانی عظمت تھی بلکہ صرف اس لئے کہ آپ کی طرف سے اس کو یہ کھٹکا تھا کہ اپنے شیعوں کو جمع کر کے یہ مجھ سے سلطنت لینے کے لئے اٹھ نہ کھڑے ہوں وہ جانتا تھا کہ مکہ و مدینہ وغیرہ میں آپ کا اثر بہت زیادہ ہے اور ہزارہا آدمی آپ کو اپنا امام مانتے ہیں۔ سادات کا پورا گروہ آپ کے ساتھ ہے اور انکی قوت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اس کے توڑنے کی اس سے بہتر تدبیر نہیں کہ فی الحال ظاہری طور پر جانشین بنا لو پھر جیسا مناسب ہوگا دیکھا جائے گا

غرض اس قرار داد کے مطابق اس نے حضرت کو خط لکھا وہ سمجھا تھا کہ میرا خط ملتے ہی حضرت مارے خوشی کے پھولے نہ سمائیں گے مگر حضرت کو تکدر حاصل ہوا اور جواب میں لکھا مجھے اس کام سے معذور رکھئے۔ میں سلطنت کے جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ مگر وہ نہ مانا اور دوسرے خط میں لکھا کہ خلافت میں آپ کا حق ہے آپ نے جواب میں لکھا اگر یہ خلافت تمہارا حق ہے تو اس سے علیحدہ کیوں ہوتے ہو اور اگر وہ دوسرے کا حق ہے تو تم اس کے دینے والے کون۔ مامون نے تیسری بار ایک فوجی دستہ کے ساتھ کچھ لوگوں کو بھیجا کہ جس طرح بنے لے آئیں اور اگر زیادہ اصرار کریں اور کسی طرح آنے پر راضی نہ ہوں تو انہیں جبراً یہاں لایا جائے۔ ایسی حالت میں حضرت کیا کرتے مجبوراً مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے

جب اہل مدینہ کو معلوم ہوا کہ آپ تشریف لے جا رہے ہیں تو بڑی بے چینی لوگوں میں پیدا ہوئی گروہ کے گروہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے رنج و غم کا اظہار کرنے لگے آپ نے فرمایا آپ سب لوگوں کو صبر کرنا چاہیئے میں تم سب کو خدا کی سپرد کرتا ہوں اور یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اب مجھے وطن آنا نصیب نہ ہوگا۔ میری تم سب سے یہ آخری ملاقات ہے یہ سنکر لوگ دھاڑیں مار کر رونے لگے

نیشاپور میں حضرت کا ورود

لکھا ہے جب حضرت مدینہ سے روانہ ہو کر شہر نیشاپور پہنچے تو آپ جس اونٹ پر سوار تھے اس کی عماری پر سیاہ پردہ پڑا ہوا تھا۔ حضرت کی تشریف آوری کی خبر سنکر ہزارہا آدمی سرراہ استقبال کے لئے جمع ہو گئے جن میں علماء فضلا اور محدثین بھی کثرت سے تھے سب کے سب آپ کی سواری کے گرد ہجوم کئے ہوئے تھے اور درود و سلام کی آوازیں اتنی بلند تھیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ آپ کی زیارت کے شوق میں ہر شخص مضطرب تھا۔ آخر علما نے لوگوں کو خاموش کر کے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ آپ

اپنے آبائے طاہرین سے کوئی حدیث بیان فرمائیں کہ ہم زبانِ معصوم سے احادیث کے سننے کو ترس گئے ہیں آپ نے عماری کا پردہ اٹھا دیا جس وقت مشتاق مومنین کی نگاہیں اپنے امام کے نورانی چہرہ پر پڑیں ہر طرف سے درود و سلام کے نعرے بلند ہوئے۔ حضرت نے فرمایا ایہا الناس مجھ سے میرے پدر بزرگوار نے اور انھوں نے اپنے والد ماجد امام جعفر صادقؑ اور انھوں نے اپنے پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ سے اور انھوں نے اپنے ماجد علی ابن الحسینؑ سے اور انھوں نے اپنے باپ حضرت علیؑ سے اور حضرت رسول خدا سے روایت کی ہے کہ مجھ سے جبرئیل نے کہا کہ مجھ سے خدا نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن قالہا دخل حصنی ومن دخل حصنی امن من عذابی (لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے اور جو میرے قلعہ میں داخل ہوا میرے عذاب سے بے خوف ہو گیا) اس کے بعد لکن بشرطہا وشروطہا وانا من شروطہا یعنی صرف لا الٰہ الا اللہ کہنے سے نجات ممکن نہیں کیونکہ اس کے ساتھ کچھ شرطیں ہیں اور ان شرائط میں سے ایک میں ہوں یعنی جب تک ہم اہل بیت کی محبت جو اجرِ رسالت ہے نہ ہوگی نجات ممکن نہ ہوگی۔ اس حدیث کو بیس ہزار آدمیوں نے نقل کیا اس کے بعد حضرت کی سواری آگے بڑھ گئی

ایک شیعہ کے جنازہ کو کندھا دینا

موسیٰ بن سیار سے روایت ہے کہ ایک راہ سے حضرت گزر رہے تھے کہ ایک جنازہ سامنے سے آتا دکھائی دیا آپ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور جنازہ کو کندھا دے کر چلنے لگے حضرت کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے مجھ سے فرمایا اے موسیٰ بن سیار جو شخص ہمارے کسی شیعہ کے جنازہ کے ساتھ چلے گا وہ اس طرح گناہوں سے پاک ہو جائے گا گویا ابھی شکم مادر سے نکلا ہے۔ جب جنازہ قبر کے پاس رکھا گیا تو حضرت نے لوگوں کو اس پاس سے ہٹا دیا اور میت کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے اے فلاں ابن فلاں تجھے جنت کی بشارت ہو اب تجھے کسی قسم کا خوف نہیں۔ میں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ آپ پہلے کبھی اس شہر میں نہیں آئے حضور نے پھر کیسے پہچان لیا کہ یہ آپ کا شیعہ ہے اور اب اس کو خوف عذاب نہیں آپ اس کے اعمال سے کیسے واقف ہوئے فرمایا کیا تم یہ نہیں جانتے کہ ہم جو زمین پر خدا کی حجت اور امام وقت ہیں ہر صبح و شام ہمارے شیعوں کے اعمال ہمارے سامنے پیش ہوتے ہیں اور جو قصور ہم ان کا پاتے ہیں اس کے لئے خدا سے معافی کی درخواست کرتے ہیں اور نیکی کی جزا چاہتے ہیں اے موسیٰ بن سیار اگر یہ بات ہم میں نہ ہو تو پھر ہم میں اور تم میں فرق کیا رہے۔

یہ ارشاد امام لوگوں کو تعجب میں ڈالے اس لئے اس پر مختصر سا تبصرہ ضروری ہے

علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم بالذات یا عین ذات جو صرف خدا سے مخصوص ہے یعنی علم اور اس کی ذات جدا جدا نہیں بلکہ عین ذات ہیں۔ دوسرا علم ذاتی ہے جو صاحب علم کا عین ذات تو نہیں ہوتا لیکن اس کی ذات میں سمویا ہوا ہوتا ہے یعنی خلق وجود کے ساتھ ہی علم اس کو مل جاتا ہے یہ علم مخلوق الٰہی کے ظاہر و باطن سب پر محیط ہوتا ہے اسی کی بنا پر امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا تھا سلونی قبل ان تفقدونی (مجھ سے جو کچھ چاہو پوچھ لو)

خرموں کا قصہ

محمد بن کعب کا بیان ہے کہ میں جحفہ میں سویا ہوا تھا خواب میں حضرت رسول خدا کو دیکھا کہ ایک بورے پر تشریف فرما ہیں۔ میں حضرت کے پاس گیا مجھ سے فرمایا جو نیک سلوک تو میری اولاد کے ساتھ کرتا ہے میں اس سے بہت خوش ہوں۔ میں نے عرض کی اگر میں دنیا میں ان کے ساتھ نیکی نہ کروں گا تو پھر کس کے ساتھ کروں گا۔ فرمایا اس کا بدلہ میں تجھے آخرت میں دوں گا اس وقت حضرت کے پاس ایک طشت میں مدینہ کے صیہانی خرمے رکھے ہوئے تھے ان میں سے ایک مٹھی بھر کر مجھے دیے میں نے جو گنا تو اٹھارہ تھے اس کے بعد میں جاگ اٹھا میں نے اس کی یہ تعبیر دی کہ میں اٹھارہ برس زندہ رہونگا۔ چند روز بعد میں نے سنا کہ امام رضا علیہ السلام مدینہ سے تشریف لائے ہیں میں حضرت کی زیارت کرنے گیا دیکھا لوگوں کا ہجوم ہے اور حضرت اسی جگہ بیٹھے ہیں جہاں میں نے حضرت رسول خدا کو دیکھا تھا اور آپ کے سامنے ایک طبق میں مدینہ کے صیہانی خرمے بھی رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کیا آپ نے جواب سلام دے کر ایک مٹھی خرمے اٹھائے اور مجھے دیے میں نے گنے تو وہی اٹھارہ خرمے تھے میں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ مجھے اور بھی دیجئے مسکرا کر فرمایا اگر میرے جد بزرگوار نے زیادہ دیے ہوتے تو میں بھی زیادہ دیتا۔

مامون کا ولی عہدی پر اصرار

جب حضرت مدینہ سے روانہ ہو کر دارالسلطنت مرو میں پہنچے تو اس نے آپ کو بڑی تعظیم و تکریم سے لیا اور اپنی برابر تخت پر بٹھا کر کہنے لگا میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ معاملات سلطنت میں آپ بہ حیثیت میرے ولی عہد کے میری مدد کریں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ سے بہتر مجھے کوئی دوسرا آدمی نہیں مل سکتا۔ حضرت نے فرمایا مجھے تو اس سے معاف ہی رکھئے۔ میں ان جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتا مامون نے کہا میں ہرگز نہ مانوں گا آپ کو ضرور منظور کرنا ہوگا۔ حضرت برابر انکار ہی کرتے رہے اب مامون کو غصہ آگیا کہنے لگے اگر آپ نے اس عہدہ کو قبول نہ کیا تو میں آپ کو قتل کرا دوں گا

تب ایسی حالت میں امام غریب کیا کرتے مجبوراً منظور کر لیا مگر اس شرط سے کہ سلطنت کے معاملات میں دخل نہ دونگا صرف اتنا ہوگا کہ جس کام میں آپ مجھ سے مشورہ کریں گے اس کے متعلق جو حق بات ہوگی ظاہر کر دیا کرونگا۔ اس کے بعد مامون نے ایک بہت بڑا دربار کر کے آپ کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپ نے ولیعہدی کے بعد اپنی رفتار کو بدل دیا ہوگا نہیں جو آپ پہلے تھے ولی عہدی کے بعد بھی وہی رہے مامون نے ہر چند زور دیا کہ آپ اس کے محلات میں رہیں مگر آپ نے پسند نہ فرمایا ایک معمولی سا مکان شاہی محل کے نیچے تھا اسی میں رہے گئے دنیا کی زینت کا کوئی سامان آپ کے گھر میں تھا ہی نہیں۔ غریبوں اور محتاجوں سے آپ بے روک ٹوک ملتے تھے مامون اور اس کے ارکان سلطنت کو یہ بات ناگوار بھی ہوئی روکنا چاہا تو آپ نے فرمایا میرا تعلق غریب اور امیر دونوں سے ہے میں اپنے غریب بھائیوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ولی عہدی کے زمانہ میں آپ کا لباس بھی بہت معمولی تھا کئی بار مامون نے قیمتی کپڑے منگا دیئے مگر آپ نے وہ سب راہ خدا میں دیدئے وہ مامون سے کہدیا میں ان کا خواہشمند نہیں

زینب کا واقعہ

ایک خراسانی عورت جس کا نام زینب تھا اپنے کو سیدانی کہتی تھی لوگ اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے ایک بار مامون کے سامنے اس کا ذکر آگیا اس نے امام علیہ السلام سے ذکر کیا فرمایا وہ جھوٹی ہے میرے سامنے لاؤ تو میں اس کی سیادت کو جانچوں مامون نے بلالیا

امام ۔ کیا تو سیدانی ہے

عورت جی ہاں

امام ۔ تو جھوٹ کہتی ہے

عورت (غصہ ہوکر) میں بالکل سچ کہتی ہوں تمام شہر جانتا ہے کہ میں سیدانی ہوں۔ میرے نسب میں کوئی کھوٹ نہیں البتہ آپ کے نسب میں شک ہے

اس کا یہ گستاخہ کلام حضرت کو گراں گزرا آپ نے فرمایا میں ابھی اس کی جانچ کئے دیتا ہوں محل کے سامنے ایک مکان میں بہت سے شکاری درندے تھے مامون جب کبھی پر ناراض ہوتا تو اس کو ان کے سامنے چھوڑ دیتا وہ تکا بوٹی کر ڈالتے ۔ حضرت نے شاہی غلاموں سے فرمایا اسے پکڑ کر درندوں والے گھر میں لے جاؤ اگر نسل فاطمہ سے ہوگی تب کوئی درندہ اس پر منہ نہ ڈال سکے گا

یہ سن کر اس عورت نے کہا آپ میرا امتحان لینے سے پہلے خود درندوں کے پاس جاکر اپنی سیادت ثابت کیجیے۔ آپ نے فرمایا یہ کون بڑی بات ہے ابھی دکھاتا ہوں یہ فرما کر آپ اس گھر میں تشریف لے گئے مامون اور اس کے درباری چھتوں پر تماشہ دیکھنے کے لئے چھتوں پر جا چڑھے ۔ حضرت کے وہاں جاتے ہی تمام درندے آپ کے پاس آگئے اور دُمیں ہلانے اور اپنا منہ آپ کے پیروں پر ملنے لگے آپ نے پیار سے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا اور وہاں سے تشریف لے آئے اور اس عورت سے فرمایا اب تو بھی جا۔ وہ بیوقوف سمجھی یہ پالتو جانور ہیں چیرتے پھاڑتے نہیں جھٹ اندر داخل ہوگئی اس کے جاتے ہی درندوں نے چیر پھاڑ ڈالا

اس روایت کی صحت کے متعلق چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) مامون کے عہد میں بہت سے علوی اور فاطمی سید تھے پس ایک عورت کا سیدانی اپنے کو کہنا کوئی تعجب خیز امر نہ تھا جس پر لوگ چونکتے اور امتحان کی ضرورت پیش آتی

(۲) اس کا دعویٰ یہ تو ہوگا نہیں کہ میں وہ زینب ہوں جو بطن فاطمہ زہرا سے تھیں کیونکہ دوسری صدی تک اولاد جناب فاطمہ میں اور کون زندہ تھا جو وہ زندہ ہوتی ہاں اگر اس کا یہ دعویٰ ہوگا کہ بنت علی و فاطمہ ہے تو بے شک جانچ پڑتال کی ضرورت پیش آئی ہوگی بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اگرچہ روایت میں تصریح نہیں

سوائے معصوم کے یا بنات جناب سیدہ عالمین کے عام سادات کی یہ خصوصیت نہیں ہوسکتی کہ ان کا گوشت درندوں پر حرام ہو ورنہ کسی سید کو درندہ نہ پھاڑتا ۔ ہمرز اس عورت کا یہی دعوی ہوگا کہ میں زینب بنت فاطمہ ہوں

ایک تیز زبان صوفی

گو نہ کار ہنے والا ایک صوفی چوری کے الزام میں مامون کے سامنے پیش ہوا مامون نے اس سے کہا

مامون ۔ یار عزیز تیری صورت تو مقدس لوگوں کی سی ہے اور اعمال شیطانوں کے سے ہیں تجھے شرم نہیں آتی

صوفی ۔ اے امیر میں نے مجبوری کی حالت میں ایسا کیا ہے اور خدا نے اپنے مجبور بندہ کو گناہ کی اجازت دی ہے اگر مال خمس و زکوۃ اور مال غنیمت میں سے مجھے کچھ ملتا رہتا تو فاقے کرنے نہ پڑتے اور میں چوری نہ کرتا

مامون ۔ خمس اور غنیمت میں تیرا حق کیسے ہے۔

صوفی ۔ حق ایسے ہے کہ مال خمس میں اللہ، رسول ۔ رسول کے ذوی القربیٰ ۔ یتیم ۔ مسکین اور مسافر چھ شریک ہیں پس میں مسکین بھی ہوں اور مسافر بھی اور احکام قرآنی سے واقف بھی اس پر بھی تم نے میرا حق روک رکھا ہے جو رسول خدا نے میرے لئے معین فرمایا ہے۔

مامون ۔ میں تیری ان باتوں سے آگر شرعی سزا کو روک نہیں سکتا ۔ ضرور تیرے ہاتھ کٹاؤں گا

صوفی ۔ تعجب ہے تو میرا غلام ہو کر ایسا کہتا ہے

مامون ۔ غضبناک ہو کر کیا بکتا ہے یا تو اس کو ثابت کر ورنہ میں تجھے قتل کرا دونگا

صوفی ۔ سنو ۔ تمہاری اماجان ایک کنیز تھیں تمہارے باپ ہارون نے اُسے بیت المال کے روپیہ سے خریدا تھا لہذا تم سب مسلمانوں کے غلام ہو جب تک وہ تمہیں آزاد نہ کریں چونکہ میں بھی مسلمان ہوں لہذا تم میرے بھی غلام ہو میں نے تمہیں ہرگز آزاد نہیں کیا اس کے علاوہ تم میرا ہاتھ بھی نہیں کاٹ سکتے کیونکہ جب تم خود سزا پانے کی قابل ہو تو دوسروں کو کیسے سزا دے سکتے ہو خدا فرماتا ہے کیا تم اور لوگوں کو تو نیکی کی تعلیم دیتے ہو اور اپنے کو بھولے جاتے ہو۔ تم منہیات شرعیہ بجا لاتے ہو لہذا تم خدا کے گنہگار ہو اور لائق تعزیر ہو۔

مامون ۔ یہ سنکر غصہ میں بھر گیا اور امام علیہ السلام سے کہنے لگا آپ اس کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں ۔

امام ۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو کچھ کہوں ورنہ اس معاملہ میں میری خموشی بہتر ہے

مامون ۔ جو حق بات ہو آپ اس کے اظہار میں لیت و لعل نہ کریں

امام ۔ سب سے قوی حجت قرآن ہے جس سے عالم و جاہل دونو اپنے مدعا پر دلیل لا سکتے ہیں اس نے جو کچھ کہا ہے حق ہے اب آپ کو اختیار ہے چاہے چھوڑ دیں چاہے سزا دیں

یہ سنکر مامون نے اس صوفی کو تو چھوڑ دیا مگر امام علیہ السلام کی حق گوئی پر اسے بہت غصہ آیا اسی وقت سے اس نے دل میں ٹھان لی کہ ان کا وجود میرے لئے خطرناک ہے اور باعث ذلت لہذا جلد از جلد ان کے وجود سے دنیا کو خالی کر دینا چاہیے

نماز عید کا واقعہ

ولی عہدی کے زمانہ میں ایک روز مامون نے امام رضا علیہ السلام سے کہا آنے والی عید کی نماز آپ پڑھائیں آپ نے فرمایا میں نے پہلے ہی شرط کر لی ہے کہ تمہارے کسی معاملہ میں دخل نہ دونگا لہذا مجھے معاف رکھئے

اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ لوگوں پر آپ کا فضل و شرف ظاہر ہو اور ان کے دل آپ کی طرف مائل ہوں۔ آپ نے پھر انکار فرمایا اور دیر تک اس معاملہ میں گفتگو رہی جب مامون نے بہت زیادہ کہا تو فرمایا خیر میں عیدگاہ چلا جاؤنگا مگر اسی طرح جاؤنگا جس طرح میرے جد حضرت رسولخدا اور علی مرتضیٰ جایا کرتے تھے اس نے کہا آپ کو اختیار ہے

جب عید آئی تو مامون نے اپنے سرداروں اور فوج کو حکم دیا کہ حضرت کے دروازہ پر حاضر ہوں یہ خبر تمام شہر میں پھیل گئی کہ کل نماز عید امام رضا علیہ السلام پڑھائیں گے پھر کیا تھا سارا شہر ہی تو چل پڑا۔ گروہ کے گروہ اس شوق میں آرہے تھے آج حضرت سے شان نبوت کا مظاہرہ ہوگا۔

عید کے دن جب آفتاب نکلا تو آپ نے غسل کر کے کپڑے بدلے۔ سفید عمامہ باندھا ایک کنارہ سینہ کی اور دوسرا پشت کی طرف تھا۔ تمام لباس خوشبو سے معطر کیا۔ ہاتھ میں عصا لیا غلاموں سے فرمایا تم سب بھی اسی صورت سے چلو پھر پاجامہ کا پائنچہ نصف ساق تک اٹھا لیا اور لباس کو بھی کسی قدر اٹھایا اور خراماں خراماں عیدگاہ کی طرف روانہ ہوئے جب تھوڑی دیر گئے تو آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر سب غلاموں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ بے پناہ مجمع حضرت کے ساتھ تھا جب شہر پناہ کے دروازہ پر پہنچے اور لوگوں نے حضرت کی یہ حالت دیکھی تو ان کے دل پر بڑا اثر ہوا حضرت رسولخدا اور حضرت علی کو کو یاد کر کے آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دروازہ پر پہنچکر حضرت نے پھر تکبیر کہی

مامون کے درباریوں نے جب بہ کثرت لوگوں کا میلان حضرت کی طرف دیکھا تو مامون سے جا کر کہا آپ نے یہ کیا کیا کہ امام رضا علیہ السلام کو نماز عید پڑھانے کے لئے بھیجدیا شہر کے تمام لوگ ان کے ساتھ جا رہے ہیں اور ان کے چہروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے روحانی اقتدار کا ان کے دلوں پر کافی اثر ہے اگر عید کی نماز انھوں نے پڑھائی تو انکی عظمت کا نقش اور زیادہ گہرا ہو جائے گا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ اتنے بڑے مجمع کو اپنا ہمنوا دیکھکر کہیں سلطنت کے خلاف کوئی عمل نہ کر بیٹھیں۔ آدمی کو دور کی بات سوچنی چاہئیے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ ان کو یہیں سے واپس بلالیں اور عید کی نماز خود جا کر پڑھائیں جیسے ہر سال پڑھاتے تھے۔ یہ سن کر مامون بھی کھٹکا اور اسی وقت ایک غلام کو حضرت کی خدمت میں بھیجکر کہلا دیا کہ آپ کو بس اتنی ہی تکلیف دینی تھی آپ عیدگاہ تک جانے کی زحمت نہ فرمائیں جو ہر سال پڑھاتا تھا اس سال بھی وہی پڑھائے گا

یہ پیغام سن کر حضرت کو بہت رنج ہوا اور وہیں سے واپس ہوگئے۔ آپ کے وہاں سے جاتے ہی مجمع منتشر ہو گیا اور ہر شخص مامون کو برا کہنے لگا اس سال مامون کے پیچھے بہت تھوڑے سے لوگوں نے نماز پڑھی اس واقعہ نے مامون کے دل میں حضرت کی عداوت اور بڑھا دی۔

دعبل خزاعی کا واقعہ

دعبل اس زمانہ کے نامور شاعروں میں سے تھے اور اہل بیت علیہم السلام کے دوستوں میں سے تھے ایک دن شہر مرو میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے میں نے حضور کی شان میں ایک قصیدہ کہا ہے اور یہ قسم کھائی ہے کہ جب تک حضور کو نہ سنالوں گا کسی کے سامنے نہ پڑھوں گا فرمایا اچھا پڑھو۔ دعبل نے پڑھنا شروع کیا

مدارس آیات خلت من تلاوة ۔۔۔ ومنزل وحی مقفر العرصات

افسوس وہ مدرسے اور مکانات جہاں قرآنی تعلیم ہوتی تھی خالی پڑے ہوئے ہیں

اری فیئهم فی غیرهم متقسما ۔۔۔ وایدیهم من فیئهم صفرات

میں دیکھتا ہوں کہ ان کے حقوق (خمس وغیرہ غیروں میں تقسیم ہوگئے اور اب ان کے ہاتھ مال سے خالی ہیں

یہ سنکر امام رونے لگے اور فرمایا اے دعبل تم نے سچ کہا ہے۔

اذا وتروا مدوا الی واتریهم ۔۔۔ اکفا عن الاوتار منقبضات

جب اہلبیت ستائے جاتے ہیں یا ان کے حقوق چھینے جاتے ہیں یا شہید کئے جاتے ہیں اور بقیہ اہلبیت ان کا انتقام لینا چاہتے ہیں یعنی جہاد پر آمادہ ہوتے ہیں تو اپنے ہاتھوں کو عوض لینے سے کوتاہ اور اپنی مٹھیوں کو بند پاتے ہیں۔ یعنی اپنا بدلہ ظالموں سے نہیں لے سکتے۔

یہ سنکر حضرت نے اپنی ہتھیلیوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور فرمایا سچ ہے یہ مٹھیاں بند ہیں

لقد خفت فی الدنیا وایام سعیها ۔۔۔ وانی لارجو الامن بعد وفاتی

اس دنیا میں میں ضرور خوف کی زندگی بسر کر رہا ہوں مگر خدا سے امید ہے کہ وہ مرنے کے بعد بے خوف کر دیگا

وقبر ببغداد لنفس زکیة ۔۔۔ تضمنها الرحمن فی الغرفات

ایک قبر نفس پاکیزہ کی (امام موسی کاظم) بغداد میں ہے جس کو خدائے رحمن کی رحمت بہشت کے غرفوں میں گھیرے ہوئے ہے

حضرت نے فرمایا اے دعبل اس کے بعد دو شعر اور بڑھا دو۔ عرض کی ارشاد ہو فرمایا

وقبر بطوس یا لها من مصیبة ۔۔۔ توقد بالاحشاء من حرقات

الی الحشر حتی یبعث الله قائما ۔۔۔ یفرج عنا الهم والکربات

ایک قبر طوس میں ہوگی اور یہ ایسی آگ ہوگی کہ اس کی آنچ سے لوگوں کے دل اور جگر بھن جائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے قائم آل محمد کو ظاہر کرے گا اور دشمنوں سے بدلہ لے کر ہمارے رنج و غم دور ہونگے

جب دعبل نے قصیدہ ختم کیا تو حضرت وہاں سے اٹھے اور گھر میں تشریف لائے کچھ دیر بعد ایک غلام سو اشرفیاں لئے ہوئے آیا اور کہنے لگا میرے آقا نے فرمایا ہے کہ انہیں اپنے خرچ میں لاؤ دعبل نے کہا انہیں واپس لے جاؤ اور میری طرف سے عرض کرو

کہ یہ قصیدہ میں نے کسی لالچ سے نہیں لکھا اگر حضور کو بخشش ہی منظور ہے تو اپنا ایک خاص لباس مجھے عطا فرما دیں تاکہ بطور تبرک میرے پاس رہے۔ حضرت نے ایک لباس ان اشرفیوں کے ساتھ بھیجا اور کہلا بھیجا کہ ان کو واپس نہ کرو کسی وقت انکی ضرورت ہوگی۔

غرض دعبل مرو سے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئے رستہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ لوٹ لیا اور سب کی مشکیں باندھ لیں اس کے بعد ایک جگہ بیٹھ کر مال تقسیم کرنے لگے ان میں سے ایک نے یہ شعر گنگنایا

لقد خفت فی ایام سعیها وانی لا رجوا الامن عند وفات

دعبل نے کہا جانتے ہو یہ شعر کس کا ہے کسی نے کہا دعبل کا وہ بولے میں ہی دعبل ہوں اور یہ شعر میرا ہی ہے یہ سنتے ہی ان لوگوں نے سب کی مشکیں کھول دیں اور سارا مال اہل قافلہ کو واپس کر دیا۔ دعبل وہاں سے شہر قم میں پہنچے اور اس قصیدہ کو پڑھا اہل قم نے ان کو بہت کچھ انعام دیا اور کہا کہ یہ جبہ جو امام علیہ السلام کا تمہارے پاس ہے اسے بیچ ڈالو ایک ہزار اشرفی لے لو۔ دعبل نے انکار کیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ کچھ نوجوانوں سے نہ رہا گیا اور جا کر زبردستی اس کو چھین لائے یہ راہ سے واپس آئے اور جبہ طلب کیا ان لوگوں نے واپس دینے سے انکار کیا اور کہا جبہ تو نہ دیں گے البتہ ایک ہزار اشرفی لے لو۔ دعبل نے کہا اچھا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تو مجھے دیدو تاکہ تبرکاً اپنے پاس رکھوں ان لوگوں نے منظور کر لیا اور ایک ہزار اشرفی دیدی دعبل وہاں سے اپنے وطن کو روانہ ہو گئے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ چوری ہو گئی ہے اور گھر کا سب سامان لٹ گیا ہے اس وقت انہوں نے ان تمام اشرفیوں سے سامان خرید کر خالی گھر کو ازسر نو سجایا اب خیال آیا کہ حضرت نے وہ سو اشرفیاں اور جبہ کیوں دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ تم کو ان کی ضرورت ہوگی۔

ایک روایت ہے کہ دعبل کی ایک کنیز تھی جسے وہ بہت دوست رکھتے تھے ایک بار اس کی آنکھیں ایسی دکھیں کہ اندھے ہونے کے قریب آ گئی طبیبوں نے دیکھ کر کہا ایک کو جاتی رہی ہے دوسری البتہ علاج پذیر ہے۔ یہ سنکر دعبل بہت رنجیدہ ہوئے اس وقت امام علیہ السلام کے جبہ کا ٹکڑا یاد آیا وہ اس لونڈی کی آنکھ پر باندھ دیا اس کی برکت سے صبح کو جو اٹھی تو دونوں آنکھیں اچھی ہو گئیں۔

مامون کی عداوت کا ایک خاص سبب

اگرچہ مامون بظاہر آپ کی تعظیم و توقیر کرتا تھا مگر دل میں کینہ تھا اور اس فکر میں رہتا تھا کہ کسی حیلہ سے آپ کو شہید کر دے اس عداوت کے کئی سبب تھے ایک یہ کہ آپ حق بات بے رو رعایت کہدیتے تھے اور اس کے غلط عمل پر بے محابا ٹوک دیتے بادشاہوں کا مزاج ان باتوں کو کہاں برداشت کرتا ہے آپ اکثر تنہائی میں اس کو پند و نصیحت بھی فرمایا کرتے تھے اور خدا کے عذاب سے بھی ڈراتے رہتے تھے۔ وہ چپ تو ہو جاتا تھا مگر دل میں سخت تکلیف محسوس کرتا تھا۔

ایک بار حضرت نے دیکھا کہ مامون وضو کر رہا ہے اور غلام اس کے ہاتھ پر پانی ڈالتا جا رہا ہے آپ نے فرمایا قرآن کہتا ہے لاتشرک بعبادۃ ربہ احدا (خدا کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو) مامون یہ سن کر شرمندہ ہوا اور خود وضو کرنے لگا دوسرے جب سے حضرت کو اس نے اپنا ولی عہد بنایا تھا عباسی خاندان کے لوگ اس سے سخت ناراض تھے کہتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عباسی حکومت علی کے خاندان میں چلی جائے گی وہ بعض اوقات مامون کو قتل کی دھمکی بھی دیتے تھے یہ بھی ڈراتے تھے کہ وہ اس کے خلاف مہم چلا کر اسے تخت سے اتار دیں گے۔ تیسرے فضل بن سہل اور حسن بن سہل (وزیران مامون) کی غلط کاریوں سے امام علیہ السلام مامون کو آگاہ کرتے رہتے تھے اس وجہ سے وہ دونوں دشمن ہو گئے تھے اور مامون سے چغلیاں کھا کھا کر اس کی عداوت میں اور اضافہ کرتے رہتے تھے۔ پھر حضرت کے بڑھتے ہوئے اثرات اور بہ کثرت پبلک کی رجوع دیکھ کر اور زیادہ جلتے تھے اور مامون کو عداوت پر اکسانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے

حضرت کی شہادت

ایک دن مامون نے حضرت کو بلایا بڑی تعظیم و توقیر سے بٹھایا اس کے سامنے ایک تھالی میں انگور رکھے ہوئے تھے جن کے کئی دانوں میں پہلے سے زہر ملا رکھا تھا الزام سے بچنے کے لئے جن دانوں میں زہر نہ تھا وہ تو خود کھانے لگا اور زہر والے حضرت کی طرف بڑھا کر کہا بسم اللہ آپ بھی نوش فرمائیں ایسے لذیذ انگور آپ نے نہ کھائے ہونگے۔ حضرت نے فرمایا اس وقت میرا دل کچھ کھانے کو نہیں چاہتا مجھے معاف کیجیے مگر وہ نہ مانا اور اظہار ملال کرنے لگا اور مجبور کر کے دو چار دانے کھلا ہی دیئے ان کے کھاتے ہی حضرت کی حالت متغیر ہونے لگی آپ باقی انگور ہاتھ سے پھینک کر کھڑے ہو گئے۔ وہ کہنے لگا آپ کہاں جا رہے ہیں فرمایا جہاں تو بھیجنا چاہتا ہے۔
وہاں سے آپ مکان تشریف لائے اور دروازہ بند کر کے فرش خواب پر لیٹ رہے۔ زہر اتنا قاتل تھا کہ چند گھنٹے کے اندر ہی آثار مرگ ظاہر ہونے لگے اور آخر کار اس جہان ناپائدار سے آپ نے رحلت فرمائی۔ مامون کے جاسوس لگے ہوئے تھے انھوں نے فوراً اطلاع دی مامون اپنے غلاموں کو ساتھ لے کر غم زدوں کی صورت بنائے لوگوں کو دکھانے کے لئے پریشاں وہاں آیا اور رونے لگا اور لوگوں کو حکم تجہیز و تکفین دیا اور اپنے سامنے جنازہ تیار کرا کے اس قبرستان میں لے گیا جہاں اس کے باپ ہارون کی قبر تھی اور چاہا کہ اس کے پائیں پا حضرت کو دفن کرے لیکن کھودنے پر معلوم ہوا کہ وہاں پتھر کی ایک چٹان ہے جس کا نکالنا ممکن نہیں۔ اسی طرح تین جگہ قبر کھودی گئی ہر جگہ یہی صورت پیش آئی آخر مجبور ہو کر اپنے باپ کے سرہانے دفن ہونے کا حکم دیا۔ یہ مقام اب مشہد مقدس کے نام سے مشہور ہے حضرت کی وفات ۱۷ صفر ۲۰۳ھ میں روز سہ شنبہ ہوئی

حضرت کے دفن کے بارہ میں جو صورت پیش آئی وہ قدرتی انتظام تھا جس سے ظاہر ہوا کہ قدرت نہیں چاہتی کہ جن برگزیدہ ہستیوں کو اس نے دین و دنیا کا بادشاہ بنایا ہے مرنے کے بعد ان کو اس دنیائے دنی کے حکمراں کی قبر کے بائیں پا جگہ دے کجا ہارون دنیا کا پرستار کجا امام رضا علیہ السلام بادشاہ دین و دنیا سلطان عرب و عجم۔ ماموں نے اگر ان کے مرتبہ کو نہیں سمجھا اگر اس نے انکی عظمت و جلالت کا لحاظ نہیں رکھا تو اس سے کیا ہوتا ہے قدرت نے اس کے ناپاک ارادہ کو خاک میں ملا دیا اور اس کے باپ کا سر امام کے قدموں کے نیچے لا ڈالا۔ کہاں گئی ہارون کی سلطنت کہاں گئی اس کے دربار کی آن بان حادثات زمانہ نے موت کے زبردست ہاتھوں نے اس کا سب کر و فر چھین لیا اب اسکی قبر کو زائرین امام غریب اپنے پیروں سے روندتے ہیں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں جن کا وہ اہل تھا کسی کی مجال نہیں کہ اب اس قبر پر اب سورہ فاتحہ بھی پڑھ سکے برخلاف اس کے اب دربار پُر انوار رضویہ کی شان دیکھو کہ بڑے بڑے شاہان کج کلاہ اور سلاطین فلک جاہ کس عقیدت و نیازمندی کے ساتھ اپنی جبین نیاز کو ان کی آستان مقدس پر رکھکر اظہار ارادت کرتے ہیں اور کس والہانہ انداز میں ان کی ضریح اقدس کو بوسہ دیتے۔ طواف کرتے اور تحفہ عقیدت و محبت پیش کرتے ہیں۔

ہارون مر گیا ماموں کو موت نے نگل لیا مگر امام رضا علیہ السلام آج بھی زندہ ہیں آج بھی ان کا دربار لگا ہوا ہے صبح سے شام تک شام سے رات کے بارہ بجے تک روضہ اقدس میں زائرین کا وہ بے پناہ ہجوم ہوتا ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ ضریح مبارک تک پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے ملکوں ملکوں سے لوگ کھچے چلے آتے ہیں اور رات دن اس دربار معلیٰ میں عبادت الٰہی ہوتی ہے

مورخین اسلام کا یہ لکھنا کہ ماموں کو امام علیہ السلام سے انتہائی عقیدت تھی جس کی بنا پر آپ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا اور جشن عام میں اس کا اعلان کیا تھا اور سکہ پر اپنے نام کے ساتھ آپکا نام بھی لکھوایا تھا بہت کچھ قابل غور ہے ہمارے ناواقف الحال شیعہ بھی ماموں کو غلطی سے شیعہ سمجھتے ہیں لہذا اس پر مختصر سا تبصرہ کرنا ضروری ہے

(۱) یہ سچ ہے کہ ماموں نے امام رضا علیہ السلام کو اپنا ولی عہد بنا لیا تھا لیکن اس کا سبب امام علیہ السلام سے مذہبی عقیدت اور محبت کی وابستگی نہ تھی بلکہ ایک سیاسی مصلحت اندیشی تھی جس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ اگر ماموں نے ان کو امام منصوص من اللہ تسلیم کر لیا ہوتا اور ان کے روحانی اقتدار کا معترف ہوتا تو جب حضرت نے عہدہ ولی عہدی کے قبول کرنے سے انکار کیا تھا تو ان کو قتل کی دھمکی نہ دیتا کسی شیعہ کی زبان سے ایسے سخت الفاظ نہیں نکل سکتے

(۲) اگر صدق دل سے امام کا حق سمجھکر حضرت کو شریک سلطنت بنایا تھا تو نماز عید پڑھانے سے جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا کبھی نہ روکتا کیونکہ وہ خصوصیت سے حق امام منصوص من اللہ ہے یہ دلیل ہے اس کی کہ یہ سب سیاسی چالیں تھیں۔

(۳) یہ ضرور ہے کہ وہ علمی تحقیق کا شائق تھا اس نے مختلف مذاہب کے علما کو اپنے یہاں رکھ چھوڑا تھا وہ خود بھی ذی علم تھا۔ اکثر مختلف مذاہب کے علما کے مابین مناظرے کراتا تھا امام رضا علیہ السلام کو بھی دعوت شرکت دیتا تھا اور ہر مسئلہ پر انکا جواب سننا چاہتا تھا اور اس کو حق تسلیم لہذا امام کی عدیم المثال قابلیت کی بنا پر بھی وہ آپ کی تعظیم و تکریم کرتا تھا

سیاست دنیا کے تمام ماحولوں سے الگ اپنا یہ جداگانہ ماحول رکھتی ہے اس احاطہ کے اندر وہ سب کچھ ہوتا ہے جو انسانی معاشرہ میں انسانی تمدن میں حد درجہ مذموم سمجھا جاتا ہے اور اسلام تو اس درجہ خفا ہوتا ہے کہ اپنے دائرہ ہی سے خارج کر دیتا ہے

انگریزی ضرب المثل ہے "کنگ شپ نوز نو کن شپ" "سلطنت رشتہ داری کو نہیں جانتی" اس حلقہ میں بیٹا باپ کو باپ بیٹے کو اور بھائی بھائی کو قتل کر ڈالتا ہے نسبی جسمی اور سببی، اخلاقی اور روحانی سب رشتے یہاں کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ جاتے ہیں ۔ سیاسی مصالح تغیرات کا گہوارہ ہوتے ہیں ۔ رات کی محبت کا گلا صبح کو اور صبح کی محبت کا گلا شام کو عداوت کے خنجر سے کاٹ دیا جاتا ہے آج کا دوست کل کا بدترین دشمن کہلا کر تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے ۔ شاہوں کا مزاج ہوا کا جھونکا ہوتا ہے گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند ۔ ہو سکتا ہے کہ ابتداء مامون کو امام سے عقیدت رہی ہو لیکن سیاسی مصالح نے اس کو بعد میں عداوت سے بدل دیا ہو ۔ بادشاہوں کے ارکان سلطنت اپنے سوا کسی دوسرے کا اقتدار دیکھنا نہیں چاہا کرتے اور اشرا پر داریوں چغلخوریوں سے کام بادشاہوں کے مزاج میں برہمی پیدا کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے ۔ چونکہ امام علیہ السلام کی طرف رجوع خلائق زیادہ تھی لہذا ارکان سلطنت کو موقع مل گیا کہ وہ مامون کے دل میں یہ خوف پیدا کر دیں کہ امام علیہ السلام کسی نہ کسی وقت خروج کر کے تمہیں سلطنت سے معزول کر دیں گے ۔ دیوانہ راہوئے بس است بادشاہوں کے لئے اس سے زیادہ خوفناک بات اور کیا ہو سکتی ہے بہر حال جو صورت بھی پیش آئی ہو مامون کا قاتل امام ہونا یقینی ہے

فضائل و مناقب امام علیہ السلام

امام رضا علیہ السلام کا علم بھی دیگر ائمہ کی طرح وہبی تھا اور ہمیشہ لوگ اس سے فیضیاب ہوتے رہتے تھے ۔ حضرت بہ نسبت اور ائمہ کے اپنے علوم کے اظہار و ترویج کے زیادہ موقعے ملتے رہے ۔ جب تک آپ دار الحکومت مرو میں مامون کے پاس مقیم رہے علماء و فضلاء آپ کی علمی استعداد کی جانچ کرانی رہتی تھی مسلمان علماء اور یہود و نصاریٰ کے علماء سے آپ کے ساتھ مناظرہ کرایا گیا جس میں ہمیشہ حضرت ہی کو غلبہ رہا ۔ مامون خود بڑا عالم تھا وہ علماء سے بحثیں کرتا تھا اور اکثر اوقات انہیں لاجواب کر دیتا تھا مگر حضرت کے علم و فضل کا لوہا مان گیا تھا اور اہل علم کے سامنے اس کا اقرار کرتا تھا کہ حضرت کے علم کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں آپ علم کے دریائے ناپید اکنار ہیں ۔ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ امام رضا علیہ السلام اپنی جلالت قدر اور اپنے علم و فضل میں شہرہ آفاق تھے وہ اکثر علمائے ادیان اور فقہائے شریعت کو آپ سے مناظرہ کرنے کے لئے بلایا کرتا تھا اور حضرت ہمیشہ ان پر غالب رہتے تھے جب تک حضرت مدینہ میں رہے وہاں کے تمام عالم جب کسی علمی مسئلہ میں عاجز آتے تھے تو حضرت ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ اپنے مدلل جوابوں سے انکی تسکین کر دیتے تھے ۔

ابو الصلت بن صالح ہروی کہا کرتے تھے کہ امام رضا علیہ السلام سے زیادہ عالم کوئی شخص میری نظر سے نہیں گزرا اور مجھ پر کوئی موقوف نہیں جو کوئی ملاقات کو آتا تھا آپ کی اعلمیت کا اقرار کئے بغیر نہ رہتا تھا ۔ عیون اخبار الرضا میں ہے کہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ایک رات میں نے جناب رسولخدا کو مع علی مرتضیٰ کے خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا اے علی تمہارا فرزند علی بن موسیٰ الرضا نور خدا سے دیکھتا اور حکمت خدا سے بولتا ہے اس کے اقوال و افعال سب درست ہیں خطا کو ان میں دخل نہیں جہالت اس سے دور ہے اور وہ از سرتا پا علم و حکمت سے معمور ہے ۔

ابو الصلت سے مروی ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمہارے بھائی علی رضا آل محمد ہیں

ابراہیم بن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اس نے کوئی مسئلہ امام رضا علیہ السلام سے پوچھا ہو اور آپ نے اس کا تسلی بخش جواب نہ دیا ہو۔ ابتدائے عالم سے اس وقت تک کے حالات جاننے والا میں نے آپ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا ماموں ہر قسم کے سوالات کر کے آپ کو آزماتا تھا مگر آپ اس کی ہر بات کا ایسا مدلل جواب دیتے تھے کہ وہ خاموش ہو کر رہ جاتا تھا آپ کے تمام جوابات کلام الٰہی سے ماخوذ ہوتے تھے۔

محاضرات راغب اصفہانی میں ہے کہ روئے زمین پر کبھی ایسے سات شخص متواتر نہیں گزرے جن کے اقوال خاص و عام کے نزدیک ایسے معتبر اور مقبول ہوئے ہوں جیسے امام رضا علیہ السلام اور ان سے پہلے ائمہ کے۔

محمد بن عیسیٰ الیقطینی ناقل ہیں کہ جب لوگوں نے امام رضا علیہ السلام کے بارہ میں اختلاف کیا تو میں نے وہ مسائل جن کے جوابات آپ سے حاصل کئے تھے جمع کرنے شروع کئے تو ان کا مجموعہ اٹھارہ ہزار تھا۔

غیر مسلم علماء سے مباحثے اور مناظرے

غیر اقوام کے علماء سے جو مباحثے اور مناظرے ہوئے ان کا خاص سبب ماموں تھا وہ خود علمی جلسوں کا دلدادہ اور علوم کا شیدائی تھا پہلے تو خود سینکڑوں علمی مسئلے دریافت کر کے آزمائش کی اور جب حضرت کی قابلیت کا سکہ اس کے دل پر بیٹھ گیا تو پھر اس نے دیگر علماء و فضلا کو بلایا اور حضرت سے مباحثے اور مناظرے کرائے تاکہ دوسرے لوگ بھی آپ کے فضل و شرف کے معترف ہوں جب سے آپ دار الخلافہ مرو میں آئے وہ آپ کے مناظروں کی بدولت ایک بڑا علمی مرکز بن گیا تھا اور دور دور سے مسلم اور غیر مسلم ان کو سننے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ہر مناظرہ میں امام علیہ السلام غالب رہتے تھے۔

عبد اللہ خراسانی خادم امام عصر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک منکر خدا آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔

زندیق ۔ مجھے بتائیے آپ کا خدا کیسا ہے اور کہاں ہے

امام ۔ یہ کیسا لغو سوال تو نے کیا کہاں اور کیسا مخلوق کی صفت ہے نہ کہ خالق کی وہ ہر جگہ اور ہر کیفیت کا بنانے والا اور پیدا کرنے والا ہے پھر ان چیزوں کا اس سے کیا تعلق وہ ایسی ذات نہیں کہ کوئی شخص حواس خمسہ سے اس کا ادراک کر سکے کسی شے پر اس کا قیاس نہیں کیا جا سکتا

زندیق ۔ پھر تو یوں کہئے خدا کوئی چیز ہی نہیں کیونکہ جب وہ حواس خمسہ سے محسوس نہیں ہوتا اور کسی چیز پر اس کا قیاس نہیں کیا جا سکتا تو پھر آپ ہی بتائیے وہ کیا ہوا۔

امام ۔ تم حواس سے نہ محسوس ہونے کی بنا پر انکار کرتے ہو اور ہم اسی کی وجہ سے خدا مانتے ہیں اگر وہ محسوس ہوتا تو پھر ہم ہی جیسی مخلوق ہو جاتا اس کا محسوس نہ ہونا ہمارے کمال عجز و قصور کی دلیل ہے

زندیق اچھا، بتائیے وہ کب سے ہے

امام ۔ تم بتاؤ وہ کب نہ تھا ۔

زندیق ۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں آپ مجھ سے سوال کرتے ہیں میں کیا جانوں وہ کب نہ تھا

امام ۔ جب مجھے اس کے کبھی نہ ہونے کا علم نہیں تو یہ سوال ہی غلط ہے کہ کب سے ہے

زندیق ۔ پہلے یہ تو بتلائیے کہ اس کے وجود پر دلیل کیا ہے

امام ۔ ایک کیا ہزاروں دلیلیں ہیں ۔ اپنے جسم ہی پر غور کرو جب ہم اس کے طول و عرض کی کمی اور زیادتی پر قادر نہیں رکھتے اس کے نفع و نقصان پر ہم کو پوری قدرت نہیں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی اور ہے اس کے علاوہ آسمانوں کی گردش بادلوں کا پیدا ہونا ہواؤں کا چلنا چاند سورج اور ستاروں کا باقاعدہ طلوع و غروب ہونا کیا یہ سب چیزیں کسی صانع حکیم کے وجود کی دلیل نہیں

زندیق ۔ اگر وہ ہے تو ہمیں دکھائی کیوں نہیں دیتا

امام ۔ آنکھ سے تو وہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں جو اس کی مخلوق ہیں اگر وہ بھی آنکھ سے دکھائی دینے لگے تو پھر اس میں اور مخلوق میں فرق کیا رہے وہ ایسی ذات ہے کہ نہ کوئی آنکھ اس کو دیکھ سکتی ہے اور نہ عقل و وہم کی اس تک رسائی ہے

زندیق ۔ [illegible] کہاں ہے

امام ۔ [illegible] کی نہ مکان ہے نہ کیفیت ۔ کا خالق ہے نہ کہ وجود کسی [illegible] محتاج ہے اور اس کی ذات زیادتی اور نقصان سے بری ہے ۔ وہ کسی چیز سے مل کر نہیں بنا وہ سنتا ہے مگر بغیر کان کے اور دیکھتا ہے بغیر آنکھ کے

زندیق ۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ سنے اور کان نہ ہوں دیکھے اور آنکھ نہ ہو اگر اس نے رنگ برنگ کی چیزیں بنائی ہیں تو ضرور اس کے ہاتھ بھی ہونے چاہئیں ۔

امام ۔ کیا تم مخلوق کا قیاس خالق پر کرتے ہو کیا مخلوق کے اوصاف اس میں تلاش کرتے ہو اگر ہماری طرح وہ بغیر کانوں کے نہ سن سکے اور بغیر آنکھوں کے نہ دیکھ سکے اور ہماری طرح بغیر ہاتھوں کے کام نہ کر سکے تو ذرا سمجھو پھر ہم میں اور اس میں فرق ہی کیا رہے گا ۔ کیا تمہاری عقل یہ نہیں بتاتی کہ ہمارا خالق ایسا نہیں ہونا چاہئیے جو ہماری سی صفتیں رکھتا ہو ۔

اس کے بعد اس دہریے نے اور بہت سے سوالات کئے حضرت نے ان سب کے تسلی بخش جوابات دئیے ۔ جب اسے ہر طرح اطمینان ہو گیا اور کوئی اعتراض کا موقع نہ ملا تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا ۔

ایک یہودی عالم سے مناظرہ

ایک یہودی عالم کو اپنے علم پر بڑا غرور تھا اور یہودیوں کا اس کے متعلق یہ خیال تھا کہ دنیا کا عالم مناظرہ میں اس پر غالب نہیں آ سکتا ایک روز وہ امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور مختلف قسم کے سوالات کرنے شروع کر دئیے آپ برابر اس کے ہر سوال کا جواب دے کر خاموش کرتے رہے مناظرہ بہت طولانی ہے ہم بلحاظ اختصار چند سوالوں کے جواب لکھتے ہیں

امام - تمہارے پاس حضرت موسیٰ کے نبی ہونے کا کیا ثبوت ہے
راس الجالوت - وہ سب وہ امور ظاہر ہوئے جو انبیائے سابقین سے کبھی ظاہر نہ ہوئے تھے مثلاً دریائے نیل کے پانی کا شگافتہ ہونا۔ پتھر سے بارہ چشموں کا پھوٹ نکلنا۔ عصا کا سانپ بن جانا۔ اور ید بیضا۔
امام - تم نے سچ کہا لیکن تمہارے اس قول سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کے لئے ایسے امور کا اظہار ضروری ہے جن کا اظہار دوسروں سے ممکن نہ ہو
راس - بے شک
امام - تو پھر یہ بھی ضروری ہوا کہ جو کوئی بھی ایسے امور کا اظہار کرے اس کی نبوت کی تصدیق کر دی جائے
راس - نہیں
امام - کیوں
راس - ان معجزات کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا سے وہ قربت بھی تو تھی جو کسی اور کو نہ تھی پس جب تک کوئی شخص وہی معجزات و کرامات ہم کو نہ دکھائے ہم اس کی نبوت کا اقرار نہیں کر سکتے۔
امام - اچھا یہ بتاؤ تم حضرت موسیٰ سے پہلے بھی کسی نبی کو مانتے ہو
راس - مانتے ہیں
امام - لیکن یہ کیونکر صحیح ہے ان سے پہلے نہ تو کسی نبی نے دریا کو شگافتہ کیا نہ کسی پہاڑ سے چشمہ نکالا نہ ان کا ہاتھ روشن بنا اور نہ عصا سانپ بن کر چلا۔
راس - میرا مطلب اس کہنے سے یہ تھا کہ جب کسی سے ایسے امور ظاہر ہوں جن کو بجا لانے سے لوگ قاصر ہوں خواہ بعینہ ہوں یا نہ ہوں تو ہم پر نبوت کی تصدیق واجب ہو جائے گی۔
امام - اگر یہ بات ہے تو تم لوگ حضرت عیسیٰ کو کیوں نہیں مانتے وہ بھی تو مردوں کو زندہ کرتے اندھوں بہروں اور جذامیوں کو شفا بخشتے اور مٹی کی چڑیا میں پھونک مار کر اسے اڑا دیتے تھے۔
راس - ہم نے انہیں ایسا کرتے دیکھا نہیں لوگ کہتے ہیں
امام - تو کیا حضرت موسیٰ کے معجزات کو تم نے بچشم خود دیکھا تھا آخر ان کا حال بھی تو لوگوں ہی سے سنا ہوگا۔
راس یہ سنکر خاموش ہو گیا کوئی جواب نہ بن پڑا
امام - پس اسی طرح تم کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت کا اقرار کرنا چاہئے کیونکہ آپ سے بھی بیشمار معجزات ظہور میں آئے باوجودیکہ آپ ایک یتیم نادار اور بھیڑ بکریوں کو چرانے والے اور اجرت پر دوسروں کا کام کرتے تھے۔ اور کسی سے ایک حرف نہ پڑھا تھا نہ لکھا تھا پھر بھی قرآن مجید جیسی کتاب لائے جس میں انبیائے سابقین کے قصے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت کو علم غیب تھا۔
یہ سنکر راس الجالوت نے بے حیائی سے جواب دیا یہ سب کچھ سہی لیکن چونکہ ہمارے نزدیک عیسیٰ اور محمد کی نبوت ثابت نہیں لہذا ہم ان کو نبی نہیں مان سکتے حضرت نے فرمایا جہالت کا کرشمہ ہے

ایک سُنّی عالم سے مناظرہ

تاریخ طبری میں ہے کہ ایک بار کچھ لوگ مامون کی مجلس میں اس غرض سے جمع ہوئے کہ امام علیہ السلام کی امامت کے بارہ میں مناظرہ کریں انھوں نے یحییٰ بن ضحاک کو جو اس زمانہ میں سنیوں کا سب سے بڑا عالم تھا حضرت سے مناظرہ کرنے کے لئے انتخاب کیا۔ حضرت نے یحییٰ سے فرمایا جو کچھ تمہیں پوچھنا ہو پوچھو

یحییٰ: میں چاہتا ہوں آپ ہی سوال کریں:

امام۔ اچھا اگر تمہاری مرضی یہی ہے تو میں ہی پوچھتا ہوں۔ بتاؤ تم ایسے شخص کے بارہ میں کیا کہتے ہو جو اپنے لئے تو راستی کا دعویٰ کرے اور سچوں کے مقابل جھوٹ بولے۔ کیا ایسا شخص سچا ہے بتاؤ بلحاظ دین حق پر ہے یا باطل پر

یحییٰ کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا مامون نے جواب کا تقاضا کیا تو اس نے کہا اے امیر میرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔ مامون نے امام علیہ السلام سے کہا آپ بتائے کہ یہ کیا بات آپ نے پوچھی ہے کہ یحییٰ جیسا عالم خاموش ہو گیا فرمایا یحییٰ بیچارہ اس بات کا کیا جواب دے سکتا ہے اگر وہ کہتا کہ میں قول سے جھوٹ نہیں ہوتا تو اس کا یہ کہنا غلط ہوتا ابوبکر نے جب منبر پر بیٹھ کر اپنے عجز کا اقرار کر لیا اور یہ کہہ دیا میں تم پر حاکم تو ہوں مگر تم سے بہتر نہیں ہوں تو ان کا اپنے کو خلیفہ رسول کہنا جھوٹ ہوا یا نہیں۔ در صورت امت سے بہتر نہ ہونے کے وہ حاکم کیسے ہوئے۔ امیر کو رعایا سے افضل ہونا لازم ہے۔ اس کے علاوہ اس کا اقرار کہ میرے لئے ایک شیطان ہے جو مجھ پر غالب آتا ہے تو ایسا کہنے والا امام کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے جس کے ماننے والے یہ کہتے ہوں کہ ابوبکر کی بیعت ایک جلدی کی بات تھی اللہ نے اس کے شر سے بچا لیا آئندہ جو کوئی ایسا کرے اُسے قتل کر دو تو یہ بیعت کیسے صحیح ہوگی اس کے بعد مامون نے یہ سمجھ کر سب کو رخصت کیا میں نے کہتا تھا ان سے مباحثہ نہ کرو یہ علم رسولؐ کے وارث دار ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب مستطاب

حالاتِ انبیاء و ائمہؑ

پر

تنقید و تبصرہ

حصہ یازدہم

در حالات

امام محمد تقی علیہ السّلام

مصنفہ

ادیب اعظم مولانا سیّد ظفر حسن صاحب قبلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات امام محمد تقیؑ

آپ کے والد ماجد امام رضا علیہ السلام اور والدہ ماجدہ سبیکہ نوبیہ تھیں آپ ۱۹ر رمضان ۱۹۵ھ میں جبکہ امین عباسی کی سلطنت تھی مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ بعض مورخین نے آپ کی ولادت ۱۰ر رجب کو لکھی ہے

حضرت کے حالات زندگی بہت مختصر ہیں کیونکہ اول تو آپ کی عمر کل ۲۵ سال کی ہوئی پھر یہ زمانہ بھی مخالفوں کی کثرت سے انتہائی پریشانی میں گزرا۔

مناقب بن شہر آشوب میں ہے کہ امام رضا علیہ السلام کی بہن جناب حکیمہ خاتون بیان فرماتی ہیں کہ جب امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ مختون اور ناف بریدہ تھے۔ میں نے نہلانے کے لئے طشت میں بٹھایا۔ جو چراغ حجرہ میں تھا اتفاقاً گل ہو گیا مگر مولود کے چہرہ کی روشنی ایسی رہی کہ میں نے آسانی سے نہلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد میرے بھائی تشریف لائے میں نے صاحبزادہ کو کپڑے پہنا کر آپ کی گود میں دیا آپ نے سر اور آنکھوں کو بوسہ دیا۔ دو دن امام محمد تقیؑ کی آنکھیں بند رہیں تیسرے دن جب کھولیں تو پہلے آسمان کی طرف دیکھا پھر اشہدان لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ زبان پر جاری کیا۔ مجھے اس سے تعجب ہوا اور یہ واقعہ اپنے بھائی سے بیان کیا۔ فرمایا تعجب نہ کرو یہ فرزند حجت خدا میرا وصی ہے جو امور عجیبہ ظہور میں آئیں ان کو بنظر تعجب نہ دیکھو

محمد بن علی ناقل ہیں حضرت نے مجھ سے فرمایا میرے فرزند کے جسم سے قمیص اتارو میں نے اتار دی۔ فرمایا دونوں شانوں کے درمیان غور سے دیکھو کیا ہے۔ میں نے دیکھ کر کہا انگوٹھی کے نگینہ جیسا نشان ہے جیسے کسی نے مہر لگا دی ہو۔ فرمایا میرے پدر بزرگوار کے دونوں شانوں کے درمیان بھی ایسا ہی نشان تھا

امام محمد تقیؑ کی کم سنی پر اعتراض

ابو قیاما جو فرقہ واقفیہ کا سردار تھا امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہوگا حضرت نے امام محمد تقی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کہا یہ مسائل بتلانے میں آپ کی قائم مقامی کیسے کر سکتے ہیں اگر خدانخواستہ کسی حادثہ میں آپ فوت ہو جائیں تو یہ صاحبزادے تو ابھی تین ہی سال کے ہیں کیا یہ کم سنی منافی امامت نہ ہوگی فرمایا تمہیں ان کی عمر پر تو اعتراض ہے لیکن حضرت عیسیٰ کی عمر پر نہیں جنہوں نے آغوش مادر میں پیدا ہونے کے بعد ہی کہا تھا انی عبداللہ آتانی الکتاب وجعلنی نبیا۔ (میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔

جب آپ کو وقت پیدائش یہ فضیلت حاصل تھی تو یہ تو تین برس کے ہیں ۔

کمسنی میں یتیمی اور منصب امامت پر فائز ہونا

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی عمر ابھی ۵ ½ سال ہی کی تھی کہ یتیمی کی مصیبت سر پر آگئی ہمارے ائمہ میں اس کم سنی میں کوئی یتیم نہیں ہوا اور عمر بھی سب اماموں سے کم ہوئی یعنی کل ۲۵ سال ۔ امام رضا علیہ السلام کے بعد آپ کا دور امامت شروع ہوا امام منصوص من اللہ کے لئے عمر کی کمی بیشی کا لحاظ نہیں بلکہ ذاتی کمالات اور روحانی فضائل دیکھے جاتے ہیں رسول اللہ نے کہا ہے صغیرنا وکبیرنا سواء ہمارے چھوٹے بڑے سب برابر ہیں ۔ امام محمد تقی علیہ السلام کو کم سنی ہی کے زمانہ میں عرب کے بڑے بڑے عالموں سے مباحثے کرنا پڑے اور ہمیشہ ان کو نیچا دکھایا ۔ ہمارے ائمہ کو عام لوگوں کی طرح تحصیل علم کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ خدا کے یہاں سے علم لیکر آتے ہیں ایسی صورت میں ان کا بچپن قابل اعتراض نہیں ہو سکتا

امام محمد تقی علیہ السلام کو بچپن ہی میں بہت سے مصائب نے آگھیرا تھا سنہ ۱۵۹ میں امام رضا علیہ السلام مدینہ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر مامون کے دار الحکومت مرو تشریف لے گئے تھے اور امام محمد تقی علیہ السلام کو چار برس کے سن ہی میں اپنے پدر بزرگوار سے جدا ہو کر اپنی زندگی ایسے بے مروت اور بد اخلاق عزیزوں میں بسر کرنا پڑی جو آپ کو امام رضا علیہ السلام کا فرزند بھی نہیں مانتے تھے ۔ غور کی قابل یہ بات ہے کہ ایسے لوگوں کے درمیان اپنے کم سن صاحبزادہ کو چھوڑ جانا حضرت امام رضا علیہ السلام پر کیسا شاق گزرا ہو گا خاص کر ایسی حالت میں جب آپ بعلم امامت یہ بھی جانتے ہوں گے اب پھر اس فرزند کو دیکھنا نصیب نہ ہو گا ۔ لیکن ایک مجبور اور بے بس انسان کیا کر سکتا ہے ۔

امام محمد تقی علیہ السلام اور مامون

مامون جس طرح بنی عباس کی خفیہ سازشوں سے ڈرتا رہتا تھا اسی طرح سادات کی شجاعت سے بھی خائف تھا چاہتا تھا جیسے عباسیوں کو حسن تدبیر سے اپنا فرمانبردار بنا لیا ہے اسی طرح سادات کو بھی بنا لے یہ فکر اس کے دل میں تھی کہ ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ امام محمد تقی علیہ السلام جن کا سن اس وقت نو برس کا تھا بغداد کے ایک راستہ میں چند لڑکوں کے پاس کھڑے تھے ۔ مامون کی سواری دیکھ کر سب لڑکے تو بھاگ گئے مگر امام علیہ السلام بدستور اپنی جگہ پر کھڑے رہے مامون نے سواری روک کر آپ سے پوچھا اے لڑکے تم کیوں نہ بھاگے ۔ فرمایا کیوں بھاگتا راستہ تنگ نہ تھا ۔ آپ کا میں نے کوئی گناہ نہ کیا تھا ۔ آپ کی طرف سے کسی بے گناہ کو سزا دینے کا گمان نہ تھا ۔ مامون کو یہ بات بہت پسند آئی ۔ پوچھا صاحبزادے

تمہارا اور تمہارے باپ کا نام کیا ہے فرمایا میرا نام محمد ہے اور میں امام رضا علیہ السلام کا فرزند ہوں۔ مامون کو آپ کی حالت پر بڑا ترس آیا اور اپنا گھوڑا وہاں سے آگے کو بڑھا دیا وہ شکار کھیلنے جا رہا تھا اس کے ہمراہ چند باز تھے جب آبادی سے دور نکل گیا تو ایک باز کو تیتر پر چھوڑا کچھ دیر بعد وہ نظروں سے غائب ہو گیا۔ جب واپس آیا تو اسکی چونچ میں ایک چھوٹی سی مچھلی تھی مامون کو اس پر تعجب ہوا وہاں سے واپسی پر سرراہ پھر لڑکے کھیلتے ہوئے ملے مامون کی سواری دیکھکر وہ سب تو بھاگ گئے مگر امام محمد تقی پھر بدستور کھڑے رہے مامون نے آپ کو قریب بلا کر کہا صاحبزادے یہ بتائیے میری مٹھی میں کیا ہے آپ نے فرمایا خدا نے اپنے دریائے قدرت میں ننھی ننھی مچھلیاں پیدا کی ہیں جن کو بادشاہوں کے باز شکار کرتے ہیں اور وہ اس کے ذریعہ سے اہلبیت رسول کی آزمائش کرتے ہیں (صواعق محرقہ)

اس واقعہ سے پتہ چل گیا کہ منصب امامت نہ وقت و زمانہ کا محتاج ہے نہ سن و سال کا اس کا تعلق عمر کی کمی بیشی سے نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے ائمہ بچپن میں بھی لہو و لعب کی طرف مائل نہیں ہوتے وہ روز ولادت سے یوم وفات تک حقایق و معارف کی تعلیم میں مصروف رہتے ہیں یہی طریقہ انبیا کا ہوتا ہے چنانچہ حضرت یحییٰ کے حال میں ہے کہ جب کم سنی میں لڑکے کھیلنے کو بلاتے تھے تو فرماتے تھے ہم دنیا میں کھیلنے کے لئے نہیں آئے

امام محمد تقی علیہ السلام سے مامون کا ظاہری سلوک

امام محمد تقی علیہ السلام کی زبان سے اپنی بات کا معقول جواب سنکر اور یہ معلوم کر کے کہ آپ امام رضا علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں آپ سے ازراہ شفقت پیش آیا اور حضرت کو اپنے ساتھ لیتا ہوا چلا گیا اور محل شاہی کے قریب ایک مکان آپ کو رہنے کے لئے دیدیا اور آپ کے ساتھ بہ تعظیم و تکریم پیش آنے لگا۔ اس کی دو وجہیں تھیں اول تو حضرت کی ذاتی قابلیت جس کی جانچ اس نے بار بار کی دوسرے ان کے پدر بزرگوار کے ساتھ جو عمل کر چکا اس پر اس کے ضمیر کی خلش نیز اور ندامت اور تلافی مافات کی فکر اور پبلک میں جو اس کے قاتل امام ہونے کے چرچے تھے اس کے متعلق لوگوں کے منہ بند کرنے کی ضرورت ان سب باتوں کے پیش نظر وہ ہر روز آپ کو بلاتا اور اپنی برابر تخت پر بٹھاتا اور آپ سے امور سلطنت میں مشورہ کرکے آپ کی ہدایت پر عمل کرتا تھا۔ مامون چونکہ خود بھی عالم تھا اور عالمین کا قدردان بھی تھا لہذا اس کا دربار ہمیشہ عالموں سے بھرا رہتا تھا اکثر علمی مسائل پر بحث ہوتی تھی امام محمد تقی علیہ السلام کی موجودگی میں ان جلسوں کی رونق اور بھی زیادہ ہو گئی۔ مامون اپنے درباری علما کو اس پر آمادہ کرتا تھا کہ وہ مل کر کسی مسئلہ پر امام علیہ السلام سے بحث کریں چنانچہ وہ کسی مسئلہ پر پوری طرح غور و فکر کرنے کے بعد امام کے سامنے اس کو بیان کرتے تھے آپ ان کو ایسا مسکت جواب دیتے تھے کہ وہ اس کی تردید کرنے پر قادر نہ ہوتے تھے

عباسیوں کی مامون سے مخالفت

اول تو عباسی خاندان کے اُمرا اس بات پر جل رہے تھے کہ مامون امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنی برابر تخت پر کیوں بٹھاتا ہے پھر کریلا اور نیم چڑھا یہ کہ اس نے اپنی بیٹی ام الفضل کا عقد حضرت کے ساتھ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس پر عباسیوں میں غیر معمولی جوش پیدا ہوا اور ادنیٰ و اعلیٰ ہم آواز ہوکر مامون سے کہنے لگے آپ پھر ایسی باتیں کرنے لگے جن سے ہمارے اور آپ کے درمیان مخالفت پیدا ہو ایک عرصہ کے بعد تو امام رضا علیہ السلام کے مرنے پر ہمارے اور آپ کے درمیان صلح ہوئی تھی اب آپ نے نئے سرے ایک اور جھگڑا اٹھا کھڑا کیا آخر کیا سبب ہے کہ آپ ہم پر بنی فاطمہ کو ترجیح دیتے ہیں ان بیچاروں کے پاس اب رہ کیا گیا ہے جس پر آپ اتنے لٹو ہو رہے ہیں کیا آپ کے خاندان میں کوئی اس قابل نہیں کہ ام الفضل کا عقد اس سے کیا جائے اگر آپ نے یہ رشتہ امام محمد تقی سے کیا تو ہم لوگوں کی رائے کے سخت خلاف ہوگا پہلے جو آپ نے اپنی بہن ام حبیبہ کا عقد امام رضاؑ کے ساتھ کیا تھا اس سے کیا فائدہ اٹھایا جو اب اس سے حاصل ہوگا خیر وہ تو سن و سال کے اعتبار سے اس قابل تھے بھی لیکن یہ تو ابھی صاحبزادے ہی ہیں آپ نے ان کو تخت پر اپنے پاس بٹھا کر اور علماء سے انکی تعظیم کرا کے خواہ مخواہ بڑا ابھار کھا ہے یہ باتیں عقل اور انصاف دونوں سے بعید ہیں

مامون نے عباسیوں کے اس اعتراض پر کوئی توجہ نہ کی اور صاف کہدیا چاہے وہ کتنے ہی کم سن ہیں لیکن بلحاظ قابلیت میں ان کو تمام علماء و فضلا پر ترجیح دیتا ہوں۔ عباسی یہ سنکر غصہ میں بھرے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون اپنے ارادہ کا پکا تھا اس نے حضرت سے اپنی بیٹی کے عقد کا خیال ترک نہ کیا اس نے عباسیوں کی مخالفت کی کوئی پروا نہ کی۔ جب عباسیوں نے اعتراضات کی زیادہ بوچھار کی تو اس نے کھلے لفظوں میں کہدیا کہ اگر تم کو امام محمد تقی کی غیر معمولی قابلیت تسلیم نہیں تو جب تم چاہو ان کا امتحان لے لو۔

عباسیوں نے مامون کی رائے کو غلط ثابت کرنے کے لئے یحییٰ بن اکثم کو جو بغداد کا مشہور عالم تھا امام علیہ السلام سے مناظرہ کے لئے آمادہ کیا۔ مامون نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا۔

امام علیہ السلام اور یحییٰ بن اکثم سے مناظرہ

تمام اسلامی تاریخوں میں اس مناظرہ کی کیفیت تفصیل کے ساتھ درج ہے یہ جلسہ اتنے بڑے پیمانہ پر ہوا کہ ارکان سلطنت کے علاوہ نو سو کرسیاں علماء و فضلاء سے بھری ہوئی تھیں اور یہ ایسے لوگ تھے جن کی علمی قابلیت پر عرب و عجم کو ناز تھا۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو جو خدائی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے ایسے لوگوں سے کیا خوف ہو سکتا تھا۔

جب لوگوں سے جلسہ گاہ پُر ہوگئی تو مامون نے امام علیہ السلام کو بلا کر اپنی برابر مسند پر بٹھایا اور آپ کے پہلو میں دونوں طرف تکیے رکھوا دیے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم بھی موجود تھے۔ مامون سے کہنے لگے اگر آپ کی اجازت ہو تو ان صاحبزادہ سے چند سوال کروں۔ مامون نے کہا آپ کی تہذیب کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اس بارہ میں انہی سے اجازت لیجئے۔ یحییٰ نے حضرت سے اجازت چاہی آپ نے فوراً اجازت دیدی۔

یحییٰ — اگر کسی نے حالت احرام میں شکار کیا ہو تو شرع میں اس کا کفارہ کیا ہے؟

امام — یہ سوال تو بالکل مہمل ہے پہلے یہ تو بتایئے اس محرم (احرام باندھنے والا) نے کہاں شکار کیا مقام حِل میں یا حرم میں — وہ عالم مسئلہ تھا یا جاہل — عمداً شکار کیا یا سہواً — یہ شخص آزاد تھا یا غلام — بالغ تھا یا نابالغ — پہلی بار شکار کیا تھا یا اس سے پہلے بھی کر چکا تھا — وہ شکار پرندہ تھا یا چوپایہ — چھوٹا تھا یا بڑا — وہ شکاری اپنے اس فعل پر نادم تھا یا مصر — شکار رات کو کیا تھا یا دن میں — وہ احرام حج کا تھا یا عمرہ کا یہ سننا تھا کہ قاضی صاحب سنانے میں آگئے چہرہ کا رنگ پیلا پڑ گیا سکتہ کے عالم میں بیٹھے تھے۔ جب زیادہ سکوت ہوا تو مامون سے نہ رہا گیا امام علیہ السلام سے کہنے لگا یہ تو بتا چکے اب آپ تفصیل سے بیان فرمائے

امام — اگر کوئی محرم مقام حِل میں شکار کرے اور وہ شکار پرندہ ہو اور بڑا بھی ہو تو اس کا کفارہ ایک بکری ہے اگر اسی قسم کا شکار حرم میں کیا ہو تو اس کا کفارہ دو بکری ہے۔

اگر وحشی چوپایوں میں کسی بچہ کو مقام حِل میں شکار کیا ہو تو اس کا کفارہ دنبہ کا ایک بچہ جو اپنی ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہو اگر وہ شکار ہرن ہے تو ایک بکری۔ یہ تمام کفارے وحشی جانوروں کے متعلق اس وقت دینے ہونگے جب ان جانوروں کا شکار حِل میں کیا ہو اور اگر حرم میں کیا ہو گا تو یہ کفارے دوچند ہو جائیں گے اور جو جانور کفارہ میں دے گا انہیں خود خانہ کعبہ تک پہنچانا بھی ہوگا

اگر اس نے احرام حج کا باندھا ہے تو ان جانوروں کو منیٰ میں اور اگر عمرہ کا باندھا ہے تو مکہ میں قربانی کرنا ہوگی اور ان کفاروں میں عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں۔ عمداً صید کرنے والا گنہگار ہوگا۔ سہواً کرنے پر گناہ نہیں مرد آزاد خود کفارہ دے گا اور غلام کا کفارہ خود اس کے آقا پر ہوگا۔ طفل صغیر پر کوئی کفارہ نہیں بالغ پر کفارہ واجب ہے۔ جو شخص شکار کرنے پر نادم ہو تو اس سے عذاب آخرت دور رہے گا اور اگر اپنے فعل پر مصر ہے تو عذاب آخرت بھی ہوگا۔

یہ جواب سُن کر ساری محفل حیران رہ گئی اور ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ مامون کا خوشی سے عجیب حال تھا بار بار حضرت کا ہاتھ پکڑ کر کہتا تھا اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ (اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ رسالت کہاں قرار دے) اس کے بعد امام علیہ السلام نے قاضی یحییٰ سے فرمایا

امام — اب میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں یحییٰ — ضرور پوچھیے حضور کیجیے

امام — صبح کو ایک مرد نے ایک عورت کی طرف دیکھا وہ اس پر حرام تھی طلوع آفتاب کے وقت حلال ہوگئی۔ ظہر کے وقت

پھر حرام ہو گئی عصر کے وقت پھر حلال ہو گئی۔ مغرب کے وقت پھر حرام ہو گئی عشا کے وقت پھر حلال ہو گئی۔ آدھی رات کو پھر حرام ہو گئی صبح کو پھر حلال ہو گئی۔ مجھے بتاؤ اس کی کیا صورت ہوئی۔ یحییٰ نے شرمندہ ہو کر کہا میں نہیں بتا سکتا فرمایا مجھ سے سنو

امام ـــ ایک مرد اجنبی نے ایک کنیز کی طرف دیکھا اس وقت وہ اس پر حرام تھی وقت چاشت اسے خرید لیا حلال ہو گئی۔ ظہر کے وقت آزاد کر دیا حرام ہو گئی عشا کے وقت نکاح کر لیا حلال ہو گئی آدھی رات کو طلاق رجعی دی حرام ہو گئی صبح کو رجوع کر لی حلال ہو گئی۔

یہ سنکر مامون نے عباسیوں سے کہا دیکھا تم نے ان کا علم کس پایہ کا ہے۔ کیا ان کے پایہ کا کوئی عالم تمہاری نظر میں ہے یہ سنکر ان سب نے سر جھکا لئے۔

امام علیہ السلام کا عقد امِ الفضل سے

اس مناظرہ کے بعد جبکہ اس کے دربار میں ہر طبقہ کے لوگ جمع تھے اس نے اپنی چھوٹی لڑکی ام الفضل کا عقد امام علیہ السلام سے کر دیا اور ذرا اس کا خیال نہ کیا کہ عباسی اس کے خلاف شورش برپا کریں گے۔ عباسیوں پر یہ امر بہت شاق تھا لیکن مامون کے خوف سے کچھ کہہ نہ سکے اور بعد نکاح منہ بنائے ہوئے چپ چاپ وہاں سے چلے گئے۔

ایک سال بعد مامون نے بڑے اہتمام کے ساتھ ام الفضل کی رخصتی کر کے حضرت کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا ان کے چلے جانے کے بعد عباسیوں کے سینوں میں بھڑکتی آگ بھی کسی قدر ٹھنڈی پڑ گئی کیونکہ انہیں ہر وقت یہ خوف تھا کہ مامون از راہ عقیدت ہی بنا پر کہیں اپنی سلطنت امام علیہ السلام کو نہ دے بیٹھے۔ دوسرے اس خیال سے بھی خوشی ہوئی کہ اب انکو ام الفضل اور امام علیہ السلام کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کا زیادہ موقع مل سکے گا۔ چنانچہ وہ اپنی ان کوششوں میں اس حد تک کامیاب ہوئے کہ ام الفضل کو حضرت سے محبت و ہمدردی پیدا ہی نہ ہوئی اور وہ ہمیشہ شکایت کے خطوط مامون کے پاس بھیجتی رہی اور اس نے مامون کو حضرت کے خلاف بھڑکانے کی پوری کوشش کی۔

چنانچہ صواعق محرقہ میں ہے کہ جب امام علیہ السلام ام الفضل کو لے کر مدینہ پہنچے تو اس نے چند ہی روز بعد مامون کو اس مضمون کا خط لکھا ـ میں یہاں بہت پریشان ہوں۔ میرے شوہر لونڈیوں کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ مامون نے جواب میں لکھا ہم نے تمہارا نکاح اس لئے نہیں کیا کہ تم ان کے لئے وہ چیزیں حرام کر دو جو خدا کی طرف سے ان پر حلال کر دی گئی ہیں پھر کبھی ایسی باتیں لکھا

تبصرہ ـ مذکورہ بالا واقعات کو پیش نظر رکھ کر یہ ماننا پڑے گا کہ مامون کو خاندان رسالت سے ایک گونہ عقیدت تھی۔ جس کا غالباً یہ سبب ہو کہ وہ علوم و فنون کا فطرۃً عاشق تھا چونکہ وہ خود بھی خاصہ عالم تھا اور علمی تحقیق کا شائق بھی تھا اس لئے ہر مذہب کے عالموں کو دور دور سے بلا کر اس نے اپنے یہاں رکھا تھا ان کو بڑی تنخواہیں دیتا تھا انعام

واکرام سے ان کو نوازتا تھا ان کے مناظرے اور مباحثے بڑی دلچسپی سے سنتا تھا اسی کے عہد میں بہت سی یونانی اور عبرانی کتابوں کے ترجمے اردو زبان میں ہوئے۔ اس سے بہ نسبت فائدہ کے اسلام کو نقصان زیادہ ہوا۔ یونانی فلسفہ الہیات اسلامی فلسفہ الہیات سے جداگانہ ایک چیز تھا۔ یونانی فلاسفر دل حقیقت سے دور رہ کر ہوا میں گرہیں زیادہ لگائیں اور اور اپنے خیالی اور وہمی نظریات اور لاینی مفروضات پر اتنی طویل بحثیں کیں کہ دماغ انسانی کو الجھ کے رکھ دیا۔ اور ان سے کائنات کا کوئی عقدہ حل نہ ہوا اور اگر کچھ ہوا تو صرف اتنا "کوہ کندن اور کاہ برآوردن"

اس فلسفے کے عربی میں ترجمہ ہو جانے سے مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ اسلامی فلسفہ یہی ہے ورنہ عربی زبان کی آغوش میں پرورش نہ پاتا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی الہیات کا فلسفہ ادل بدل کر کچھ سے کچھ ہو گیا۔ قرآن نے رسول نے اور ہمارے ائمہ نے الہیات کے مسائل کو جس شان سے بیان کیا تھا اسکی جگہ کفر و زندقہ سے لبریز مسائل نے لی یہ ایک طولانی بحث ہے جسے ہم یہاں چھیڑنا نہیں چاہتے ہم نے یہ مختصر سا ذکر اس لئے کیا کہ مامون کے علمی ذوق کا پتہ چل جائے۔ احادیث رسول پر اسکی نظر تھی جن لوگوں کے متعلق رسول کی نص تھی یعنی جن کو حضرت نے اپنے بعد امام خلق بتایا تھا ان کے اوصاف بھی اس کے پیش نظر تھے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ علم و فضل اور طہارت نفس میں ان سے زیادہ کوئی نہیں۔ اس کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ ائمہ اہلبیت دنیا کے کسی عالم سے حاصل نہیں کرتے بلکہ ان کا علم سینہ بہ سینہ ہوتا ہے۔ ایک بار جب اس کے ایک درباری عالم نے اس سے انکار کیا تو اس نے کہا حضرت سے لے کر امام محمد تقی تک اگر کسی نے کسی دنیا کے عالم سے پڑھا ہو یا کسی نے ان کے استاد ہونے کا دعوی کیا ہو تو مجھے اس کا نام بتاؤ ورنہ پھر کبھی یہ بات زبان پر نہ لانا ورنہ قتل کر دونگا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مامون کو حضرت امام رضا علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام سے ان کے روحانی کمالات کی بنا پر اتنی گہری عقیدت تھی تو پھر اس نے امام رضا کو قتل کیوں کرایا۔ جواب یہ ہے کہ عقیدت اور سیاست دو جداگانہ چیزیں ہیں لیکن دونہیں بلکہ بے شمار مثالیں تاریخ عالم میں آپ کو ایسی ملیں گی کہ سیاسی مصالح نے عقیدت و محبت کو کچل کر رکھ دیا جاہ و ثروت ایسی دلفریب اور سحر آفریں چیزیں ہیں کہ ان کی محبت میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے اور ہر وہ فعل کر گزرتا ہے جو عقل نہایت مذموم و قبیح ہوتا ہے وہ اپنی دنیا کو سنبھالنے کے لئے اپنی آخرت کو برباد کر لیتا ہے۔ وہ اپنے تمام تعلقات کے سررشتے قطع کر لیتا ہے اس قربانگاہ پر وہ اپنے باپ ماں بھائی بہن اور اولاد سب کو بھینٹ چڑھا دیتا ہے

بادشاہوں کے درباروں میں حسد کی وبا سب سے زیادہ پھیلی ہوئی ہوتی ہے کوئی اپنے سے زیادہ مقرب سلطانی کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا اور اس ناپاک ارادہ کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنے تمام ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے تاکہ بادشاہ کا مزاج دوسروں کی طرف سے برہم ہو جائے یہی صورت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ پیش آئی۔ مامون کو ابتدا ضرور ان سے عقیدت تھی لیکن اول تو امراء اس تقرب کو برداشت نہ کر سکے جو امام علیہ السلام کو دربار مامون میں حاصل تھا دوسرے ام الفضل سے عقد اور نمک پر حرامت بن گیا۔ اس مخالفت کے علاوہ تمام درباری علمائے اہلسنت سخت مخالف تھے کیونکہ مناظروں میں حضرت کے مقابل ان کو نیچا دیکھنا پڑتا تھا۔ تیسرے ارکان سلطنت اس لئے مخالف تھے کہ ان کے خلاف شرع امور پر حضرت مامون کو توجہ دلاتے رہتے تھے مثل مشہور ہے آدمی کا شیطان آدمی ہوتا ہے پس جہاں اتنے شیاطین جمع ہوں وہاں مامون کا جادہ حق سے ہٹ جانا کون دشوار تھا

امام محمد تقی علیہ السلام اور اُم الفضل

مامون کی وفات کے بعد ۲۱۸ھ میں معتصم تخت نشین ہوا۔ مدینہ میں آکر اُم الفضل امام علیہ السلام کے لئے سخت تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ وہ اخلاقی اعتبار سے بہت ہی پست درجہ عورت تھی۔ باوجودیکہ امام علیہ السلام کی خدمت میں وہ کئی سال رہی مگر ایک دن حضرت سے مانوس نہ ہوئی۔ جو حال اس کی بد دماغی کا بغداد میں تھا وہی بلکہ اس سے زیادہ مدینہ میں آکر ہوا اور جھوٹی شکایتیں برابر اپنے باپ اور رشتہ داروں تک پہنچاتی رہتی تھی

بغداد میں تو اس نے ایک دن بڑا غضب ڈھایا اس واقعہ کو امام محمد تقی علیہ السلام کی بہن جناب حکیمہ خاتون نے یوں بیان فرمایا۔
میرے بھائی کے انتقال کے بعد ایک روز ام الفضل اپنے گزشتہ کرتوتوں پر بہت نادم تھی اس نے میرے بھائی کے بہت سے فضائل بیان کئے روتے ہوئے مجھ سے یہ حکایت بیان کی کہ ایک روز میں اپنے محل میں بیٹھی تھی کہ یکایک ایک نہایت خوبصورت عورت وہاں آئی۔ میں نے پوچھا تو کون ہے اس نے کہا میں عمار یاسر کی اولاد سے ہوں اور امام محمد تقی علیہ السلام کی زوجہ ہوں۔ یہ سنتے ہی میرے تن بدن میں آگ لگ گئی جب وہ چلی گئی تو میں بڑی دیر تک منہ ڈھانپے اسی کوفت میں پڑی رہی آدھی رات کے قریب میں روتی پیٹتی اپنے باپ مامون کے پاس گئی وہ اس وقت شراب کے نشہ میں بدمست پڑا ہوا تھا میں نے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا وہ ہمیشہ میرے اوپر دوسری عورتوں کو ترجیح دیتے ہیں اور جب شکایت کرتی ہوں تو مجھے آپ کو اور تمام خاندان والوں برا بھلا کہتے ہیں۔

میری یہ باتیں سنتے ہی مامون آگ بگولا ہو گیا اور برہنہ تلوار لیکر امام علیہ السلام کی خوابگاہ کی طرف روانہ ہوا آپ اس وقت بے خبر پڑے سو رہے تھے مامون نشہ میں ایسا دھت تھا کہ اس نے خواب سے جگایا بھی نہیں بلکہ فوراً تلوار کے وار پر وار کرنے شروع کر دئے اور حضرت کے ٹکڑے کر کے واپس آگیا جب مجھے یہ حال معلوم ہوا تو اپنی اس حرکت پر سخت نادم ہوئی اور فرط غم سے اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگی۔ جب صبح ہوئی تو یاسر غلام نے میرے باپ سے کہا کہ رات نشہ کے عالم میں آپ سے ایسی حرکت ہوئی ہے جس کی تلافی عمر بھر نہیں ہو سکتی۔ مامون کو رات کی سرگزشت کا کوئی علم نہ تھا اس نے پوچھا کیا تھا نشہ کی حالت میں کیا تھا یاسر کا کلام سنکر متعجب سے کہنے لگا میں نے کیا کیا مجھے تو کچھ خبر نہیں اس نے کہا رات ام الفضل کے کہنے پر آپ نے امام محمد تقی کے ٹکڑے کر دئے۔ یہ سنتے ہی مامون کے ہوش و حواس جاتے رہے اور حد درجہ اضطراب لاحق ہوا کچھ دیر بعد جب حواس ٹھکانے لگے تو یاسر کو دریافت حال کی غرض سے امام علیہ السلام کی خلوت سرا میں بھیجا اس نے دیکھا کہ آپ حوض کے کنارے بیٹھے مسواک کر رہے ہیں۔ یاسر نے سلام کیا آپ نے مسکرا کر جواب سلام دیا۔ یاسر نے کہا مجھے آپ سے کچھ عرض کرنا ہے فرمایا ذرا ٹھہر جا میں نماز پڑھ لوں۔ حضرت نماز میں مشغول ہوئے تو وہ دوڑا ہوا مامون کے پاس گیا اور کہا اے امیر مبارک ہو کہ امام علیہ السلام صحیح و سالم ہیں اور انہیں کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچا اس وقت میں انہیں نماز میں چھوڑ کر آیا ہوں مامون نے یہ سنکر شکر خدا ادا کیا اور حکم دیا کہ اسی وقت ایک ہزار درہم میری طرف سے امام کی خدمت میں پیش کئے جائیں یاسر یہ ہدیہ

لے کر حضرت کی خدمت میں آیا آپ نماز سے فارغ ہو چکے تھے اس نے چاہا کہ آپ کے جسم مبارک کو دیکھے کہ تلوار کے نشان ہیں یا نہیں اس نے بطور حیلہ کہا یہ قمیص جو آپ پہنے ہیں مجھے دیدیجئے تاکہ میں اس کو کفن کے لئے رکھ چھوڑوں۔ حضرت نے اتار کر دے دی باہر نے دیکھا کہ حضرت کے بدن پر کوئی زخم نہیں واپس جاکر یہ حال مامون سے بیان کیا وہ بہت خوش ہوا اور اپنا خاص گھوڑا اور تلوار بطور تحفہ حضرت کی خدمت میں بھجوا دی۔

ام الفضل نے کہا پھر میرے باپ نے مجھے کہلا بھیجا کہ آئندہ اگر ایسی کوئی شکایت تیری زبان سے سنی تو پھر تیرا منہ نہ دیکھوں گا۔ بعد میں مامون خود بھی معذرت کے لئے حضرت کی خدمت میں آیا حضرت نے فرمایا خیر جو ہوا سو ہوا میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ شراب نہ پیا کرو مامون نے آپ کے سامنے توبہ کی (جلاء العیون مجلسی رح)

یہ تو وہ واقعہ ہے جو ام الفضل نے بغداد کی رہائش کے زمانہ کے متعلق خود اپنی زبان سے بیان کیا۔ اس کے علاوہ بھی اس نے کئی بار مامون سے حضرت کی شکایتیں بیان کیں۔ وہ ہمیشہ حضرت کی مخالف رہی۔ وہ ایک دن بھی اس طرح نہ رہی جیسے ایک نیک بی بی اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ اس غرور میں جھکی ہوئی تھی کہ میں بادشاہ کی بیٹی ہوں وہ غربت کی وجہ سے امام علیہ السلام کو نظر میں نہ لاتی تھی وہ اس خیر و برکت کے گھر میں وہ سامان تلاش کرتی تھی جو بادشاہوں کی محلسرائے میں ہوتا ہے اس کو حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سے امام علیہ السلام کا عقد کر لینا بھی ناگوار تھا وہ چاہتی تھی حضرت عمر بھر بس ہو کر رہیں دوسری کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ اس کے ماسوا عباسی خاندان کی عورتیں ہمیشہ حضرت کے خلاف اس کو بھڑکاتی رہتی تھیں اور کہتی تھیں تمہارے باپ نے تم پر بڑا ظلم کیا کہ ایک فقیر گھرانے میں بیاہ دیا۔ غرض بہت سے اسباب ایسے جمع ہوگئے کہ وہ حضرت سے مانوس ہی نہ ہوئی۔ اسی وجہ سے حضرت نے بغداد کی رہائش کو ترک کیا ہر وقت آپ کو یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ اس کے ورغلانے سے مامون مجھے قتل نہ کرا دے۔ جب آپ نے مدینہ رہنے کی خواہش مامون پر ظاہر کی تو اس نے بخوشی منظور کر لی۔

امام علیہ السلام کے مشاغل

بغداد کے زمانہ قیام میں جو تقریباً آٹھ سال تھا آپ کے وہی مشاغل تھے جو آپ کے آبائے کرام کے تھے یعنی تعلیم و ارشاد تلقین و ہدایت۔ ہر مکتب فکر کے لوگ آپ سے تحصیل علوم کے لئے برابر دور دور سے آتے رہتے تھے اور آپ سب کے مسائل کا تسلی بخش جواب دیتے تھے۔ جب حضرت مدینہ تشریف لائے تو یہاں بھی وہی سلسلہ جاری رہا ایک ایک مجلس میں سینکڑوں مسائل آپ کے سامنے آتے تھے مگر آپ جواب دینے سے ذرا نہ اکتاتے تھے۔ فرقہ واقفیہ کے لوگ حضرت کے سخت مخالف تھے آخر کار وہ بھی آپ کے کمالات نفسانی سے بغیر متاثر ہوئے نہ رہے اور آپ کی امامت کا اقرار کرنے لگے۔

بغداد سے آکر مدینہ میں آپ کا قیام ۷ ½ سال رہا یہ سب زمانہ تبلیغ امر دین اور ہدایت خلق میں بسر ہوا۔ نہ صرف اہل حجاز بلکہ اہل عراق و مین و الجزائر اور شام کے لوگ بھی اس چشمہ علم سے سیراب ہوئے اور اپنے شہروں میں جا جاکر لوگوں کو ہدایت کی

مدینہ منورہ سے زیادہ طالبان علم و فضل کی کثرت مکہ معظمہ میں حج کے زمانہ میں ہوتی تھی ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ سب سے پہلے حضرت کی خدمت میں پہنچے اور فیض صحبت حاصل کرے۔ بہت سے لوگ جن میں علمائے اہلسنت بھی ہوتے تھے حضرت کا امتحان لینے کی غرض سے آتے تھے اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل آپ سے دریافت کرتے تھے لیکن ان کے حل کرنے میں حضرت کو کوئی دشواری پیش نہ آتی تھی۔

معتصم کی مخالفت

حضرت کے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد جب تک مامون زندہ رہا کوئی تکلیف آپ کو نہ پہنچی۔ معتصم بھی کئی سال تک خاموش رہا لیکن ام الفضل کی مخالفت کا سلسلہ چونکہ برابر چل رہا تھا آخر وہ حضرت کے لئے انتہائی زحمت بلکہ موت کا باعث بن کر رہی مامون تو اس کے شکایتی خطوط پر توجہ نہ کرتا تھا بلکہ اسے الٹا ڈانٹتا تھا اس کی زندگی میں تو ام الفضل کی مراد بر نہ آئی لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کا چچا معتصم تخت نشین ہوا تو اس کی بن آئی اور شکایتی خطوط کی بھرمار کر دی۔ پہلے تو معتصم نے توجہ نہ کی لیکن جب یہ لکھا مجھے سخت ملال اس بات کا ہے کہ آپ میرے حال پر توجہ نہیں کرتے۔ اگر آپ کو میرے کہنے کا یقین نہیں آتا تو مجھے اور میرے شوہر کو بلا کر بچشم خود تمام باتوں کو دیکھ لیجئے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میرے ساتھ کیسا برتاؤ ہے۔ آخر معتصم نے مجبور ہو کر عبدالملک حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ امام محمد تقی کو مع ام الفضل کے بہت جلد میرے پاس بھیج دے۔ حاکم مدینہ تو پبلک کی زیادہ رجوع آپ کی طرف دیکھ کر آپ کا سخت مخالف تھا ہی اب جو معتصم کا خط پہنچا تو اس کی دلی مراد مل گئی۔ اس نے دلی مراد پائی اور ایک ہفتہ کے اندر حضرت کو روانہ کر دیا۔ حضرت نے اپنی والدہ ماجدہ کو مدینہ ہی میں چھوڑا۔ معتصم نے بظاہر بڑا احترام کیا اور اپنے محل کے برابر ہی ایک گھر آپ کو رہنے کے لئے دے دیا۔ ابھی آپ کو رہتے چند ماہ ہی گزرے تھے کہ مخالفت کا سلسلہ شروع ہو گیا

ابتدا مخالفت کی یہاں سے ہوئی کہ معتصم کے سامنے ایک چور کو لایا گیا معتصم نے اپنے درباری مفتی علامہ ابن ابی داؤد سے اس کی سزا کے متعلق پوچھا اس نے کہا شرعی سزا یہ ہے کہ اس کے ہاتھ کہنیوں سے کاٹ دیئے جائیں اس نے دلیل پوچھی تو وہ خاموش ہو گئے معتصم کو اس کے جواب سے تسلی نہ ہوئی۔ امام محمد تقی علیہ السلام سے اس نے کہا آپ کیا حکم دیتے ہیں فرمایا جب ایک شخص سے فتویٰ لے لیا تو اب مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے اس نے کہا آپ کو دوسروں سے کیا مطلب آپ کے نزدیک جو حکم ہو وہ بتائے جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا صرف انگلیاں کاٹ دی جائیں تاکہ وہ وضو کر لے اور سجدہ میں ہاتھ ٹیکنے سے مجبور نہ ہو اور اس حکم کو ایسے قوی دلائل سے ثابت کیا کہ مفتی دربار جھینپ کر رہ گیا اور کچھ کہتے نہ بنی۔ معتصم نے حضرت کے حکم کے مطابق سزا دی۔ اس واقعہ کے بعد مفتی ایک روز معتصم سے کہنے لگا حضور میری بڑی توہین ہوئی آپ نے جو پوچھا تھا میں نے اپنے علم کے مطابق جواب دیدیا تھا آپ کو چاہیئے تھا کہ اسے مان لیتے لیکن آپ نے پھر ایسے شخص سے دریافت کیا جس کو بہت کم اہل علم اپنا امام مانتے ہیں۔ اور پھر آپ نے یہ غضب کیا کہ اسی کے فتویٰ کے مطابق حد جاری کی اس سے دو خرابیاں پیدا ہوئیں ایک تو آپ کے درباری علما کا وقار لوگوں کی نظروں سے گر گیا دوسرے فرقہ شیعہ کی حقانیت کا ثبوت مل گیا۔

اب دادِ دکا یہ فقرہ معتصم کے دل میں کانٹے کی طرح چبھ گیا اور اپنے عمل پر نادم ہوا۔ اسی روز سے وہ امام علیہ السلام کا مخالف بنگیا اور یہ سمجھنے لگا کہ اگر ان کا وجود دنیا میں باقی رہے گا تو ہمارے علما کو ان کے مقابل فروغ نہیں ہو سکتا اور ممکن ہے ان کا روز افزوں روحانی اقتدار سلطنت کے زوال کا باعث بن جائے۔ اس کا ذرا سا خیال بدلنا تھا کہ دشمنوں کو موقع مل گیا۔ رات دن اس کے کان بھرنے لگے۔ اُدھر ام الفضل کا معاملہ بھی ساتھ ساتھ چلا ہی آرہا تھا رفتہ رفتہ وہ بھی زور پکڑ گیا غرض یہ کہ معتصم حضرت کی ہلاکت کے درپے ہو گیا۔

وفات امام علیہ السلام

امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات کے متعلق مختلف روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ زہر ملا شربت پلا کر ہلاک کیا گیا دوسری یہ ہے کہ کھانے میں زہر ملا کر دیا گیا اور یہ بندوبست ام الفضل کے ذریعہ سے کیا گیا۔ ایک روایت ہے کہ معتصم نے ام الفضل کو آپ کے قتل پر راضی کر کے اس کے پاس زہر آلود انگور بھجوائے اور اس نے حضرت کو کھلائے جس سے آپ کی موت واقع ہوئی بہر حال کوئی صورت بھی ہو حضرت کو زہر دے کر معتصم نے قتل کیا۔ یہ زہر ایسا قاتل تھا کہ کھاتے اس کا اثر بدن پر نمایاں ہو گیا اور اس کا بڑا سبب ام الفضل تھی۔

راوی کہتا ہے میں ایک روز امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا آپ کے سامنے ایک لوح رکھی ہوئی تھی اور آپ اسے غور سے ملاحظہ فرما رہے تھے یکایک آپ چہرہ پر تغیر کے آثار پیدا ہوئے اور آپ وہاں سے اٹھ کر گھر میں تشریف لے گئے اب وہاں پہنچتے ہی رونے پیٹنے اور بین کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ جب کچھ دیر بعد حضرت باہر آئے تو میں نے سبب گریہ پوچھا۔ فرمایا میرے پدر بزرگوار نے ابھی ابھی بغداد میں انتقال فرمایا۔ میں نے کہا اتنے جلد آپ کو کیسے خبر ہو گئی فرمایا اس وقت بقدرت خدا کچھ ایسی حالت مجھ پر طاری ہوئی کہ میرے دل کو انتقال کا یقین ہو گیا اس کے بعد آپ باعجاز تشریف لے گئے اور امام محمد تقی علیہ السلام کی آخری خدمات انجام دے کر مقابر قریش میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پہلو میں دفن فرمایا جو اب تک کاظمین کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات ۱۸ ذی الحجہ ۲۲۰ھ میں واقع ہوئی اور ایک روایت ماہ ذی قعدہ کے متعلق ہے۔

اُم الفضل کا انجام

جب امام محمد تقی علیہ السلام بیمار ہوئے تو ام الفضل رونے لگی حضرت نے فرمایا تو نے ہی تو مجھے قتل کیا اور اب تو ہی مجھے روتی بیٹھی ہے خدا کی قسم عنقریب تو ایسے مرض میں مبتلا ہو گی جس کا علاج ممکن نہ ہو گا چنانچہ چند ہی روز بعد اس کو ناسور کا عارضہ ہوا رفتہ رفتہ زخم میں سمیت پیدا ہوئی اور وہ دیوانی ہو کر گھر سے نکل پڑی اور راہ میں تنکے چنتی پھرتی تھی آخر اسی حالت میں انتقال کیا

اخلاق و عادات

امام محمد تقی علیہ السلام بڑے غریب نواز اور مساکین پرور تھے۔ کبھی کسی سائل کو اپنے در سے ناکام نہیں لوٹایا۔ آپ فرمایا
خدا سے محبت کا ایک نشان یہ بھی ہے کہ اس کے محتاج بندوں کی مدد کرے۔
گفتگو کے وقت آپ کے لبوں پر تبسم رہتا تھا چاہے کیسی ہی نامناسب طبع کوئی بات کہتا آپ کبھی خشم آگیں ہو کر اس سے بات نہ کرتے بلکہ ایسے نرم لہجہ میں بولتے کہ دوسرے کا غصہ فرو ہو جاتا۔ ہر شخص کی تعظیم و تکریم اس کے مرتبہ کے موافق کرتے آپ کا دروازہ ہمیشہ آنے جانے والوں کے لئے کھلا رہتا۔ دروازہ پر کوئی دربان نہ رہتا تھا۔ ہر شخص کے لئے اجازت تھی کہ مسئلہ پوچھنے کے لئے جس وقت چاہے چلا آئے۔ آپ کی نشست زیادہ تر مسجد رسول میں رہتی تھی۔ مسائل فقہی دریافت کرنے والوں کا آپ کے گرد ہجوم رہتا تھا

باوجودیکہ آپ مامون جیسے جلیل القدر بادشاہ کے داماد تھے لیکن آپ کو اس رشتہ پر کوئی فخر نہ تھا اور نہ اس کی وجہ سے آپ کے مزاج میں کسی قسم کا تغیر واقع ہوا۔ آپ کا جو خاندانی طریقہ لوگوں سے ملنے جلنے کا تھا وہی رہا۔
راوی کہتا ہے عقد ام الفضل کے بعد میں تہنیت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا مجھے زمانہ کی عام روش دیکھ کر یہ خوف ہوا کہ شاید حضرت اب مجھے شرف ملاقات نہ بخشیں لیکن میرا یہ خیال غلط تھا جوں ہی میرے آنے کی اطلاع پہنچی فوراً بلا لیا میں نے دیکھا کہ حضرت کی پہلی اور اب کی عادات و خصائل میں کوئی فرق نہ تھا وہی شفقت وہی مروت اور انکساری۔
اس اثنا میں مجھے پیاس معلوم ہوئی میں نے ظاہر کرنا خلاف ادب سمجھا اور ضبط کئے بیٹھا رہا حضرت میری ضرورت کو سمجھ گئے غلام کو پانی لانے کا حکم دیا جب وہ لایا تو اس میں سے دو گھونٹ خود پئے پھر مجھ سے کہا لو پانی پیو۔ میں نے خوش کر کٹورا ہاتھ سے لے لیا اور دل میں دیر تک قیافہ شناسی کی داد دیتا رہا
امام علیہ السلام بہت ہی سادہ اور معمولی لباس پہنتے تھے ایک دن کسی نے کہا یا ابن رسول اللہ آپ بادشاہ کے پہلو میں بیٹھتے ہیں اس قدر سادہ لباس پہننا آپ کے لئے زیبا نہیں فرمایا اگر میری قدر لباس کی وجہ سے ہوتی تو قیمتی لباس پہننا میرے لئے زیبا تھا لیکن جب ایسا نہیں تو سادگی کو کیوں ترک کیا جائے۔ میرا موجودہ لباس ستر پوش بھی ہے اور راحت بخش بھی پھر اس کو کیوں ترک کروں
لباس کی طرح حضرت کا کھانا بھی بہت معمولی ہوتا تھا۔ جو کی روٹی سرکہ اور شہد آپ کی محبوب غذا تھی۔ لیکن مہمانوں کے لئے لذیذ غذائیں پکواتے تھے۔
بغداد کے زمانہ قیام میں بہ نسبت امرا کے آپ غریبوں سے زیادہ ملتے تھے کیسا ہی مفلوک الحال آپ سے ملنے جاتا آپ بکشادہ پیشانی اس سے ملتے۔ جو لوگ تحصیل علم کی غرض سے آپ کے پاس آتے رہتے تھے اگر وہ کسی وجہ سے دو چار دن نہ آتے تو آپ خود ان سے ملنے جاتے

مواعظ و حِکَم

ظالم کی مدد کرنے والا اور اس کے ظلم پر راضی ہونے والا اس کا شریک کار ہے

قیامت کا دن ظالم کے حق میں مظلوم پر ظلم کرنے والے دن سے زیادہ سخت ہوگا۔

جب جاہلوں کی کثرت ہوتی ہے تو عالموں کی پرسش جاتی رہتی ہے

صبر مصیبت پر کرنا خود ایک مصیبت ہے

جو کوئی خدا سے تعلق قطع کرکے اس کے غیر سے تعلق پیدا کرتا ہے تو خدا اس کو اسی کے حوالے کر دیتا ہے

جو بغیر علم کوئی کام کرتا ہے بجائے بنانے کے اسے بگاڑ دیتا ہے

تقوی میں عزت ہے۔ علم خزانہ ہے اور خاموشی نور ہے

بدعت سے زیادہ کوئی امر دین کو نقصان پہنچانے والا نہیں

حاکم سے رعایا کی اصلاح ہوتی ہے

دعا دفعیہ بلا ہے

جو کوئی کسی چیز سے جاہل ہوتا ہے وہ اس میں عیب نکالتا ہے

فرصت چھن جانے والی چیز ہے

حسن خلق صحیفۂ مومن کا سر ورق ہے

انکساری علم کی زینت ہے اور حسن ادب عقل کا زیور ہے

جس نے اللہ پر توکل کیا اس کا کام بن جائے گا

صبر کامیابی کی کنجی ہے

جو دوسروں کو عیب لگائے گا اس پر بھی عیب لگایا جائے گا

جس نے پرہیزگاری کا درخت لگایا اس نے مراد کا پھل پایا

عقلمند وہ ہے جو دوسروں سے اچھا برتاؤ کرے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب مستطاب

حالات انبیاءؑ و ائمہؑ

پر

تنقید و تبصرہ

حصہ ۱۲ دوازدہم

در حالات
امام علی نقی علیہ السلام

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات امام علی نقی علیہ السلام

آپ کے والد ماجد امام محمد تقی علیہ السلام ہیں اور والدہ ماجدہ کا نام سمانہ خاتون ہے۔ آپ یکم رجب ۲۱۲ھ میں بعہد مامون عباسی پیدا ہوئے۔ امام محمد تقی علیہ السلام کے انتقال کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۶ سال تھی۔
مامون کے بعد معتصم کا دور حکومت شروع ہوا۔ ۲۲۰ھ میں امام محمد تقیؑ کے انتقال کے بعد آپ کی امامت کا آغاز ہوا۔ معتصم اپنی سلطنت کے بکھیڑوں میں ایسا پھنسا ہوا تھا کہ اسے آپ کی طرف متوجہ ہونے اور آپ کے حالات معلوم کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ ۲۲۷ھ میں جب معتصم مرگیا تو اس کا بیٹا واثق باللہ تخت نشین ہوا اس کی حکومت پانچ برس اور نو مہینے رہی۔ امام علی نقی علیہ السلام نے اس کے دور حکومت میں نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی امامت کے فرائض انجام دئے۔ اس نے کبھی آپ کے حالات کی جستجو کی اور نہ حضرت نے اپنے کسی معاملہ میں اس کی مخالفت کو ظاہر فرمایا۔ کچھ حضرت ہی پر منحصر نہیں واثق باللہ نے سادات بنی ہاشم میں سے کسی ایک فرد سے بھی تعرض نہ کیا جو جس حال میں تھا امن و امان سے رہا۔ واثق اپنے آباء و اجداد سے بالکل جداگانہ اپنی سلطنت کی پالیسی رکھتا تھا۔

متوکل عباسی کا زمانہ

واثق باللہ کے بعد اس کا بھائی متوکل تخت نشین ہوا یہ بڑا ہی ظالم و جابر بادشاہ تھا۔ بنی امیہ میں جو حال یزید کا تھا وہی بنی عباس میں اس کا تھا۔ یہ تمام سادات علوی و فاطمی کا جانی دشمن تھا۔ یہ ظلم و ستم میں اپنے اسلاف سے بہت آگے بڑھ گیا تھا کیونکہ انھوں نے تو زندوں ہی پر ظلم کیا تھا اس نے یہ غضب کیا کہ سادات کے مُردوں کو بھی اپنے ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہنے دیا۔
متوکل کے تخت نشین ہونے کے چار برس بعد تک امام علی نقی علیہ السلام مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ متوکل نے آپ کے حالات سے کوئی تعرض نہ کیا اس کے بعد سے حضرت کی عداوت اس کے دل میں پیدا ہونی شروع ہوگئی اور اس کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ سولہ سال سے آپ برابر مدینہ میں تبلیغی خدمات انجام دے رہے تھے اور آپ کے اثر کا دائرہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا عراق حجاز، یمن، الجزائر، فارس اور مصر وغیرہ کے لوگ برابر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی فیوض حاصل کرتے رہتے تھے۔ حاسد لوگ یہ عالمگیر اثر کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ حضرت کا یہ روحانی اقتدار علمائے اہلسنت کی نظر میں بھی کھٹکتا تھا ان سب کا پیش رو عبداللہ بن حاکم مدینہ کا گورنر تھا پہلے تو یہ امام علیہ السلام کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتا رہا لیکن جب اس سے تسکین نہ ہوئی تو اس نے متوکل کو لکھا کہ امام علی نقی گھر بیٹھے اسباب حکومت اور ضروریات جنگ فراہم کر رہے ہیں ان کے

خزانے سونے چاندی سے پُر ہو چکے ہیں، جنگی ہتھیار خریدے جا رہے ہیں، شیعوں کا ایک بڑا گروہ جاں نثاری پر آمادہ ہے عنقریب آپ سے مقابلہ ہونے والا ہے آپ اس طرف سے ہوشیار رہیں اور موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

امام علیہ السلام کو بھی اس خط کا پتہ چل گیا آپ نے بھی اپنی برأت اور حاکم مدینہ کی غلط بیانی کے متعلق متوکل کو ایک خط لکھا اور اس میں حاکم مدینہ کی ایذا رسانیوں کا مفصل حال تحریر فرمایا یہ دونوں خط یکے بعد دیگرے سامرہ میں متوکل کے پاس پہنچے حاکم مدینہ کی تحریر کے مقابل امام علیہ السلام کی تحریر اس پر کیا اثر کرتی۔ اس کے دل میں یہ بات اسی وقت سے راسخ ہو گئی کہ امام علی نقی علیہ السلام اس کی سلطنت کے بدخواہ ہیں اس نے فوراً گرفتار کرانا مصلحت وقت کے خلاف سمجھ کر وہی تدبیر اختیار کی جو مامون نے چالیس برس پہلے حضرت امام رضا علیہ السلام کے متعلق اختیار کی تھی یعنی اپنی ظاہری محبت و عقیدت کی آڑ میں اس نے حضرت کو اپنے پاس بلا کر عمر بھر قید رکھنے کی دل میں ٹھان لی۔

حضرت کے خط کے جواب میں متوکل نے ایک نہایت طول طویل اشتیاق نامہ لکھا اور یحییٰ بن ہرثمہ کو چند ارکان سلطنت اور ایک فوجی رسالہ کے ساتھ مع اپنے خط کے آپ کی خدمت میں بھیجا اور ساتھ ہی کے ساتھ عبداللہ حاکم مدینہ کی معزولی اور اس کی جگہ ابوالفضل کی تقرری کا حکم بھی جاری کیا اور ابوالفضل کے ہاتھ دوسرا خط اس مضمون کا حضرت کے نام بھیجا عبداللہ چونکہ آپ کے مراتب کا پورا لحاظ نہیں رکھتا لہٰذا اس جرم کی سزا میں میں نے اسے معزول کر کے ابوالفضل کو اس کی جگہ معین کر دیا ہے اور بتاکید کہہ دیا ہے کہ آپ کے مراتب کا پورا پورا لحاظ رکھے۔ امید ہے کہ وہ آپ کی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے گا اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ متوکل سے زیادہ کوئی حضرت کا عقیدت مند اور بہی خواہ نہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی تہ میں بہت بڑا راز پوشیدہ تھا۔

صافی میں ہے اس خط کے چند ہی روز بعد متوکل نے امام علیہ السلام کو اس مضمون کا ایک تیسرا خط لکھا کہ آپ کے تمام حقوق کو میں اپنی ذات پر واجب الادا سمجھتا ہوں اور آپ کے خاندان کے تمام مطالبات پورا کرنے کے لئے تیار رہتا ہوں۔ جہاں تک خدا نے آپ کی اور آپ کے خاندان عالی کی تکریم و تعظیم کا حکم دیا ہے اور جو حقوق آپ کے ہم پر واجب ہیں ان کو بجا لانا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں میں نے عبداللہ کو اسی لئے معزول کیا ہے کہ وہ آپ کی تعظیم نہیں کرتا تھا اور آپ کی ذات پر جھوٹے الزام لگاتا تھا مجھے قطعاً یقین نہیں آیا کہ آپ ایسی خواہشوں کو اپنے دل میں جگہ دیتے ہوں گے جو اس نے تحریر کی ہیں۔ علاوہ بریں آپ کے فضل و کمال کا شہرہ سن کر ایک عرصہ سے مشتاق زیارت ہوں آپ کی قدم بوسی کو دنیا کی ہر دولت سے زیادہ چاہتا ہوں کیا اچھا ہوتا کہ آپ چند روز کے لئے یہاں تشریف لے آتے اور میرے پاس قیام فرماتے اپنے عزیزوں اور دوستوں میں سے جتنوں کو چاہتے ہمراہ لے آتے۔ میں چاہتا ہوں کہ شاہی کروفر کے ساتھ آپ کو بلا کر اپنا مہمان رکھوں۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے اپنے ایک سردار یحییٰ بن ہرثمہ مع ایک فوجی دستہ کے آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں اور یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ ضرور تشریف لائیں۔ سفر میں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ ابن ہرثمہ اور فوجی سپاہی آپ کی راحت کا ہر طرح خیال رکھیں گے جہاں آپ قیام کرنا چاہیں گے وہیں ٹھہریں گے اور جب آپ چلنے کا حکم دیں گے چلیں گے۔ آپ کو ان سب لوگوں کی نقل و حرکت پر پورا پورا اختیار حاصل ہوگا۔

امام علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی

مذکورہ بالا خط کو پڑھ کر ظاہری فیصلہ تو یہی ہوگا کہ لکھنے والا بڑا مخلص ہے کسی وقت بھی فریب دہی یا ایذا رسانی کا قصد نہ کریگا لیکن جو لوگ عباسی بادشاہوں کی آڑی ترچھی چالوں سے واقف ہیں وہ ان نمائشی الفاظ کی حقیقت کو ضرور سمجھ لیں گے۔ یہ ہاتھی کے دانت ہیں کھانے کے اور دکھانے کے اور

الغرض امام علیہ السلام کو جب یہ خط ملا تو آپ نے معاملہ کی نزاکت پر غور کیا اور انکار کو خلاف مصلحت سمجھ کر مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے جس طرح متوکل نے اس معاملہ میں اپنے اسلاف کی پیروی اختیار کی تھی اسی طرح امام نے اپنے آبائے کرام کا طریقہ اختیار کیا آپ متوکل کی اس چال کو سمجھ گئے تھے۔ خط کو ایک باقاعدہ فوج کے ساتھ بھیجنا بتا رہا تھا کہ انکار میں خیریت نہیں اگر متوکل کی منشا کے خلاف کوئی جواب حضرت کی طرف سے دیا جاتا تو یحییٰ ابن ہرثمہ کا رسالہ وہی لوٹ مار مچاتا جو عیسیٰ جلودی نے امام رضا علیہ السلام کے زمانہ میں مچائی تھی آخر نتیجہ ہوتا کہ آپ کے سارا کنبہ گرفتار کر لیا جاتا۔ حضرت نے دور اندیشی سے کام لے کر یہ موقع ہی نہ آنے دیا۔ آپ نے ابن ہرثمہ سے سفر کی تیاری کے لئے ایک ہفتہ کی مہلت مانگی

حضرت نے سفر کی تیاری تو شروع کردی لیکن مدینہ کا چھوڑنا آپ پر بہت شاق تھا۔ بار بار آپ روضۂ رسول پر جاتے جنت البقیع میں جاتے اور دیر تک ان قبور مقدسہ کی جدائی میں گریہ و زاری کرتے رہتے۔ اہل مدینہ پر بھی آپ کی جدائی کا کافی اثر تھا جوق جوق لوگ آتے اور اظہار رنج و ملال کرتے تھے۔ روانگی کے دن تو قیامت برپا تھی در و دیوار سے رونے کی آواز آتی تھی۔

آپ کی روانگی کے متعلق ہرثمہ کا بیان ہے کہ جو دن کوچ کے لئے مقرر ہوا تھا اس کی صبح کو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ سامان سفر باندھا جا رہا ہے نوکر چاکر بڑے بڑے روئی بھرے لحاف گدے۔ لبادے اور عبائیں باندھ رہے ہیں میں اس وقت تک حشویہ عقائد کا تھا یہ سامان دیکھ کر دل میں کہنے لگا شیعہ بھی کیسے سادہ لوح ہیں ایسے معمولی عقل والے آدمی کو اپنا امام دین و دنیا مانتے ہیں بھلا ایسی سخت گرمی میں اس قدر سرمائی سامان لے جانے کی کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ بار بڑھایا جا رہا ہے میں اپنے دل ہی دل میں گھٹ رہا تھا مگر حضرت سے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

الغرض امام علیہ السلام نہایت دل شکستہ بھرے کنبہ کو روتا چھوڑ کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ یحییٰ کہتا ہے کہ اثنائے راہ میں ایک دن ہم لوگوں کا قیام ایک ایسے غیر آباد اور ویران ریگستان میں ہوا جہاں کوسوں تک درخت کا نام و نشان نہ تھا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں حشویہ فرقہ کا تھا مگر میرا ایک خاص رفیق جو میری طرف سے خط و کتابت کرتا تھا وہ شیعہ عقیدہ کا تھا اور دوسرا جو میرا مصاحب تھا سنی مذہب کا تھا ان دونوں میں اکثر مذہبی مباحثے ہوتے رہتے تھے میں خاموش بیٹھا انکی دلایل سنا کرتا تھا۔ اس منزل پر بھی انھوں نے بیکاری میں جی بہلانے کے لئے وہی پرانی باتیں نکال کھڑی کیں اثنائے گفتگو میرے مصاحب نے شیعہ سے کہا تمہارے خلیفۂ بلافصل حضرت علی نے کہا ہے دنیا میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں کوئی قبر نہ ہو اور مردے نہ گاڑے

گئے ہوں تباہ اس لق و دق میدان میں جہاں کہ سوں نہ آدم نہ آدم زاد جہاں پرندہ پر نہیں مارتا کوئی قبر کس کی بنی ہوگی ۔ کیا تمہارے
امام کا یہ کہنا درست ہے لوگ اس شیعہ کا مذاق اڑانے لگے اور وہ شرمندہ سا ہو کر رہ گیا
ابھی تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ آسمان پر بادل آئے اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ مغرب کا وقت آیا تو ابر غلیظ ہو گیا ۔ نصف شب کو
موسلادھار بارش ہونے لگی اور شدید اولہ باری ہوئی اور اس قیامت کی تیز ہوا چلی کہ سب لوگ تھر تھر کانپنے لگے اور
سردی کی زیادتی سے ہلاکت کا اندیشہ ہونے لگا۔ یحییٰ بن ہرثمہ کا بیان ہے کہ اس وقت سردی سے میرا حال بہت تباہ تھا۔
نہ کوئی جاڑے کا کپڑا ایسا تھا جس سے میں اپنے بدن کی حفاظت کرتا ۔ جب آدھی رات سے زیادہ وقت گزر گیا تو امام علیہ
السلام دو لحاف اور دو بچھونے لے کر آیا اور کہنے لگا حضرت نے یہ آپ کے اور آپ کے کاتب (شیعہ) کے لئے بھیجے ہیں
تاکہ ان سے اپنے جسم کی حفاظت کریں میں نے ان کپڑوں کو بڑا غنیمت سمجھا اور امام علیہ السلام کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا
اس کے بعد میں آپ کی امامت پر ایمان لے آیا اور اب میں سمجھا کہ حضرت نے سرمائی سامان اپنے ساتھ کیوں لیا تھا۔
غرض ہم دو نو تو ان کپڑوں کی وجہ سے اس رات کی قیامت خیز سے بچ گئے صبح کو پتہ چلا کہ ہمارے ساتھیوں میں سے
آدھے ٹھٹھر کر مر گئے ان مرنے والوں میں میرا وہ سُنی مصاحب بھی تھا میں یہ حال دیکھ کر امام علیہ السلام کی خدمت میں
حاضر ہوا آپ نے مجھ سے فرمایا اے یحییٰ جاؤ اپنے ساتھیوں کو دفن کرو اور یقین کر لو کہ خدائے قادر و توانا تمام
روئے زمین کو اسی طرح قبروں سے پر کر دے گا میرے جد امیر المومنین کا قول غلط نہیں ہو سکتا۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام منصوص من اللہ کا کوئی قول عبث و لغو نہیں ہوتا بلکہ صداقت اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے
اس سُنی مصاحب کو وہاں قبریں ہونے پر کتنا تعجب تھا لیکن یہ خبر نہ تھی کہ اس جیسے کتنوں کی قبریں وہاں بن چکی ہونگی

سامرہ میں امام علیہ السّلام کا نزول

متوکل کی یہ کم ظرفی اور بد اخلاقی دیکھو کہ یا تو حضرت کو کتنے شوق سے بلایا تھا یا جب حضرت سامرہ پہنچے تو اس نے بھولے سے بھی
نہ پوچھا کہ کون آیا ہے اور کس حال میں ہے جب لوگوں نے پوچھا کہ انہیں کہاں ٹھہرایا جائے تو اس نے کہا خان الصعالیک
محتاج خانہ میں جگہ دو چونکہ اب اس کا مقصد حاصل ہو گیا تھا اور حضرت مدینہ چھوڑ کر اس کے پاس چلے آئے تھے اور اس
میں پھنس چکے تھے لہذا اب اسے حضرت کی طرف توجہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ متوکل ہی کیا تمام سلاطین عباسیہ کا یہی حال
مطلب برآری کے لئے سب کچھ کہہ لیتے تھے بعد میں خون کے پیاسے بن جاتے تھے ۔ متوکل سب سے زیادہ کج خلق اور بد طینت
ثابت ہوا اس نے اپنے گرامی قدر اور مقدس مہمان کے ساتھ ایک روز ظاہر داری قایم نہ رکھی اور اس خیال سے کہ اب تو حضرت
پھندہ میں آ ہی گئے ہیں شروع ہی سے اپنی مخالفت کا آغاز کر دیا اس ظالم نے حضرت کے قیام کے لئے ایسی جگہ تجویز کی جہاں شہر کے
مفلس، محتاج بھک منگے اور کوڑھی اور جذامی پڑے رہتے تھے ۔ یہ مقام شہر کی آبادی سے دور ایک ویرانے میں واقع تھا

تنقید و تبصرہ

شہر کے معززین بھولے سے اُدھر نہ جاتے تھے بلکہ ادھر سے گزرنا بھی اپنے لئے باعث ننگ سمجھتے تھے سبحان اللہ کیا نفس مطمئنہ تھا ہمارے امام علیہ السلام کا کہ متوکل کی اس بداخلاقی اور بے مروتی کو دیکھ کر بھی آپ میں اضطراب لاحق نہ ہوا اور ایک کلمہ بھی شکایت کا زبان پر نہ لائے بلکہ نہایت خموشی سے اس ویرانہ میں ٹھہر گئے۔ تین دن آپ کا قیام یہاں رہا یہ تمام وقت عبادت میں گزرا
روضۃ الصفا میں سعید بن صالح سے مروی ہے کہ جب مجھے حضرت کے سامرہ تشریف لانے کا حال معلوم ہوا تو خوشی کی انتہا نہ رہی لیکن جب یہ پتہ چلا کہ آپ خان الصعالیک میں مقیم ہیں تو سخت ملال ہوا کجا امام علی نقی علیہ السلام اور کجا خان الصعالیک۔ بہر حال میں شرف ملاقات حاصل کرنے کے لئے وہاں گیا حالانکہ اس سے پہلے کبھی نہ گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ امام علیہ السلام مع اپنے ساتھیوں کے وہاں قیام پذیر ہیں۔ حضرت کو دیکھتے ہی میں قدموں پر گر پڑا آپ نے بڑی شفقت کے ساتھ سینہ سے لگا لیا اور خیریت پوچھی۔ سب سے پہلے میں نے یہ عرض کیا کہ یا ابن رسول اللہ آپ کیوں متوکل کے خط پر چلے آئے اب تو حضور پر اس کی عداوت ظاہر ہو ہی گئی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بے ادبی ہوگی کہ آپ کو مدینہ سے بلا کر ایسے کثیف اور غیر آباد مقام پر ٹھہرایا ہے۔ حضرت یہ سنکر مسکرائے اور فرمایا ذرا اپنا منہ پھرا کر تو دیکھو اب جو میں نے دیکھا تو وہ مقام انواع و اقسام کے پھولوں سے بھرا ہوا تھا اور ہر طرف سبزہ لہلہا رہا تھا نہریں موجیں مار رہی تھیں چشموں سے پانی ابل رہا تھا غرض خان الصعالیک کا وہ حصہ جہاں حضرت مقیم تھے بہشت کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ میں یہ دیکھ کر سکتہ میں آگیا مجھے متعجب دیکھ کر فرمایا۔ یہ سامان جو تم دیکھ رہے ہو میں جہاں جاؤں میسر ہو سکتے ہیں۔

امام علیہ السلام کی نظر بندی

تین دن تک حضرت خان الصعالیک میں رہے چوتھے روز نہایت ظالم اور سنگدل انسان زراقی کو حکم دیا کہ وہ حضرت کو وہاں سے اپنے یہاں لے آئے اور پوری سختی کے ساتھ آپ کی نگرانی کرے۔ یہ زراقی ایک رومی سپہ سالار تھا اس سے کہا گیا کہ کسی طرح کی رو رعایت نہ کرے لیکن متوکل کی یہ مراد بر نہ آئی۔ زراقی حضرت کی شب و روز عبادت اور بہترین عادات و فضائل دیکھ کر بہت جلد آپ کا معتقد اور بہی خواہ بن گیا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ متوکل نے بے سبب اس برگزیدہ باری کو مصیبت میں مبتلا کیا ہے آپ کی ذات ایسی نہیں جو کسی کے لئے نقصان رساں ہو۔ میں متوکل کے اس عمل سے سخت ناراض ہوں لیکن خوف سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔ زراقی نے حضرت کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی بلکہ برابر آپ کی دلجوئی کرتا رہا
صقر ابن ابی دلف کا بیان ہے کہ میں ایک بار اپنی کسی غرض سے سامرہ گیا وہاں معلوم ہوا کہ امام علیہ السلام زراقی کے یہاں حراست میں ہیں۔ میں شرف زیارت حاصل کرنے کے لیے اس کے مکان پر گیا زراقی مجھے پہچانتا تھا کہنے لگا آج کیسے ادھر آنا ہوا میں اب تک اُسے شقی سمجھے ہوئے تھا لہذا بات بنا کر کہا میں آپ ہی سے ملنے آیا ہوں اتنے میں کچھ اور لوگ آگئے وہ ان سے باتیں کرنے لگا جب وہ چلے گئے اور تخلیہ ہوا تو زراقی نے مجھ سے کہا تم نے غلط بیانی کی مجھ سے ملنے کیوں آتے تم اپنے امام سے ملنے

آئے ہو جو زمانہ کی کج رفتاری سے میرے یہاں نظر بند ہیں
صفرا کہتے ہیں وہ زمانہ ایسا نہ تھا کہ کوئی شخص آزادی سے اپنے محب اہلبیت ہونے کا اقرار کر لیتا کیونکہ یہ امر اس زمانہ میں سنگین جرم تھا جس کی سزا قتل کے سوا اور کچھ نہ تھی میں نے مصلحت وقت پر نظر رکھ کر بطور تجاہل عارفانہ کہا مولا کون میں تو اپنا مولا اور خلیفہ عصر متوکل ہی کو جانتا ہوں یہ سنکر رزاقی مسکرایا اور کہا میں حقیقت حال سے خوب واقف ہوں تم مجھ سے دل کی بات نہ چھپاؤ اب تو میں تمہارے مولا اور امام کو برحق جانتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے ان کے تمام فضائل کا اسی طرح قائل ہوں جس طرح تم چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تم کو ابھی بخوشی حضرت کی خدمت میں پہنچائے دیتا ہوں۔ مجھے رزاقی کے شیعہ ہونے کا حال معلوم ہوکر بے حد خوشی ہوئی۔

الغرض رزاقی نے اپنے ایک خادم کو بلا کر کہا انہیں سید علوی کے پاس جو نظر بند ہیں لیجا۔ رزاقی علانیہ امام علی نقیؑ نہ کہا غور کرو کیسا پر خطر زمانہ تھا کہ رزاقی جیسا با اقتدار اپنے غلام کے سامنے لفظ امام کہتے ڈرا اس نے آپ کے لئے وہی لفظ کہا جو عموماً بولا جاتا تھا۔
جب میں حضرت کے پاس پہنچا تو آپ کو ایک بوریے پر بیٹھا پایا آپ کے سامنے ایک قبر کھدی ہوئی تھی میں یہ دیکھکر نہایت غمزدہ ہوا اور طرح طرح کے وسوسے میرے دل میں پیدا ہوئے آخر بے اختیار ہوکر رو دیا حضرت نے فرمایا اتنے بے تاب کیوں ہوتے ہو اطمینان رکھو مجھے دشمنوں سے کوئی گزند نہ پہنچے گا میں قبر کو کھدا ہوا اس لئے نظر کے سامنے رکھتا ہوں کہ میرے دل میں خوف خدا زیادہ ہو۔ اور رجوع قلب اس کی طرف بڑھتی رہے۔ یہ سنکر مجھے اطمینان ہوا چند مسائل دریافت کرکے چلا آیا
جب متوکل کو یہ پتہ چلا کہ رزاقی کو حضرت سے عقیدت ہے تو اس نے باز پرس کرنی خلاف مصلحت سمجھی لیکن پھر حضرت کو اس کی نگرانی سے نکال کر سعید نامی ایک امیر کی حراست میں دیدیا۔

امام علیہ السلام سعید کی حراست میں

ابن اورمہ کا بیان ہے کہ ایک روز میں امام علیہ السلام سے ملنے کے خیال سے سعید کے مکان پر پہنچا اس کو میرے شیعہ ہونے کا علم تھا دیکھتے ہی کہنے لگا کیا تم اپنے خدا سے ملنے آئے ہو۔ میں نے کہا سعید توبہ کرو میرا خدا ایسا نہیں کہ کوئی اسے دیکھ سکے۔ اس نے کہا میری مراد یہ ہے کہ تم ان سے ملنے آئے ہو جنہیں تم دین و دنیا کا پیشوا جانتے ہو۔ میں نے کہا بے شک میرا یہی عقیدہ ہے اس نے کہا متوکل نے مجھے ان کے مار ڈالنے کا حکم دیا ہے چنانچہ کل میں ان کو قتل کرا دونگا یہ کہکر اس نے مجھے حضرت کے پاس جانے کی اجازت دیدی میں نے جا کر دیکھا کہ آپ ایک تاریک کمرہ میں تشریف فرما ہیں اور آپ کے سامنے قبر کھودی جا رہی ہے میں نے خبر قتل تو سن ہی چکا تھا اب جو یہ سماں دیکھا تو بیتاب ہوکر رونے لگا۔ حضرت نے فرمایا تم کیوں روتے ہو میں نے سعید سے جو سنا تھا بیان کیا فرمایا مطمئن رہو متوکل کی حیات تک یہ لوگ مجھے ہلاک نہ کر سکیں گے
امام علیہ السلام سعید شقی کی حراست میں بارہ سال کامل رہے اس مدت میں حضرت کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں مگر حضرت صبر

کام لیتے رہے اس مدت میں یہ صورت رہی کہ صبح ہوتی تو شام تک حضرت کے جینے کی امید نہ ہوتی اور شام ہوتی تو صبح تک قتل کا دھڑکا رہتا با وجود اس پریشانی خاطر کے آپ کی روزانہ عبادت میں سرمو فرق نہ آیا وہی شب بیداری وہی دن میں روزہ وہی قرآن خوانی اور نماز اور اوراد و وظائف ہر شخص کو آپ کی اس حالت پر تعجب ہوتا تھا اور بعض تو یہ آیت پڑھ کر رہ جاتے تھے ماھذا الا ملک کریم (یہ آدمی نہیں فرشتہ ہے۔ حضرت کے نفسانی کمالات کا مخلوق پر ایسا اثر تھا کہ ہر شخص رو رو کر آپ کی رہائی کی دعا مانگتا تھا۔

فتح ابن خاقان کی وزارت اور امام علیہ السلام

متوکل نے احمد زیات کو جو واثق باللہ کے زمانہ سے وزارت کی خدمات انجام دے رہا تھا برطرف کر کے فتح ابن خاقان کو اپنا وزیر بنا لیا یہ بزرگ شیعہ تھے اور متوکل ان کی شیعیت کو جانتا بھی تھا لیکن انھوں نے اپنی خدمات کو کچھ ایسی خوبی سے انجام دیا کہ متوکل کو ان پر پورا پورا اعتماد حاصل ہو گیا اس نے تمام سیاہ و سفید کا مالک انہی کو بنا رکھا تھا۔ دربار سے لے کر شاہی محلات تک فتح ہی کا طوطی بول رہا تھا کسی کی یہ طاقت نہ تھی کہ ان کی مخالفت میں لب ہلا سکے

جب فتح کو متوکل کے مزاج پر پورا قابو حاصل ہو گیا تو اب انھوں نے امام علی نقی علیہ السلام کے معاملہ کی طرف توجہ کی حضرت اس وقت بارہ برس سے نظربندی کی مصیبت میں گرفتار تھے۔ چونکہ فتح متوکل کی ناصبیت اور خاندان اہلبیت سے عداوت کو بخوبی جانتا تھا اس لئے کھلم کھلا عرض حال کی جرأت نہ ہوتی تھی مناسب موقع کا متلاشی تھا اسی جستجو میں ایک عرصہ گزر گیا اتفاقاً متوکل کے دربار میں دارالخلافہ سامرہ کی آبادی کے اضافہ کا مسئلہ پیش آیا خلیفہ نے اس کو منظور کر لیا۔ فتح نے اس موقع کو غنیمت جان کر یہ تجویز پیش کی کہ شہر کے جو مقامات غیر آباد و ویران ہیں یہاں کے امرا و اراکین کو دیدئے جائیں کہ وہ اپنے خرچ سے اپنی مرضی کے مطابق عمارتیں بنوا لیں اس صورت میں حکومت کے خزانہ سے ایک پیسہ خرچ نہ ہوگا۔ اور شہر کی حالت درست ہو جائے گی متوکل نے یہ تجویز منظور کر لی۔ فتح نے بہت جلد غیر آباد مقامات کی فہرست بنا کر سامرہ کے تمام منصب داروں اور امیروں پر قطعات تقسیم کر دئے اور اس سلسلہ میں ایک قطعہ امام علی نقی علیہ السلام کے نام پر بھی لکھ دیا لیکن اس خیال سے کہ مبادا متوکل حضرت کا نام دیکھ کر چونکے اس کی قیمت منگا کر اپنے پاس رکھ لی اور فہرست پر نوٹ لکھ دیا کہ اس زمین کی قیمت وصول ہو گئی ہے اس صورت میں متوکل کی ناراضی کا خطرہ اور زمین کی واپسی کا خوف جاتا رہا۔ جب یہ فہرست متوکل کی نظر سے گزری تو اس نے ناک بھوں چڑھائی لیکن جب وصولی قیمت کا نوٹ دیکھا تو خاموش ہو گیا جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ زمین واپس ہوتی تو فتح سب لوگوں کی رقمیں واپس کر دیتا کیونکہ انصاف کے خلاف ہوتا۔

اس کے بعد فتح نے زمین کا باقاعدہ بیعنامہ حضرت کے نام لکھ دیا اور متوکل سے کہہ سن کر مکان بنوانے کی اجازت بھی دلوا دی لیکن متوکل کی ناانصافی اور بے رحمی دیکھو کہ اس کے بعد بھی حضرت کو اس مکان میں رہنے کی اجازت نہ دی اور سعید وغیرہ کو نگراں مقرر کیا

کہ حالات پر کڑی نظر رکھیں۔ باوجودیکہ وہ سالہا سال سے جاسوسوں کے ذریعے حالات معلوم کرتا چلا آرہا تھا اور اب تک کوئی ایک بات بھی اسے ڈھونڈے نہ ملی تھی لیکن اس پر بھی چین نہ آیا۔ حضرت کے صبر و استقلال کو دیکھ کر اس پر بھی زبان سے اف نہ کی اور اپنی طرف سے کوئی جھگڑا اٹھانا پسند نہ کیا۔ چودہ برس کی مصیبت ناک نظر بندی کے بعد بھی علیحدہ مکان میں رہنے کی اجازت ملی تو کہنے سننے پر بمشکل اجازت دی بھی تو اس طرح کہ کچھ لوگوں کو متعین کیا کہ وہ صبح و شام آپ کے مکان پر جا کر آپ کے حالات سے برابر آگاہ کرتے رہیں اور اس پر کڑی نظر رکھیں کہ کون لوگ آپ کے پاس آتے جاتے ہیں اور کیا باتیں کرتے ہیں۔

جب جاسوسی کے کام نہ چلا تو اس نے اپنے خاص الخاص مصاحبوں کو بلا کر کہا۔ امام علی نقی کے معاملہ میں میں سخت پریشان ہوں۔ چودہ برس کا عرصہ ہماری حراست میں ہو گیا مگر ابھی تک انکی ہمت و استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا جہاں اور جس حال میں رکھا جاتا ہے وہ اس پر راضی نظر آتے ہیں۔ میری حکومت کا کوئی رعب ان کے دل پر نہیں۔ ان کو آج تک کبھی مجھ سے ملنے کی خواہش پیدا نہیں ہوئی ہاں جب میں بلاتا ہوں تو چلے آتے ہیں۔ استغنا کا یہ حال ہے کہ آج کسی چیز کی مجھ سے خواہش ظاہر نہیں کی۔ غرض ان کے معاملہ نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا ہے ان کے عالمگیر اثرات سے مجھے یہ خوف رہتا ہے کہ اگر میں نے ان کو آزاد کر دیا تو وہ ضرور لوگوں کو میرے خلاف لڑنے پر آمادہ کریں گے۔

درباری۔ یہ کون ایسا مشکل معاملہ ہے آپ کا اشارہ پاتے ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے

متوکل۔ کوئی الزام تو ہو جو سبب قتل ہو۔ ورنہ میری سلطنت میں جو بہ کثرت شیعہ ہیں ہیجان میں آ جائیں گے اور میرے خلاف پروپیگنڈے کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیں گے۔ کام حسن تدبیر سے کیا جائے۔

درباری۔ بغاوت کا الزام کیا کچھ کم الزام ہے۔

متوکل۔ چودہ برس سے تو میری قید میں ہے بغاوت کی کب اور کیسے

درباری۔ ایک تدبیر اور بھی ہے

متوکل۔ وہ کیا

درباری۔ امام رضا علیہ السلام کی اولاد میں ایک صاحب موسیٰ بن موسیٰ عراق میں رہتے ہیں۔ عیش پسند اور آوارہ مزاج ہیں ان کو بلا کر مصاحبوں میں داخل کر لیجئے چند ہی روز بعد ہمارا رنگ ان پر اچھی طرح چڑھ جائے گا۔ پھر جو بے عنوانیاں ان سے عمل میں آئیں گی ہم انہیں خوب طشت از بام کریں گے اور چونکہ وہ خاندان امامت سے ہیں لہذا ان کی بد اعمالی سے تمام خاندان بدنام ہو جائے گا اور لوگوں کے عقیدے بدلنے لگیں گے امام علی نقی کے روحانی وقار پر اس سے کافی زد پڑے گی۔ لوگ ان سے منحرف ہونے لگیں گے مثل مشہور ہے ایک مچھلی تمام دریا کو گندہ کرتی ہے۔ پس جب لوگوں کا اعتقاد ان کی طرف سے ہٹ جائے اور لوگوں میں ذلیل و خوار ہو جائیں پھر آپ جو عمل ان کے ساتھ چاہیں کریں شیعوں میں کوئی ہیجانی صورت پیدا نہ ہوگی

متوکل کے دل و دماغ کو عداوت اہلبیت نے اس درجہ ناکارہ بنا دیا تھا کہ بے سوچے سمجھے اس نے یہ بات منظور کر لی چنانچہ موسیٰ کو بلانے کے لئے اس نے موسیٰ کے نام ایک خط لکھوا کر اپنے غلام کے ہاتھ روانہ کیا۔

اس مشورہ کی خبر امام علیہ السلام کو بھی مل گئی آپ نے حسن تدبیر سے موسیٰ کو اس بلا سے بچانا چاہا۔ موسیٰ کے افعال کیسے ہی کیوں نہیں

لیکن رشتہ داری کی وجہ سے آپ کا فرض تھا کہ اس خطرہ سے ان کو آگاہ کر دیں تاکہ وہ ان افعال شنیعہ کے ارتکاب سے باز رہیں جن کے لئے وہ اس زعم و عام سے بلائے جا رہے تھے جس روز سامرہ میں ان کے آنے کی خبر اڑی حضرت بیرون شہر اس مقام پر جا کھڑے ہوئے جہاں ذی عزت لوگوں کا استقبال کیا جاتا تھا۔ جب موسیٰ وہاں پہنچے تو متوکل کی استقبالیہ کمیٹی ابھی وہاں آنے نہ پائی تھی۔ امام علیہ السلام نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور ان کے ملنے سے خوشی ظاہر کی۔ پھر جو خطرہ تھا اس سے کھلے لفظوں میں آگاہ کیا اور فرمایا آپ کے ذریعہ سے متوکل ہمارے تمام خاندان کو بدنام کرنا چاہتا ہے آپ یہاں کوئی عمل خلاف شرع نہ کریں اور اپنے خاندانی وقار کو قائم رکھیں

موسیٰ متوکل کے بلانے کو انتہائی بڑا اعزاز سمجھ رہے تھے حضرت کی کوئی بات ان کے کان کو نہ لگی اور گول مول جواب دیتے رہے جس سے حضرت کو یقین ہو گیا کہ متوکل جو چاہتا ہے یہ ضرور کر کے رہیں گے۔ آخر حضرت نے اتمام حجت کے لئے فرمایا اگر آپ میرا مشورہ نہیں مانتے تو یہ یقین کر لیجئے کہ متوکل کی قربت آپ کو ایک دن نصیب نہ ہوگی اور مجھے خدا حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھے گا یہ فرما کر آپ واپس چلے آئے۔ کچھ دیر بعد متوکل کے لوگ وہاں پہنچ گئے اور بڑی آؤ بھگت سے شہر میں لے گئے کیونکہ جب متوکل کے در دولت پر پہنچے تو امید کے خلاف دربانوں نے کہا آج خلیفہ عصر سے کسی کی ملاقات نہیں ہو سکتی۔ موسیٰ کو یہ الٹا سا جواب سن کر بڑی ندامت ہوئی امرا نے مجبور ہو کر ایک معمولی سے مکان میں اتار دیا صبح ہوتے ہی محل شاہی کے دروازہ پر جا پہنچے لیکن آج بھی ناکام واپس آئے شام کو پھر گئے پھر بھی ملاقات نہ ہو سکی اسی طرح کئی روز آتے جاتے رہے مگر مراد بر نہ آئی۔

بات یہ تھی کہ اس وقت تو متوکل نے لوگوں کے کہنے سننے سے اتنے کہ ان کو بلا بھیجا تھا لیکن چند روز بعد وہ خیال دماغ پر سے ہٹ گیا بادشاہوں کی طبیعت آئی گئی تو ہوتی ہی ہے شاہانہ رعونت نے اس کی اجازت نہ دی کہ ایک معمولی آدمی سے جلد ملنے پر تیار ہو جائے۔ غرض جب موسیٰ مایوس ہو گئے تو مجبوراً جہاں سے آئے تھے واپس گئے

امام علیہ السلام کے قتل کا حکم

متوکل کے دل میں حضرت کی عداوت کا کچھ ایسا شعلہ بھڑکا تھا کہ کسی طرح بجھتا ہی نہ تھا۔ ایک دن اس نے فتح بن خاقان کو بلا کر بڑے غضبناک لہجہ میں کہا تم مجھ سے علی بن محمد (امام علیہ السلام) کے بارہ میں ہمیشہ یہ کہتے رہے ہو کہ لوگ ان پر غلط الزام لگاتے ہیں وہ ہرگز آپ کی سلطنت کے خلاف نہیں لیکن مجھے اپنے جاسوسوں سے یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ جو باتیں ان کے متعلق سنی گئی ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ فتح نے بہت کچھ سمجھایا مگر اس کا غصہ فرو نہ ہوا آخر کار اس نے کہا میں آج ان کا قصہ ہی ختم کئے دیتا ہوں یہ کہہ کر چوبدار کو حکم دیا کہ حضرت کو فوراً بلا لائے اس کے بعد چار ترکی غلاموں کو حکم دیا کہ جب حضرت آئیں تو تلواریں مار کر ان کے ٹکڑے کر دیں۔ تھوڑی دیر بعد حضرت تشریف لے آئے اس وقت آپ کے لب ہائے مبارک ہل رہے تھے اور آپ کوئی دعا پڑھ رہے تھے آپ کے چہرہ پر قطعاً خوف و ہراس کے آثار نہ تھے۔ وہ ترکی غلام تلواریں کھینچے اپنے مقام پر کھڑے رہے کسی کو وار

کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی جب آپ متوکل کے قریب پہنچے تو باوجود غیظ و غضب کے وہ آپ کے استقبال کو کھڑا ہو گیا اور اپنے پہلو میں بٹھا کر عاجزی سے کہنے لگا اے میرے ابن عم آپ نے اس وقت کیوں تکلیف کی فرمایا سبحان اللہ تمہارا چوبدار بلانے گیا میں آگیا۔ اس نے کہا اس ولدالزنا نے مجھ پر افترا کیا۔ میں نے آپ کو آنے کی زحمت نہیں دی۔ یہ کہکر اس نے اپنے چند عزیزوں اور درباریوں کو حکم دیا کہ آپ کو بہ عزت و احترام آپ کے گھر تک پہنچا دیں۔ جب آپ دروازہ کے قریب پہنچے تو وہ چاروں ترکی غلام اپنے ہاتھوں سے تلواریں پھینک کر آپ کے قدموں پر گر پڑے

حضرت کے تشریف لے جانے کے بعد متوکل نے ان چاروں غلاموں کو بلایا اور ان سے قتل نہ کرنے کا سبب پوچھا وہ کہنے لگے حضرت کے داخل ہوتے ہی ہم نے دیکھا کہ ایک شخص برہنہ تلوار لئے حضرت کے ساتھ چلا آرہا ہے اور ہم سے کہتا ہے اگر تم نے حضرت کو کوئی ایذا پہنچائی تو تم سب کے سر اس تلوار سے قلم کر دونگا۔ متوکل نے کہا یہی واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا

تبصرہ۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے لیکر امام حسن عسکری علیہم السلام تک ہمارے تمام ائمہ سے بنی امیہ ہوں یا بنی عباس کے سلاطین سب ہی بدگمان رہے حالانکہ کبھی کوئی ثبوت کسی ایک کو اس کا نہ ملا کہ ان معصوم ہستیوں نے ان کے خلاف کوئی پروپیگنڈا کیا ہے یا ان سے لڑنے کے لئے کوئی گروہ تیار کیا ہے بغض للّٰہی کا تو کوئی علاج نہیں ورنہ ان ظالموں نے ہمارے ائمہ کو بے جرم و قصور سالہا سال قید میں رکھا اور انہیں سخت سے سخت اذیتیں پہنچائیں۔ غور کیجئے جب ان کو حراست میں رکھا جاتا ہے اور سخت سے سخت لوگوں کی سپردگی میں دیا جاتا تھا کسی سے ان کو ملنے جلنے نہ دیا جاتا تو اس صورت میں وہ کیسے لوگوں کو ورغلا سکتے تھے۔ کم سے کم کوئی ایک موقع تو کسی امام کے متعلق دکھا سکتے۔ لیکن ایک موقع بھی ان کو ایسا نہ مل سکا لہٰذا اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اہلبیت رسول سے ان کے دلوں میں کینہ تھا حالانکہ انہی کے صدقہ میں ان لوگوں کو سلطنت ملی تھی۔ انہی کے گھر سے اسلام نکلا تھا۔ انہی کی محبت کو اللہ تعالیٰ نے اجر رسالت قرار دیا تھا اور قرآن کریم کو رسول نے انہی کے ساتھ کیا تھا

سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ایک دو بار نہیں بہت سی ان کے روحانی اقتدار کو ان کی کرامتوں اور معجزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے ان کے علم و فضل کو سب سے زیادہ پاتے تھے اور یہ سب باتیں ان کے خاصان خدا ہونے کی دلیلیں تھیں لیکن اس پر بھی ان کے ستانے سے باز نہ رہتے تھے اور جلد از جلد ان مقدس ہستیوں کے وجود کو صفحہ روزگار سے مٹا دینے کے خواہشمند تھے کیا یہ سب شیطانی وساوس نہ تھے

بات یہ ہے کہ طمع دنیا ان پر اس حد تک غالب آگئی تھی کہ وہ نیک و بد میں تمیز تک نہ کر سکتے تھے۔ چونکہ ہمارے ائمہ تعلیم رسول کے محافظ تھے اور لوگوں کو ضلالت سے نکال کر راہ راست پر لانا چاہتے تھے اس لئے وہ گروہ ان کو کیسے دوست رکھ سکتا تھا جو شب و روز فسق و فجور میں مبتلا تھا ان کو ہر وقت یہ کھٹکا لگا ہوا تھا کہ اگر یہ ہادیان دین نمونہ عمل رسول دنیا میں پیش کرتے رہے تو ہمارے نام نہاد اسلام کا بھانڈا پھوٹ جائے گا اور ہمیں لوگ اسلامی حکومت پر قبضہ کرنے کا اہل نہ سمجھیں گے۔ انہوں نے زور و زر سے مسلمانوں کے تمام طبقات کو جن میں علما بھی شامل تھے اپنے بس میں کر لیا تھا اور جیسا چاہتے تھے ان سے فتویٰ لے لیتے تھے ہاں اگر ان کا قابو نہ تھا اگر ان کا کوئی جادو نہ چل سکتا تھا تو وہ صرف ہمارے ائمہ طاہرین پر -

ہر دور کے علمائے بادشاہ وقت کی جوتیاں سیدھی کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھا اور ان کے درباری بننے کو خدائی تقرب سے زیادہ بلند مرتبہ قرار دیا۔ انکی ہاں میں ہاں ملاکر خوب خوب دنیا کمائی مگر ہمارے ائمہ نے قید و بند کی سخت سے سخت تکالیف برداشت کیں بھوک پیاس کی اذیتیں جھیلیں مگر نہ انکی ہاں میں ہاں ملائی اور نہ ان کے درباروں میں جانے کی خواہش کی ہاں جب انھوں نے بلایا تو چلے گئے مگر اپنے سکینہ و وقار کو کسی وقت ہاتھ سے نہ جانے دیا مگر کسی خواہش کا ان پر اظہار نہ کیا۔ وقت گزرتے چلے گئے ان پر ظلم کرنے والے خاک کا پیوند ہوتے چلے گئے۔ اب کوئی ان کا نام لیوا نہیں کسی دل میں انکی یاد نہیں کہیں انکی قبر کا نشان نہیں مگر ہمارے مظلوم ائمہ آج بھی اہل ایمان کے قلوب پر اپنی حکومت کر رہے ہیں۔ ان کے درباروں میں آج بھی چہل پہل ہے۔

امام علیہ السلام اور برکۃ السباع

متوکل نے اپنے قصر کے سامنے والے میدان میں بہت خونخوار درندے مثلاً شیر چیتے وغیرہ اور ریچھ وغیرہ پال رکھے تھے اس کو برکۃ السباع یعنی درندوں کا گھر کہتے تھے اس جگہ چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں تھیں اور درندوں کے لئے کوٹھریاں اور پنجرے بنائے گئے تھے۔ اسی سے ملحق کچھ عمارتیں اس غرض سے بنائی گئی تھیں کہ خلیفہ وہاں سے وقتاً فوقتاً درندوں کے شکار کا تماشہ دیکھے۔ جب متوکل کسی مجرم سے زیادہ ناراض ہوتا تو اسے برکۃ السباع کے اندر ڈلوادیتا درندے اسے دیکھتے ہی لکا بوٹی کر ڈالتے۔ سخت دل متوکل نے امام علیہ السلام کے لئے بھی برکۃ السباع میں داخل کر دینا تجویز کیا تو تماشہ دیکھنے کے لئے مکان کی چھت پر جا چڑھا اپنے غلاموں سے کہدیا کہ جس وقت حضرت آئیں ان کو جبراً اس احاطہ میں داخل کر کے دروازہ بند کر لینا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت جب صحن میں پہنچے تو سب درندے آپ کے پاس جمع ہو گئے اور زمین ملا کر آپ کے قدموں پر لیٹنے لگے آپ شفقت سے ان کے سر و پشت پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے اس کے بعد آپ نے ان کے درمیان اپنا سجادہ بچھا کر نماز پڑھی وہ سب آپ کے گرد بیٹھے شان عبادت دیکھتے رہے۔ یہ صورت دیکھ کر متوکل کے حواس جاتے رہے سخت ندامت کا سامنا تھا۔ حضرت کے روحانی اقتدار پر رہ رہ کر تعجب کرتا تھا

یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ متوکل کو آپ کی روحانی عظمت پر ایمان لاکر آپ کی آیندہ رسانی سے باز رہنا چاہئے تھا مگر شقاوت ازلی اس کو گھیرے ہوئے تھی وہ اپنے ظالمانہ کرتوت سے کیسے باز آتا۔

امام علیہ السلام کی تذلیل

متوکل جس قسم کا شقی القلب انسان تھا گزشتہ واقعات سے تھوڑا سا اندازہ ہوتا ہے باوجودیکہ حضرت امورِ سلطنت سے بالکل الگ تھلگ تھے لیکن اس پر بھی وہ آپ کی جان کا دشمن تھا۔ خدا جانے کیوں اس کے دل میں اولادِ علی و فاطمہ کی اتنی شدید عداوت تھی کہ زندوں کا کیا ذکر یہ اس خانوادہ گرامی کی قبروں کو بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا یہی وہ متوکل ہے جس نے تین بار قبر امام حسین علیہ السلام کے مسمار کرنے کا حکم دیا مگر کامیابی نہ ہوئی یہی وہ متوکل ہے جس نے حفاظت قبر حسین مظلوم کے سلسلہ میں سینکڑوں زائرین کے ہاتھ پاؤں کٹوائے یہی وہ متوکل ہے جس امام زادوں کو زندہ دیواروں میں چنوایا اور ان کے خون کے گارے سے دیواریں چنوائیں اور انکی کھوپڑیوں کو مسجد کی نیچوں میں رکھوایا۔

وجدران بغداد الی الآن شُھَّدا — بان مقتیل او شہید بلا راس

بغداد کی دیواریں اب تک گواہ ہیں — کہ وہ شہیدوں کے خون سے بنائی گئی ہیں

امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں کسی شیعہ کا آنا اسے گوارا نہ تھا وہ اس بدگمانی میں پڑا ہوا تھا کہ امام علیہ السلام خفیہ طور پر میرے خلاف اپنے شیعوں کو بھڑکاتے ہیں تاکہ وہ میرے خلاف جنگ کی تیاری کریں۔ جو لوگ حضرت کے پاس مسائل دریافت کرنے آتے تھے وہ سمجھتا تھا بغاوت کے متعلق صلاح و مشورہ کرنے آتے ہیں اسی خوف سے نہ صرف سامرہ میں بلکہ اپنی تمام قلمرو میں یہ حکم بھیج دیا کہ شیعانِ علی کا کہیں اجتماع نہ ہونے پائے یہ مجنونانہ خیالات کسی وقت اس کے دل و دماغ سے نکلتے ہی نہ تھے ان ہی میں محو رہ کر اولادِ نبی و فاطمہ اور ان کے تابعین کی تذلیل و تحقیر کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا

ایک بار اس نے حکم دیا کہ میری اور میرے وزیر فتح بن خاقان کی سواری کے ساتھ دار السلطنت کے تمام علماء و فضلا اور امرا پا پیادہ چلیں اور ظالم نے یہ غضب ڈھایا کہ امام علی نقی علیہ السلام کو بھی انہی میں شامل کر لیا حالانکہ حضرت کا شمار نہ سرکاری علما میں تھا نہ درباری امرا میں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا مقصود نہ اپنے علما کو ذلیل کرنا تھا نہ امرا کو بلکہ صرف امام علیہ السلام کو ستانا تھا چاہتا تھا کہ میری سواری کے پیچھے دوڑتا دیکھ کر لوگ ہنسیں گے اور حضرت کی وقعت ان کے دلوں سے کم ہو جائے گی

حضرت کے صبر و ضبط کو دیکھئے کہ آپ نے صبر بجبر کر کے اس حکم کو بھی قبول کر لیا۔ اس فرعون اسلام کا تخت رواں ٹھیک دوپہر کے وقت قصر شاہی سے چلا گرمی کا موسم تھا اور دھوپ اتنی تیز تھی کہ زمین توا ہو رہی تھی سب ہانپتے کانپتے چلے جاتے تھے۔ لوگوں کے پیروں میں چھالے پڑے ہوئے تھے سر سے پیر تک پسینہ میں شرابور تھے مگر حکم حاکم مرگ مفاجات ان ہی سب کے ساتھ امام بھی تھے آپ کا تمام جسم مبارک پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ کسی نے کہا آپ میں تیز چلنے کی طاقت نہیں آہستہ آہستہ چلئے فرمایا اس ظالم کی غرض اس حکم سے صرف میری توہین و تذلیل ہے لیکن میں آگاہ کئے دیتا ہوں کہ خدا کے نزدیک میری حرمت ناقہ صالح سے کم نہیں (یعنی یہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

زراقہ جو اس واقعہ کا راوی ہے بیان کرتا ہے کہ جب متوکل کو اس مجنونانہ عمل سے فراغت ہوئی تو میں نے اپنے گھر جا کر حضرت کا

یہ قول اپنے لڑکوں کے معلم سے جو شیعہ تھا بیان کیا اس نے کہا اگر حضرت نے ایسا فرمایا ہے تو تم کو اپنی حفاظت کرنی چاہئے کیونکہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ متوکل تین روز سے زیادہ نہ جئے گا ناقہ صالح کے پے کرنے والے دو روز ہلاک ہو گئے تھے جب امام نے اپنے کو ناقہ صالح سے تشبیہ دی ہے تو وہ ضرور تیسرے روز مر جائے گا۔

زرافہ کا بیان ہے کہ مجھے معلم کا یہ کہنا برا معلوم ہوا کیونکہ میرا تمام اقتدار معلم ہی کی بدولت تھا۔ میں نے معلم کو سب برا بھلا کہا اور اسی وقت گھر سے نکال دیا۔ لیکن پھر خیال آیا اگر معلم کا کہنا ٹھیک ہوا تو میرے لئے بڑی خرابی کا باعث ہوگا لہذا میں نے اپنے مال و دولت کا بندوبست اسی وقت سے کرنا شروع کر دیا۔ جو زر نقد میرے پاس تھا دوسری جگہ منتقل کر دیا جب اس طرف سے اطمینان ہوا تو امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور معلم کی بات آپ کو سنائی فرمایا معلم سچ کہتا ہے میں نے حقیقتاً اس روز متوکل پر نفرین کی تھی اور خدا نے میری دعا کو قبول فرما لیا ہے کل وہ مر جائے گا زرافہ کہتا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید۔

امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت

متوکل چونکہ امام علیہ السلام کے وجود کو دنیا میں باقی رکھنا نہیں چاہتا تھا اور حضرت کے ہلاک کرنے کی تدابیر برابر سوچتا رہتا تھا لہذا ایک روز وہ اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب ہو ہی گیا ایک غلام کو آلہ کار بنا کر اس نے حضرت کو زہر دلوا ہی دیا یہ زہر اس درجہ قاتل تھا کہ اس کا اثر فوراً آپ کے بدن میں دوڑ گیا اور چند گھنٹے کے بعد ہی آپ نے انتقال فرمایا یہ واقعہ روز دوشنبہ ۲۵۴ھ کا ہے اس وقت آپ کی عمر ۴۱ سال چھ ماہ کی سوائے امام حسن عسکری علیہ السلام اور کوئی وقت وفات آپ کے پاس نہ تھا۔ آپ کی امامت کا زمانہ ۳۳ سال تھا آپ ۲۰ سال کامل سامرہ میں زیر حراست رہے امام حسن عسکری نے آپ کی تجہیز و تکفین کی اور جس گھر میں آپ رہتے تھے اسی میں آپ کو دفن فرمایا۔

حضرت کے دفن کے وقت امام حسن عسکری علیہ السلام بڑی بے چینی سے زار زار رو رہے تھے آپ کا گریبان چاک تھا کسی نے بطور اعتراض کہا مصیبت میں گریبان چاک کرنا منصب امامت کے لئے شایاں نہیں آپ نے فرمایا احمق اور جاہل دین خدا کو کیا جانیں حضرت موسیٰ پیغمبر تھے انھوں نے اپنے بھائی ہارون کے غم میں اپنا گریبان چاک کیا تھا اگر میں نے اپنے باپ کے غم میں ایسا کیا تو کیا بیجا کیا۔

امام علیہ السلام کے اخلاق و عادات

اپنے آبائے کرام کی طرح امام علیہ السلام بھی یتیموں اور مسکینوں پر بے حد شفیق تھے اکثر اوقات آپ کے در دولت پر یتیموں اور محتاجوں کا ہجوم رہتا تھا۔ غربا اس راہ میں بچھ جاتے تھے جس طرف سے حضرت کا گزر ہوتا تھا باوجودیکہ آپ سامرہ میں نہایت عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے مگر اس پر بھی کبھی سائل کو بغیر کچھ دئیے واپس نہ جانے دیتے تھے۔ کمسن یتیموں کو اپنے سامنے بٹھا کر بڑی شفقت سے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور انکی ناز برداری کرتے تھے رات کو اکثر آپ بیوؤں کے گھر جاکر ان کو کھانا پہنچاتے تھے۔

صبر و تحمل کا یہ حال تھا کہ سامرہ میں ۲۲ سال رہے اس مدت میں خلفائے بنی عباس کے ہاتھوں کون سی تکلیف تھی جو آپ کو نہ پہنچی بالخصوص متوکل جابر کے ہاتھوں لیکن آپ ایسے صابر و شاکر تھے کہ ایک حرف شکایت زبان پر نہ آیا۔ متوکل کی سختیاں اور حضرت کا تحمل دیکھ کر لوگوں کو سخت تعجب ہوتا تھا۔ باوجودیکہ ہر روز بہت سے شیعہ بغرض زیارت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے لیکن آپ نے کسی سے متوکل کی شکایت نہیں کی۔ اگر آپ ان سے متوکل کے مظالم بیان فرماکر خواہان امداد ہوتے تو محبان خاندان اہلبیت جن کی تعداد سامرہ میں ہزاروں تھی متوکل کی سلطنت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیتے لیکن حضرت نے اس طرف توجہ ہی نہ فرمائی۔

سخاوت کی یہ صورت تھی کہ ایک بار ایک مرد کوفی آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا میں آپ کے اور آپ کے آبائے طاہرین میں سے ہوں۔ زمانہ کی گردش سے سخت پریشان ہوں۔ اہل و عیال کی کثرت اور آمدنی کی قلت نے مجھے حواس باختہ بنا دیا ہے۔ قرضہ کا بھاری بوجھ سر پر ہے۔ قرض خواہوں کا شدید تقاضہ ہے وہ لڑنے مرنے کو تیار ہیں آپ کے سوا مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آتا کہ اس مصیبت سے مجھے نجات دے فرمایا تیرے اوپر کتنا قرض ہے اس نے کہا دس ہزار درہم۔ آپ نے دس ہزار درہم کا ایک تمسک اپنی طرف سے اسے لکھ دیا اور فرمایا بہت جلد تیرا قرضہ ادا ہو جائیگا بادشاہ ایک خواب کی بنا پر فلاں روز مجھے بلائے گا اور خلاف معمول مجھ سے اظہار ہمدردی کرے گا تو بھی جس طرح ممکن ہو وہاں پہنچ جانا اور اپنا قرضہ مجھ سے طلب کرنا اور شدید تقاضہ کرنا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ متوکل کے دل پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ اس نے خود تیس ہزار درہم منگوا کر حضرت کی خدمت میں پیش کئے۔ وہاں سے باہر آکر وہ سب حضرت نے اس کو دیدئے اس نے کہا یہ بہت زیادہ ہیں میں نے تو صرف دس ہزار مانگے تھے آپ بیس ہزار مجھ سے لے لیں فرمایا نہیں میں ایک درہم بھی نہ لونگا۔ یہ سب تیرے ہی لئے ہیں۔ ان میں سے دس ہزار قرض کے دینا اور باقی اپنے اہل و عیال کے خرچ میں لانا۔

یہ سنکر وہ مرد عرب کہنے لگا ایسی سخاوت سوائے اولاد رسول کے دوسرا کر ہی نہیں سکتا۔

علمائے اہلسنت اور امام

جب تک امام علیہ السلام متوکل کے امرا کی حراست میں رہے علمائے اہلسنت خوش رہے لیکن جب حضرت اپنے گھر میں آ گئے اور شیعہ آپ کی خدمت میں آنے جانے لگے تو یہ امراء پر بہت شاق ہوا بالخصوص اس وجہ سے کہ شیعوں پر ان کے مذہب کا باطل ہونا ثابت کرتے تھے اور ان سے ایسے سوالات کرتے جن کا جواب وہ اپنی معلومات کی کمی کی بنا پر دینے سے قاصر رہتے تھے اور سنی مولوی ان پر غالب آ کر خوش ہوتے لیکن جب امام علی نقی علیہ السلام فی الجملہ آزاد ہو کر اپنے گھر میں آئے تو شیعوں نے ان اعتراضات کے جوابات حضرت سے حاصل کر کے ان مولویوں سے بیان کئے۔ اب ان کو حضرت سے عداوت زیادہ ہو گئی حنفی۔ شافعی اور مالکی تین مذہبوں کے عالموں نے یہ صلاح کی کہ ہم مل کر آپ کے پاس جائیں اور مختلف قسم کے سوالات کر کے آپ کو ذلیل کریں۔ چنانچہ ایک روز وہ تینوں مع اپنے بہت سے شاگردوں کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے

علما۔ ہم اس لئے آئے ہیں کہ چند سوالات کریں
امام ۔ ضرور

علما۔ کیا آپ ائمہ اہلبیت میں سے ہیں
امام ۔ بے شک

علما۔ کیا آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ رسول اللہ نے قرآن کے ساتھ آپ کو رکھا ہے
امام ۔ ضرور رکھا ہے

علما۔ قرآن کے ہوتے جبکہ وہ مکمل ضابطہ حیات ہے آپکی ضرورت
امام ۔ آپ تینوں ایک ہی فرقہ کے ہیں یا مختلف

علما۔ نہیں ہم میں کوئی حنفی ہے کوئی شافعی کوئی مالکی
امام ۔ آپ تینوں قرآن پر ایمان رکھتے ہیں ۔

علما۔ لاریب
امام ۔ پھر آپ میں یہ اختلاف کیوں ہے

علما۔ فقہی اختلاف ہے
امام ۔ کیا قرآن اختلاف پیدا کرنے آیا ہے

علما۔ ہرگز نہیں
امام پھر آپ کے درمیان اختلاف کیوں ہے

علما۔ اس لئے کہ فقہی مسائل میں اجتہاد کی اجازت ہے
امام ۔ تو کیا آپ تینوں کا عقیدہ صحیح ہے

علما۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے عقیدہ کو صحیح مانتا ہے
امام کیسے پتہ چلے کہ کون سا فرقہ حق پر ہے

علما۔ قرآن سے جو قوی دلیل لائے
امام۔ جب آپ تمام فرقے قرآن ہی سے دلیل لاتے ہیں تو پھر یہ فیصلہ کون کرے کہ حق پر کون ہے کس کے دلائل قوی ہیں

علما ۔ اہل عقل فیصلہ کریں
امام ۔ جب کوئی معصوم ان میں نہ ہوگا تو ان سے بھی غلط فیصلہ کا امکان ہوگا اسی لئے رسول نے قرآن کے ساتھ اہلبیت کو رکھا ہے تاکہ معصوم ہونے کی وجہ سے غلطی کا امکان نہ رہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب مستطاب

حالات انبیا و ائمہ

تنقید و تبصرہ

حصہ سیزدہم ۱۳

در حالات

امام حسن عسکری علیہ السلام

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات امام حسن عسکریؑ

ہمارے گیارھویں امام حسن عسکری علیہ السلام کے والد امام علی نقی علیہ السلام اور والدہ سوسن خاتون ہیں جو بڑی عبادت گزار اور تقوی شعار تھیں۔ حضرت کی ولادت مدینہ منورہ میں سنہ ۲۳۲ھ میں بزمانہ متوکل عباسی ہوئی۔

آپ کا سن مبارک چھ سال کا تھا کہ اپنے والد ماجد کے ساتھ سامرہ تشریف لے گئے اور آخر عمر تک وہیں قیام فرما رہے۔ حضرت کے بچپن کے حالات میں ہے کہ اس زمانہ میں بہلول دانا ایک بڑے مقدس اور کامل الایمان بزرگ گزرے ہیں ان کو لوگ بہلول دیوانہ کہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے کو بظاہر دیوانہ بنا لیا تھا تاکہ ظالم بادشاہوں کے شر سے محفوظ رہیں۔ اور اس حیلہ سے لوگوں کو محبت اہلبیت کی طرف مائل کرتے رہیں۔ اس خوش نصیب بزرگ نے چھ اماموں کی زیارت کی یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام سے لے کر امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ تک زندہ رہے یا یوں کہو کہ عباسی سلطنت کے سات بادشاہوں کا زمانہ دیکھا کتابوں میں ان کے متعلق عجیب و غریب خردانہ کہانیاں پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک قصہ درج ہے۔

بہلول کا قصہ ایک شخص لوگوں کے بھرے مجمع میں بیان کر رہا تھا کہ مجھ کو تین باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اول یہ کہ خدا دکھنے میں نہیں آتا بھلا کیونکر ممکن ہے کہ ایک چیز ہو اور دکھنے میں نہ آئے دوسرے یہ کہ بندہ فاعل مختار ہے۔ یہ سرتاسر غلط ہے بندہ اپنے فعل میں مجبور محض ہے خدا جو چاہتا ہے اس سے کرا لیتا ہے تیسرے یہ کہ شیطان کو آگ میں جلایا جائے گا جب وہ آگ ہی کا بنا ہوا ہے تو پھر آگ اس کو کیسے جلائے گی۔

بہلول اس مجمع میں کھڑے اس کی یہ تقریر سن رہے تھے انھوں نے مٹی کا ایک ڈھیلا اس کے سر پر دے مارا وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا لوگ بہلول کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے گئے۔ قاضی نے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا انھوں نے کہا میں نے تو نہیں کیا جو کچھ کیا ہے خدا نے کیا ہے۔ قاضی نے کہا کیا خوب بلکہ تم اور الزام لگاؤ خدا پر۔ انھوں نے کہا یہ تو اسی واعظ سے دریافت کرو جو کہہ رہا تھا کہ بندہ اپنے فعل میں مجبور ہے خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ میرے اس عمل سے اس کا کیا نقصان ہوا۔ اس نے کہا میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔ بہلول نے کہا وہ درد ذرا میں بھی دیکھوں۔ اس نے کہا کیا درد بھی دکھانے کی چیز ہے۔ انھوں نے کہا کیوں نہیں جب موجود ہے تو نظر بھی تو آنا چاہیے کیا ابھی تو نہیں کہہ رہا تھا کہ اگر خدا موجود ہے تو نظر کیوں نہیں آتا تیسرے اس ڈھیلے سے تیرے چوٹ کیسے لگی یہ بھی مٹی کا ہے تو بھی مٹی کا ہے۔ کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان جب آگ سے بنا ہے تو دوزخ کی آگ اسے کیسے جلائے گی یہ جواب سن کر وہ شخص دنگ رہ گیا اور قاضی نے بہلول کو مرحبا کہہ کر مواخذہ سے بری کر دیا۔

ایک بار بہلول ایک ٹوٹی قبر میں پاؤں ڈالے بیٹھے تھے کسی نے کہا اے دیوانے یہاں کیا کرتا ہے انھوں نے کہا شہر میں جا کر کیا

کیا کروں شہر والے تو یہیں آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا کے لوگ عقلمندوں کی صحبت کے قابل نہیں میں اس وقت ایسے لوگوں میں بیٹھا ہوں جو نہ کسی کی غیبت کرتے ہیں نہ ظلم سے کسی کا مال چھینتے ہیں نہ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اپنے ہمسایہ کو ستاتے ہیں اپنے گھر آئے ہوئے کو بھگاتے نہیں۔ ہر آنے والے کے لیے ان کا دروازہ کھلا ہے۔ دشمن بھی آ جاتا ہے تو خوشی سے اپنے پہلو میں جگہ دیتے ہیں نہ ان کو تاج و تخت کی ہوس ہے نہ جاہ و منصب کی آرزو نہ کسی کے آنے کی فکر نہ جانے کا غم

الغرض اس زمانہ میں جب ہمارے گیارہویں امام کمسن تھے اور سامرہ میں مقیم تھے بہلول اس حکم متوکل کو منسوخ کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے جو اس نے کربلائے معلیٰ کی بربادی قبر امام مظلوم کو منہدم کرا کے اس پر ہل چلانے اور زائرین کو وہاں جانے سے روکنے کے لئے جاری کیا تھا انہی دنوں میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے وہ گفتگو ہوئی جس کو ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے۔

ایک روز بہلول کا گزر ایک کوچہ میں ہوا وہاں چند لڑکے کھیل رہے تھے امام حسن عسکری علیہ السلام جن کا سن چھ سات سال کا تھا ان کے پاس کھڑے رو رہے تھے بہلول نے قریب جا کر کہا

بہلول۔ شاید آپ اس لئے رو رہے ہیں کہ آپ کے پاس کھیلنے کی وہ چیز نہیں جو ان لڑکوں کے پاس ہے۔ میں یہ چیز آپ کو خرید کر لا دیتا ہوں

امام۔ ہم کھیلنے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے

بہلول۔ پھر کس کام کے لئے

امام۔ علم اور عبادت کے لئے

بہلول۔ آپ نے یہ بات کہاں سے لی

امام۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون (کیا ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف پلٹ کر نہ آؤ گے)

بہلول۔ میں نے یہ بات مان لی اب آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں

امامؑ نے اس کے بعد چند نصیحت آمیز اشعار فرمائے اور اس کے بعد اتنا روئے کہ آپ کو غش آ گیا اور بہلول دانا بھی گھبرا گئے جب ہوش آیا تو بہلول نے کہا آپ کی یہ حالت کیوں ہوئی ابھی تو آپ بچے ہیں کوئی خطا آپ سے سرزد نہیں ہوئی۔ حضرت نے فرمایا اے بہلول تم اس وقت میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میں نے اپنی مادر گرامی کو آگ جلاتے دیکھا ہے اور یہ بھی مشاہدہ کیا ہے کہ بڑی بڑی اور موٹی لکڑیوں کو آگ اس وقت تک نہیں پکڑتی جب تک چھوٹی لکڑیاں جل کر خاک نہیں ہو جاتیں پس مجھے خوف ہے کہ کہیں میں بھی جہنم کی وہی چھوٹی لکڑی نہ بن جاؤں۔

آپ نے دیکھا کہ ہمارے امام بچپن میں بھی انتہا تک لغویات میں گزارنا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت کا یہ جواب بالکل ایسا ہی ہے جیسا حضرت یحییٰ پیغمبر نے اپنے ہم سن بچوں کو دیا تھا جو ان کو کھیل کی طرف بلا رہے تھے۔ دوسری بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ بچپن میں امام علیہ السلام کو معرفت الٰہی میں وہ کمال حاصل تھا کہ بہلول دانا جیسا شخص حیران ہو کر رہ گیا۔ بہلول بلحاظ علم و معرفت عقل و دانش معمولی آدمی نہ تھے بلکہ ان کی دانش مندی کو بحد کمال پا کر ہارون بادشاہ عباسی نے ان کو اپنا وزیر بنانا چاہا تھا۔ لیکن وہ مستغنی اور قانع تھے اس لئے قبول نہ کیا۔ صرف یہی ایک بات اثبات امامت حضرت کے لئے کافی ہے

تنقید و تبصرہ

مستعین اور امام علیہ السلام

مستعین عباسی خاندان کا بادشاہ تھا اس نے ایک قیمتی گھوڑا خریدا تھا اتفاق سے وہ بڑا عیبی نکلا اور ساری قیمت بیکار گئی اس گھوڑے کی یہ عادت تھی کہ اپنے سوار کو گھوڑے سے گرا کر ٹاپوں سے کچل ڈالتا تھا بڑے بڑے شہسواروں نے اس پر قابو حاصل کرنا چاہا مگر وہ کسی کے بس میں نہ آیا جو چڑھا بغیر پامال ہوئے نہ رہا۔ آخر اس پر سواری کرنے سے کان پکڑے مستعین نے مجبور ہو کر اس پر سواری کرنے کی ممانعت کر دی۔ ایک روز کسی دشمن اہلبیت نے مستعین سے کہا کہ اور سب نے تو تجربہ کر کے دیکھ لیا اب شیعوں کے امام حسن عسکری کو بلائے شیعہ انکی کراماتوں کا بڑا ڈھنڈھورا پیٹتے ہیں اگر اس ان کو بھی کچل دیا تو شیعوں کے پروپیگنڈے کی پول بھی اور آپ کی سلطنت کا ایک بدخواہ بھی بغیر آپ پر الزام عاید ہوئے ہلاک ہو جائے گا اور اگر انھوں نے قابو پالیا تو ایک قیمتی گھوڑا کارآمد ہو جائے گا۔

چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار

مستعین بھلا ایسی بات کیوں نہ مانتا اس نے فوراً حضرت کو بلا بھیجا جب حضرت وہاں پہنچے اور مستعین کے پاس پہنچنے سے پہلے آپ اس گھوڑے کے پاس آئے اور اس کے پیچھے پر ہاتھ رکھدیا وہ کان دبائے خاموش کھڑا رہا۔ پھر آپ مستعین کے پاس تشریف لائے اس نے بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد کہنے لگا اے ابو محمد میرا دل چاہتا ہے کہ آج آپ میرے اس گھوڑے پر جو بہت قیمتی ہے سواری کریں۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا یہ کہہ کر آپ گھوڑے کے پاس آئے پہلے اس کے منہ میں لگام دی اور پشت پر زین رکھی وہ چپ چاپ کھڑا رہا پھر آپ اس پر سوار ہوئے اور آپ نے اسے خوب دوڑایا اور قسم قسم کی چالیں اس کی دکھائیں۔ یہ حال دیکھ کر مستعین اور اس کے درباری حیران رہ گئے حضرت نے فرمایا میں نے اس سے زیادہ خوبصورت اور خوش رفتار گھوڑا نہیں دیکھا مستعین نے کہا اے ابو محمد میں اس گھوڑے کو آپ کی نذر کرتا ہوں آپ نے قبول فرما لیا۔ یہ ہے امام مفوض من اللہ کی شان

معتز باللہ اور امام علیہ السلام

جب معتز کے ہاتھ میں عنانِ حکومت آئی تو اس نے طرح طرح سے حضرت کو ستانا شروع کیا بلکہ حضرت کی جان کا دشمن بن گیا جس کا سبب ہوا کہ اس کے بعض ارکان سلطنت نے خاندان رسول سے دشمنی رکھتے تھے اس کو یہ خوف دلایا کہ حضرت کے شیعوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے اندیشہ ہے کہ کسی وقت آپ سے مقابلہ کے لئے نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ دیوانہ راہوئے بس است اس نے فوراً اپنے ایک درباری علی بن یارمش کو حکم دیا کہ حضرت کو فوراً اپنی حراست میں لے لے

یہ بڑا متقی اور پکا ناصبی تھا سادات کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا لیکن خدا کی شان دیکھو حضرت کی عبادت اور زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اس کی حالت ہی بدل گئی ع ۔ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد ۔ چند روز جو اس نے سختی کی تھی بابت اس کے لئے طالب معافی ہوا اور بڑے عزت و احترام کے ساتھ آپ کو آپ کے گھر تک پہنچایا اور نہایت عاجزانہ انداز میں عرض کی غلام کی کیا طاقت ہے کہ ایسے برگزیدہ ہستی کو اپنے گھر میں نظر بند رکھ سکے ۔ بادشاہ اگر میرے اس فعل سے ناراض ہوگا تو مجھے اس کی پرواہ نہیں اس کی خوشنودی پر خدا کی خوشنودی کو مقدم سمجھتا ہوں ۔

یہ سب قدرتی انتظامات تھے انسانی کارناموں سے ان معاملات کو کوئی واسطہ نہیں ۔ دشمن کو دم بھر میں دوست بنانے والا اور خون کے پیاسوں کو سچا جاں نثار کرنے والا وہی رب ہے ۔

معتز کو بہت جلد اس کی بداعمالیوں کی سزا مل گئی امام علیہ السلام نے اس کی ہلاکت کی خبر وقت سے پہلے اپنے مخصوص لوگوں کو سنا دی تھی ۔ ابوالقاسم اسحاق بن جعفر زبیری کو لکھ بھیجا تھا کہ تم بیس روز تک اپنے گھر سے باہر نہ نکلنا تاکہ جو واقعہ ہونے والا ہے بخیر و خوبی ہو جائے ۔ اسحاق نے بحفاظت اس تحریر کو اپنے پاس رکھ لیا ۔ جب ہرثمہ کے قتل کا واقعہ پیش آیا تو اسحاق ایک عریضہ لکھ کر آپ سے دریافت کیا کہ جس واقعہ کی خبر آپ نے مجھے دی شاید وہ یہی تھا اب میرے لئے کیا حکم ہے اپنے گھر سے نکلوں یا نہیں آپ نے لکھا یہ وہ واقعہ نہیں ہے ۔ پھر جب معتز کا واقعہ پیش آیا تو آپ نے لکھ بھیجا کہ جس واقعہ کے متعلق تمہیں لکھا گیا تھا وہ گزر گیا اب تم مطمئن رہو ۔ معتز کی ظالمانہ رفتار کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکیوں نے جن کا زور سلطنت عباسیہ میں بڑھ گیا تھا معتز کو سلطنت سے معزول کر کے بغداد کے شاہی قید خانہ میں بند کر دیا اور اس کی جگہ پر محمد بن واثق کو مہتدی باللہ کا لقب دے کر تخت خلافت پر بٹھا دیا ۔

مہتدی باللہ اور امام علیہ السلام

مہتدی اپنے کو اگرچہ بڑا متقی اور پرہیزگار ظاہر کرتا تھا لیکن اہلبیت کی عداوت میں وہ بھی اپنے اسلاف سے کم نہ تھا اس کی حکومت گیارہ مہینے اور چند روز رہی اس مدت میں ایک دن اس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو چین سے نہ رہنے دیا ۔ اس نے حضرت کو صالح بن حنیف کی نظر بندی میں رکھا صالح کے رہائشی مکان کے پاس ہی ایک چھوٹا سا گھر تھا اس میں حضرت رکھا گیا تھا ۔ اس بدبخت نے اپنی شقاوت کی بنا پر حضرت کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ۔ انتہا یہ ہے کہ پیٹ بھر کھانا دینے کا کیا ذکر بقدر ضرورت پانی بھی نہ ملتا تھا اکثر اوقات آپ تیمم ہی سے نماز ادا فرماتے تھے اور ان مصائب و آلام پر صبر فرماتے تھے آپ کا مشغلہ رات دن عبادت الٰہی کرنا اور تلاوت کلام پاک کرنا تھا آپ اپنے دشمنوں سے بھی بخلق و مدارات پیش آتے تھے آخر یہ بات بے اثر دکھائے نہ رہی جو غلام پہرے پر رہتے تھے وہ حضرت سے مانوس ہونے لگے اور ان کی عداوت موالفت سے بدلی اور ایسی بدلی کہ اطاعت کا دم بھرنے لگے اور اپنے مالک کی سزا کا خوف دل سے نکال کر راحت رسانی

کی فکریں کرنے لگے۔
ایک دن جو صالح حضرت کے حالات معلوم کرنے آیا تو اپنی امید کے خلاف حالت دیکھی سارے غلام آپ کی خدمت میں لگے ہوئے نظر آئے دیکھا بعض تو آپ کے سامنے سر جھکائے مؤدب دو زانو بیٹھے ہیں بعض آپ کے آگے منتظر حکم کھڑے ہیں اب تو صالح کے ہوش اڑ گئے دل میں سوچا جب میری موجودگی میں اتنے نڈر ہو کر حضرت کی خدمات انجام دے رہے ہیں تو میرے پیچھے کیا نہ کرتے ہونگے اگر اس وقت میں ان کو سزا دیتا ہوں تو کیا بعید ہے کہ جوش عقیدت میں میرے اوپر ہاتھ صاف کر دیں۔ غرض چپ چاپ وہاں سے چلا آیا گھر آکر سوچا اگر ان غلاموں کی عقیدت کا یہی حال رہا تو کچھ بعید نہیں کہ تمام عملہ شیعہ ہو جائے اور کوئی فتنہ برپا کر دے لہذا بہتر یہ ہے کہ حضرت کو رہا کر دیا جائے چنانچہ اسی روز اس نے رہائی کا حکم دیدیا۔

معتمد کی سلطنت اور امام علیہ السلام

جب اپنی بے تدبیری اور غلط کاری کی بدولت مہتدی ترکوں کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا تو اس کی جگہ معتمد تخت نشین ہوا حقیقت یہ ہے کہ متوکل کے عباسی سلطنت کا کوئی خلیفہ ایسا تخت پر نہ بیٹھا جس کو اس کے امیروں نے دھوکہ سے قتل نہ کیا ہو معتمد یہ تمام واقعات دیکھتا اور سنتا چلا آرہا تھا اس نے بادشاہ ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بجائے سامرہ کے بغداد کو دار السلطنت بنایا اس تدبیر سے امرا کا زور بڑی حد تک ٹوٹ گیا کیونکہ ان کو بغداد کی پبلک سے اتنی مدد نہ مل سکی جتنی سامرہ کی پبلک سے ملتی تھی۔
معتمد ۲۵۶ھ میں تخت نشین ہوا اس نے اپنے باپ متوکل کے وزیر فتح بن خاقان کے چھوٹے بیٹے عبید اللہ خاقان کو اپنا وزیر بنایا لیکن اس کے تخت پر بیٹھتے ہی ہر طرف بغاوت ہونے لگی اس نے اپنے بھائی موفق کو بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا اس نے بہت سے دشمنوں کو زیر کیا لیکن ایک سال سے زیادہ نہ رہ سکا باوجودیکہ معتمد ہر طرف سے گھرا ہوا تھا اس پر بھی امام علیہ السلام کی عداوت کا خیال اس کے دل سے دور نہ ہوا اگرچہ شب و روز میں ایک گھنٹہ بھی اسے اطمینان کا نصیب نہ تھا لیکن امام علیہ السلام کی نظر بندی کے متعلق اس کے احکام بدستور سختی سے جاری تھے۔
معتمد نے اپنے ایک غلام نحریر نامی کو جو عداوت اہلبیت میں حد درجہ سخت تھا حضرت پر نگہبان مقرر کیا اس ظالم نے حضرت کو اس درجہ ستایا کہ اوروں کا کیا ذکر خود اس کی بی بی اس کے خلاف ہوگئی۔ ایک دن اس نے کہا تجھے خوف خدا نہیں کہ ایک بے گناہ ہستی کو اتنا ستا رہا ہے کیا تو نہیں کہ یہ حضرت رسول خدا کے فرزند ہیں بی بی کے ایسا کہنے پر بجائے رحم کے اس کے دل میں اور زیادہ عداوت کی آگ بھڑکی۔ بی بی سے کہنے لگا میں ہرگز ایسے شخص کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کر سکتا جس سے خلیفہ وقت اس قدر دماغ ہے کہ اس نے آج ان کو درندوں کے آگے ڈال دینے کا حکم دیا ہے بی بی بیچاری یہ سن کر خاموش ہوگئی۔ نحریر نے یہ بات غصہ میں خود ہی بیان کر دی تھی اس وقت تک معتمد نے کوئی خاص ایسا حکم نہیں دیا تھا لیکن اب اس کو

اپنی بات کی پچ ہوئی اسی روز معتمد کے پاس جا کر معلوم کیا گیا کہا کہ اس نے مشتعل ہو کر حضرت کو درندوں کے سامنے چھوڑنے کا حکم دیا۔

حضرت کو درندوں کے سامنے چھوڑا گیا

معتمد تو اپنے غلام کو یہ حکم دے کر اپنے محل میں چلا گیا۔ غلام حضرت کو قید خانہ سے نکال کر برکۃ السباع (درندوں کا تالاب) لے گیا اور اس کا دروازہ کھول کر حضرت کو داخل کر دیا آپ اندر جانے سے ذرا نہ جھجکے۔ اب شانِ امامت دیکھیے حضرت کے اندر داخل ہوتے ہی درندے آپ کے گرد جمع ہو گئے اور عاجزانہ انداز میں دُم ہلانے لگے امام علیہ السلام شفقت کے ساتھ ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے رہے۔ حضرت نے ان کے بیچ میں مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنی شروع کر دی۔ درندے بدستور آپ کے گرد بیٹھے رہے۔ معتمد کے غلام نے جب یہ حال دیکھا تو دوڑا ہوا معتمد کے پاس گیا اور کل حال بیان کیا۔ وہ فوراً غلام کو لیے ہوئے وہاں پہنچا اور ایک مکان کی چھت پر سے دیکھنے لگا درندے چاروں طرف جمع تھے اور امام علیہ السلام ان کے درمیان بڑے اطمینان سے نماز پڑھ رہے تھے اب تو کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ اس کا سارا بدن تھر تھر کانپنے لگا اور حکم دیا کہ بہت جلد حضرت کو وہاں سے نکالا جائے۔ بالکل یہی صورت متوکل نے امام علی نقی علیہ السلام کو برکۃ السباع میں چھوڑنے کے بعد دیکھی تھی لیکن خدا جانے ان لوگوں کے دل تھے یا پتھر کہ ایسے معجزات دیکھنے کے بعد بھی ذرا اپنے بدخیال سے نہ ہٹے شیطان ان پر غالب تھا اور شقاوت انکو گھیرے ہوئے تھی۔ افسوس صد افسوس خدا کے یہ پیارے بندے اور نوع انسان کے فخر اس قابل تھے کہ عمر بھر ان کو تاریک قید خانوں میں رکھا جائے اور درندوں کے سامنے چھوڑا جائے۔ ان ظالموں کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ معصوم بندوں کا جو اولاد انبیاء سے ہوتے ہیں گوشت درندوں پر حرام ہے۔

حضرت کو مدت العمر کیوں نظر بند رکھا گیا۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے زمانہ امامت میں پانچ عباسی بادشاہوں کی حکومت دیکھی مستعین، معتز، موفق، مہتدی اور معتمد۔ ان پانچوں نے اپنے اپنے زمانہ میں امام عؑ کو ایک دن چین کی زندگی بسر کرنے کا موقع نہ دیا ہمیشہ نظر بندی رکھا ہائے کیسی مصیبت کی زندگی تھی۔ نہ کہیں جا سکتے تھے نہ کوئی آپ کے پاس آ سکتا تھا۔ اگرچہ ہمارے اور ائمہ بھی خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں مقید رہے لیکن جو تشدد حضرت کے ساتھ عمل میں آیا وہ کسی اور کے ساتھ نہیں ہوا۔ اس کا خاص سبب یہ تھا کہ احادیث رسول کے مطالعہ سے عباسی بادشاہ یہ بات جانتے تھے کہ قائم آل محمد امام آخر الزمان

تنقید و تبصرہ

آپ ہی کے صلب مبارک سے پیدا ہونگے لہذا ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ امر وقوع میں نہ آئے اور یہ حدیث رسول موضوع ثابت ہو جائے کہ میرے بعد میرے بارہ جانشین ہونگے جو قریش سے ہونگے۔ یہ اسکیم سالہا سال سے چل رہی تھی۔ سب سے پہلے متوکل کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا تھا چنانچہ اسی منصوبہ شیطانی کے تحت اس نے امام علی نقی علیہ السلام کو سامرہ بلایا تھا تاکہ یہاں آپ تجرد کی حالت میں رہیں لیکن حضرت کے تشریف لے جانے سے پہلے ہی امام حسن عسکری علیہ السلام مدینہ میں پیدا ہو چکے تھے متوکل کے مرنے سے پانچ برس بعد امام علی نقی علیہ السلام کا انتقال ہوا تو متوکل کے جانشینوں کو امام حسن عسکری علیہ السلام کے معاملہ میں زیادہ سختی سے کام لینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس فکر میں رہنے لگے کہ نسل امامت کا انہی کی ذات پر خاتمہ کر دیا جائے۔ تاکہ وہ حدیث غلط ثابت ہونے پر ہماری خلافتیں صحیح ثابت ہوں اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب بارہویں حجت پیدا نہ ہو۔ جس کے متعلق بہت سی پیشینگوئیاں حضرت رسول خدا کر چکے ہیں۔ اسی لئے ان لوگوں نے مدت العمر حضرت کو تنہائی میں رکھنا چاہا لیکن جو چراغ اللہ جلانا چاہے اسے کون بجھا سکتا ہے جو قادر مطلق باوجود سخت سے سخت نگرانی کے حضرت موسیٰ کو پیدا کر سکتا ہے وہ ان ظالموں کے منصوبہ کو بھی خاک میں ملا سکتا ہے۔ چنانچہ ان کی ایک نہ چلی اور خدا کی بارہویں حجت ظاہر ہو گئی

معتمد کی انتہائی بے رحمی

پہلے تو معتمد نے حضرت کو دو مردوں کی نگرانی میں رکھا جب اس سے بھی اس کو تسکین نہ ہوئی تو خود اپنی حراست میں لے لیا اور محل شاہی میں خلوت گاہ کے برابر والے خانہ میں حضرت کا قید خانہ قرار دیا تاکہ شب و روز بچشم خود آپ کا نگراں رہے اور قطعاً کوئی آپ کے پاس نہ آسکے۔ یہ قید پہلی قیدوں سے زیادہ سخت تھی اول تو یہ کوٹھری بہت تیرہ و تار تھی جس میں ہوا اور روشنی کے لئے کوئی سوراخ نہ تھا آمد و رفت کے لئے ایک دروازہ تھا جو ہر وقت بند رہتا تھا سات دن میں صرف دو بار کھلتا تھا۔ دوسرے سخت قید تنہائی بھی کوئی بات کرنے والا میسر نہ تھا۔ سلاطین عباسیہ نے یہ خانہ اس لئے بنایا تھا کہ خطروں کے خاص اوقات اس کے اندر چھپ بیٹھیں۔ یہ ایک ایسا پوشیدہ مقام تھا کہ دشمن کا یہاں پہنچنا دشوار تھا۔ غور کرو ایسے مقام پر دن گزارنا کس قدر روح فرسا اور جاں گسل ہوا اور کیونکر دن اور رات گزرتے ہوں گے۔

ان ظالم سلاطین بنی امیہ اور بنی عباس نے ہمارے تمام اماموں کو آزادی کی ہوا میں بہت ہی کم سانس لینے دیا۔ ان معصوم ہستیوں کی عمر کا بیشتر حصہ قید خانوں ہی میں گزرا یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے حالات زندگی بہت کم ملتے ہیں۔ بہرحال معتمد نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اس کا یہ بھی حکم تھا کہ ٹھنڈا پانی پینے کے لئے حضرت کو نہ دیا جائے اور دو روٹی سے زیادہ غذا دن بھر میں نہ دی جائے۔ اور ممانعت کر دی تھی کہ بغیر اس کے حکم کے کوئی حضرت تک جانے نہ پائے قید خانہ کی کنجیاں تو اپنے پاس رکھتا تھا امام مظلوم دو برس کامل اس قید شدید میں رہے۔ رات کی تکلیف تنہائی کی مصیبت اہل و عیال کی مفارقت کا صدمہ غذا کی قلت وغیرہ ایسی جاں گداز چیزیں تھیں کہ انہوں نے حضرت کو نہایت لاغر و ناتواں بنا دیا تھا غیروں کا ذکر اپنے مشکل سے پہچانتے تھے

معتمد کی بے رحمی دیکھو کہ اپنی سخت گیری اور ظلم پسندی کا منظر دکھانے کے لئے کبھی کبھی اپنے عزیزوں کو ساتھ لے کر اس قید خانہ میں آتا تھا اور حضرت کو قید خانہ سے باہر نکلوا کر دکھاتا تھا۔ وہ لوگ حضرت کو برا بھلا کہہ کر معتمد کو خوش کرتے تھے اور آپ کی پریشاں حالی پر قہقہے لگاتے تھے۔ امام علیہ السلام ان کی گستاخیوں کا کیا جواب دیتے خاموش ہو کر رہ جاتے تھے۔

شانِ امامت کا بہترین مظاہرہ

اسی زمانہ میں جب کہ امام علیہ السلام قید تھے بغداد میں تین سال سے قحط کی سخت شکایت تھی اور ہر طبقہ کے لوگ بلبلا رہے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک نصرانی عالم وہاں آ گیا اور اس نے پانی برسانے کی کرامت دکھا کر مسلمانوں کے عقیدہ میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہر شخص اس کی روحانی کرامت اور دین عیسوی کی صداقت کا دم بھرنے لگا تمام شہر میں ہلچل مچی ہوئی تھی علما سخت پریشان تھے بلکہ بہت سے تو دین مسیحی کی طرف راغب ہو چلے تھے رفتہ رفتہ یہ خبر معتمد تک پہنچی اس نے بغرض امتحان اس نصرانی عالم کو بلایا اور اس سے پھر پانی برسانے کی درخواست کی اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کچھ پڑھا فوراً ایک کالا بادل آیا اور موسلادھار مینہ پڑنے لگی

یہ دیکھ کر معتمد اس کی کرامت کا معتقد ہونے لگا اور اس کے جتنے درباری تھے سب کے ایمان میں لغزش پیدا ہونے لگی قریب تھا کہ سب دین مسیحی اختیار کر لیں۔ غرضکہ معتمد نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ اس نصرانی عالم کو انعام و اکرام دے کر رخصت کر دے جب وہ چلا گیا تو معتمد نے تمام علما کو جمع کر کے اس مسئلہ پر گفتگو شروع کی اس نے کہا کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی ایسا صاحب کرامت الشان نہیں تم لوگوں نے اسلام کی روحانیت کو بدنام کیا ہے اس کا عمل تلاش کرو ورنہ میں تم کو اپنے دربار سے نکال دوں گا۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ ایک نصرانی عالم تو اپنی یہ کرامت بار بار دکھائے اور تم کچھ نہ کرو۔ تمہاری استسقا کی نمازیں سب بے اثر رہیں اور ایک نصرانی کی دعا کارگر ہو گئی۔ یہ سن کر سناٹا چھا گیا اور کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اس نصرانی عالم کی کرامت کی تردید میں کچھ بول سکے۔ آخر معتمد کو خود ہی خیال آیا کہ اس معاملہ اس بیکس قیدی سے بھی پوچھا جائے جو اولاد رسول ہے اور نہایت کس مپرسی کے عالم میں قید میں پڑا ہوا ہے غلاموں کو حکم دیا کہ امام حسن عسکری کو قید خانہ سے نکال لاؤ

صواعق محرقہ میں ہے کہ جب امام علیہ السلام تشریف لائے تو معتمد نے کہا اے ابو محمد اس وقت اپنے جد کی امت کو گمراہی سے بچایئے ایک عالم نصرانی یہاں آیا ہوا ہے اس نے باعجاز مینہ برسا دیا ہے تمام مسلمان اس بات کے قائل ہو گئے اس نے باعجاز مینہ برسا دیا ہے اور نصاریٰ کا دین سچا دین ہے۔

حضرت نے فرمایا یہ کون بڑی بات ہے لوگوں کو چاہیے کہ کل میرے ساتھ شہر سے باہر چلیں میں انشاء اللہ اس شک کو دور کر دوں گا شرط یہ ہے کہ قید خانوں میں جتنے قیدی ہیں سب کو رہا کر دیا جائے۔ دوسرا دن ہوا تو تمام اہل شہر مع رہا شدہ قیدیوں کے نماز استسقا کے لئے شہر سے باہر چلے گئے اس وقت وہ نصرانی راہب بھی وہاں موجود تھا آپ نے اس سے فرمایا ہاں

اپنے کرتب دکھا۔ اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور شستہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کردیا فوراً آسمان پر بادل چھا گیا حضرت نے اپنے پاس والے شخص سے کہا کہ اس راہب کے دونوں ہاتھ پکڑلے اور جو چیز اس کے ہاتھ میں ہو اسے اچک کر میرے پاس لے آ۔ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک ہڈی لے کر آپ کے پاس آیا حضرت نے اسے مٹھی میں داب لیا اور اس راہب سے فرمایا ہاں اب مینہ برس جائے تو جانیں اس نے پھر ہاتھ اٹھائے مینہ برسنا تو درکنار جو بادل پہلے آیا تھا وہ بھی کھل گیا۔ لوگوں کو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا معتمد نے کہا اے ابومحمد مجھے جلد بتایئے اس میں کیا راز تھا فرمایا مینہ برسنے کو اس شخص کی کرامت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس ہڈی سے ہے جو اس کے ہاتھ میں تھی یہ کسی نبی کے بدن کی ہڈی ہے جو کسی قبر سے اس کے ہاتھ لگ گئی ہے نبی کے بدن کی ہڈی کی یہ خاصیت ہے کہ جب کھلی ہوئی آسمان کو دکھائی جائے گی فوراً ابر پیدا ہو کر برسنے لگے گا۔ یہ سن کر لوگوں کے شکوک دور ہوئے اور ہٹتے ہوئے ایمان ٹھکانے لگے صواعق محرقہ میں صرف یہیں تک ہے لیکن دوسری کتابوں میں ہے کہ حضرت نے فرمایا یہ تو ہڈی کی کرامت تھی اب میری دعا کا اثر دیکھو۔ حضرت نے دو رکعت نماز پڑھ کر دست مبارک آسمان کی طرف بلند کئے اور خدا سے باران رحمت کی دعا مانگی ابھی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ آسمان پر بادل آنا شروع ہو گیا اور ہر طرف گھنگھور گھٹا چھا گئی لوگوں کو بھیگ جانے کا خوف ہوا وہاں سے چلنے پر تیار ہو گئے فرمایا گھبراؤ نہیں یہ بادل تمہارے شہر پر برسنے والا نہیں یہ فلاں علاقہ پر جاکر برسے گا۔ ابھی بادل آتے رہے اور آپ فرماتے رہے یہ فلاں مقام پر برسے گا یہاں تک کہ ایک نہایت غلیظ اور تیرہ و تار ابر آیا۔ حضرت نے فرمایا اب تم اپنے اپنے گھر چلے جاؤ یہ بادل یہیں برسے گا۔ غرضکہ سب لوگ وہاں سے چلے آئے پھر اس زور سے پانی برسا کہ تمام جنگل پانی پانی ہو گیا۔ اس کے بعد قحط کی شکایت بھی دور ہو گئی۔

وہ نصرانی راہب یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور پھر وہاں سے پتہ توڑ کر ایسا بھاگا کہ کہیں پتہ نہ چلا۔

دیکھا امام منصوص من اللہ کی شان کو۔ بھلا امام معصوم کے سوا کون بتا سکتا تھا کہ اس نصرانی راہب نے اپنی کرامت دکھانے کا ذریعہ کس چیز کو بنا رکھا ہے۔ نبی کی ہڈی کے متعلق اس

قید امام میں تخفیف

اس واقعہ کے بعد معتمد پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ حضرت کو قید سے رہا کر کے گھر رہنے کی اجازت دیدی لیکن جاسوس لگائے رکھے یہ بھی قدرت الٰہی کا ایک کرشمہ تھا کہ حضرت کو معتمد جیسے ظالم کی قید سے رہائی ملی اور سالہا سال کے بعد آپ کو اپنے گھر والوں کے ساتھ رہنا نصیب ہوا مشیت ایزدی کے سامنے کسی ظالم اور جابر بادشاہ کی کیا چل سکتی ہے انھوں نے لاکھ چاہا کہ حضرت کو بحالت تجرد رکھ کر سلسلہ امامت کو صرف گیارہ ہی پر ختم کردیں اور اس حجت خدا کو عالم وجود میں آنے سے روکیں جو مشرق تا مغرب تک عدل و داد کا پھیلانے والا ہے لیکن حضرت رسولخدا کی پیشینگوئی کیونکر غلط ثابت ہوتی

حالات امام حسن عسکری علیہ السلام

امام حسن عسکری علیہ السلام ۲۵۵ھ میں معتمد کی قید سے رہا ہو کر اپنے گھر تشریف لائے تھے اور اپنے پدر بزرگوار امام علی نقی علیہ السلام کی طرح گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی ہر وقت یاد الٰہی میں گزرتا تھا۔ جب مومنین کو آپ کے آنے کا پتہ چلا تو جوق جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اگرچہ حکومت وقت کی کڑی نگرانی تھی لیکن چونکہ حضرت کی صحبت میں سیاسی تذکرے ہوتے ہی نہ تھے لہٰذا حکومت کو گرفت کا کوئی موقع نہ مل سکا۔

۱۵ شعبان ۲۵۶ھ میں امام عصر ولی زمان امام مہدی علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ چونکہ امام حسن عسکری کو دشمنوں سے پر خطرہ تھا لہٰذا نبی عصر کی ولادت کو صیغہ راز میں رکھا گیا پانچ سال حجت خدا کسی کے سامنے نہ آئے۔ معتمد عباسی کے جاسوس لگے ہوئے تھے اور بادشاہ اور اس کے ہواخواہ یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش میں تھے لہٰذا مصلحت یہی تھی کہ اس ولادت کا اظہار کسی پر نہ ہونے دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر بادشاہ وقت کو آپ کی ولادت کا پتہ چل جاتا تو وہ ضرور آپ کو قتل کرا کے حضرت رسول خدا کی یہ پیشینگوئی غلط ثابت کر دیتا کہ میرے بعد بارہ خلیفہ میرے اہلبیت سے ہوں گے

رقم خمس پر چھیڑ چھاڑ

جس طرح اور ائمہ کے زمانوں میں شیعہ حضرات اپنے خمس کی رقم امام وقت کی خدمت میں بظاہر یا خفیہ بھیجتے رہتے تھے اسی طرح امام حسن عسکری علیہ السلام کے عہد امامت میں بھی سفراء و وکلاء کے ذریعے سے خمس کی رقوم خفیہ طریقے سے آتی رہیں یہ زمانہ سفراء و وکلاء کے لئے بہت خوفناک تھے ہر وقت بیچارے معرض خطر میں رہتے تھے ادا کرنے والے تو اپنی رقم ان کے حوالے کر کے چلے جاتے تھے لیکن یہ حضرات جب تک امام کے حوالے نہ کر دیتے بادشاہی جاسوسوں کی وجہ سے ان کے دلوں میں دغدغہ رہتی۔ اگر ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ یہ رقوم خمس وصول کر کے امام تک پہنچاتے ہیں تو ان کا قتل ہونا یقینی تھا۔ خیال کرو یہ لوگ کیسے ایمان کے پکے اور عقیدہ کے سچے تھے کہ باوجود ان مشکلات کے جا جا دورہ کرتے اور بغیر کسی فائدہ کے محض خوشنودی خدا کے لئے ان رقوم کو وصول کرتے اور امام کی خدمت میں پہنچاتے پھر امام علیہ السلام انہی کے ذریعہ سے غریب سادات تک پہنچاتے

یہ کام بہت ذمہ داری اور راز داری کا تھا۔ لیکن باوجود پوری احتیاط سے کام کرنے کے بہت سے بے گناہ شیعوں کی جانیں محض خمس ادا کرنے یا وصول کرنے کے جرم میں نذر اجل ہو گئیں۔ ظالم معتمد نے جس کے متعلق یہ خبر سن پائی بے تحقیق اس کو تہ تیغ کرا دیا۔ یہ ظلم دیکھ کر امام حسن عسکری علیہ السلام نے ابو جعفر بن عثمان عمری رضی اللہ عنہ کو شہر بغداد میں اپنا وکیل بنایا اور ان مومنین کو جو خمس باہر سے لاتے تھے حاضر خدمت ہونے سے

قطعاً منع کر دیا اب طریقہ یہ ہوا کہ تمام ممالک کے شیعہ اپنے معتبر آدمی کے ذریعے رقم خمس جناب ابوجعفر کے پاس بھیج دیا کرتے تھے اور وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا دیتے تھے یا بہ حکم امام خود تقسیم کر دیتے تھے شیعوں کو فرداً فرداً رقم خمس لانے کا حکم نہیں تھا۔ چھوٹی چھوٹی بستیوں میں ایک ایک وکیل حضرت کی طرف سے مقرر ہوتا تھا باوجود اس تحفظ و احتیاط کے یہ رقوم وصول کرنے والے جاسوسوں سے خائف رہتے تھے اور جب تک وہ رقم امام تک نہ پہنچ جاتی سخت اضطراب میں بسر کرتے۔

خمس کے چھ حصے ہوتے ہیں ایک اللہ کا ایک رسول کا ایک امام کا رسول کے بعد یہ تینوں حصے امام کے لئے مخصوص ہیں باقی تین حصے سادات کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہیں یہ تقسیم خدا کی طرف سے ہے سلاطین بنی امیہ اور بنی عباس نے سادات کے اس حق کو غصب کیا اور یہ رقم بھی لوگوں سے وصول کر کے شاہی خزانوں میں داخل کرلی اور ہمارے ائمہ کو اس کی وصولی سے سختی سے روک دیا گیا اس ظالمانہ رویہ سے ائمہ اور سادات کی اقتصادی حالت کو بہت نقصان پہنچا اور ان کی مالی حالت کمزور ہوتی چلی گئی۔ ہر ملک میں شاہی خاندان کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے وظائف مقرر کر دیے جاتے ہیں تاکہ انہیں دوسروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے خدا نے اپنے رسول کا احترام مدنظر رکھا اور ان کا حق مقرر کیا۔ زکوٰۃ میں تمام مسلمانوں کا حق تھا خواہ وہ کسی طبقہ کے ہوں سادات کا زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہ رکھا۔ زکوٰۃ کو حدیث میں لوگوں کے ہاتھوں کا میل کچیل کہا گیا ہے سادات کو اس سے بچایا گیا اور خمس کو ان کے لئے مخصوص کیا مگر لوگوں نے اس سے انہیں محروم کر دیا۔

ابوجعفر عمری کے مختصر حالات

بزرگ شہر سامرہ کے بڑے ذی اقتدار شخص تھے اور خلیفہ معتمد کے ارکان سلطنت میں داخل تھے ان کا شیعہ ہونا کسی پر مخفی نہ تھا مگر ان کی ذاتی قابلیت کی بنا پر بادشاہ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا جب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی وکالت کا عہدہ ان کے سپرد کیا تو ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اب شیعوں کا آنا جانا میرے پاس اور کرے گا لہٰذا دشمنوں کو افترا پردازی کا موقع ملے گا کیا بعید ہے کہ بادشاہ شیعوں کو اور ان کے ساتھ مجھے بھی گرفتار کرا دے بلکہ یہ خطرہ امام حسن عسکری سے متعلق بھی ہے اس خطرہ سے بچنے کی انھوں نے یہ صورت نکالی کہ بغداد میں روغن فروشی کی ایک دکان کھول لی اور خرید و فروخت کا کام شروع کر دیا اس بہانہ سے باہر کے وکلا بے تکلف آپ کے پاس آنے لگے اور رقوم خمس جمع کرنے لگے تاہم یہ احتیاط مدنظر رہی کہ زیادہ اجتماع نہ ہو تاکہ جاسوسوں کو شبہ کا موقع نہ ملے دو چار آدمی آتے تو لوگ سمجھتے روغن خریدنے آئے ہیں غرض اس طرح انھوں نے اپنی خدمات انجام دیں۔

حضرت کی شہادت

معتمد امام حسن عسکری علیہ السلام کے قتل کے بہانے ڈھونڈھ رہا تھا اس نے سختی سے یہ حکم دے رکھا تھا کوئی رقم خمس حضرت کی خدمت میں نہ بھیجی جائے بلکہ خود حضرت سے بھی کہدیا تھا کہ آپ اس قسم کی کوئی رقم وصول نہ کریں حضرت نے لوگوں کو منع کردیا تھا کہ ایسی رقمیں آپ کے پاس نہ لائیں۔ معتمد کو خفیہ طور پر پتہ چل گیا کہ خمس کا آنا آپ کے پاس بند نہیں ہوا لہذا اس نے طرح طرح سے حضرت کو پریشان کرنا شروع کیا آپ کی امامت کا زمانہ جو چھ سال تھا انتہائی تکلیف میں گزرا کون سی مصیبت تھی جو معتمد کے ہاتھوں آپ کو نہ ملی۔ نظر بندی۔ قید تنہائی بھوک پیاس۔ درندوں کے سامنے چھوڑا جانا۔ ملاقات پر قدغن۔ غرضکہ وہ سب تدبیریں کی گئیں جو ایک بے کس و بے بس کو گھٹ گھٹ کر مرنے کے لئے کافی ہوسکتی تھیں۔ جب یہ سب تدبیریں بے سود رہیں تو آخر اس نے حضرت کو ہلاک کرنے کی وہی تدبیر کی جو اس کو اس کے بزرگوں سے میراث ملی تھی یعنی زہر خورانی چنانچہ اس نے ایک روز کھانے میں زہر ملاکر اپنے ایک غلام کے ہاتھ حضرت کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ یہ کھانا خاص طور سے آپ کے لئے تیار کرایا ہے اور غلام سے کہا اپنے سامنے کھلاکر آنا اگر نہ کھائیں تو کہنا یہ عطیہ شاہی کی توہین ہے جس کا نتیجہ آپ کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ زہر آلود ہے مگر چارہ کار کیا تھا اگر نہ کھاتے تو اس جرم میں قتل کردئے جاتے کہ عطیہ شاہی کی توہین کی ہے لہذا آپ نے رضاً بقضائہٖ و تسلیماً لامرہٖ کہکر کھالیا زہر قاتل تھا اس لئے فوراً ہی اس کا اثر سارے جسم میں دوڑ گیا اور لمحہ بہ لمحہ آپ کی حالت بگڑتی چلی گئی آخر انتہائی کرب و بے چینی کی حالت میں رحلت کی۔ خلفائے عباسیہ کا یہ قاعدہ تھا کہ خود ہی زہر دلواتے تھے اور اخفائے جرم کے لئے خود ہی تیمار داری کر کے اگے ہوتے تھے منصور، مامون۔ متوکل سب ہی اپنے اپنے زمانہ میں یہ چالاکیاں دکھائیں معتمد بھی انہی میں سے تھا وہ بھلا اس خاندانی ریا کاری کو کیوں چھوڑتا۔ چنانچہ جب اسے پتہ چلا کہ زہر کا اثر حضرت کے بدن میں دوڑ گیا ہے تو اس نے اپنے ایک درباری طبیب عبد اللہ نامی کو حضرت کی تیمار داری کو بھیجا اور تاکید کردی کہ خبردار کسی کو زہر دینے کی اطلاع نہ ہونے پائے بلکہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ آپ کسی عارضہ میں مبتلا ہیں۔ عبد اللہ نے پانچ شاہی ملازموں کو ہر وقت آپ کے پاس رہنے کا حکم دیا اور خود بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد آتا رہا

غلام امام علیہ السلام کا بیان ہے کہ اس بیماری میں شروع سے آخر تک حضرت کی خدمت میں حاضر رہا اور ذرا دیر کے لئے بھی آپ کے پاس سے جدا ہونا گوارا نہ کیا۔ جب آخری رات آئی اور آثار صبح نمایاں ہونے لگے تو حضرت نے یکایک غشی سے آنکھیں کھول دیں اور بستر سے اٹھکر وہ پانی مانگا جس میں مصطکی (ایک دوا کا نام) جوش دی ہوئی تھی۔ میں نے فوراً وہ پانی اٹھاکر دیا۔ فرمایا ابھی اسے رکھ دو آب خالص لاؤ کہ میں وضو کر کے نماز پڑھ لوں۔ میں نے پانی لاکر دیا آپ نے وضو کیا۔ اور بغیر سہارا دئے اپنے پیروں سے مصلے پر تشریف لائے اور جس طرح بحالت صحت خضوع و خشوع سے نماز پڑھا کرتے تھے نماز ادا کی اس کے بعد میں نے مصطگی والا پیالہ حاضر کیا آپ نے اسے ہاتھ میں لے لیا اس کے ساتھ ہی زہر کے اثر سے

آپ کے جسم اقدس میں ایسی کپکپی پیدا ہوئی کہ ہر چند لرزتے ہوئے ہاتھوں سے پیالہ کو منہ کے قریب لے جانا چاہا مگر ممکن نہ ہوا آخر پیالہ کنیز کے حوالے کر کے فرش پر لیٹ رہے اور چند منٹ بعد رحلت کی یہ واقعہ ۲۶۰ھ کا ہے

نماز جنازہ کی امامت

حضرت کے انتقال کی خبر اڑتے ہی معتمد نے اپنے ظاہری حزن و ملال کے اظہار کے لئے پہلے تو اپنے سرداروں کو بھیجا پھر خود بھی آیا۔ حضرت کے بھائی جعفر جو کچھ عرصہ سے خیر خواہان سلطنت میں شامل تھے اور شاہی درباراری کو اپنے لئے باعث فخر سمجھ رہے تھے رسم تعزیت ادا کر کے آپ کے غسل و کفن کے اہتمام میں مصروف ہوا اور ملازمان شاہی کو حکم دیا کہ حضرت کی تجہیز و تکفیں کا سامان کریں

باہر تو یہ ہو رہا تھا اور اندر حضرت صاحب الامر علیہ السلام اپنی والدہ گرامی اور معتمد خادموں کے ساتھ اپنے پدر بزرگوار کی آخری خدمات انجام دے رہے تھے تب ہی نے حضرت کو غسل دیا آپ ہی نے جنازہ تیار کر کے عقید غلام سے کہا باہر جاکر لوگوں سے کہو جنازہ تیار ہے نماز پڑھ لیجئے۔ یہ سنکر جعفر اور جتنے شیعہ وہاں موجود تھے اٹھکر اس مقام پر پہنچے جہاں حضرت کا جنازہ رکھا تھا

جب لوگ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو جعفر ان کی امامت کے لئے آگے بڑھے۔ ابو الدیان کا بیان ہے کہ جعفر نے جوں ہی تکبیر کہنے کا ارادہ کیا ایک صاحبزادے جن کی پیشانی چاند کی طرح چمکتی تھی حجرہ سے باہر آئے اور بلند آواز سے کہا اے چچا! آپ پیچھے کھڑے ہو جئے اس جنازہ نماز میرے سوا کوئی نہیں پڑھا سکتا۔ یہ سنتے ہی جعفر پر ایسا رعب طاری ہوا کہ فوراً اپنے مقام سے ہٹ گئے۔ صاحبزادے نے آگے کھڑے ہو کر امامت کی اس کے بعد حجرہ میں تشریف لے گئے آپ سمجھے یہ کون تھے؟

یہ ہمارے بارہویں امام علیہ السلام تھے چونکہ امام کی تجہیز و تکفیں اور نماز جنازہ وغیرہ کی خدمات سوائے امام کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا اس لئے حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے باوجود کم سنی یہ خدمات انجام دیں۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کی قبر مبارک سامرہ میں پہلوئے امام محمد تقی علیہ السلام میں ہے

حضرت کے جنازہ کی مشایعت اور غم کا عالم

جب امام علیہ السلام کا جنازہ قبرستان جانے کے لئے تیار ہوا تو لوگوں کا سنی ہوں یا شیعہ اتنا ہجوم تھا کہ سامرہ میں کسی جنازہ کے ساتھ یہ ہجوم نہیں دیکھا گیا حضرت کے مرنے کی خبر برقی رو کی طرح تمام شہر میں دوڑ گئی اور ہر گھر ماتم سرا بن گیا شہر کے

تمام بازار بند ہو گئے۔ مومنین کے گھروں سے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لوگ سر و پا برہنہ جنازے ساتھ روتے پیٹتے جا رہے تھے معتمد یہ دیکھ کر آتش حسد سے جل رہا تھا اس نے شاہانہ جلوس میں بھی اتنا مجمع نہ دیکھا تھا چونکہ وہ خود حضرت کا قاتل تھا اس لئے اس کے چہرہ پر قاتلوں کی سی گھبراہٹ اور بھیانک پن تھا

الغرض اس شان سے حضرت کا جنازہ قبرستان پہنچا معتمد نے اپنے بھائی عیسیٰ کو نماز جنازہ پڑھانے کا حکم دیا اور ظاہری نماز اس نے پڑھائی۔

امام صباغ مالکی نے کتاب فصول المہمہ میں لکھا ہے کہ سامرہ کے مسلمانوں کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جو حضرت کے جنازہ کی مشایعت میں شریک نہ ہوا ہو امرا ارکانِ سلطنت فقہا اور قضاۃ سب ساتھ تھے۔ آگے آگے جماعت علماء تھی ان کے پیچھے فقہا ان کے بعد قضات ان کے بعد شاہی عہدہ دار پھر غلام اور خدمتگار پھر عام لوگ۔

مروی ہے جب معتمد کے حکم سے اس کا بھائی عیسیٰ نماز جنازہ پڑھا چکا تو رفع تہمت کے لیے اس نے امام علیہ السلام کے چہرۂ مبارک سے کفن ہٹا کر لوگوں سے کہا تم سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ یہ امام حسن عسکری ہیں جو اپنی موت سے مرے ہیں نہ ان کو کسی نے قتل کیا ہے نہ زہر دیا ہے ان کی علالت کے زمانہ میں جو اطبا ان کے پاس رہے ہیں وہ سب یہاں موجود ہیں وہ آپ کے مرض کے متعلق پوری ذمہ داری سے بیان کر سکتے ہیں یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ کل کو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ان کو کسی نے زہر دیا ہے

اپنے سے الزام کو ہٹانے کی یہ کوئی نئی کوشش نہ تھی بلکہ عباسی بادشاہوں نے پہلے بھی ایسا کیا ہے ہارون نے خود ہی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو زہر دلوایا تھا اور خود ہی لوگوں پر یہ ظاہر کرنے لگا کہ کسی نے ان کو قتل نہیں کیا اپنی موت مرے ہیں۔ یہی مامون و متوکل نے کیا۔ یہ لوگ سمجھے تھے کہ اُن کی اِن چالاکیوں اور ابلہ فریبیوں سے معصوموں کے خونِ ناحق کے دھبے ان کے ناپاک دامنوں سے چھوٹ جائیں گے۔ ہر معصوم کے قتل کے بعد مسلمان عموماً اور شیعہ حضرات خصوصاً اس خفیہ قتل کا پتہ لگا لیتے تھے۔ مگر ظالم حکومتوں کے خوف سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔

سلاطین کو ہمارے ائمہؑ سے کیوں عداوت تھی

ایک شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ائمہ علیہم السلام دنیوی جھگڑوں اور سیاسی آویزشوں سے دور اور مخالفانہ سرگرمیوں سے آزاد تھے۔ جب وہ شب و روز عبادت خدا میں مشغول رہتے تھے تو سلاطین بنی امیہ اور بنی عباس کو ان سے ایسی شدید عداوت کیوں تھی کہ ان کے جانی دشمن بن گئے تالی تو دونوں ہی ہاتھوں سے بجتی ہے ضرور ان بادشاہوں کو ان سے یہ خطرہ لگا رہتا ہوگا کہ یہ اپنے اثرات کے تحت اپنے شیعوں کی مدد سے ہم سے برسرپیکار ہو جائیں گے یا ہمارے ملک میں بغاوت کرا دیں گے

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک منظم سلطنت کا مقابلہ آسان نہیں ہوتا صرف لوگوں کے اجتماع سے اس قسم کی منصوبہ بندی کام میں نہیں آتی۔ اس کے لئے بہت سا سامان فراہم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور حکومت کے خلاف پرزور پروپیگنڈہ کرنے کی بھی تاکہ لوگ حکومت سے بد دل ہو جائیں۔ پھر خزانہ بھی جمع کرنا ہوتا ہے تاکہ اس سے سامانِ جنگ خرید اجائے اور اسلحہ فراہم کر کے لوگوں کو فوجی تربیت بھی دی جائے اور یہ سب کام کھیا میں گڈے پھوڑنے سے نہیں ہوتا۔ راز داری کے پردوں میں چھپانے سے نہیں ہوتا بلکہ کھلم کھلا میدان میں آنے سے ہوتا ہے۔
اگر ہمارے ائمہ بادشاہوں سے تاج و تخت چھیننے کے خواہش مند ہوتے تو یہ سب کام انہیں کرتے ہوتے ایسی صورت میں جبکہ سلطنت کے جاسوس ہر طرف لگے رہتے تھے یہ تمام کارروائیاں بادشاہوں سے کیسے چھپی رہ سکتی تھیں ان کی روک تھام کے لئے اگر گرفتار کرتے تو کوئی الزام ان پر ضرور عاید کرتے اور ان سے جواب طلب کرتے مگر ایسا کسی زمانہ میں نہ ہوا۔ محض شبہ کی بنا پر ان کو گرفتار کر کے قید خانوں میں ڈال دیا اور یہ شبہ ڈالنے والے وہ چغلخور تھے جو اپنے کو سلطنت کا بہی خواہ ثابت کرنے کے لئے غلط باتیں ہمارے ائمہ سے منسوب کرتے اور بادشاہوں کے جذبات کو بھڑکاتے تھے دوسرے اس مخالفت کی آگ لگانے اور اس پر تیل ڈالنے والے اور ائمہ کو جیل خانوں میں بند کرانے والے وہ بادشاہوں کے درباری علما تھے جو ہمارے ائمہ سے مذہبی تعصب رکھتے تھے اور ائمہ علیہم السلام کے سامنے ان کے چراغ نہ جلتے تھے۔ وہ بادشاہوں کے سامنے شیعوں کے غلط عقاید بیان کر کے کہتے تھے کہ ان کے ائمہ لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں
تیسرے مدینہ کے حکام جو خاندانِ بنی امیہ اور بنی عباس سے ہوتے تھے وہ اپنے نسلی اور مذہبی تعصب کی بنا پر ہمارے ائمہ کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ ایک بات یہ بھی کہ ہمارے ائمہ معصومین سلاطین وقت یا امرا و حکام کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے تھے اور ان کے قوانین ملکی پر اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کرتے تھے اس لئے کہ وہ احکام اسلام کے خلاف ہوتے تھے۔ وہ ضرور اپنے شیعوں کو ان پر عمل کرنے سے روکتے تھے کیونکہ بہ حیثیت امام خلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ان کا الٰہی و رسول کی طرف سے فریضہ تھا۔
مسجد رسول میں ان کا درس تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ کے متعلق ہوتا تھا نہ کہ سیاسی معاملات کے متعلق لیکن اس کو کیا کیجیے کہ لوگوں کو یہ بھی پسند نہ تھا وہ چاہتے تھے لوگ گمراہی میں پڑے رہیں تاکہ انکی بے دینی پر پردہ پڑا رہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب مستطاب

حالات انبیاو ائمہ

پر

تنقید و تبصرہ

حصہ چہاردہم

در احوال

حضرت امام مہدی آخر الزماں ؑ

مصنفہ

ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات امام مہدی علیہ السلام

ہمارے بارہویں امام عجل اللہ فرجہ ۱۵ شعبان ۲۵۶ھ میں بمقام سامرہ پیدا ہوئے آپ کا اسم گرامی محمد بن الحسن اور مشہور ترین لقب مہدی آخر الزماں۔ صاحب الامر اور قایم آل محمد ہے۔ آپ ابھی تک زندہ ہیں مگر بحکم خدا ہماری نظروں سے غائب ہیں۔ جب مصلحت خدا ہوگی ظاہر ہوکر دنیا کو اسی طرح عدل و داد سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی آپ کے والد ماجد امام حسن عسکری علیہ السلام اور مادر گرامی نرجس خاتون ہیں یہ معظمہ قیصر روم کی پوتی تھیں جن کو خواب میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے مسلمان کیا تھا۔ تاریخوں میں حسب ذیل واقعہ ہے بشیر بن سلیمان بردہ فروش جو امام علی نقی علیہ السلام کا ہمسایہ تھا بیان کرتا ہے کہ ایک روز کافور خادم امام علی نقی علیہ السلام میرے پاس آیا اور کہنے لگا تم کو امام علیہ السلام بلا رہے ہیں میں گیا تو فرمایا تم اولاد انصار سے ہو تمہارا خاندان ہمیشہ ہمارا دوست رہا ہے اور مجھے تمہارے اوپر اعتماد ہے لہذا میں تم کو ایک خاص کام کی تکلیف دیتا ہوں۔ میں نے کہا یا بن رسول اللہ میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں آپ شوق سے فرمائیں۔ فرمایا میں ایک خاص کنیز کی خریداری کے لئے تمہیں بھیجنا چاہتا ہوں۔ پھر آپ نے ایک خط رومی زبان میں لکھ کر اس پر اپنی مہر کی اور ایک سو بیس دینار ایک کپڑے میں بندھے ہوئے مجھے دئے اور فرمایا ان کو لے کر بغداد جاؤ۔ صبح سویرے فرات کے گھاٹ پر پہنچ جانا وہاں چند کشتیاں آئیں گی جن میں بہت سی کنیزیں ہونگی ان کے مالک مختلف ہونگے تم دور سے ایک نظر سب کو دیکھتے رہنا جب عمر بن یزید نامی بردہ فروش ایک کنیز کو پیش کرے جو تلے اوپر دو ریشمی لباس پہنے ہو اور خریداروں کو اپنا بدن مس کرنے سے منع کرتی ہو اور رومی زبان بولتی ہو تو سمجھ لینا یہی کنیز خریدنا مقصود ہے اس وقت ایک خریدار بڑھکر کہے گا میں اسے تین سو دینار میں خریدتا ہوں کیونکہ اس کی پاک دامنی نے میری رغبت کو بڑھا دیا ہے وہ کنیز کہے گی اگر تو سلیمان بن داود علیہما السلام کی شان و شوکت کے ساتھ بھی میرے سامنے آئے گا تو بھی میں تیری طرف راغب نہ ہونگی اس کا مالک کہے گا اے کنیز مجھے تیرا بیچنا ضروری ہے اور تو کسی خریدار کی طرف مائل نہیں ہوتی پھر بتا کیا صورت ہو وہ کہے گی جلدی نہ کر میرا خریدار بہت جلد آنے والا ہے یہ سننے کے بعد تم آگے بڑھنا اور اس کے مالک سے کہنا میرے پاس ایک سید کا خط ہے جو انہوں نے رومی زبان میں لکھا ہے اگر تو اجازت دے تو میں وہ اس کنیز کو دیدوں اگر یہ راضی ہوگئی تو میں خرید لونگا۔ راوی کہتا ہے میں یہ خط لے کر بغداد روانہ ہوگیا جب صبح کو گھاٹ پر پہنچا تو وہی صورت پیش آئی جس کا اوپر ذکر ہوا جب میں نے حضرت کا خط کنیز کو دیا تو اس نے بغور پڑھا اور اپنے مالک سے کہا مجھے اس خط والے کے ہاتھ فروخت کردے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں اپنے کو ہلاک کردونگی الغرض بردہ فروش نے میرے متعلق معاملہ شروع کیا اور آخر اس رقم پر راضی ہوگیا جو

جو امام علیہ السلام نے عطا فرمائی تھی۔ الغرض کنیز کو خرید کر کے امام علیہ السلام کی خدمت میں لے آیا۔ جب وہ منزل وہاں پہنچی تو امام علیہ السلام کے خط کو جیب سے نکالا بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا مجھے تعجب ہوا کہ ایک ایسے خط کو بوسہ دے رہی ہیں جس کے لکھنے والے کو جانتی نہیں۔ جب میں نے ان سے کہا تو انھوں نے فرمایا تم اس بات کو کیا جانو میرے متعلق ایک عجیب داستان ہے میں نے کہا میں سننے کا مشتاق ہوں فرمایا میں ملیکہ قیصر روم کی پوتی ہوں میرے باپ کا نام یشوعا ہے اور میری ماں شمعون الصفا وصی حضرت عیسیٰ کی اولاد سے ہے۔ جب میں جوان ہوئی تو میرے دادا نے اپنے بھتیجے سے میری شادی کرنی چاہی تمام علماء و امرا محل شاہی میں جمع ہوئے صلیبوں اور بتوں کو بلند مقامات پر رکھا گیا محفل کے بیچ میں ایک مرصع تخت تھا جس پر دولھا کو بٹھایا گیا۔ پادریوں نے پڑھنے کے لئے انجیلیں کھولیں ناگاہ ایک عجیب حادثہ ہوا تمام بت اور صلیبیں سرنگوں ہو کر زمین پر گر پڑے اور تخت کے پائے اکھڑ پڑے شاہزادہ اوندھے منہ تخت سے گر کر بیہوش ہو گیا پادریوں کے اس وقت اوسان خطا تھے خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے سب سے بڑے پادری نے میرے دادا سے کہا خدا جانے دین عیسوی پر کیا زوال آنے والا ہے۔ یہ شادی ملتوی کر دینی چاہیے مگر میرے دادا نے اس کو فال بد سمجھ کر دوبارہ محفل آراستہ کرنے کا حکم دیا اور بار دیگر مجرہ کو تخت پر بٹھایا گیا اس بار بھی وہی صورت پیش آئی۔ سب پریشان تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ آخر مجمع منتشر ہو گیا اور میرے دادا کی ایسی حالت ہوئی کہ کئی روز محلسرا سے باہر نہ نکلا

اسی رات کو جب میں سوئی تو خواب میں دیکھا کہ حضرت عیسیٰ مع اپنے حواریوں کے تشریف فرما ہیں ایک نورانی منبر کل بھی اسی جگہ رکھا ہوا ہے جہاں شادی کا تخت تھا اس کے بعد کچھ اور نورانی حضرات تشریف لائے جن کی تعظیم کے لئے حضرت عیسیٰ اور ان کے حواری اٹھ کھڑے ہوئے میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں معلوم ہوا پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰؐ اور ان کے گیارہ وصی ہیں پیغمبر اسلام نے فرمایا اے روح اللہ میں اس لئے آیا ہوں کہ ملیکہ دختر شمعون الصفا کی خواستگاری اپنے فرزند کے لئے کروں اور انگشت مبارک سے ایک نوجوان (امام حسن عسکری) کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت مسیح نے شمعون کی طرف دیکھا اور کہا خاتم النبیین و سید المرسلین کی خواہش کو سنا؟ اس بارہ میں کیا کہتے ہو۔ انھوں نے کہا مجھے بخوشی منظور ہے اس کے بعد حضرت محمد مصطفےٰ منبر پر تشریف لے گئے اور ایک خطبہ پڑھا پھر حضرت مسیح اور حضرت محمد مصطفےٰ نے میرا عقد امام حسن عسکری علیہ السلام سے پڑھ دیا

جب میں بیدار ہوئی تو بخوف قتل میں نے یہ خواب کسی سے بیان نہ کیا اور اس راز کو اپنے دل میں رکھا لیکن روز بروز تمہارے امام کی محبت میرے دل میں بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ خواب و خور مجھ پر حرام ہو گیا اور کمزوری روز بروز بڑھنے لگی میرا دادا میری علالت سے سخت پریشان تھا ہر قسم کا علاج کیا گیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا آخر ایک دن اس نے مجھ سے کہا اے نور چشم اگر تیرے دل کوئی خواہش ہو تو بیان کر۔ میں نے کہا میں بظاہر اپنی زندگی سے مایوس ہو چکی ہوں لیکن ہاں ایک صورت ہے اگر آپ مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دیں تو ممکن ہے حضرت مسیح اور مریم پارسا مجھے صحت بخش دیں یہ سنکر اس نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا میں نے بھی صحت کا اظہار کیا اور کچھ کھانا بھی کھایا وہ بہت خوش ہوا

چار روز بعد میں نے جناب فاطمہ اور حضرت مریم کو خواب میں دیکھا جناب مریم نے مجھ سے فرمایا اے نور چشم یہ بی بی امام حسن عسکری کی جدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت محمد مصطفےٰ ہیں میں ان کا دامن پکڑ کر رونے لگی اور شکایت کی کہ امام حسن عسکری مجھے دیکھنے نہیں آتے

فرمایا کیونکر آئیں تم ابھی تک مشرکہ ہو اگر تم چاہتی ہو کہ مسیح مریم اور میں تم سے خوش ہوں تو کہو اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ - جب میں نے یہ کلمات ادا کئے تو حضرت فاطمہ نے مجھے سینہ سے لگالیا اور تسلی دے کر فرمایا اب میرے فرزند کی ملاقات کی منتظر رہو میں ان کو بھیجوں گی

دوسری رات کو امام علیہ السلام خواب میں تشریف لائے - میں نے کہا اے میرے حبیب آپ نے مجھ سے کیوں جدائی اختیار کی فرمایا اس لئے کہ تم مشرکہ تھیں اب چونکہ تم مسلمان ہو گئی لہذا جب تک خدا تم کو بظاہر مجھ سے ملائے میں آتا رہونگا

بشیر بن سلیمان رازی کہتا ہے میں نے پوچھا پھر آپ اسیروں میں کیسے آگئیں

فرمایا ایک شب مجھے امام علیہ السلام نے خبر دی کہ تمہارا دادا فلاں روز مسلمانوں کی طرف ایک لشکر بھیجے گا اور خود بھی جائے گا تم بھیس بدل کر کنیزوں اور خدمتگاروں میں شامل ہو جانا اور اپنے دادا کے پیچھے روانہ ہونا - میں نے ایسا ہی کیا مسلمانوں کی ایک جاسوس جماعت نے ہم کو دیکھ لیا اور گرفتار کر کے لے گئے - وقت تقسیم میں اس شخص کے حصہ میں آئی جس سے تم نے خریدا ہے

اس شخص نے جب میرا نام پوچھا تو میں نے بجائے ملیکہ کے نرجس بتایا - اس نے کہا بے شک یہ نام کنیزوں کا سا ہے - رازی کہتا ہے آپ تو رومی ہیں لیکن عربی زبان خوب جانتی ہیں - فرمایا میرا دادا چاہتا تھا کہ میں بہت سی زبانیں سیکھوں اس نے ایک زن عربیہ کو عربی زبان سکھانے کے لئے معین کیا تھا -

راوی کہتا ہے میں نے جب ملیکہ کو امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تو آپ بہت خوش ہوئے - استفسار حال کے بعد آپ نے فرمایا اللہ کی رحمت و برکت تم پر سایہ فگن رہے گی میں تم کو ایسے فرزند کی بشارت دیتا ہوں جو مغرب و مشرق کا بادشاہ ہوگا اور زمین کو عدل و داد سے پر کر دے گا جبکہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی - اس کے بعد حضرت نے اپنی بہن حکیمہ خاتون کو بلا کر کہا ان کو اپنے گھر لے جاؤ اور احکام دین کی تعلیم دو یہ زوجہ حسن عسکری اور والدہ صاحب الزمان ہیں

(اس روایت کو شیخ صدوق، شیخ طوسی، شیخ طبرسی اور شیخ طرابلسی وغیرہ نے نقل کیا ہے

تبصرہ - مذکورہ بالا روایت کے سلسلہ چند باتیں قابل غور ہیں -

(۱) محمود احمد عباسی اپنی ننگ تصنیف کتاب تاریخ امروہہ نے ہمارے ائمہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ان میں سے اکثر کنیز زادہ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کو مسلمان نجیب الطرفین لڑکی شادی کے لئے نہیں ملتی تھی

اس اعتراض کا جواب چند صورت سے دیا جاتا ہے

الف - نسب کا تعلق باپ سے ہوتا ہے - حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے

انما امہات الناس اوعیۃ مستودعات وللانساب اٰباء

مائیں تو مثل ایک ظرف کے ہیں جس میں بچہ بحالت حمل رکھا جاتا ہے ورنہ نسب تو باپ سے ہوتا ہے -

صرف ایسی مائیں نجابت اور شرافت کے لئے باعث بدنامی ہو سکتی ہیں جو بدکار ہوں یا بدکاروں کی اولاد ہوں یا ذلیل پیشہ والیاں نہ کہ بادشاہان وقت کی اولاد جو گردش روزگار سے کنیز بنالی گئی ہو کنیز یا غلام بن جانے کسی کی شرافت لیتی تو ہتیں مٹ جاتی

ہمارے ائمہ کی ازواج بننے کا شرف جن کنیزوں کو حاصل ہوا وہ معمولی عورتیں بلکہ ان میں سے اکثر سلاطین ایران و روم کی صاحبزادیاں تھیں۔ ایسی لڑکیاں اگر بدنصیبی سے مسلمانوں کی قید میں آجائیں تو اسلامی احکام کے مطابق ان سے عام کنیزوں جیسا برتاؤ نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ ان کے اقتدار دنیوی کی توہین ہوتی ہے۔ ایسی عورتیں اگر قید ہو کر آئیں تو ان کا ہاتھ معمولی آدمی کے ہاتھوں میں نہیں دیا جانا چاہئے ورنہ انکی یہ بے عزتی عمر بھر ان کو خون رلانے کا باعث ہوگی یہی وجہ ہے کہ عقیلہ خواہر حبیب جب قید ہو کر آئیں تو حضرت رسولخدا نے انکی خاندانی عزت کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کو اپنی زوجیت کا شرف بخشا اسی طرح جب کسریٰ نوشیرواں کی پوتی جناب شہربانو قید ہو کر آئیں تو ان کو شہزادہ کونین جناب امام حسین علیہ السلام کے حبالہ عقد میں دی گئیں

(۲) امام علی نقی علیہ السلام نے بعلم امامت جناب نرجس خاتون کا قید ہو کر آنا معلوم کر لیا تھا لہذا آپ نے نہ چاہا کہ ایک اہل کتاب بادشاہ کی بیٹی پڑ جائے نیز بالہام ربانی آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے بطن سے حجت خدا امام آخر الزماں پیدا ہونے ... ہی لئے حضرت نے انکی خریداری کی کوشش کی۔

(۳) یہ تو امام علی نقی علیہ السلام کا اسلام پر ایک احسان تھا کہ آپ نے ایک زن مشرکہ مسلمان بنایا۔

(۴) رہا خواب میں نکاح ہونا تو انبیائے کرام اور اہلبیت علیہم السلام کا قیاس دوسروں پر نہیں کیا جاسکتا جناب سیدہ کا عقد عرش پر ہوا اگر یہ حدود قیاس سے باہر ہے تو اسے بھی ایسا ہی سمجھے۔

حال ولادت باسعادت حضرت حجت ؑ

جناب حکیمہ خاتون خواہر امام علی نقی علیہ السلام بیان کرتی ہیں کہ ایک روز امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے بلا کر مجھ سے کہا آج کی شب آپ ہمارے یہاں رہیے یہ نصف شعبان ہے خداوند عالم اسی شب میں اپنی حجت آخر زمین پر ظاہر کرے گا میں نے پوچھا کس کے بطن سے فرمایا بطن نرجس سے میں نے کہا میں تو کوئی آثار حمل نہیں پاتی فرمایا جب صبح ہوگی آثار حمل تم پر ظاہر ہونگے ان کا حمل مادر موسیٰ کا سا حمل ہے جو عام لوگوں پر ظاہر نہ تھا اور وقت ولادت تک کسی کو پتہ نہ چلا کیونکہ فرعون موسیٰ کی جستجو میں بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کے شکم چاک کراتا تھا اے پھوپھی یہ فرزند نظیر موسیٰ ہے۔ حکیمہ خاتون فرماتی ہیں میں رات کو وہیں ٹھہر گئی۔ بعد افطار صوم سو رہی۔ صبح سویرے جب میں اٹھی تو نماز کے بعد میں نے سورہ الم سجدہ اور سورہ یٰس کی تلاوت کی ناگاہ میں نے نرجس خاتون پر آثار اضطراب نمایاں دیکھے امام علیہ السلام نے فرمایا آپ سورہ قدر پڑھیں الغرض تھوڑی بعد امام زماں پیدا ہوئے پیدا ہوتے ہی سجدہ میں گئے اور کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا میں نے دیکھا آپ کے داہنے بازو پر لکھا تھا جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا حق آیا باطل مٹا اور باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ناف بریدہ اور ختنہ شدہ ہیں امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا اے پھوپھی بچہ کو میرے پاس لے آیئے۔ میں لے آئی انھوں نے اپنے سینہ پر لٹا کر اپنی زبان ان کے منہ میں دیدی اور تمام اعضا پر اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا اے فرزند کچھ بولو۔ بچہ نے خدا کی وحدانیت، رسول کی رسالت اور ائمہ کی امامت کی گواہی دی اس کے بعد فرمایا اب ان کو

باپ کے پاس لے جاؤ۔ ساتویں پھر آنا۔ جب ساتویں روز میں آئی تو آپ بچہ کو گود میں لئے ہوئے تھے اور صاحبزادہ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے۔ نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم ائمۃ ونجعلهم الوارثین (ہم ارادہ رکھتے ہیں اس کا کہ احسان کریں ان پر جو زمین پر ضعیف بنا دیئے گئے ہیں اور ہم ان کو امام بنائیں اور انہی کو وارث بنائیں) یہ سن کر میں بہت خوش ہوئی۔ کئی روز بعد جو میں پھر گئی تو بچہ کو گھر میں نہ پایا۔ میں نے پوچھا بچہ کہاں ہے فرمایا ہم نے اس خدائے قدیر کی سپرد کر دیا ہے جس کی سپرد مادر موسیٰ نے موسیٰ کو کیا تھا۔

صدوق علیہ الرحمۃ نے محمد بن حسن سے روایت کی ہے کہ امام عصرؑ کی ولادت سے کچھ روز بعد چند مرغان سفید پر آئے امام حسن عسکریؑ نے ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ میرے فرزند کو لیجاؤ اور پھر چالیس دن کے بعد ہمارے پاس لے آیا کرو۔ جناب نرجس فرزند کی جدائی سے رونے لگیں فرمایا رنج کرو۔ موسیٰ کی ماں کی طرح تمہارا فرزند عنقریب تمہارے پاس آ جائے گا اور تمہارے سوا کسی کا دودھ موسیٰ کی طرح نہ پئے گا جناب حکیمہ خاتون فرماتی ہیں میں نے پوچھا یہ مرغ کون تھا فرمایا روح القدس ہے جو ائمہ پر موکل ہے وہ انکی مدد کرتا ہے (روح القدس سے مراد فرشتہ نہیں بلکہ وہ روح القدس لی جاتی ہے جو حضرات اہلبیت سے مخصوص ہے)

بروایت محمد بن عبداللہ وہ پرندہ چالیس دن بعد حضرت حجت کو واپس لایا حکیمہ خاتون آئیں تو دیکھا آپ گھر میں دوڑتے دوڑتے پھر رہے ہیں انھوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے کہا اے فرزند یہ لڑکا تو دو برس کا معلوم ہوتا ہے فرمایا انبیاء اور اولیاء کے بچوں کی نشو و نما عام لوگوں سے الگ ہوتی ہے ہمارا ایک ماہ کا بچہ اوروں کے ایک سال کے بچہ کی برابر معلوم ہوتا ہے ہمارا بچہ شکم مادر میں کلام کرتا اور قرآن پڑھتا ہے اور زمانہ شیر خواری میں خدا کی عبادت کرتا ہے اور فرشتے اس کی اطاعت کرتے ہیں اور ہر صبح اس پر نازل ہوتے ہیں۔ الغرض تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت جوان معلوم ہونے لگے جیسے حضرت ابراہیمؑ پندرہ دن کے جوان معلوم ہوتے تھے۔ حکیمہ خاتون کہتی ہیں ایک دن جو میں آئی تو میں نے ان کو نہ پہچانا امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا یہی میرا فرزند ہے عنقریب میرے بعد یہی میرے خلیفہ ہوں گے۔ میرے بعد ان کی اطاعت فرض ہوگی۔

تبصرہ - حضرت حجت پیدا ہوتے ہی بمصلحت ایزدی اس لئے غائب کر دیے گئے کہ دشمن ہلاک نہ کر دیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت رسولِ خدا نے یہ فرمایا تھا کہ میرے بعد بارہ خلیفہ اولاد فاطمہ سے میرے جانشین اور خلق کے امام ہوں گے سلاطین بنی امیہ اور بنی عباس اس حدیث کو غلط ثابت کرنے اور اپنی خلافتوں کو صحیح ثابت کرنے کے لئے یہ منصوبہ بنائے ہوئے تھے کہ بارہ کی تعداد پوری نہ ہونے پائے۔ اسی لئے امام حسن عسکری کو ان کی زوجہ محترمہ سے سالہا سال جدا رکھا گیا لیکن قدرت کی مشیت کے سامنے ان کی کیا چلتی۔ حضرت پیدا ہو گئے پیدائش کے بعد ان کا غائب کرنا اس لئے ضروری ہوا کہ اگر دشمنوں کو پتہ چل گیا اور کسی نے بچہ کو دیکھ پایا تو ضرور قتل کر دیے جائیں گے چونکہ یہ خطرہ باقی رہا اس لئے پانچ سال تک سوائے خاص خاص معتقد دوستوں کے اور کسی کے سامنے آپ کو آنے کی اجازت نہ ہوئی

اب رہا پرندہ کا لے جانا یہ ایسا ہی سمجھو جیسے براق کا حضرت رسولِ خدا کو شب معراج لے جانا درحقیقت وہ ایک لاہوتی قوت تھی جو بشکل پرندہ آپ کو اٹھا کر لے گئی

امام علیہ السلام کا عقیقہ

ابو جعفر عمری سے کتاب کمال الدین میں روایت ہے کہ ایک دن امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے بلا کر فرمایا کہ میرے لئے دس ہزار رطل روٹی اور دس ہزار رطل گوشت خرید کر بنی ہاشم کو تقسیم کر دو اور تین سو بکرے عقیقہ میں ذبح کرو۔ محمد بن ابراہیم کوفی کہتے ہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے ہر ایک گھر میں ایک ذبح کی ہوئی بکری بھیجی کہ یہ میرے بیٹے محمد کے عقیقہ کی ہے

تبصرہ - یہ روایت درایتاً صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے حضرت حجت کی ولادت کو پوشیدہ رکھا تھا لیکن جب گھر میں ضیافت کا اتنا بڑا سامان ہو گیا تو ولادت کا حال پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ دوسرے دس ہزار رطل روٹی اور دس ہزار رطل گوشت کھانے کے لئے کتنے آدمی درکار ہیں اگر ایک رطل ایک سیر کا ہو تو ۲۵۰ من روٹی ہمارے وزن سے ہوئی اور پھر ۲۵۰ من گوشت ہوا اس حساب سے کل جنس پانچ سو من ہوئی۔ اگر ایک سیر میں چار آدمی کھانے والے فرض کر لئے جائیں تو ایک من میں ایک سو ساٹھ آدمیوں کا کھانا ہوگا اور پانچ سو من میں تین لاکھ پچاس ہزار آدمیوں کو کھلانا ہوگا کیا اتنے بنی ہاشم اس وقت سامرہ میں تھے۔ اگر بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم سب ہی کے گھروں میں یہ کھانا گیا ہوگا تو کیا تمام شہر میں دھوم نہ مچ گئی ہوگی اور کیا ہر ایک کو یہ معلوم نہ ہوا ہوگا کہ یہ دعوت امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادہ کے عقیقہ کے سلسلہ میں ہے۔ پھر جہاں اس دعوت کے علاوہ تین سو بکرا بھی ذبح ہوا ہوگا اس گھر کا راز درونِ پردہ کیسے رہا ہوگا

حضرت کی امامت کا زمانہ

حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی ولادت ۲۵۵ھ یا بروایتے ۲۵۶ھ میں ہوئی اور ۲۶۰ھ میں امام حسن عسکری علیہ السلام کا انتقال ہوا اور ۹ ربیع الاول ۲۶۰ھ میں حضرت صاحب الامر علیہ السلام امام زمانہ قرار پاتے ہیں۔ ہمارے ائمہ کے متعلق عمر کی کمی بیشی کا سوال نہیں ہوتا اور ان کا قیاس عام لوگوں پر نہیں کیا جاتا موافق حدیث رسول صغیرنا و کبیرنا سواء یہ چھوٹے بڑے سب یکساں ہوتے ہیں یہ عالم طفولیت میں لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں

۹ ربیع الاول کو چونکہ حضرت حجت امام برحق قرار پائے ہیں لہذا فرقہ امامیہ کے نزدیک یہ بڑی خوشی کا دن ہے جا بجا جشن ہوتے ہیں چونکہ اسی دن سردار فوج یزید عمر سعد داخل جہنم ہوا ہے لہذا اس دن کی مسرت دوچند ہو جاتی ہے جو شخص محب حسین ہے اس کے لئے یہ دن بڑی خوشی کا ہونا چاہیے۔

امامت حضرت حجت کے متعلق ارشادات امام حسن عسکری

شیخ جلیل فضل بن شاذان نے محمد بن علی بن الحمزہ بن الحسین بن عبید اللہ بن عباس بن علی بن طالب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے بعد حجت خدا کون ہے فرمایا میرے بعد نبی خدا حجت خدا اور میرا خلیفہ وہ ہے جو ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ میں نزد طلوع آفتاب ختنہ شدہ پیدا ہوا جس کو رضوان خازن بہشت نے ملائکہ مقربین کے ساتھ آب کوثر و سلسبیل سے غسل دیا ہے

محمد بن ابجار سے مروی ہے کہ میں نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا مجھے یہ بتلائے کہ آپ کے بعد بندگان خدا پر حجت خدا کون ہوگا۔ فرمایا میرا فرزند جو رسول کا ہم نام ہے اور اللہ کا آخری خلیفہ ہے میں نے پوچھا کس کے بطن سے فرمایا دختر قیصر روم کے بطن سے

غیبت صغریٰ کا زمانہ

چونکہ بادشاہ وقت کی طرف سے قتل کا اندیشہ تھا لہذا امام حسن عسکری علیہ السلام نے اس قدر احتیاط سے کام لیا کہ جب حضرت حجت پیدا ہوئے تو آپ نے انکی ولادت کو بالکل پوشیدہ رکھا اور سوائے مخصوص لوگوں کے کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا یہاں تک کہ اپنے دارستہ مزاج بھائی جعفر سے بھی چھپایا کیونکہ وہ سلطنت کے ہوا خواہوں میں تھے۔ پانچ برس تک حضرت حجت آپ کی زندگی میں رہے لیکن آپ نے اس تمام مدت میں چھپائے ہی رکھا آپ کو ہر وقت یہ خوف رہتا تھا کہ اگر کسی نے یہ خبر بادشاہ تک پہنچا دی تو وہ ضرور قتل کر ڈالے گا

غرضکہ ایک غیبت عمومی حضرت حجت کے لئے ہمیشہ رہی۔

جناب حکیمہ خاتون کہتی ہیں کہ ایک دن امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا اے پھوپھی میرے مرنے کے بعد حجت خدا کے بارہ میں جو میگوئیاں کریں گے اس وقت ہمارے معتمد و موثق لوگوں کو خبر دینا اور اس راز کو اپنے اور ان کے درمیان مخفی رکھنا۔ خدا اپنے اس ولی کو غائب رکھے گا اور لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دے گا

احمد بن حسن بن اسحاق قمی نے بیان کیا کہ میرے دادا اسحاق کے پاس امام حسن عسکری علیہ السلام کا خط پہنچا جس میں لکھا تھا میرا ایک فرزند پیدا ہوا ہے اس امر کو پوشیدہ رکھنا۔ لہذا میں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی اطلاع نہیں دی تمہیں اس لئے لکھا ہے کہ تم اس خبر سے خوش ہوگے اور اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرو گے

شیخ صدوق علیہ الرحمہ یعقوب بن منقوش سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا

حضرت فرش پر بیٹھے تھے اور حضرت کے داہنی جانب ایک حجرہ تھا جس پر پردہ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا آپ کے بعد امام کون ہوگا فرمایا یہ پردہ اٹھا میں نے اٹھایا تو ایک صاحبزادہ نکلے جن کی عمر غالباً آٹھ دس سال کی میری نظر میں ہوگی یا اس سے کم ہو۔ نورانی چہرہ کھلی پیشانی۔ روشن آنکھیں بھری بھری ہتھیلیاں داہنے رخسارہ پر تل سر پر زلفیں۔ وہ آ کر امام کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا یہی ہیں یہ فرما تو دیا لیکن پھر گھبرا سے گئے اور فرمایا اے فرزند وقت معلوم تک کے لئے اندر چلے جاؤ چنانچہ وہ چلے گئے مجھ سے فرمایا اے یعقوب دیکھو اندر کون ہے۔ میں نے دیکھا تو اندر کوئی بھی نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی زندگی میں حضرت حجت کو خاص خاص لوگوں نے دیکھا تھا اور ان سب کو اس راز کے ظاہر کرنے کا حکم نہ تھا۔

بہر حال حضرت حجت کی غیبت صغریٰ کا زمانہ سنہ ۲۶۰ھ سے شروع ہوتا ہے۔ اس زمانہ غیبت میں امام علیہ السلام کا طرز معاشرت یہ رہا کہ آپ عام لوگوں کا کیا ذکر خاص لوگوں سے بھی پوشیدہ رہتے تھے اپنے اصحاب خاص میں سے کسی خاص شخص کو اپنا نائب اور وکیل مقرر فرما دیتے تھے انہی کے پاس لوگ مسائل لاتے تھے اور حضرت کا جواب ان تک پہنچا دیتے تھے کسی کو تحریراً کسی کو تقریراً یہی وکیل خاص خاص لوگوں سے رقم خمس و زکوٰۃ وصول کر کے حضرت کی خدمت میں پہنچاتے تھے۔ جناب حکیمہ خاتون بھی اپنی زندگی میں مسائل دریافت کرنے کا واسطہ رہیں۔

حضرت کے نوّاب خاص

حضرت کے مخصوص وکلا کو نوّاب خاص امام زماں کہا جاتا ہے یہ چار بزرگوار ہیں

ابو جعفر محمد بن سعید ۔ ابو جعفر محمد بن عثمان سعید ۔ ابوالقاسم الحسین بن روح ۔ ابوالحسن علی بن محمد السمری

ان میں عثمان بن سعید عمری امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام کے معتمد وکلا میں سے تھے اور امام حسن عسکری کے بعد ہی امام عصر کے پہلے وکیل مقرر ہوئے یہ قبیلہ بنی اسد سے تھے اپنے دادا جعفر بن عمری کی طرف منسوب ہو کر اسدی سے عمری مشہور ہوئے ان کو عسکری بھی کہتے ہیں کیونکہ قریہ عسکر کے رہنے والے تھے اسی نسبت سے امام حسن عسکری اور امام علی نقی بھی عسکری کہلائے ان دونوں کو عسکریین کہتے ہیں کیونکہ دونوں عسکر میں رہتے تھے عثمان بن سعید عمری نے چونکہ روغن فروشی کی دکان کر رکھی تھی اس لئے روغن فروش بھی کہلاتے تھے۔ یہ مال شیعہ حضرات سہم امام کا ان کے پاس لاتے تھے وہ روغن کی مشک میں رکھ کر امام حسن عسکری علیہ السلام کو پہنچا دیتے تھے۔

احمد بن اسحاق بن سعد قمی کہتے ہیں کہ میں ایک دن امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض مولا میں کبھی یہاں ہوتا ہوں کبھی نہیں اور جب یہاں ہوتا ہوں تو کبھی اکثر شرف خدمت حاصل کرنے سے معذور رہتا ہوں پس ایسی صورت میں کس کی رائے مانی جائے فرمایا یہ ابو عمر ثقہ و امین ہیں جو کچھ تمہیں پہنچاتا ہے ان کے ذریعہ سے پہنچا۔ اس کے بعد میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور یہی سوال ان سے کیا انھوں نے بھی انہی کے متعلق فرمایا۔

اور یہ بھی فرمایا ان کا فرزند میرے فرزند کا وکیل ہوگا۔ یہ جو کچھ کہتا ہے ہماری طرف سے کہتا ہے یہ ہمارا ثقہ و امین وکیل ہے
عثمان بن سعید کی قبر بغداد میں ہے
عثمان بن سعید کی وفات کے بعد ان کے فرزند محمد بن عثمان حضرت امام حسن عسکری کے اور ان کے بعد حضرت حجت کے وکیل مقرر ہوئے
چنانچہ ایک زمانہ میں تحریر فرمایا ابو عمرو کے بعد خدا ان کے پسر کو حفاظت میں رکھے وہ اپنے باپ کی زندگی میں ہمارے معتمد تھے خدا ان
کے باپ سے خوش ہو ان کا فرزند ہمارے نزدیک بمثل اپنے باپ کے ہے اور ان کا قائم مقام ہے جو کچھ وہ کہتا ہے ہماری طرف
سے کہتا ہے اور جو کہتا ہے اس پر عمل کرتا ہے خدا اس کا حافظ و مددگار ہو اس کی بات پر عمل کرو خدا اس کا حافظ و مددگار ہو
ہمارا رفتار کو اس کی باتوں سے پہچانو۔
ابو جعفر محمد بن عثمان نے سنہ ۳۰۵ یا سنہ ۳۰۴ھ میں وفات پائی اور تقریباً پچاس سال وکالت امامت کے فرائض انجام دیئے چند سال زمانہ
امام حسن عسکری میں اور باقی زمانہ حضرت حجت میں ان کی قبر سر راہ بغداد دروازہ کوفہ میں اپنی مادر گرامی کی قبر کے پاس ہے ان کے بعد حسین
بن روح وکیل امام عصر ہوئے یہ بزرگوار زمانہ ابو جعفر میں ان کے اصحاب میں سے تھے۔ مروی ہے کہ جب ابو جعفر کا وقت
انتقال تھا اور حسین بن روح ان کی پائنتی بیٹھے ہوئے تھے تو انھوں نے مجھ (راوی) سے فرمایا کہ مجھے امام زمانہ کا حکم ہے کہ میں
حسین بن روح نوبختی کو وصیت کروں اور معاملات وکالت ان کی سپرد کروں یہ سن کر میں نے انکو مبارکباد دی
مروی ہے کہ حسین بن روح بحالت تقیہ تمام ممالک اسلامی جاتے تھے اور اہلسنت اور شیعہ دونوں جماعتوں میں معتمد و ثقہ سمجھے جاتے
تھے لوگ انکی بڑی تعظیم کرتے تھے سنہ ۳۲۶ھ میں وفات پائی اور بغداد کے محلہ نوبخت میں دفن ہوئے حسین بن روح کے بعد ابو الحسن
محمد سمری وکیل امام عصر علیہ السلام مقرر ہوئے۔ مرنے سے چند روز پہلے انھوں نے حضرت حجت کا یہ فرمان لوگوں کو سنایا:۔
اے علی بن محمد سمری خدا تیرے بھائیوں کو تیری مصیبت میں صبر عطا فرمائے کیونکہ چھ دن کے اندر تو مرجائے گا کیونکہ
غیبت صغریٰ کا زمانہ ختم ہو کر غیبت کبریٰ کا آغاز ہوگیا پس اب میں ظاہر نہ ہوں گا مگر بعد اذن خدا اور یہ ایک
طولانی مدت کے بعد ہوگا جبکہ لوگ قسی القلب ہو جائیں گے اور زمین ظلم سے بھر جائے گی اور واضح ہو کہ عنقریب
بعض شیعہ مشاہدہ کا دعویٰ کریں گے آگاہ ہو کہ جو خروج سفیانی اور صیحہ آسمانی سے پہلے مشاہدہ کا مدعی ہو وہ
کاذب و مفتری ہے۔"
ابو الحسن علی بن محمد سمری نے سنہ ۳۲۹ھ ماہ شعبان میں وفات پائی

زمانۂ غیبت کبریٰ

(بعہد راضی باللہ بن مقتدر باللہ عباسی) بروایات صحیحہ ۳۲۹ھ سے غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوتا ہے اب تک تو حضرت کے
وکلا آپ کی خدمت میں پہنچتے ہے لیکن غیبت کبریٰ کے بعد پھر کسی کو حضوری کا شرف حاصل نہ ہوا اب کوئی نہیں بتا سکتا

کہ امام زمانہ کہاں تشریف رکھتے ہیں اور کب حضور کا ظہور ہوگا اس کا علم سوائے خدا اور کسی کو نہیں۔ اگرچہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن ہمارے حالات سے باخبر ہیں اور مشکلات میں ہماری مدد فرماتے ہیں۔ ہمارے عریضے ان کی خدمت میں پہنچتے ہیں ہمارے معاملات ہر روز ان کے سامنے پیش ہوتے ہیں اگر اچھے اعمال سامنے آتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں ورنہ آپ کو صدمہ پہنچتا ہے

توقیعات امام علیہ السلام

امام زمانہ نے اپنی غیبت صغریٰ کے زمانہ میں کچھ خطوط علماء و صلحا کے پاس بھیجے تھے ان میں سے چند خطوط کا خلاصہ یہ ہے

شیخ مفید علیہ الرحمہ کے نام ۔ نیک برادر لائق دوست شیخ مفید ابو عبداللہ محمد بن محمد بن نعمان خدا ان کا اعزاز قائم رکھے اما بعد۔ میرا سلام ہو اس دوست پر جو دینی معاملات میں خلوص رکھتے ہیں اور ہمارے بارہ میں ان کو یقین کامل حاصل ہے ہم اس خدا کی تعریف کرتے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور درود بھیجتے ہیں اپنے سید و مولا نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ اور انکی اولاد پاک پر۔ تم کو خدا تمہاری توفیقات کو ہمیشہ قائم رکھے نصرت حق کی طرف متوجہ کرتے ہیں تم نے ہمارے بارہ میں جس صدق بیانی سے کام لیا ہے خدا اس کا اجر و ثواب دینے والا ہے تم نے ہم سے خط و کتابت کو جاری رکھا اور ہمارے دوستوں کو اپنی اطاعت کی وجہ سے اعزاز عطا فرمایا اور ان کے شبہات کو دور کیا خدا تم کو دشمنوں کے مقابل کامیاب بنائے اب ذرا ٹھہرو اور جیسا ہم کہتے ہیں اس پر عمل کرو خدا ظالموں کے شر سے بچانے والا ہے۔ اسی نے ہم کو مومنوں کی بہتری کے ذرائع بتائے ہیں۔ جب تک دولت دنیا فاسقوں کے ہاتھ میں رہے گی ہم کو تمہاری خبریں پہنچتی رہیں گی اور تمہارے معاملات کے متعلق کوئی چیز ہم سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ ہم ان لغزشوں کو جانتے ہیں جو لوگوں سے اپنے اسلاف کے عمل کے خلاف ظاہر ہو رہی ہیں۔ انھوں نے اپنے عہدوں کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا وہ جانتے ہی نہیں تاہم ہم انکی رعایت مدنظر رکھتے ہیں اور ان کے ذکر کو بھولتے نہیں اگر ہم ان کو بھول جاتے تو بہت سی مصیبتیں ان پر نازل ہو جاتیں اور دشمنوں کو ان پر غلبہ ہو جاتا۔ تم ان سے کہو کہ خدا سے ڈرو اور امر دینی کی حفاظت کرو اور اللہ اپنے نور کا کامل کرنے والا ہے چاہے مشرک کیسی ہی کراہت کریں۔ تقیہ کو پکڑے رہو میں صاحب تقیہ کی نجات کا ضامن ہوں جو خدا کی مرضی کا راستہ چلے گا خدا کی برکتیں اس پر نازل ہونگی اس سال جب جمادی الاول کا مہینہ آئے تو اس کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا تمہارے لئے آسمان و زمین سے روشن آیتیں ظاہر ہونگی مسلمانان عراق کے گروہ حزن و قلق میں پھنس جائیں گے اور ان کی بداعمالیوں سے رزق میں تنگی ہو جائے گی بشریر کی ہلاکت کے بعد یہ مصیبت دور ہو جائے گی ان کی ہلاکت سے نیک لوگ خوش ہوں گے پس لوگوں کو چاہیئے کہ وہ ایسے کام کریں جن سے ہماری محبت ان سے زیادہ ہو اور ہماری ناراضی ان سے دور ہو۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جب یکایک موت دبائے گی

تو اس وقت ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ خدا تم پر اپنی رحمت نازل کرے

۲۔ منکرین امامت کے نام

حضرت کے عہد امامت میں شیعوں کی ایک ایسی جماعت تھی جو اس عقیدہ کی تھی کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے کوئی صاحبزادہ تھے ہی نہیں انھوں نے حضرت کے نام جو خط لکھا تھا اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اما بعد خدا تم کو فتنوں سے بچائے اور روح الیقین عطا فرمائے اور بری بازگشت سے باز رکھے تمہاری جماعت نے دین کے معاملہ میں جو شکوک پیدا کئے ہیں مجھے ان کی اطلاع ہے اس میں تمہارا ہی نقصان ہے نہ کہ ہمارا یہ امر تم کو پریشانی میں ڈالنے والا ہے نہ ہم کو کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور ہم کو اپنے غیر کی طرف کوئی احتیاج نہیں اس لئے کہ حق ہماری طرف ہے۔ اگر کوئی ہم سے پھر جائے تو ہمیں اس کا غم نہیں ہم اپنے رب کے صنائع اولین میں سے ہیں اور باقی مخلوق ہمارے بعد کی ہے افسوس ہے کہ تم لوگ خواہ مخواہ شک میں پڑے ہوئے ہو کیا تم نے خدا کا یہ کلام نہیں سنا یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم کیا تم ان آثار کو نہیں جانتے جو تمہارے گزشتہ اماموں سے ظہور میں آئے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کس طرح خدا نے تمہارے لئے سامان ہدایت کیا۔ آدم سے لے کر اب تک یہی ہوتا رہا ہے کہ جب ایک علم ہدایت غائب ہوا تو اس کی جگہ دوسرا آ گیا جب ایک ستارہ غائب ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ آ جاتا ہے اب یہ بتاؤ کہ تم جو کسی امام کے وجود کو نہیں مانتے تو کیا اللہ نے اپنے دین کو مٹا دیا کیا اس نے اپنی مخلوق سے قطع تعلق کر لیا ایسا تو ہو نہیں سکتا قیامت تک یہ سنت الٰہیہ تو جاری ہی رہے گی کوئی پسند کرے یا نہ کرے جس طرح پہلے زمانوں میں ہادی ہوتے رہے ہیں اسی طرح اب بھی ہوتے ہیں۔ اپنے پدر بزرگوار کے بعد میں ہادی خلق ہوں۔ میرے بارہ میں انکی وصیت تھی پس میں ان کا صحیح قائم مقام ہوں سوائے گنہگار ظالم کے اور کون مجھ سے اس بارہ میں جھگڑا کرے گا اور سوائے کافر کے اور کون اس بارہ میں مجھ سے جھگڑا کرے گا اگر امر خدا مانع نہ ہوتا اور میرے غائب رہنے کا حکم نہ ہوتا تو پھر تم بظاہر مجھ سے ایسی باتیں دیکھتے کہ جس سے تمہاری عقلیں حیران ہو جاتیں اور تمہارے شکوک زائل ہو جاتے لیکن جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے ہر کام کے لئے ایک وقت ہوتا ہے خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور امر خلافت کو میرے لئے تسلیم کرو جو چیز بعلم خدا پردہ میں ہے اسے کھولنے کی کوشش نہ کرو اور داہنے بائیں نہ جھکو ہماری مودت کے روشن راستے سے مت ہٹو میں نے تم کو نصیحت کر دی خدا میرے اور تمہارے اوپر گواہ ہے

امام اور ایک مسئلہ کا جواب

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے بسند معتبر عبداللہ قمی سے نقل کیا ہے کہ میں ایک بار امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے گیا اس وقت حضرت کے پہلو میں ایک صاحبزادے (امام عصر) بیٹھے ہوئے تھے میں نے عرض کی یابن رسول اللہ اس پر کیا دلیل ہے کہ امت باختیار خود اپنا امام مقرر نہیں کر سکتی۔ حضرت نے ان صاحبزادے سے فرمایا اس کا جواب تم دو۔ انھوں نے فرمایا حضرت موسیٰ اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو مومن کامل سمجھ کر اپنے ساتھ طور پر لے گئے تھے لیکن بعد میں وہ منافق ثابت ہوئے پس جب ایک نبی کا انتخاب غلط ہوا تو بھلا غیر معصوم کا تو ذکر ہی کیا۔ میں یہ جواب سنکر حیران رہ گیا۔ میں نے پوچھا یہ صاحبزادہ کون ہیں فرمایا میرے بعد تمہارے امام اور خدا کی آخری حجت یہی ہیں

اعتراضات کے جوابات

(۱)

مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو امام حسن عسکری علیہ السلام کو لاولد کہتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے مہدی نام کے کوئی پیدا ہی نہیں ہوے یہ ایک فرضی نام ہے جس سے شیعوں نے اپنے بہت سے عقائد وابستہ کر لئے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ پیدا ہوئے تھے لیکن کچھ دنوں زندہ رہ کر مر گئے۔

جواب یہ ہے کہ زمانہ کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہتا ورنہ اس زمانہ کی مخلوق پر خدا کی حجت تمام نہیں ہو سکتی کیونکہ سوائے معصوم کے دوسرا صحیح تعلیم نہیں دے سکتا قرآن کہتا ہے انتَ مُنذِرٌ ولکلِّ قومٍ ھادٍ (اے رسول تم ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے) رسول نے فرمایا ہے من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ (جو اس حالت میں مرا کہ اس نے امام زمانہ کو نہ پہچانا تو وہ کفر کی موت مرا) لہذا اگر امام حسن عسکری لاولد تھے تو بتاؤ ان کے بعد کون معصوم ہستی امام زمانہ قرار پائی۔ اگر سلسلہ امامت منصوصہ گیارھویں امام پر ختم ہو گیا تو پھر حضرت کی یہ مسلمہ فریقین حدیث غلط ہو جائیگی کہ میرے بعد میرے بعد میرے بارہ جانشیں ہونگے جو سب اولاد فاطمہ سے ہونگے بروایت جابر انصاری ان کا بارھواں میرا ہمنام ہوگا جو دنیا کو عدل و داد سے اسی طرح بھر دیگا جس طرح وہ ظلم سے بھر چکی ہوگی بیشمار کتب اہلسنت میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے لہذا معترضین بتائیں کہ اگر حضرت امام مہدی علیہ السلام پیدا نہیں ہوے تو یہ بارھواں امام اولاد فاطمہ سے اور کون ہے چونکہ امامت کا سلسلہ بالاتصال ہونا لازم ہے تاکہ زمانہ حجت خدا سے خالی نہ رہے لہذا باب و بہاء اور غلام احمد قادیانی کی امامت مہدویت اور مسیحیت کو اس سلسلہ میں کوئی جگہ نہیں بالخصوص جبکہ حضور سرور انبیاء نے یہ شرط بھی لگا دی کہ میرا بارھواں وہی غائب ہوگا۔ جو زیادہ تفصیلی جواب چاہتے ہوں وہ کتاب صراط السوی۔ عرف الوردی تثبیت الاتراق فی خلیفۃ القرآن دیکھیں

(۲)

اعتراض دوم یہ ہے کہ جب امام آخر الزماں ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے تھے تو اس وقت سے اب تک زندہ کیسے ہیں ایک آدمی کی اتنی طویل عمر کیسے ہو سکتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض وہی شخص کر سکتا ہے جو خدا کی قدرت کا قائل نہیں ورنہ جو خدا ہر شے پر قادر ہے وہ جتنی مدت کسی کو چاہے باقی رکھ سکتا ہے حضرت نوح کی عمر ڈھائی ہزار سال تھی قرآن کہتا ہے کہ ساڑھے نو سو برس تک انھوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی آخر اتنے دنوں وہ کیسے زندہ رہے۔ عام لوگ تو اتنی مدت زندہ نہیں رہتے تو کیا قرآن کے اس بیان کو جھٹلا دیا جائے گا۔ اصحاب کہف کا واقعہ بھی قرآن میں پڑھ لیجئے۔ مورخین کہتے ہیں کہ ولادت مسیح سے پانسو برس پہلے یہ لوگ غار میں داخل ہوئے تھے جو آج تک زندہ ہیں اور سو رہے ہیں اور قدرت ان کے پہلو بدلواتی رہتی ہے بلکہ اصحاب کہف کا کیا ذکر ان کا کتا تک زندہ ہے اور اپنے ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہے۔ جناب خضر کا زمانہ حضرت موسیٰ کے وقت سے پہلے کا ہے وہ بھی زندہ ہیں پھر حضرت حجت کے متعلق یہ اعتراض کیوں۔ عمر کی کمی زیادتی کے متعلق جو قانون ہے اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ جناب سلمان کی عمر چار سو سال کی تھی۔ حالانکہ اس عمر کا کوئی ایک آدمی بھی کسی ملک میں نہیں پایا گیا۔

(۳)

جب امام زندہ ہیں تو نظر کیوں نہیں آتے اگر اسی دنیا میں ہیں تو کسی خطہ کے لوگوں کے درمیاں تو رہتے ہونگے۔ سیاحوں نے دنیا کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن شیعوں کے یہ امام کہیں نظر نہ آئے۔

جواب یہ ہے کہ اصحاب کہف جس غار میں چھپے تھے وہ آج تک دمشق میں موجود ہے لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں اور اس یقین کے ساتھ جاتے ہیں کہ وہ اسی غار میں چھپے تھے اور وہ قرآنی بیان کے مطابق ابھی تک وہاں سو رہے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ غار کے اندر جا کر ان کو نہیں دیکھ آتے۔ میلوں لمبی سرنگوں میں ٹارچ لے کر گھس جاتے ہیں اور ادھر سے اُدھر نکل جاتے ہیں اس غار میں ایسا کیوں نہیں کرتے تاکہ یہ پتہ چل جاتا کہ وہ کس حال میں ہیں اگر عام لوگ ایسا نہیں کر سکتے تھے تو سلاطین کے لئے کون مشکل بات تھی آخر آج تک کسی نے یہ جرات کیوں نہ کی اور غیب کے پردہ سے اُنہیں کیوں نہ نکالا اس کا جواب یہی ہوگا کہ بغیر مرضی الٰہی ان غائبین سے کوئی نہیں مل سکتا۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ انبیاء اور ائمہ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ جب تک وہ خود نہ چاہیں کوئی ان کو پہچان نہیں سکتا۔ حضرت یوسف کے بھائی جب مصر میں ان کے سامنے آئے تو باوجود اس کے کہ برسوں حضرت یوسف کے ساتھ رہے تھے مگر ان کو نہ پہچانے۔ لیکن یوسف نے ان کو پہچان لیا قرآن کہتا ہے فعرفہم وہم لہ منکرون چونکہ حضرت یوسف اس وقت اپنے کو پہچنوانا نہیں چاہتے تھے لہذا نہ پہچانا مگر جب انھوں نے چاہا کہ پہچان لیں تو فوراً پہچان گئے اور کہنے لگے ءانک لانت یوسف کیا تم ہی یوسف ہو۔

تیسری مثال حضرت عیسیٰ کی ہے جن ہزاروں بار حضرت عیسیٰ کو دیکھا کر جب سولی دینے کے لئے پکڑنے آئے تو دھوکا کھا گئے اور حضرت عیسیٰ کو نہ پہچان سکے اور ان کی بجائے ایک شخص کو جو اُن سے ملتا جلتا تھا پکڑ کر لے گئے اور سولی پر چڑھا دیا

چوتھی مثال حضرت رسولخدا کی ہے کہ کفار قریش نشانِ قدم سے پتہ لگاتے غار ثور تک پہنچ گئے باوجودیکہ حضرت وہاں موجود تھے مگر قدرت نے کچھ ایسا انتظام کیا کہ کفار ان تک نہ پہنچ سکے پس اسی قسم کا انتظام امام آخر الزماں کے لئے قدرت کی طرف سے ہے

کہ لوگ حضرت تک نہیں پہنچ سکتے

(۴)

کہا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام کو اس لئے غائب کیا گیا تھا کہ حضرت کے قتل ہونے کا اندیشہ تھا لیکن اب تو یہ کھٹکا جاتا رہا اب کیوں غائب ہیں۔

جواب یہ ہے کہ خدا سے پوچھنا چاہیے کہ تو نے اصحاب کہف کو اس لئے غار میں چھپا رکھا تھا کہ دقیانوس بادشاہ سے ان کو قتل کر دیئے کا خوف تھا لیکن اب تو وہ خوف جاتا رہا اب انہیں کیوں نہیں باہر نکالتا اگر خدا کی وہ مصلحت ابھی تک باقی ہے تو حضرت حجت کے متعلق بھی باقی ہے۔ ایک دو کیا اب بھی اہلبیت رسول کے بیشمار دشمن دنیا میں باقی ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

یک حسینے نیست تا گردد شہید　　ورنہ بسیار اند در دنیا یزید

سنت الہیہ یہ ہے کہ جب کسی نعمت کا کفران کیا جاتا ہے تو خدا اس نعمت کو اٹھا لیتا ہے مائدہ آنا اسی لئے بند ہوا۔ من و سلویٰ اسی لئے بند ہوا۔ جب پیغمبر برابر قتل ہوتے رہے تو آخری پیغمبر بھیج کر یہ سلسلہ بند کیا گیا جب خاتم النبیین کے بعد گیارہ امام برابر قتل ہوتے تو آخر تعالیٰ اس نعمت عظمیٰ کو غائب کر دیا گیا ورنہ قتل کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہتا اللہ کی حجتیں آتی رہتیں اور قتل ہوتی رہتیں۔ اب خدا کی حجت آخر قیامت تک پردہ غیب میں باقی رہے گی اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کے ایمان بالغیب کا امتحان ہوتا رہے گا۔ جب اس کی مصلحت ہوگی قائم آل محمد کو ظاہر کر کے ظلم و جور کا خاتمہ کر دے گا۔ حضرت حجت کے متعلق کہنے والے کہتے ہیں جب قتل کا خوف نہیں تو ظاہر کیوں نہیں ہوتے۔ تعجب ہے کہ یہ سوال وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق کیوں نہیں کرتے کہ اب یہودے خوف نہیں رہا تو وہ آسمان سے زمین پر کیوں نہیں لائے جاتے حضرت ادریس کو پردہ غیب سے کیوں نہیں نکالا جاتا حضرت خضر کے چہرہ سے نقاب کیوں نہیں الٹی جاتی۔

(۵)

کہا جاتا ہے کہ امام کے غائب ہونے سے خلق اللہ کو کیا فائدہ حالانکہ جو حجت خدا ہو اس سے فائدہ پہنچنا چاہیے۔ جب ہم امام تک نہیں پہنچ سکے اور تعلیم حاصل نہیں کر سکتے اور ہماری مشکلات میں کام نہیں آتا تو ہمارے لئے اس کا ہونا نہ ہونا برابر

جواب یہ ہے کہ کسی شئے سے فائدہ حاصل کرنے یا اس کے وجود کا اقرار کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہماری نظر کے سامنے بھی ہو اللہ تو ہمارا خالق ہے رازق ہے لیکن ہمارے سامنے نہیں ملائکہ ہمارے سامنے نہیں حالانکہ ہمارے معاملات زندگی میں ان کو بہت دخل ہے جنت دوزخ قیامت۔ جو رو قصور بہت سی چیزیں ہیں کہ ہماری نظر کے سامنے نہیں لیکن ہم ان کے وجود کا اقرار کرتے ہیں ان پر ایمان لاتے ہیں خود ہمارا نفس ہماری نظر سے غائب ہے مگر ہم اس کا وجود مانتے ہیں۔ اب رہا امام غائب سے فائدہ حاصل کرنا تو یہ ہماری کوشش و قابلیت پر منحصر ہے ہم اس کو ایک مثال سے سمجھانا چاہتے ہیں

رات کو بجلی کی روشنی سے ہر گھر جگمگا جاتا ہے۔ یہ بجلی کہاں سے آتی ہے ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا ایک پاور ہاؤس ہوتا ہے جو شہر سے کچھ دور کسی جگہ بنایا جاتا ہے۔ چاہے کسی نے اسے کبھی نہ دیکھا ہو مگر اس کو یقین حاصل ہوتا ہے کہ پاور ہاؤس کہیں ہے ضرور۔ ہر گھر والے کو ضروری ہے کہ وہ بجلی کی روشنی حاصل کرنے کے لئے پہلے اپنے گھر وائرنگ کرائے۔ پھر بجلی کا کنکشن کرائے پھر بلب لگائے

تب اس گھر میں روشنی ہوگی بغیر اس کے ناممکن ہے اگر صرف وائرنگ ہو جائے اور کنکشن نہ ہو تب بھی روشنی نہ ہوگی وگر یہ سب بھی ہو جائے لیکن بلب معمولی شیشہ کا ہو تب بھی مطلب حاصل نہ ہوگا اس لئے جو بلب مخصوص ہے وہی ہونا چاہئے۔ پس اسی طرح امام غائب انوار الٰہیہ کے پاور ہاؤس یا منبع ہیں اگر ان کے نور سے فائدہ حاصل کرنا ہے تو قوت ایمانی کا وائرنگ کرائے اور اپنے دل کو ان کی معرفت کا بلب بنائے کنکشن ہونے کے بعد ان کے نور کا پرتو آپ پر پڑنے لگے ان کو آپ کے تمام حالات کی اطلاع ہوگی جس شکل میں آپ ان سے مدد چاہیں گے وہ کسی نہ کسی ذریعہ سے آپ کی مدد کریں گے اور جو دریافت کرنا چاہیں گے بتا دیں گے اس کی ضرورت نہیں کہ وہ آپ کے سامنے آکر ہی فائدہ پہنچائیں۔ جن لوگوں کو امام زمانہ سے روحانی اور ایمانی تعلق نہیں وہ فائدہ حاصل نہ ہونے پر اپنے کو قصور وار ٹھہرائیں نہ کہ امام کو جس کی جیسی معرفت ویسا ہی اس کا فائدہ

دوسری مثال یہ ہے کہ آفتاب عالم تاب تمام دنیا کو روشن بناتا ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے گھر کے دروازے، کھڑکیاں اور روشندان بند کر کے اندھیرے میں ہو بیٹھے تو یہ اندھیرا اس کا پیدا کردہ ہے نہ کہ سورج کا

تیسری مثال بارش کی ہے اس کے اندر فائدہ بخش اجزا ہوتے ہیں لیکن ہر شے اپنے مادہ اور ظرف کے لحاظ سے فائدہ حاصل کرتی ہے باغ میں پھول کھلتے ہیں کھاری زمین گھاس اُگتی ہے۔

(۶)

کہتے ہیں غائب رہ کر کوئی وجود فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور نہ ہدایت کر سکتا ہے

جواب ایسا اعتراض عدم تدبر کا نتیجہ ہے شیطان جو مردود بارگاہ ہے لوگوں کو برابر بہکاتا رہتا ہے حالانکہ نظر کسی کو نہیں آتا ایک مُضِل کے بحالت غیبت بہکانے پر تو لوگ ایمان رکھتے ہیں لیکن ایک ہادی برحق کے غائب ہو کر ہدایت کرنے کو نہیں مانتے کیسی عجیب بات ہے کس قدر ظلم ہوگا فطرت انسانی پر اگر بہکانے والا تو پوشیدہ طور پر بہکا کر لوگوں کو گمراہ کر سکے لیکن کوئی پوشیدہ ہدایت کرنے والا ایسا نہ ہو کہ ہدایت کر کے ان کو گمراہی سے نکال سکے۔

قرآن کہتا ہے اِنَّ النفس لامارۃ بالسوء (نفس انسانی برائی کا حکم دیتا ہے) یہ برائی کا حکم دینے والا کسی کو نظر نہیں آتا اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ غائب ہو کر کیسے حکم دیتا ہے۔ پس جس طرح نفس غائب ہو کر برائی کی طرف راغب کرتا ہے اسی طرح حجت خدا غائب رہ کر ہدایت کرتے ہیں۔

(۷)

کیا قرآن سے یہ ثابت ہے کہ امام مہدیؑ اس دنیا میں موجود ہیں اور ان کا موجود ہونا ضروری ہے

بے شک قرآن سے ثابت ہے سورۃ انا انزلناہ میں اللہ تعالیٰ شب قدر کے متعلق فرماتا ہے کہ اس رات میں ملائکہ اور روح فرشتہ ہر امر کو لے کر نازل ہوتے رہتے ہیں صبح تک اور سلامتی کا مژدہ لاتے ہیں۔ ذرا مسلمان بتائیں کہ یہ ہر امر فرشتے لاتے کس کے پاس ہیں کوئی انکی منزل تو ہونی چاہئے اور کوئی تو ایسا صاحب الامر ہونا چاہئے جس کے پاس آئیں اور خدا کے ہر امر کو اس سے بیان کریں اگر وہ مہبط ملائکہ امام غائب نہیں تو پھر کون ہے؟ کیا علماء ہیں؟ کیا صوفیائے کرام ہیں کیا سلاطین ہیں کیا امت کے ارباب حل و عقد ہیں اگر ان میں سے کوئی ہے تو کیا وہ معصوم ہیں۔ غیر معصوم کے پاس تو فرشتے نہیں آیا کرتے۔ کیا عہد رسول سے آج تک کسی عالم کسی فقیہ کسی ولی

نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ فلاں شب قدر میں فرشتے میرے گھر میں اترے تھے اور خدا کے یہ احکام لائے تھے۔ اگر ایسا کسی نے نہیں کہا تو معلوم ہوا کہ وہ اولی الامر صاحب وہ معصوم امام ہوتا ہے جس کی اطاعت خدا نے رسول کی اطاعت کی طرح فرض کیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور رسول جیسی اطاعت (اطاعت مطلقہ) اولی الامر کی کرو) ان اولی الامر میں سے کسی نہ کسی کا ہر زمانہ میں پایا جانا ضروری ہے تاکہ ہر شب قدر میں فرشتے اس پر نازل ہوں اور سال آیندہ کے متعلق جو امور ہونے والے ہیں ان سے بیان کر دیں

(۸)

شیطان کو خدا نے وقت معلوم کے دن تک زندہ رہنے کی مہلت دی ہے قیامت تک کی نہیں یعنی قیامت سے پہلے وقت معلوم پر اس کا قتل ہونا یقینی ہے یہ وقت حضرت حجت کے ظہور کے دن ہوگا وہی شیطان کو قتل کریں گے اور اس کے قتل کے بعد ہر قسم کی برائی کا سد باب ہو جائے گا کیونکہ برائی کا وسوسہ تو وہی انسان کے دل میں ڈالتا ہے۔ یہی وہ وقت ہوگا جب تمام ادیان نیست و نابود ہو کر صرف اللہ کا دین اسلام باقی رہے گا کیونکہ اسلام ہے جو فطری دین ہے لوگوں کو بہکانا اور نئے نئے دین بنانا شیطان کا کام تھا جب وہی نہ رہے گا تو پھر اس کے بنائے ہوئے ادیان کہاں رہیں گے نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری اور جب ہی حضرت رسول خدا کی یہ پیشین گوئی حضرت حجت کے متعلق پوری ہوگی یملاء الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت ظلماً و جوراً (زمین عدل و داد سے اتنی ہی زیادہ پر ہو چکی جتنا ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی)۔

تمام شد بعون اللہ تبارک تعالیٰ

مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۷۲ء کو کتابت تمام ہوئی

مسلم پرنٹنگ پریس کراچی